بزیر لنگر و کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

تذکرہ و ملفوظات

ابوالفیض
سید قلندر علی سہروردی

خاور سہروردی

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

تذکرہ و ملفوظات

ابُو الفَیض

سید قلندر علی سہروردیؒ

خاورؔ سہروردی

جملہ حقوق بحق فرزندان مؤلف: حسیب خاور سہروردی و رمیز خاور سہروردی محفوظ

تعداد : پانچ سو (500) اشاعت طبع ثانی 2008ء قیمت :275 روپے
کمپوزنگ : محمد عقیل، سید عادل حسین بخاری، انکشاف کمپوزرز ریواز گارڈن لاہور

ناشران: (1) حسیب خاور سہروردی 695-D کینال ویو لاہور۔ فون: 5421616
(2) رمیز خاور سہروردی 61 یثرب کالونی ملتان روڈ لاہور۔ فون: 7599887

فروخت کنندگان: (1) زین حسیب خاور۔ حسن حسیب خاور (کینال ویو) 5421616
(2) معزر میز خاور 61 یثرب کالونی ملتان روڈ لاہور 7599887
(3) نذیر سنز A-40 اردو بازار لاہور 7123219
(4) سیرت فاؤنڈیشن داتا گنج مارکیٹ لاہور

فہرست مطبوعات خاور سہروردی

		صفحات
1	تذکرہ وملفوظات: ''ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ'' (طبع ثانی)	544
2	تذکرہ وفرمودات: پیر سید احمد شاہ قادریؒ	70
3	یادگار سہروردیہ: حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ کے مشائخین طریقت اور دیگر سہروردی اور کبروی اولیاء کرام کا تذکرہ	704
4	شعاعیں: حمد ونعت، غزلیات اور نظمیں وغیرہ	64
5	فروغ وفراغ : حمد ونعت، غزلیات اور نظمیں وغیرہ	80
6	خاور پارے : قطعات جن میں اکثر طنز ومزاح پر مبنی ہیں	48
7	قندیل خاوری : حمد ونعت، غزلیات، نظمیں اور قطعات وغیرہ	64
8	فیضان عرفان : " " " ایضاً " " " " "	64
9	نوری زاویے : " " " ایضاً " " " " "	80
10	کڑوے گھونٹ: طنز ومزاح پر مبنی قطعات اور نظمیں	96

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر ''تذکرہ وملفوظات'' کے متعلق چند آراء

۱۔ ادیبِ شہیر ممتاز مفتی (اسلام آباد)

روزانہ چار صفحات سے زیادہ نہیں پڑھ سکتا' چونکہ جو تاثر پیدا ہوتا ہے وہ قیام کا مطالبہ کرتا ہے۔ پڑھنا اور بات ہے' تاثر حاصل کرنا اور بات۔ لہٰذا میں نے اس کتاب کو Bed Book بنالیا ہے۔ کچھ کتابیں ایسی ہیں جو لکھی نہیں گئیں بلکہ لکھوائی گئی ہیں۔ آپ کی کتاب بھی اُن میں سے ہے۔ جو تاثر مجھے اس کتاب سے مل رہا ہے' اُس کی نوعیت کچھ ایسی ہے' جیسے مل نہ رہا ہو بلکہ دیا جا رہا ہو۔ دینے والے آپ نہیں بلکہ ''صاحبِ کتاب'' ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''صاحبِ کتاب'' بذاتِ خود کتاب میں موجود ہیں۔ ظاہر ہے کہ اُنہوں نے کتاب کو اس حد تک اپنا لیا ہے۔

۲۔ خان محمد اشرف خان علی زئی ہری پور ہزارہ مصنف ''فتراکِ رسول''

الحمد للہ کہ میں نے اس کتاب کو از اول تا آخر بڑی سنجیدگی' شوق' محبت اور عقیدت سے پڑھا۔ درحقیقت آپ نے اُن خوش بختوں پر بے حد احسان فرمایا ہے' جن کی قسمت میں اسے پڑھنا مقدر ہے' یہ ایک نہایت دشوار کام تھا جسے آپ نے نہایت احسن طریق پر سرانجام دیا ہے اور شاید حضرت صاحب قبلہؒ کی یہ کرامت ہے جو آپ سے یہ کام ہو سکا جن کی نورانی محفلوں کی یہ روئیداد ہے۔ شاید یہ زندگی میں پہلی کتاب ہے جس سے میں حرف بحرف متفق ہوں۔ میرا اندازہ ہے کہ کسی ولی اللہ کے فرمودات کو (اُردو میں) اس خوبصورتی' دلنشیں اور دلفریب انداز سے شاید ہی کسی نے بیان کیا ہو۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قاری اُس ملکوتی مجلس میں خود شریک ہے۔ عالمِ ارواح کا تعلق نمایاں نظر آتا ہے اور میرے دل میں یہ حسرت بار بار آئی کہ کاش میں بھی اس آستانہء عالیہ کا خوشہ چین ہوتا۔ دکھ اس بات کا ہے کہ میں ۱۹۵۸ء میں دو تین دفعہ قلعہ گوجر سنگھ لاہور اپنے ایک دوست سید مخزن العلومؒ کے ہاں گیا مگر اس آفتابِ عالم تاب کی روشنی سے فیض حاصل نہ کر سکا۔ قصور کس کا؟ علامہ اقبالؒ کا فتویٰ ہے:۔

نہ تھا اگر تُو شریکِ محفل' قصور تیرا ہے یا کہ میرا؟ مرا طریقہ نہیں' کہ رکھ لوں' کسی کی خاطر مئے شبانہ

۳۔ پیر طریقت سہروردیہ الحاج چودھری محمد شفیع سہروردی فیصل آباد

The book is simply splendid in all respect and is a perfect answer to the request:-

باز گو از نجد و از یارانِ نجد　　تا در و دیوار را آری بہ وجد

۴۔ پیر طریقت سہروردیہ سید ممتاز حسین شاہ سہروردی خانیوال

احقر نے پوری کتاب کا بغور مطالعہ کیا۔ ماشاء اللہ بہت عمدہ پیرائے میں ترتیب دی ہے۔ بعض مقامات پر آنکھیں نم دار ہوتی رہیں۔ بعض اوقات تو معلوم ہوا کہ بہ نفس نفیس سرکار علیہ رحمتہ بیان فرما رہے ہیں۔ ایسے مواقع پر حضرت قبلہؒ کے تصور نے حقیقت کا روپ دھار لیا، جس سے ثابت ہوا کہ یہ کتاب بھی سرکار کی خاصی توجہ میں تحریر ہوئی ہے اور یقیناً اُن کاموں میں سے ایک اہم کام ہے جس کا حضرت قبلہؒ نے آپ سے لینے کا بار بار تذکرہ فرمایا۔

۵۔ پیر طریقت سہروردیہ صوفی عبدالکریم مرزا سہروردی المعروف ''بر ماوالے پیر'' لاہور

I am completly satisfied and extremely happy over the publication of this book. While reading it, one is mentaly transported to the happy past when the "MIR MAJLIS" was physically present in our midst.

۶۔ ''مؤرخ لاہور'' میاں محمد دین کلیم لاہوری

کتاب دیکھی، مسرت ہوئی۔ آپ نے صوفی صاحب کے تمام کوائف اکھٹے کر دیئے ہیں۔ مجھے اس تصنیفِ لطیف کی ضرورت ہے۔ اس کا رکھنا میرے لئے ضروری ہے۔

۷۔ اُستاد و مصنف میاں محمد نعیم طاہر سہروردی سنجر پور

آپ نے یہ ملفوظات بہت اچھے طریقے سے ترتیب دیئے ہیں، گویا ''صاحب کتاب'' پڑھنے والے سے ہی مخاطب ہیں۔ آپ نے سلسلہء سہروردیہ کا بہت بڑا کام کیا ہے۔ حضرت جلال الدین مخدوم جہانیاں ''جہاں گشت'' سہروردیؒ کے ملفوظات کے تقریباً چھ، سات سو سال کے بعد کسی سہروردی بزرگ کے یہ پہلے ملفوظات ہیں جو ضبطِ تحریر میں آئے ہیں کیونکہ سہروردی بزرگ شہری آبادیوں سے دور رہے اور قلم کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

مختلف آراء ۳ ترتیب ۵ انتساب ۹
شعرِ گرامی ۱۰ تعارف مصنف (ممتاز مفتی) ۱۱ مقصدِ تالیف ۱۴

مجھے کہنا ہے کچھ ۱۵

بہار آمد ۱۶ عمل سے فارغ ۱۷ نقطہ نگاہ سے ۱۸
سبب تالیف ۲۰ مراحل ۲۴ ایک وضاحت ۲۵
دیباچہ طبع ثانی ۲۶
آبائی حالات ۲۶ مشرب ۲۹ سلسلہ طریقت ۲۹

ظہور مبارک ۲۹

مبشرات ۲۹ ولادت باسعادت ۳۱

مختصر حالات زندگی ۳۲

ابتدائی تعلیم ۳۲ طالب علمی کے دو واقعات ۳۲
سفر دیوبند ۳۳ دارالعلوم بریلی میں ۳۴ حقہ نوشی ۳۴
اعلیٰ حضرت و دیگر علماء کی خدمت میں ۳۵ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت ۳۶ ایک ہم جماعت مجذوب ۳۷ حسین شاہ وارث شاہ ۳۸ تلاش مرشد ۴۰ سلسلہ بیعت ۴۰ ہونہار بروا ۴۲
بیعت سلسلہ سہروردیہ ۴۱ حسنِ مجاز ۴۲ شادی ۴۲
تصور شیخ ۴۲ انگلیوں میں درد ۴۲ شاباش بیٹا! ۴۳
دورِ ابتلاء کے اثرات ۴۳ فوجی سپاہیوں کو درس ۴۴
موئے مبارک والا نگینہ ۴۴ خصوصی سبق ۴۵ ورود لاہور ۴۶
امامت خطابت ۴۷ گاہے چنیں گاہے چناں ۴۷ خلافتِ سہروردیہ ۴۷
صاحب مزار سے ملاقات ۴۷ عطائے خطاب ۴۹ "الفقیر" ۵۰
در رزق و معرفت ۵۰ زیارتِ انبیاء ۵۱ شاردا ایکٹ ۵۱
انجیل برنباس ۵۲ کشف باطن ۵۳ رزاقِ مطلق ۵۳
ادائے حج ۵۴ مدینہ منورہ میں ۵۵ شب جائے کہ من بودم ۵۶
مخلوط طواف ۵۶ اپنی اصلاح ۵۶ دو گونہ عذاب ۵۷
حضرت خاتون جنتؓ ۵۷

قوالی اور سہروردی حضرات ۵۹

امتیازی خصوصیت ۶۲ انازی قوال ۶۳ سید احمد شاہ قادریؒ ۶۵

چہار سلاسل کی دینی خدمات ۶۷

سلسلہ سہروردیہ پر اجمالی نظر ۶۹

بانی سلسلہ ۶۹ حضرت شیخ الشیوخ ۶۹ تبلیغی سرگرمیاں ۶۹
در خطہ پنجاب و سندھ ۷۱ در خطہ بنگال ۷۲ حضرت کاکا صاحبؒ ۷۲
شاہ دولا گجراتی ۷۲ بابا جنگو شاہؒ ۷۳

سہروردیوں میں اہلِ قلم کی کمی ۷۴

عوام کی کم شناسی ۷۶ دیگر پیر بھائی ۷۸ مجدد سلسلہ سہروردیہ ۷۹
قرعہ فال بنامِ من ۷۹

سلسلہ روز و شب ۸۰

خضر طریقت ۸۳

زندگی آمد برائے بندگی ۸۳

فی صلوٰتہم دائمون ۸۳ منفرد عمل ۸۴ سچی توبہ ۸۵
بے گناہ ۸۶ کتیا کے بدلے ۱۸۶ اعمال حسنہ ۸۸ تربیت باطنی ۸۸

اخلاصِ عمل ۹۰

صداقت ۹۰ انکسار ۹۱ ایسی نماز سے گذر ۹۱
حضوری و عدم حضوری ۹۲ اُذکرہ ۹۲ دیار روشن ۹۳
طریقت با شریعت ۹۳ خرقہ ۹۵

من عرف نفسہٗ ۹۷

شعور ۹۷ مقامات اور بھی ہیں ۹۸ قم الیل ۹۹
قلب ۱۰۰ ہے۔ ہو۔ ہیں ۱۰۱ علم ظاہر و باطن ۱۰۱
صحیح تعلق ۱۰۳ کیا فائدہ ۱۰۴ علم باطن کب ۱۰۵
لاہیت ۱۰۷ تصور کا جواز ۱۰۸ تصویر اور تصور ۱۰۹
حضوری و حقیقت ۱۱۰ دورنگی ۱۱۰ نفسِ مطمئنہ ۱۱۱
صحیح درویشی ۱۱۲ دو خدا ۱۱۳ اپنا تخیل ۱۱۵
خدا خواہی ۱۱۶ مردِ ناخدا ۱۱۷ وظیفہ ۱۱۷
اسماء الحسنیٰ ۱۱۸ یا کبار ۱۱۹ اینوی ای ۱۲۰
طریق اپنا اپنا ۱۲۱ خرد فرو ماند ۱۲۲ مراقبہ ۱۲۳
تصور ۱۲۵ دسواں دوار ۱۲۵
خواب نوم غنود و شہود ۱۲۸ حقہ پیتے درود شریف ۲۸

اولیا را ہست قدرت از الٰہ ۱۳۰

دفعہ ۳۰، ۱۴۴ـ۱۳۰ عظمتِ انسان ۱۳۲

سلطنت ہی بدل لو ۱۳۳ زیاں دارد ۱۳۴ غیبی سند ۱۳۵

کیوں دِتو ۱۳۶ صحیح لگاؤ ۱۳۷ وسیلہ ۱۳۹ سردار کہاں ہے ۱۴۰

تقدس وفضیلت ۱۴۱

بہشتی دروازہ ۱۴۱ قبروں میں زندہ ۱۴۲ الی النور ۱۴۳

اپنی واردات ۱۴۴ گیس روشن ۱۴۴ بارش بند ۱۴۵

ہاتھ تیرا کام میرا ۱۴۵ یہ بلندی یہ انکسار ۱۴۶

وقتی افعال ۱۴۷

سجدۂ تعظیمی ۱۴۷ بذریعہ ارواح ۱۴۸ رب بھی دکھا دینگے ۱۴۹

شجر بیت الرضوان ۱۵۰ سوائی آنکھ ۱۵۰ انا الحق ۱۵۱

میں اَلبا ۱۵۲

سالکِ راہ ہوشیار ۱۵۳

بیعت کی غرض ۱۵۳ بے دلیل ۱۵۵ لاحول ولا ۱۵۶

بیعت کا احسان ۱۵۷ اندر والا کتا ۱۵۷ بہ ایں پیری ۱۵۸

قال را بگذار ۱۵۸ ماں کی سوکن ۱۵۹ پردے میں کام ۱۶۰

پہلے کتا نکالو ۱۶۰ داغ ۱۶۱ کلمۂ تمجید پڑھا کر ۱۶۲

لبیک یا عبدی ۱۶۲ نیکی کرنا مشکل ۱۶۳ ڈانگ نال ننڈ ۱۶۴

مار میں لذت ۱۶۵ رحمت کا صدقہ ۱۶۶ محبوبے ندارد ۱۶۶

حسن پسند ۱۶۷ تسبیح کا دانہ ۱۶۸ بالغ ۱۶۹

یہ بڑے نصیب کی بات ہے ۱۷۱

حقیقت کی طرف ۱۷۱ حصہ اسکے پاس ۱۷۱ پیر نہیں مرد ا ۱۷۳

پشت پر ہاتھ ۱۷۴

طاؤس فقط رنگ ۱۷۴

درویشی یاد کا ندار ۱۷۴ چوں بہ خلوت ۱۷۶ کھوٹہ سکہ ۱۷۷

خود فریبی ۱۷۸ پرکھ ۱۷۹

مجذوبیت ۱۸۱

مجذوبیت کا رنگ ۱۸۱ احسان نہ جتا ۱۸۲ نہ دوستی نہ دشمنی ۱۸۳

مسندِ ارشاد ۱۸۳

زاغ ۱۸۳ پلپے دا بلبہا ۱۸۵ کتنا ثواب ۱۸۶

عامل اور عملیات ۱۸۶

موکل جنات ۱۸۶ گھاٹے کا سودا ۱۸۸ رقم غائب ۱۸۸

عامل ختم ۱۸۹ گورنر کی کتیا ۱۹۰

جنات کا اثر ۱۹۱ قوالی میں حال ۱۹۱

بیعت کے متعلق ۱۹۲

بیعت القبور ۱۹۲ بیعت مستورات ۱۹۳ بیعت توڑنا ۱۹۳

مفسرِ حقیقت ۱۹۴

رؤیت ومعرفت ۱۹۴ تفکر وتدبر ۱۹۶ ثبوت ہستی باری تعالیٰ ۱۹۷

وحدت الوجود ۱۹۹ توحید ۲۰۱ ذات وصفات ۲۰۳

احد وواحد میں فرق ۲۰۳ اللہ الصمد ۲۰۴ لوحِ محفوظ ۲۰۴

حروفِ مقطعات ۲۰۷ کشف ساق ۲۰۷ کرسی ۲۰۸

مواد یا مادہ ۲۰۹ روح اور جسم ۲۱۰ برزخ ۲۱۲

حیاتِ شہداء ۲۱۴ دوبارہ غسل ۲۱۵ لباسِ محشر ۲۱۶

فوت شدہ کنواریاں ۲۱۷

تعبیر خواب ۲۱۹

رویائے صادقہ ۲۱۹

خواب کا مقصد ۲۱۹ حقائق بذریعہ خواب ۲۲۰

علم خواب نبوت کا معجزہ ۲۲۰ گفتہ او گفتہ اللہ ۲۲۲

از تقرب شاہاں حذر ۲۲۳ فوڈ کنٹرولر ۲۲۴ خواب در خواب ۲۲۵

متفرق خوابیں ۲۲۶

خواب میں حکم ۲۲۶ قبر دیکھنا ۲۲۶ فاختہ اُڑنے کو ۲۲۷

خواب میں علاج ۲۲۷ پاخانہ نکلنا ۲۲۸

اُلٹی سیدھی لکیریں ۲۲۸ خواب کنیز کا نہیں ۲۲۸

عالمِ بے بدل ۲۳۰

محمد نہ ہوتے خدائی نہ ہوتی ۲۳۰

اولیت خلق ۲۳۰ عرفان ۲۳۰ نور اولین ۲۳۱

فضیلتِ آدم ۲۳۱ معصومیتِ آدم ۲۳۳ آدم اور حوا کی

وجہ تسمیہ ۲۳۵ اقسام مخلوق ۲۳۷

ابن مریم ۲۳۸

نزول حضرت عیسیٰ ۲۳۸ نشانی ۲۳۹ ولادت حضرت عیسیٰ ۲۴۰

عبد دیگر عبدہ دیگر ۲۴۲ موجودہ انجیل ۲۴۲

اصحابِ کہف ۲۴۴

خیر البشر ۲۴۵

انسانِ کامل ۲۴۵ براۃ العین ۲۴۵ نور اور بشر ۲۴۶

انشراح صدر ۲۴۷ معراج شریف ۲۴۷

مدارج وقوت ۲۵۲

اَنِّیْ لَکَ ہٰذَا ۲۵۲ ھٰذَا لَکَ دعا ۲۵۳ رائی کا دانہ ۲۵۴
یداللہ ۲۵۴ تخت حاضر ۲۵۵ انا عبدہٗ رسول اللہ ۲۵۵
طعام میں برکت ۲۵۷ ذبح بچے زندہ ۲۵۸ ذبح بکری
زندہ ۲۵۹ کھجوروں میں برکت ۲۵۹ پتھروں کا گریہ ۲۶۰

علمِ غیب ۲۶۰

ذاتی نہیں عطائی ۲۶۰ لاش یہاں سے ۲۶۱ مارا گیا ہے ۲۶۲
علمِ کلی ۲۶۳ تبیانا لکل شی ۲۶۴ کیوں لڑ رہے ہو ۲۶۵
کیا ہے؟ کتنی دیر ۲۶۶ ایمان کے دانے ۲۶۶ قیام اول ۲۶۷
مامور من اللہ ۲۶۸ چٹھی لا ۲۶۸ دفن گڑے ۲۶۹
انجینئر وائرسپلائی ۲۶۹ آمد آں یارے ۲۷۰ نشان دہی ۲۷۲
گریہ یعقوب ۲۷۲ علم اولیاء ۲۷۳ چاند ۲۷۴
مستقل نظریہ ۲۷۴ خبردار ۲۷۵ وائرلیس ۲۷۵

حیات النبیؐ ۲۷۶

حاضر ناظر ۲۷۶ حوضِ شمسی ۲۷۷ موئے مبارک ۲۷۸
تم تندرست ہو ۲۷۹ پانی کا لوٹا ۲۸۱ آگاہی ۲۸۱
تین سوال ۲۸۲ صلوٰۃ علیہ ۲۸۵ درود وسلام ۲۸۶
سہولت ۲۸۸ حضور کا نام لینا ۲۸۹ فقہ اسلامی بنو فاطمی ۲۹۱
افضلیت ۲۹۳ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا نکاح ۲۹۳
ابوطالب ۲۹۴ رسالت کی حفاظت ۲۹۵ اہل بیت ۲۹۶

حسنات وسیئات ۲۹۸

عشقِ مجازی ۲۹۸ گناہ کیا ہے ۲۹۸ نیکیاں برائیوں کی قاطع ۲۹۸
رعایت ۳۰۰ رحمت وعدل ۳۰۱ قرأت وتجوید ۳۰۳

فقیہ بے مثل ۳۰۶

صوم وصلوٰۃ ۳۰۶

اوقاتِ نماز ۳۰۶ سینگ ۳۰۷ فجر کی سنتیں ۳۰۸
نماز جمعہ ۳۰۹ قضا عمری ۳۱۱ سفر میں نماز ۳۱۲
سواری پر نماز ۳۱۳ نماز اور وضو ۳۱۴ طہارت ۳۱۵
ٹیکہ اور روزہ ۳۱۶ حج ۳۱۸ حجر اسود ۳۲۱
شب برات ۳۲۱ لیلۃ القدر ۳۲۳ آخری چہار شنبہ ۳۲۴
زینت دنیا ۳۲۴ نکاح ۳۲۶ خطبہ نکاح ۳۲۷ مسلمان عورت
کے حقوق ۳۲۸ ادائیگی مہر ۳۳۱ اہل کتاب سے نکاح ۳۳۲
اہل کتاب وہندو کا کھانا ۳۳۳ ہندو مت لایعنی ۳۳۴
اقسام طلاق ۳۳۵ دوسرے نکاح میں قربت ۳۳۵ دوبارہ
نکاح ۳۳۷ والدین کے کہنے پر طلاق ۳۳۸ اولی الامر ۳۴۱

وراثت ۳۴۳

ناجائز بچہ اور وراثت ۳۴۳ منسوب جوڑ ۳۴۱ نسب وراثت
۳۴۴ رنڈی کا بچہ ۳۴۴ اور کوئی عورت ۳۴۵ لونڈیاں ۳۴۵
ام الولد ۳۴۵ قصور کس کا ۳۴۶ اسلامی یا مسلمان کی حکومت
اور جہاد ۳۴۶ وصیت ۳۴۷ غازی علم الدین شہیدؒ ۳۴۷

ایصال ثواب ۳۴۹

کوڑا وٹہ ۳۴۹ گیارھویں شریف ۳۵۰ ایک پلیٹ ۳۵۰

سُود ۳۵۱

کاروباری حصے ۳۵۱ بینک کا پیسہ ۳۵۲ سودی کاروبار ۳۵۲
سمال سیونگ سکیم ۳۵۳ سروس گریجوئی ۳۵۳ رہن ۳۵۴
بینک کی ملازمت ۳۵۴ فسق جزوی ۳۵۵ سود کی کتابت ۳۵۶
ورک مین سوسائٹی ۳۵۶ پنشن یا فنڈ ۳۵۷ پوسٹل ڈیپازٹ ۳۵۸

متفرق مسائل ۳۶۰

عقیقہ ۳۶۰ شہپر ۳۶۱ پانی کا صدقہ ۳۶۱
صدقہ ۳۶۲ کھالیں ۳۶۲ قبرستان میں نماز ۳۶۲
قرأت مسنون ۳۶۲ پگڑی ۳۶۳ کلاہ زری ۳۶۳
رولڈ گولڈ گھڑیاں ۳۶۳ بدعت ۳۶۳

معلمِ اخلاق ۳۶۵

ماں کی دعا ۳۶۵

حضرت شیخ الشیوخؒ کیلئے ۳۶۵ حضرت میانمیرؒ کیلئے ۳۶۵
بڑے میاںؒ کیلئے ۳۶۶ امام قشیریؒ کیلئے ۳۶۶ امانت
آخری کتب خانہ ۳۶۷ قادر مطلق ۳۶۸ مروڑ ۳۶۹
دودھ ہی دودھ ۳۷۰ کارساز ۳۷۱ حکمت الٰہی ۳۷۲
آداب محفل ۳۷۳ ایفائے عہد ۳۷۳ جواب کا سلیقہ ۳۷۴
جاگ ۳۷۵ رزق حلال ۳۷۶ بامقصد کتابیں ۳۷۷
کاروباری مصلحتیں ۳۷۸ محاوراتی زبان ۳۷۸

وعلیکم السلام ۳۸۰

جشت کا احساس ۳۸۰ انسائیکلوپیڈیا ۳۸۱ قرعۃ الواعظین ۳۸۱
زینت عاشق ومعشوق ۳۸۳ برتھ کنٹرول ۳۸۴ مقام والے کا
تجسس ۳۸۵ من کل الوجوہ ۳۸۶ باگ ڈور ۳۸۷ طوفان
میں کنارے ۳۸۷ سلسلہ نوشائیہ ۳۸۷

لخت لخت ۳۸۹

قلندرانہ ادائیں ۳۸۹ جیتا جاگتا ۳۸۹ لاتوں کے بھوت ۳۸۹
نتیجہ ۳۹۰ نیک ہوگا ۳۹۰ مسلمان ۳۹۰
جیسا پیر ویسا مرید ۳۹۱ سانگ ۳۹۱ رحمت را بہانہ ۳۹۱
حدود ۳۹۲ فقیر بے نیاز ۳۹۲ پختگی عمل ۳۹۳
خوف ۳۹۳ آثار قیامت ۳۹۳ فطری محبت ۳۹۴
ٹیڑھی پسلی ۳۹۴ فتویٰ کہ عمل ۳۹۵ برداشت ۳۹۵
استحقاق ۳۹۵ قرآن کی منزل یوں ۳۹۶ تعمیل پھر اپیل ۳۹۶
حقیقت کے قریب ۳۹۶ خالص تعلق ۳۹۶ تمنا یہ کرو ۳۹۷
صرف نبی معصوم ۳۹۷ محبت اور عشق ۳۹۷ محبت نا فراموش ۳۹۸ رمضان و عید کا چاند ۳۹۹ کون آگے ۳۹۹
انا للہ ۴۰۰ ڈھول کا پول ۴۰۲ دلوں کے جاسوس ۴۰۲

خندہ ہائے گل ۴۰۳

غیر مقلد ۴۰۳ چھٹا رکن ۴۰۳ نصیب اپنا ۴۰۴
انا ارسلنا نوح ۴۰۴ کتنے عربی نہیں جانتے ۴۰۵ بھنگ نوں ستے خیراں ۴۰۵ ہمارا حسین زندہ ہے ۴۰۶ وہم ۴۰۶
کھانے کا وقت ۴۰۷ روٹی یا ایمان ۴۰۷
عورت اور جنت ۴۰۷ رحمت اللہ ۴۰۸

جستہ جستہ ۴۰۹

نقال ۴۰۹ نسبتِ اعلیٰ ۴۱۰ فتح اور شکست ۴۱۱
چوں چوں ۴۱۲ موت سے پیار ۴۱۴ کھرا کھوٹہ ۴۱۶
نصیب یا قسمت ۴۱۷ بے اعتدالی ۴۱۸ رسمی اسلام ۴۱۹
سنّوں سمیت ۴۲۰

حضورؐ کی غلامی شرطِ اول ۴۲۱

پینشن ضبط ۴۲۱ سرکارِ دو عالمؐ کا باغی ۴۲۲ شاہراہ ۴۲۲
قائداعظم پر قرآن خوانی ۴۲۳ گاندھی ۴۲۴

معذرت کے ساتھ ۴۲۵

شکایت کیسی ۴۲۵ میں نہ مانوں ۴۲۶ چشمِ ما روشن ۴۲۸
اُردو میں نماز ۴۲۹ قرآن بغیر عربی متن ۴۳۰ تاویل ۴۳۰
ہر سال کا ماتم ۴۳۱ اللہ اللہ کرو ۴۳۱ بے تکی تفسیریں ۴۳۲

نبوت کا ذبہ ۴۳۳

نبوت پر ہاتھ ۴۳۳ شجرۃ الزقوم ۴۳۴ مُرتد ۴۳۵
ادب گاہیست ۴۳۶ نیمے دروں نیمے بروں ۴۳۷ ضربِ عضب ۴۳۸

طبیبِ ظاہری ۴۴۰

انوکھا سلسلہ ۴۴۰ طریق اسلاف ۴۴۰ اسقاط ۴۴۳
مسیحائی ۴۴۳ تجاوز ۴۴۴ عقرب گزیدہ ۴۴۵
تاثیر کلام ۴۴۵ آسیب زدہ ۴۴۷ معاہدہ ۴۴۷
سگ گزیدہ ۴۴۷ سورہ شفا ۴۴۹ اسہال ۴۴۹
بھیکڑ ۴۴۹ متفرق نسخہ جات ۴۵۰

وما علینا الا البلاغ ۴۵۳

حال و قال ۴۵۳ عرس مبارک ۴۵۴ ایک خطبہ صدارت ۴۵۵
اصلاح ۴۵۸ بابرکت ۴۵۹ مذاقِ فنونِ لطیفہ ۴۵۹
نائیل پیچ ۴۵۹ لیٹر ہیڈ پیڈ ۴۶۰

صاحبِ قلم ۴۶۱

تصنیفات ۴۶۱ ایک غیر مطبوعہ نظم ۴۶۶ برکاتِ مطالعہ ۴۶۷
رہنمائی ۴۶۸

رختِ خویش بر بستم ۴۷۰

سالِ وداع ۴۷۰ ہجرت کا خیال ۴۷۱ آخری ایام ۴۷۳
سپردگی ءامانت ۴۷۴

یومِ وصال ۴۷۵

آخری ملاقات ۴۷۵ آخری نشست ۴۷۶ تاثرات ۴۷۶
آخری لمحات ۴۷۷ اعلانِ وصال ۴۷۸ غسل مبارک ۴۷۸
مدفن ۴۷۸ جنازہ ۴۸۰ تدفین ۴۸۰ مجاوری ۴۸۱
پہلا ختم شریف ۴۸۱ سجادہ نشینی ۴۸۲ مزار شریف ۴۸۲

اہل و عیال ۴۸۳

محترمہ اماں جیؒ ۴۸۳ اولاد ۴۸۳

صاحبانِ تلقین و ارشاد ۴۸۴

خلفاء مجاز ۴۸۴ مزید برآں ۴۸۶ صوفی حضرات ۴۸۷ مریدین ۴۸۸

بر مزارِ ما ۴۸۸

ہجوم عاشقاں ۴۸۸ ختم شریف ۴۹۰ مناجات اسماء الحسنیٰ ۴۹۲
شجرہ شریف سہروردیہ منظوم ۴۹۵

ذکر اُس پری وش کا ۵۰۴

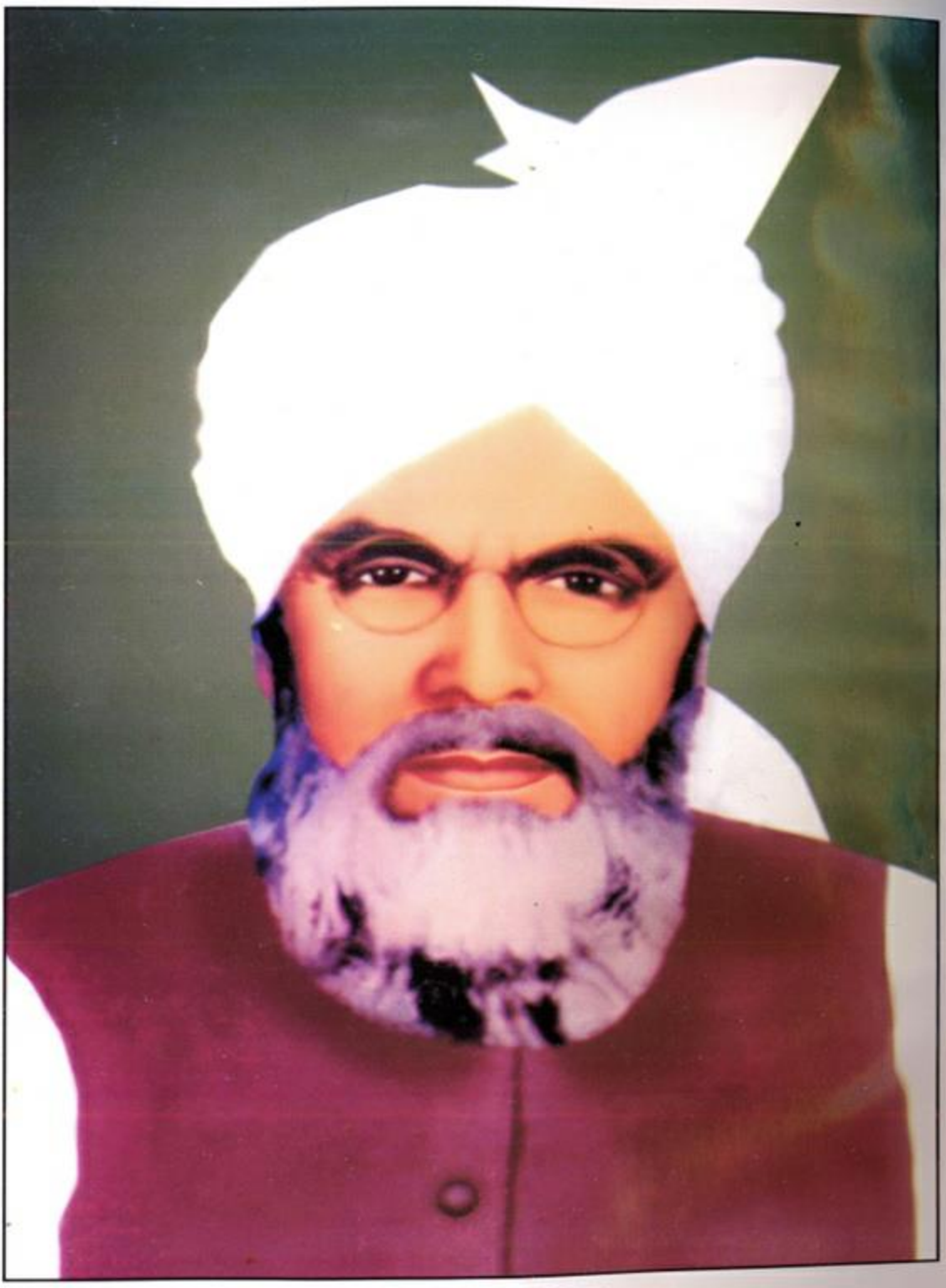
ابوالفیض قلندر ۵۰۴ روپے کی ریل پیل ۵۰۵ یوں بھی ہوتا ہے ۵۰۷
دھیاں پتر ۵۰۷ یہی حلیہ ہے نا؟ ۵۰۸ دودھ والیاں گاواں ۵۰۸
کامل پیر ۵۰۸ بندہ بن جا ۵۰۹ لاتبدیلا ۵۱۰ دوبارہ فرض ۵۱۱
سالک بے خبر نبود ۵۱۱ قلندرانہ ادائیں سکندرانہ جلال ۵۱۳
سانپ ہی سانپ ۵۱۴ داڑھی ۵۱۶ شیخ المشائخ پیر قلندر ۵۱۷

از زبانِ دیگراں ۵۲۱

آبِ شیریں ۵۲۱ چراغِ دکن ۵۲۲ میں اس کرم کے قابل ۵۲۳
بچہ تندرست ۵۲۵ ٹھیک ٹھاک ۵۲۵ یہ پُراسرار بندے ۵۲۶
شانِ قلندری ۵۲۸ قصیدہ مدحیہ ۵۳۰

تکملہ ۵۳۱

آخری اصلاح کردہ مقالہ ۵۳۱ شجرۂ طریقت ۵۳۶
شجرہ نسب ۵۴۰ راقم الحروف کے آبائی حالات و شجرۂ نسب ۵۴۲



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

کوشش میری باقی ان کا

بہ نذرِ قبلہء عالم:

''غوثِ زماں'' قطب الاقطاب
مجددِ سلسلہء سہروردیہ ''قلندر رسول نما''

شیخ المشائخ حضرت سید

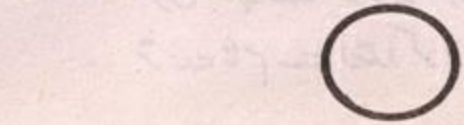
ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ

حضور کا تذکرۂ جمال [1]
اور یہ بندۂ فرومایہ؟

گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں

---

[1] وہ ''بابرکت تذکرۂ جمال'' جس کی طبع اول کی کتابت جولائی ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوئی تو راقم الحروف کو بمعہ بیگم ستمبر ۱۹۸۴ء میں حج کی سعادت نصیب ہوگئی۔ طبع ثانی کی کمپوزنگ جون ۲۰۰۸ء میں مکمل ہوئی تو ہم عمرہ کی سعادت سے نوازے گئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک



در دیدۂ معنی نگراں حضرتِ بُوالفیضؒ
پیمبری کرد و پیمبر نتواں گفت[1]



---

[1] : شعرِ گرامیؒ بادنیٰ تصرف

تعارف مصنف

احسان الحق نام اور خاورؔ تخلص، پنجاب کے مشہور ''قانون گو شیخ'' خاندان سے ہے۔ والد شیخ ناصر الدین محکمہ انہار میں ضلعدار تھے اور دادا شیخ تاج الدین تحصیلدار۔ پیدائش ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء[1] کو اپنے آبائی مکان محلّہ دھارووال سیالکوٹ شہر میں ہوئی۔ والد کی ملازمت کی وجہ سے بچپن سیالکوٹ سے باہر ہی گزرا۔ ان کے ریٹائر ہونے پر ۱۹۳۵ء میں لاہور آ گیا اور پھر لاہور ہی کا ہو کر رہ گیا۔ اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ سے ۱۹۳۹ء میں میٹرک کیا اور اسلامیہ کالج لاہور سے ۱۹۴۱ء میں انٹرمیڈیٹ۔ والد کا سایہ ۱۹۳۸ء میں سر سے اٹھ گیا۔ ساری گھریلو ذمہ داری سر پر آن پڑی۔ لہٰذا مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکا اور کمشنر لاہور ڈویژن کے دفتر میں ملازم ہو گیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۵ء تک بحیثیت ڈسٹرکٹ گیم انسپکٹر محکمہ شکار پنجاب، مختلف جنگلوں کی خاک چھانتا رہا۔ گویا بارہ سال تک بن باس رہا۔ جون ۱۹۵۵ء میں دفتر اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب میں آ گیا۔ مئی ۱۹۶۱ء میں ایس اے ایس کا محکمانہ امتحان پاس کیا اور تادم تحریر مرکزی حکومت کے ڈائریکٹریٹ جنرل واپڈا آڈٹ میں آڈٹ آفیسر ہے۔

خاور سے میری پہلی ملاقات دسمبر ۱۹۵۰ء میں راولپنڈی میں میرے ایک دوست چودھری مظفر الدین ظفر سہروردی کی وساطت سے ہوئی۔ ایک ایسے بے فکرے خوبصورت نوجوان سے جسے زندگی کی رنگینیوں سے ہی دلچسپی تھی۔ بن سنور کے رہنا۔ گپیں ہانکنا اور

---

[1] راقم الحروف کی اصل تاریخ پیدائش ۲ فروری ۱۹۲۴ء بروز اتوار صبح سات بجے ہے۔ والدہ محترمہ (مرحومہ) ۲ فروری کو ہی ہر سال میری پیدائشی سالگرہ کی تقریب کا اہتمام فرماتی تھیں۔ سکول میں داخلے کی مقررہ عمر کم از کم عمر پانچ سال کے پیش نظر تاریخ پیدائش ۱۲ نومبر ۱۹۲۳ء لکھوائی گئی۔

اساتذہ کی غزلیں سنانا۔ خود بھی شعر کہنا، شعر و شاعری کا سلسلہ دوران تعلیم ۱۹۳۹ء میں شروع کیا۔ پہلا مجموعہ کلام ''شعاعیں'' طالب علمی کے دور کی غزلیات اور دور مابعد میں لکھی گئی نعتوں پر مشتمل ہے۔ دوسرا ''فروغ و فراغ'' ہے جس میں غزلیں اور قطعات ہیں۔ دونوں مجموعے ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں [۱]

اس کے دور شباب کے مشاغل اور پھر یکا یک کیفیت حال بدلنے کا ذکر میں نے اپنی کتاب ''لبیک'' کے صفحہ نمبر ۲۷ پر یوں کیا ہے:

خاور

''خاور فیشن زدہ، رومان پسند، آوارہ مزاج نوجوان تھا۔ اسے صرف دو باتوں سے دلچسپی تھی۔ خود بننا سنورنا اور خوبصورت عورتوں کو پھنسانا۔ ایک روز لاہور کی ایک ویران سڑک پر اس نے ایک خوش شکل رنگ رنگیلی عورت کو دیکھا جو بار بار مڑ کر خاور کی طرف دیکھتی اور مسکاتی تھی۔ اسی جاذب توجہ الہڑ کو مائل بہ کرم دیکھ کر خاور اپنی تمام مصروفیات بھول گیا اور اس نازنین کا پیچھا کرنے لگا۔

جب سڑک سنسان ہوگئی تو اس نے چار ایک لمبے ڈگ بھرے اور نازنین کے مقابل جا کر اس کی بانہہ پکڑ لی۔ نازنین نے مسکرا کر خاور کی طرف دیکھا۔

ارے! نازنین کے چہرے پر تو اتنی لمبی داڑھی تھی۔ خاور گھبرا کر پیچھے ہٹا تو نازنین نما بزرگ بولے: نہیں! نہیں!! کوئی فرق نہیں۔ غور سے دیکھو تو کوئی فرق نہیں، بات ایک ہی ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے خاور کی بانہہ پکڑ لی۔ خاور ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا اور آج وہ خود چھاج سی لمبی داڑھی لئے واپڈا کے ایک اکاؤنٹ آفس میں بیٹھا ہے''۔

پیش نظر کتاب میٹھی میٹھی باتیں ہیں، دلرباء ادائیں ہیں اس ''نازنین نما بزرگ'' کی، جس نے خاور کی بانہہ پکڑی۔ اسی کی شوخیء گفتار کو خاور نے جس انداز اور جس ماحول میں سنا، بعینہ بے کم و کاست ہمیں سنا دیا ہے۔ پڑھنے والا یہی محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ خود ہی اس حریم ناز میں موجود ہے اور ان نغمات دلاویز کی ترنم ریزیوں سے براہ راست لطف اندوز ہو رہا ہے۔

---

[۱] ۱۹۹۹ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکے ہیں۔

اسی کا ایک شعر ہے۔

جہانِ رنگ و بو میں حسن فطرت کارفرما ہے
کہ خاور ذرے ذرے کو حسیں کہنا ہی پڑتا ہے

کتاب کے مطالعہ کے بعد بے اختیار یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ میرے سوہنے اللہ کی سوہنی دھرتی کسی وقت بھی حسینوں کے وجود سے خالی نہیں رہتی۔ حسن فطرت کا تقاضا ہے، اس لئے کہ ''اللہ جمیل و یُحبِ الجمال''۔ یہ حسن کی کارفرمائیاں ہیں، کافرانہ ادائیں ہیں جو زندگی میں تنوع اور دلچسپی کا سامان پیدا کر رہی ہیں، ورنہ زندگی بے کیف ہوتی، بے مزہ ہوتی، بے مقصد ہوتی۔ یہ کتاب بھی چونکہ حسن کے ''غمزہ ہائے خوں ریز'' کی عکاسی کرتی ہے، اس لئے اس کا مطالعہ ''تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل'' کے ذوق وشوق میں یقیناً اضافہ کا باعث بنے گا۔

ممتاز مفتی

F-۱/۶ اسلام آباد
۲۵ فروری ۱۹۷۹ء

☆☆☆☆☆☆

مقصد تالیف

یہ ''تحفہء سہروردیہ'' وابستگانِ دامن فقرا کی خدمت میں بالخصوص اور عوام الناس کی خدمت میں بالعموم پیش کیا جارہا ہے تاکہ ان کے ایمان ویقین، عشق رسول اور عشق الٰہی میں مزید اضافہ کا باعث بنے۔ بعض مقامات پر اختلافی مسائل بھی زیر بحث آگئے ہیں، جن کے تذکار سے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا مقصد اصلاح عقائد تھا۔ کسی کی دل آزاری نہیں، اس لئے کہ بقول حکم الامت علامہ اقبالؒ

کھویا گیا جو مطلب ہفتاد و دو ملّت میں
سمجھے گا نہ تو، جب تک بے رنگ نہ ہو ادراک

عوام الناس کے نظریات کا انحصار بالعموم ان کی اپنی دینی وعلمی تحقیق پر نہیں بلکہ زیادہ تر گردوپیش کے ماحول اور ان افکار پر ہے جو انہیں ورثے میں ملے ہیں۔ جملہ اولیائے کرام کا مسلک اہل سنت والجماعت ہے۔ اس لئے اس مسلک کے مخالف مکتبہ ہائے فکر کے حضرات کی خدمت میں گزارش ہے کہ حق کی تلاش چونکہ انسان کا فرض اولین ہے اس لئے وہ ازراہ نوازش اپنے موجود عقائد اور نظریات پر نظر ثانی فرماتے ہوئے غور فرمائیں۔

اخلاصِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را اقبالؒ

وباللہ التوفیق!

خاور سہروردی

☆☆☆☆☆

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں

میں کہ بربادِ نگارانِ دل آرا ہی سہی
میں کہ رسوائے مے و ساغر و مینا ہی سہی
میں کہ مقتولِ گل و نرگسِ شہلا ہی سہی
پھر بھی خاکِ رہِ صاحب نظراں ہوں اے دوست!

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں جہلم میں بطور ڈسٹرکٹ انسپکٹر محکمہ شکار تعینات تھا اور مجی چودھری مظفر الدین ظفر سہروردی کے ساتھ جو ریلوے میں ملازم تھے، رہائش پذیر تھا۔ میرے ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء کے عرصہ حیات کا یہ زمانہ پاکیزہ، مترنم رنگینیوں سے یکسر خالی تھا۔ طبیعت میں ایک جوش تھا کہ تلون پر محمول، ایک جستجو تھی کہ درماندہ، ایک نگہت تھی کہ آوارہ، اک قوت تھی کہ زائل، اک امنگ تھی کہ مضمحل اور اس پر مستزاد یہ کہ:

آرزو اول تو پیدا ہی نہیں ہوتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام

ازل سے انسانی زندگی مسرت و آلام اور اسی نوع کی دوسری کیفیات سے وابستہ رہی ہے۔ آج بھی زندگی انہیں سے مرکب ہے اور آئندہ بھی رہے گی۔ چنانچہ حیاتِ انسانی کا ایک واضح مطمح نظر تلاشِ سکون رہا ہے۔ اسی کے لئے انسان ازل سے آج تک سرگرداں رہا ہے۔ اسی لئے حقیقی سکون کی تلاش اور اس کے لئے جدوجہد گویا ایک فطری امر ہے۔

تلاش و جستجو کے اس سمے، ایک صاحبِ دل بزرگ چودھری محمد شفیع صاحب سہروردی بحیثیت پی، ڈبلیو، آئی محکمہ ریلوے تبدیل ہو کر جہلم آئے۔ یہ مبارک دن ۲۱ ستمبر ۱۹۴۹ء تھا۔ چودھری صاحب ظفر کے پرانے مہربانوں میں سے تھے۔ ان کے کردار کے مختلف پہلو اکثر

اوقات ظفر صاحب کا موضوع گفتگو رہتے جس کی وجہ سے مجھے بھی ان سے غائبانہ لگاؤ ہو گیا اور ان سے ملاقات کی خواہش دل میں چٹکیاں لیتی رہتی۔ چنانچہ ان کی آمد میری اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کا باعث بنی۔

فرصت کے اوقات اکثر ان کی صحبت میں گزرتے۔ چودھری صاحب کے کردار میں جو نمایاں خصوصیت میں نے محسوس کی وہ ان کا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور انتہائی معاملہ فہم وزیرک ہونا ہی نہیں، بلکہ ان کی مذہب سے والہانہ عقیدت اور عمل تھا۔ اس پر ان کی مہمان نوازی اور شگفتہ مزاجی مُستزاد تھی۔ وہ ہنسی مذاق میں فکر و عمل کی دعوت اس رنگ میں دے جاتے کہ ان کے اندازِ تبلیغ کی داد دیئے بغیر بن نہ پڑتی۔ دن گزرتے گئے۔ داد ''تاثیر'' کا رنگ اختیار کرنے لگی اور طبیعت بتدریج اُس ''مرد درویش'' کی طرف کھنچنے لگی جو ہمہ اوقات ان کا موضوعِ گفتگو رہتا۔

بہار آمد نگار آمد:-

مارچ ۱۹۵۰ء کا تیسرا ہفتہ موسم بہار کی رنگینیوں اور رعنائیوں میں اک عجیب رنگِ بہار پیدا کر گیا۔ وہ مظہرِ حسنِ حقیقت، وہ سراپا بہار ہستی، جس کی ہر ادا، ہر لفظ اک مجسم بہار تھا، جہلم تشریف لے آئی، چودھری صاحب کی مہمان بنی اور قیام شب کے بعد نکہتِ رنگ و بو کا طوفان بکھیرتے ہوئے اگلی صبح راولپنڈی کے لئے رختِ سفر باندھا۔ مجھے بھی اس سراپا انجمن ناز کی زیارت کا شوق حریم ناز میں کشاں کشاں کھینچ لایا۔ یہ حسن عالم تاب مرزا غلام محی الدین خلیفہ مجاز اور چودھری صاحب کے جلو میں اپنی پوری تجلیات سے منور، سادہ لباس میں ملبوس، ململ کا کرتہ اور سفید چادر زیب تن کئے، سر پر سیمیں کشیدہ بریلوی ٹوپی، آنکھوں پر ہشت پہلو سنہری فریم شدہ گہرے سبز شیشوں والی عینک لگائے، پاؤں میں براؤن مکیشن اور ہاتھ میں ہاتھی دانت کے دستے والی خوبصورت چھڑی تھامے اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ چودھری صاحب کے بنگلے کے لان میں جلوہ افروز تھا۔

پری پیکر نگارے، سرو قدے، لالہ رخسارے
سراپا آفت دل بود شب جائے کہ من بودم — امیر خسروؒ

حدودِ کوچہ حسن میں قدم رکھتے ہی جب جلوہ ناز کو بے نقاب پایا تو جھک کر ادب سے

سلام عرض کیا۔ حسن جاناں نے زیرلب مسکراہٹ سے سلام کا جواب دیا اور پھر؟ مسکراہٹ کے پھول بکھرتے رہے اور زیبِ گلستان ہوتے رہے۔ گویا یہ میری پہلی ملاقات تھی، میرے اس آنے والے دورِ حیات کا دوراہا، جہاں سے عنقریب ''بعد از حلقہ بگوشی'' اک نئی زندگی نے جنم لینا تھا۔

عمل سے فارغ:-

اسی دن بعد نماز مغرب حضرت قبلہؒ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ میں آزاد منش نوجوان، نہ نماز، نہ روزہ اور نہ کوئی نیک عمل۔ ضمناً عرض خدمت کی کہ قبلہ! مسئلہ تقدیر موجود ہے اور وہی ہونا ہے جو تقدیر میں لکھا ہے تو پھر کسب و اعمال کے جنجال میں پڑنے کا کیا تک ہے؟

ناحق ہم مجبوروں پر کیوں تہمت ہے مختاری کی؟
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

حضور مسکرائے اور فرمایا:

عمل سے فارغ ہوا مسلمان بنا کے تقدیر کا بہانہ

جس چیز کو بندہ نہ جانے اس کے ماتھے لگا دیتا ہے۔ تقدیر کو اگر لوگ صحیح معنوں میں سمجھیں تو یہ نہ کہیں۔ تقدیر کا یہ معنی نہیں کہ کسی پر کوئی چیز ٹھونسی جائے بلکہ تقدیر کا معنی یہ ہے کہ کسی آنے والے وقت میں، کسی آنے والی ہستی کا، اللہ تعالیٰ کے علم میں تعین اور اندازہ..... مثلاً زید آج پیدا ہوتا ہے تو اس نے آئندہ کی زندگی میں جو کچھ کرنا ہے، اس کے متعلق لکھ دیا گیا ہے۔ اس کے اعمال، اللہ تعالیٰ کے علمِ غیب اور اندازہ کی تصدیق کرتے ہیں۔ اس کا علم اس کا عمل نہیں کراتا۔ ایک فعل ہے کرنا اور ایک ہے کرانا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہاں دنیا میں بھیج کر کچھ کام کرنے اور کچھ نہ کرنے کا حکم دے دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ اگر تم یہ کرو گے تو انعام پاؤ گے اور اگر نہیں کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے اور مناہی کے کرنے پر یہ عذاب ہوگا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ رب العزت نے آپ کو کچھ کاموں میں مختار بنا کر بھیجا اور اس مختاری کے تحت ہی فعل کرنا اور کرانا آپ کے ذمے آئے گا۔ اگر وہ کراتا تو آپ ''مامور من اللہ'' ہو جاتے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ آپ کو اختیار ہے کہ اذان ہو تو نماز کے لئے چلے جائیں یا نہ جائیں۔ اب اگر آپ نماز پڑھ لیتے ہیں تو اس کا ثواب مل گیا۔ اگر مسجد جاتے ہوئے

راستے میں کوئی مہلک حادثہ پیش آ گیا' آپ نہ مسجد میں داخل ہو سکے اور نہ نماز میں شامل ہو سکے تو یہ گویا رکاوٹ آ گئی کہ باوجود کوشش کے آپ اس فعل کی انجام دہی سے قاصر رہے۔ مگر آپ کے ثواب میں فرق نہ آیا۔ اس کے برعکس اگر آپ قصداً نہ گئے' وہیں بیٹھے رہے' نماز نہ پڑھی تو آپ ثواب سے خارج اور سزا کے مستحق۔

اسی طرح فرض کیجئے کہ آپ ایک کمرے میں ہیں اور اپنے بیٹے کو کہتے ہیں کہ بیٹا! اس سامنے والے دروازے کے باہر سانپ ہے' اس رستہ سے نہ جانا' دوسرے دروازے سے باہر جانا۔ آپ اپنے بیٹے کی طبیعت سے بخوبی واقف ہیں اور جانتے ہیں کہ یہ ضدی باوجود منع کرنے کے اپنی ہی مرضی کرے گا اور اسی دروازے سے باہر جائے گا جہاں اسے نقصان پہنچ جائے گا۔ گویا اسے اس امر کا اختیار تھا کہ فائدہ یا نقصان والے عمل میں سے جونسا چاہے کر لے۔ لڑکا اپنی مرضی کو بروئے کار لاتے ہوئے سامنے والے دروازے سے ہی باہر جاتا ہے اور نقصان اٹھا لیتا ہے۔ آپ کے علم یا اندازے نے اس سے غلط کام نہیں کرایا بلکہ وہ ایک حد تک مختار ہوتے ہوئے بھی خود ہی نقصان والے فعل کا مرتکب ہوا جس کی اس نے سزا پالی۔ بس یہی عام فہم مسئلہ تقدیر ہے۔

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا:۔

شعر و شاعری کے ذوق کے ناتے' کبھی کبھی گانے والوں اور گانے والیوں سے بلند پایہ کلام سننے چلا جایا کرتا تھا۔ انہیں دنوں جہلم میں چند دوستوں کے ہمراہ ایک طوائف کے بالا خانہ پر گانا سننے کا اتفاق ہوا۔ رات کے گیارہ بجے تھے محفل اپنے ہم خیال' بے تکلف دوستوں پر مشتمل تھی۔ گانے والی الھڑ نوجوان، خوبصورت، خوش گلو، تلفظ عمدہ، بلند ذوق کی مالک اور ادائیگی میں بے ساختہ پن۔ آغاز جگر کی ایک غزل سے کیا۔ ہر شعر پر اہل محفل میں کبھی ایک اور کبھی دوسرے کے قریب آ کر اسے مخاطب بناتی، زبانی داد کے ساتھ نوٹوں کی گردش بھی جاری ہو گئی۔ کم بخت نے گویا محفل لوٹ لی۔ پھر پان کا دور چلا اور اس کے بعد دوسرا گانا۔ عدم کی غزل' مطلع اور دوسرا شعر تھا۔

تری نگاہ سے حالات کو سنواروں گا
مگر یہ قرض بڑی دیر سے اتاروں گا

مری تلاش سے مایوس لوٹنے والے
تری حدود میں آکر تجھے پکاروں گا

ہر شعر کا مخاطب جسے چاہتی وہ بنا لیتی۔ میں اگرچہ ابھی اس دست برد سے بچا ہوا تھا تاہم ذہنی طور پر اس محفل کے ساتھ ہم آہنگ تھا اور پوری طرح لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اب میری باری آگئی۔ میرے سامنے بیٹھ کر اس نے پہلا مصرع پڑھا:

ع ملال ہے کہ خود الجھن میں پھنس گیا ہوں میں

میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دو تین مرتبہ اس مصرع کی تکرار کی اور پھر میرے بالوں کی لِٹ کو اپنی انگلیوں سے جھٹکتے ہوئے ایک خاص ادائے دلربائی سے دوسرا مصرع ادا کیا:

خیال تھا کہ تیری زلف کو سنواروں گا

یقین کیجیے کہ میرے دل پر ایک چوٹ سی لگی' ذہن مجاز کی طرف نہیں حقیقت کی طرف مائل ہو گیا۔ حالت غیر ہو گئی اور آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اس نے سمجھا کہ یہ کیفیت شاید اس کی حسن ادا کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ پورے شعر کی تکرار شروع کر دی۔ میری حالت ہر لمحہ بدلتی گئی۔ رقت بے اختیار ہو گئی اور طبیعت میں ایک عجیب احساس اور کیفیت پیدا ہونے لگی۔ گم سم ہو گیا۔ دوستوں کا ماتھا ٹھنکا کہ شاید حسن ہر جائی کام کر گیا ہے۔ دائیں بائیں بیٹھے ہوئے دوستوں نے از راہ مذاق میرے شانوں پر دو ہتھڑ مارے' جھنجھوڑا بھی' مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ چنانچہ چار و ناچار انہوں نے طوائف کو غزل مکمل کرنے کا اشارہ کیا جس نے بادلِ ناخواستہ مقطع ادا کیا:۔

نہ جام ہے نہ ستارے' نہ کوئی دوست عدمؔ
شبِ حیات میں اب کس طرح گزاروں گا؟

مجھے کوستے ہوئے محفل برخواست ہوئی کہ اس کم بخت نے سارا مزا کرکرا کر دیا ہے۔ ایک آدھ دن یہ کیفیت برقرار رہی مگر پھر طبیعت تھی کہ مچلتی گئی۔ بے تاب ہوتی گئی اور تیسرے یا چوتھے دن چودھری صاحب قبلہ کو عرض کرنا پڑی کہ اب حلقہ بگوشی کے سوا چارہ نہیں۔

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں؟

انہی دنوں چودھری صاحب کا تبادلہ ہوگیا۔ ان سے طے پایا کہ میں لاہور پہنچوں چنانچہ ۱۲ اپریل ۱۹۵۰ء کو حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور اپنی بیٹھک میں ایک بلند پایہ چوبی جائے نماز پر تشریف فرما تھے۔ آس پاس کرسیوں پر لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بجے بعد دوپہر تک لوگوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہا۔ جب سب لوگ چلے گئے تو چودھری صاحب نے معنی خیز ملتجیانہ نگاہوں سے حضور کی طرف دیکھا۔ آپ زیر لب مسکرائے۔

نظریں اٹھیں اور اٹھ کے جھکیں تمکنت کے ساتھ
گویا یہی جواب تھا میرے سوال کا

اور پھر؟

نظر آئیں مجھے تقدیر کی گہرائیاں اس میں
نہ پوچھ اے ہمنشیں مجھ سے وہ چشم سرمہ سا کیا ہے؟

مجھے جائے نماز کے ساتھ قریبی کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ فرمایا اور سبق تلقین فرما کر رخصت کی اجازت بخش دی۔

جنہیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

سببِ تالیف کتاب:۔

بسلسلہ ملازمت مختلف جگہوں پر پھرتا پھراتا آخر ۲۲ جون ۱۹۵۵ء کو تبدیل ہو کر لاہور آ گیا اور اس طرح مجھے حضور کے دربار میں روزانہ حاضری کا شرف حاصل ہوگیا۔ تقریباً ایک سال بعد مجھے اس امر کا احساس ہوا کہ وہ ارشاداتِ عالیہ جو حضرت صاحب قبلہ کی زبانِ فیض رساں و شیریں ترجمان سے نکل کر، نغموں کی طرح ابھرتے، چشموں کی طرح ابلتے اور اہل سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے لئے ان کی روحانی منازل طے کرنے میں مشعل راہ ہیں کیوں نہ زیب قرطاس کروں۔ چنانچہ یہ کوشش درحقیقت اسی احساس کا ظہور ہے۔

بہ ادنیٰ اختصار و تصرف با الفاظ فیض احمد فیض در ''دستِ صبا''

ایک زمانہ ہوا جب غالب نے لکھا تھا کہ جو آنکھ قطرہ میں دجلہ نہیں دیکھ سکتی دیدۂ بینا نہیں

بچوں کا کھیل ہے۔ اگر غالبؔ ہمارے ہم عصر ہوتے تو غالباً کوئی نہ کوئی ناقد ضرور پکار اٹھتا کہ غالب نے بچوں کے کھیل کی توہین کی ہے۔ فنکار کی آنکھ کو قطرے میں دجلہ دیکھنے کی تلقین کرنا صریح پروپیگنڈا ہے۔ اس آنکھ کو تو محض حسن سے غرض ہے اور حسن اگر قطرے میں دکھائی دے جائے تو وہ قطرہ دجلہ کا ہو یا گلی کی بدرو کا' فنکار کو اس سے کیا سروکار؟۔

اگر ان حضرات کا کہنا صحیح ہوتا تو ''آبروئے شیوۂ اہل ہنر'' رہتی یا جاتی۔ اہل ہنر کا کام یقیناً بہت سہل ہو جاتا۔ لیکن خوش قسمتی یا بدقسمتی سے فن سخن (یا کوئی اور فن) بچوں کا کھیل نہیں ہے، اس کے لئے تو غالبؔ کا دیدۂ بینا بھی کافی نہیں۔ اس لئے کافی نہیں کہ فن کار کو قطرے سے دجلہ دیکھنا ہی نہیں' دکھانا بھی ہوتا ہے۔ مزید برآں اگر غالبؔ کے دجلہ سے زندگی اور موجودات کا نظام مراد لیا جائے تو فنکار خود بھی اسی دجلہ کا ایک قطرہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے اَن گنت قطروں سے مل کر' اس دریا کے رخ' اس کے بہاؤ' اس کی ہیئت اور اس کی منزل کے تعین کی ذمہ داری بھی فن کار کے سر آن پڑتی ہے۔

یوں کہیئے کہ فنکار کا کام محض مشاہدہ ہی نہیں مجاہدہ بھی اس پر فرض ہے۔ گرد و پیش کے مضطرب قطروں میں زندگی کے دجلہ کا مشاہدہ اس کی بینائی پر ہے۔ اسے دوسروں کو دکھانا اس کی فنی دسترس پر اس کے بہاؤ میں دخل انداز ہونا اس کے شوق کی صلابت اور لہو کی حرارت پر.....

اور یہ تینوں کام مسلسل کاوش اور جدوجہد چاہتے ہیں۔

نظامِ زندگی کسی حوض کا ٹھہرا ہوا' سنگ بستہ' مقید پانی نہیں ہے جسے تماشائی کی ایک نگاہ غلط انداز احاطہ کر سکے۔ دور دراز' اوجھل' دشوار گزار پہاڑیوں میں برفیں پگھلتی ہیں' چشمے ابلتے ہیں' ندی نالے پتھروں کو چیر کر' چٹانوں کو کاٹ کر' آپس میں ہم کنار ہوتے ہیں اور پھر یہ پانی گھٹتا بڑھتا' گھاٹیوں' وادیوں' جنگلوں اور میدانوں میں سمٹتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے۔ جس دیدۂ بینا نے انسانی تاریخ میں یمِ زندگی کے یہ نقوش و مراحل نہیں دیکھے اس نے دجلہ کا کیا دیکھا ہے؟ پھر فن کار کی نگاہ ان گزشتہ اور حالیہ مقامات تک پہنچ بھی گئی لیکن

ان کی منظر کشی میں نطق و لب نے یاوری نہ کی' یا اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے جسم و جاں جہد و طلب پر راضی نہ ہوئے تو بھی فن کار اپنے فن سے پوری طرح سُرخ رو نہیں''۔

اس طویل و عریض استعارے کو روز مرہ کے الفاظ میں بیان کرنا غیر ضروری ہے لیکن مجھے کہنا صرف یہ ہے کہ حیات انسانی کی اجتماعی جدوجہد کا ادراک اور اس جدوجہد میں حسب توفیق شرکت' زندگی کا تقاضا ہی نہیں فن کا بھی تقاضا ہے۔

فن اس زندگی کا ایک جز اور فنی جدوجہد اسی جدوجہد کا ایک پہلو ہے۔ یہ تقاضا ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ اس لئے طالب فن کے مجاہدے کا کوئی نروان نہیں۔ اس کا فن ایک دائمی کوشش ہے اور مستقل کاوش۔ اس کوشش میں کامرانی یا ناکامی تو اپنی اپنی ہمت و استطاعت پر ہے لیکن کوشش میں مصروف رہنا بہر طور ممکن بھی ہے اور لازم بھی۔

میں وہاں پہنچوں نہ پہنچوں' یہ رہی قسمت کی بات
قابلِ کوشش تو ہوں' ناقابلِ منزل سہی

یہ چند صفحات بھی اسی نوع کی ایک کوشش ہیں۔ ممکن ہے کہ فن کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہونے کی کوشش کے مظاہرے میں بھی نمائش یا خود پسندی کا کوئی پہلو ہی نکلتا ہو لیکن کوشش کیسی ہی حقیر کیوں نہ ہو' زندگی یا فن سے فرار اور شرمساری پر فائق ہے۔

زندگی کے لق و دق صحرا اور حیاتِ مستعار میں انہی کے سہارے' انہی کے بل بوتے اور انہی کی روشنی میں جادۂ پیمائے منزل ہوتا ہوں۔ راہ کٹھن و پر خطر، ماحول خارزار اور منزل دور' لہٰذا تجھ سے تجھی کو مانگتا ہوں مگر تیری رضا کے ساتھ:۔

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد

تکمیلِ کتاب کے مراحل:۔

حضور کے ارشادات مرتب کرنے کا اصرار مدت مدید سے مختلف احباب کی طرف سے ہوتا رہا۔ خلیفہء مجاز حاجی چودھری محمد شفیع صاحب سہروردی نے مجھے لکھا:

Zafar told me that you were compiling a sort of

memoirs of your own, detailing the events of the period of your association with HAZRAT SAHIB. Is it true? If so, it is bound to be a very useful book, because during the last few years, you had the unique honour of being constantly present at HAZRAT SAHIB,s place, during the period people could meet him.

ظفر سہروردی نے مجھے بتایا کہ ممتاز مفتی صاحب نے کہا ہے کہ خاور کو کہو کہ وہ اپنی کتاب ''تذکرہ غوثیہ'' کے انداز میں لکھے اور چھپوانے سے پہلے مسودہ مجھے دکھالے۔ میں ان دنوں (اوائل ۱۹۷۸ء) بمقام حیدر آباد سندھ محکمہ واپڈا کے ایک کنسٹرکشن پروجیکٹ پر بطور آڈٹ آفیسر تعینات تھا۔ انہی دنوں میری بیوی کو جو لاہور میں مقیم تھی، حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے خواب میں فرمایا کہ خاور آج کل اپنی کتاب کو مکمل کرنے کے متعلق سوچ رہا ہے۔ ممتاز مفتی کا اندازِ تحریر اسے بہت پسند ہے۔ اس کے ذہن میں یہ خیال گھوم رہا ہے کہ مفتی اس وقت ستر بہتر سال کی عمر کے پیٹے میں ہے۔ کتاب جلد مکمل کر کے اسے دکھالوں۔ اسی خوابی کیفیت میں اس نے عرض کی: قبلہ! کیا آپ کا براہ راست خاور صاحب کو کتاب مکمل کرنے کا فرمانا مناسب نہیں ہوگا؟ فرمایا: نہیں۔ اس پر ابھی دنیا داری کی خاصی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کی عادت ہے کہ جب وہ کسی کام کو کرنے لگتا ہے تو پھر اسی دھن میں کھو جاتا ہے۔ تم بھی تو کتنی بار اس سے الجھ چکی ہو کہ آپ کو اپنی دھن میں نہ تو اپنا خیال رہتا ہے نہ اپنے بیوی بچوں کا اور نہ ہی دنیا کے کسی کام کا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔

اسی دوران خلیفہ، مجاز حاجی چودھری محمد شفیع صاحب کو میں نے لکھا کہ میں حتی الامکان اس کوشش میں ہوں کہ حالاتِ زندگی اور واقعات بجز ارشادات گرامی جو من وعن درج کئے جائیں گے، خواہ قرائن وشواہد کی رو سے ہی کیوں نہ ہوں، ہر لحاظ سے درائیت کے اصول اور فن تاریخ وتذکرہ کی کسوٹی پر پورے اتریں تا کہ کتاب ناقدین حضرات کے ہدف تنقید کا نشانہ نہ بنے اور وہ یہ نہ کہیں کہ:

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند

ارادت اور عقیدت اپنی جگہ ہے۔ اس کا تعلق پیر اور مرید کے درمیان بس ایسا ہے جیسا کہ:۔

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کرام الکاتبین را ہم خبر نیست

لیکن یہ کتاب چونکہ مریدانِ باصفا تک ہی محدود نہ ہوگی بلکہ رب العزت کے حضور اس کی رحمت اور سرکارِ دو عالمؐ کے صدقے متمنی ہوں کہ یہ عوام الناس کی اصلاح کا موجب بھی بنے' اس لئے چاہتا ہوں کہ روایت مبالغہ آمیز نہ ہو۔ مزید برآں براہ راست ہو۔ اسی اصول کے تحت چند واقعات آخری باب میں درج کرنے کا خیال ہے۔ ایک واقعہ جو آپ کے متعلق ہے برائے تصدیق و تصحیح پیش کر رہا ہوں۔

قبلہ چودھری صاحب نے اصل واقعہ تحریر فرما کر بھیج دیا جو آخری باب ''ذکر جاناں از زبان دیگراں'' میں ہدیہء قارئین ہے:

مشکل یہ ہے کہ فی زمانہ اکثر قارئین کرام بالعموم فقہ و تصوف کے مسائل میں چنداں دلچسپی نہیں لیتے۔ وہ ہلکے پھلکے انداز اور افسانوی رنگ میں واقعات کا بیان چاہتے ہیں خواہ ان میں مبالغہ آمیزی کا رنگ ہی کیوں نہ نمایاں ہو۔

فسانے اپنی محبت کے سچ ہیں پر کچھ کچھ
بڑھا بھی دیتے ہیں ہم زیبِ داستاں کے لئے

میرے نزدیک مبالغہ آمیز بات کو ان برگزیدہ ہستیوں سے منسوب کرنا' نہ صرف خلافِ انصاف اور بے ادبی ہے' بلکہ اپنی منزل کھوٹی کرنے کے مترادف بھی!

کتاب پر نظرِ ثانی کے لئے ممتاز مفتی صاحب کا ممنون ہوں جنہوں نے بڑی کاوش فرما کر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور مضامین کی نوک پلک درست کرنے میں میری رہنمائی فرمائی۔

معروف ادیب اور دانشور اشفاق احمد صاحب ڈائریکٹر ''مرکزی اردو بورڈ'' لاہور نے بایں الفاظ میری ہمت افزائی فرمائی:

''آپ کا مسودہ میں نے بھی دیکھا اور بہت پسند کیا۔ رات کے نو بجے پڑھنا شروع کیا اور صبح پانچ بجے ختم کر ڈالا۔ مفتی صاحب پر میں نے ہی زور دیا ہے کہ اسے ضرور چھپنا چاہئے''۔

الحمدللہ کہ رب العزت کی رحمت سے اب یہ کتاب طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست
سوئے قطار می کشم ناقہءِ بے زمام را

ایک ضروری وضاحت:-

مجلس میں گفتگو زیادہ تر پنجابی زبان میں ہوتی تھی۔ دورانِ گفتگو ہی اسے اردو کے قالب میں ڈھال کر لکھا جاتا۔ مختلف مقامات پر زبان دانی کی خامیاں بھی ضرور ہوں گی جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ علمِ دین اور تصوف کے دقیق مسائل کو قلمبند کرنے میں بھی اکثر مقامات پر میری مبتدیانہ حیثیت اور کم علمی سدراہ رہی ہے۔ بلاغت، زورِ کلام اور عبارت کا تسلسل کئی جگہوں پر مجھ سے ٹوٹ گیا ہے۔ مسائل جو میرے فہم و ادراک میں تھے وہاں پر ارشادات کے ان الفاظ کو، جہاں میری قوتِ تحریر حضور کے زورِ کلام کا ساتھ نہ دے سکی میں نے عبارت کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے ایزادی الفاظ کو کہیں بریکٹوں میں اور کہیں حاشیے میں لکھا ہے تاکہ حضور کے کلام عارفانہ سے وہ کماحقہٗ جداگانہ نظر آئیں اور دخل در معقولات سے بے ادبی کا پہلو نہ نکلے۔ شروع شروع کی صحبتوں میں ایک آدھ مقام پر میں نے حضور سے استفسار کی جسارت بھی کی مگر بہت جلد صحبت کا رنگ میرے رگ و پے میں کچھ اس طور پر سرایت کر گیا کہ ادب شیخ میں عالم یہ ہو گیا:

عینِ وصال میں مجھے حوصلہء نظر نہ تھا
گرچہ بہانہ جو رہی میری نگاہِ بے ادب

گویا دھیرے دھیرے صرف ''حوصلہء نظر'' ہی نہ رہا بلکہ ''حوصلہء گفتگو'' بھی جاتا رہا اور کیفیت یہ ہو گئی کہ:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہی وجہ ہے کہ جہاں سلسلہء کلام منقطع ہوا اس موضوع کی تکمیل کے لئے خدمت اقدس میں گزارش کی جسارت نہ کر سکا۔ لہٰذا قارئین کرام سے ان مضامین پر جو کہ تشنہء تکمیل نظر آتے ہیں تہہ دل سے معذرت خواہ ہوں۔

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکان امت
ترا بہ شوخیء رندانہ گفتم

۲۶ نومبر ۱۹۷۸ء مطابق ۱۴ ذوالحج ۱۳۹۸ھ

خاور سہروردی

عرض حال طبع ثانی

پہلا ایڈیشن نومبر ۱۹۸۴ء میں منظر عام پر آیا جو تقریباً پانچ سال بعد ختم ہو گیا۔ دوسرے ایڈیشن کے لئے برادرانِ طریقت، دیگر احباب اور متعدد محبانِ اولیائے کرام کی طرف سے مسلسل اصرار کے باوجود اپنی مالی اور دیگر وجوہات کی بناء پر اشاعتِ ثانی کا متحمل نہ ہو سکا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ پہلے ایڈیشن میں کتابت کی خاصی غلطیاں تھیں جنہیں اب درست کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر حاشیہ میں کچھ وضاحتیں بھی کی گئی ہیں جو شاید نامناسب نہ سمجھی جائیں گی۔ امید ہے کہ نقشِ ثانی، نقشِ اول سے بہتر سمجھا جائے گا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

لاہور ۱۴ اگست ۲۰۰۸ء

خاور سہروردی

آبائی حالات و شجرۂ نسب

مستند شجرہ جات و کتب تواریخ کی روشنی میں حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کا شجرۂ نسب اور آبائی حالات جو ہم تک پہنچے ہیں ان کی رو سے آپ خاندان سادات کرام قادریہ گیلانی کے چشم و چراغ ہیں اور تیسویں پشت پر آپ پیران پیر دستگیر حضرت غوث الاعظم محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا ملتے ہیں۔ مکمل ''نسب نامہ حضرات سادات کرام گیلانی کوٹلوی'' مطبوعہ دین محمدی پریس لاہور جو حضور کی سعیء گرامی اور مساعیء جمیلہ سے ۲۵ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ بمطابق ۲۹ دسمبر ۱۹۲۵ء مرتب ہوا کا کچھ حصہ بطور ضمیمہ کتاب ہذا میں شامل کر دیا گیا ہے۔

آپ کے بزرگان عظام کے ورودِ ہند کی داستان حضرت سیدنا ابوالحسن آغا شہید رحمتہ اللہ علیہ سے، جن سے آپ کا شجرۂ نسب چودھویں پشت پر جا ملتا ہے شروع ہوتی ہے جو شہنشاہ ہمایوں کے عہد میں وارد ہند ہوئے اور چک قاضیاں ضلع مینگری میں آکر رہائش

پذیر ہوئے۔ چک قاضیاں سے بمقام کوٹلی لوہاراں کی نقل مکانی و اقامت آپ کے ایک بزرگ مفتی خدا بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے ثابت ہوتی ہے جن سے آپ کا شجرۂ نسب چھٹی پشت پر جا ملتا ہے۔ واقعہ نقل مکانی اور چک قاضیاں کے مختصر تاریخی حالات کی تصریح حضرت قبلہ رحمتہ اللہ تعالیٰ نے ''تاریخ پنجاب'' مصنفہ بوٹے شاہ علی قادری رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے بزبان فارسی فرمائی ہے جس کا آزاد اردو ترجمہ حسب ذیل ہے:

''چک قاضیاں ضلع مینگری کا ایک مشہور قصبہ ہے جو سادات کرام کی وراثت ہے۔ یہاں کے سادات شہنشاہ اکبر کے عہد سے تعلق رکھتے ہیں اور حضرت سید ابوالحسن شاہ بدیع الدین آغا شہید رحمتہ اللہ علیہ حسنی بغدادی کی اولاد سے ہیں۔ حضرت آغا شہیدؒ کا مزار موضع سہاری میں واقع ہے جو شاہ ہمایوں کے عہد میں اس ملک میں وارد ہوئے۔ یہاں کی آب و ہوا انہیں بہت پسند آئی، چنانچہ کچھ عرصہ اس مقام پر اقامت فرما کر وہ یہیں یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ اچانک انہیں دنوں گوجروں اور ملہیوں کے درمیان جو اسی دیہات کے قرب و جوار سے تعلق رکھتے تھے، جنگ شروع ہو گئی۔ گوجروں کو ملہیوں سے شکست فاش ہوئی چنانچہ انہوں نے حضرت آغا شہید رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں پناہ حاصل کی اور امداد کی درخواست کی۔ حضرت موصوف نے اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مظلوم گوجروں کی امداد فرمائی اور ملہیوں کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہادت پائی۔ جب آپ کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر گر گیا تو خالی دھڑ نے ہی ملہیوں کا تعاقب کرنا شروع کر دیا۔ ملہیوں نے جب آپ کی یہ کرامت دیکھی تو انہوں نے بھاگنا چھوڑ دیا اور رک گئے۔ یہ جگہ موضع سہاری کے قریب واقع ہے۔ یہیں جسم مبارک بھی آ کر رک گیا اور اسی مقام پر آپ کو دفن فرما دیا گیا۔ چنانچہ آپ کے مزارات دو جگہ ہیں۔ ایک موضع سہاری جہاں بغیر سر کے صرف دھڑ دفن ہے اور دوسرا مدفن اس جگہ ہے جہاں آپ کا سر مبارک گرا تھا۔ دونوں مزارات کے درمیان تقریباً دو کوس کا فاصلہ ہے۔ آپ کی یہ کرامت تمام علاقے میں مشہور ہے۔

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے بیٹے سید ابوالفتح فیروز الدین صاحب نے سجادہ نشینی اختیار فرمائی اور اپنے اصل وطن مالوف کو ترک فرما دیا۔ ان کے بعد ان کے فرزند سید موسیٰ قادری رحمتہ اللہ علیہ اپنے جد بزرگوار کے مزار اقدس پر سجادہ نشین ہوئے۔ حضرت سید موسیٰ علم ظاہری و باطنی میں اپنے وقت کے یگانہ روزگار تھا۔ ان کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ ایک دن جب

وہ اپنے دادا محترم کے مزار اقدس پر درس وتدریس میں مشغول تھے اور ان کا ایک شاگرد "شرح مواقف" پڑھ رہا تھا کہ اسی دوران شہنشاہ اکبر کا لشکر اس جگہ سے گزرا۔ امیر لشکر جب مجلس کے نزدیک پہنچا تو درس وتدریس کی محفل میں جو مسئلہ بیان ہو رہا تھا اسے سننے کے لئے اس نے گھوڑے کی عنان اس جانب موڑ لی۔ اسے بڑا تعجب ہوا کہ وہ مسئلہ جو کئی سالوں سے اس کی سمجھ سے بالاتر تھا اور اس کے لئے وہ مدت سے سرگرداں تھا وہی مسئلہ حضرت سید موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ عین اس وقت بیان فرما رہے تھے۔ چنانچہ وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور ان کی زیارت سے مشرف یاب ہوا اور کئی فوائد علمی حاصل کئے۔ دوسرے دن وہ امیر لشکر شہنشاہ اکبر کے دربار میں حاضر ہوا اور فرمان شاہی حاصل کر کے علاقہ مینگری سے اس سرزمین کو علیحدہ کر کے اس کا نام "اکبر پور" رکھا اور اسے حضرت کی تحویل میں دے دیا۔ چنانچہ اسی سرزمین سے آپ کی اولاد سے کئی قاضی اور علماء پیدا ہوئے اور کئی مابعد کے بادشاہوں کے مقربان خاص ہوئے۔ ان میں سے بعض نے حدیث مشکوٰۃ المصابیح جو حضرت موسیٰ علیہ الرحمہ کے مطالعہ میں رہتی تھی پر حواشی تحریر فرمائے کہ یہ حدیث ہم نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے سنی ہے۔ اسی کتاب کو ایک مرتبہ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے طلب فرمایا اور تبرکاً اپنے کتب خانہ خاص میں رکھ کر زینت بخشی۔ چنانچہ اسی فضیلت کی بناء پر اولاد میں سے کئی حضرات کابل، کشمیر اور دیگر ممالک میں قاضی مقرر ہوئے اور کئی نامور ولی ہوئے۔

اسی خاندان کے ایک بزرگ شاہ عصمت اللہ رحمتہ اللہ علیہ کو جو اپنے وقت کے قطب گزرے ہیں حالت بیداری میں حضور علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ اسی طرح حضرت محمد فاضل الدین قادری رحمتہ اللہ علیہ بٹالوی اور سید بدیع الدین آغا شہیدؒ کے مزارات پُر انوار بھی منبع برکات ہیں جہاں تجلیات الٰہی کا ظہور بارش کے قطروں کی مانند ہوتا ہے۔ حضرت آغا شہیدؒ کا مزار مبارک موضع سہاری میں چار دیواری کے اندر واقع ہے جو اکبری دور کی اینٹوں سے تعمیر شدہ ہے۔ یہ مزار پُر انوار بغیر چھت اور ستونوں کے ہے۔ یہیں موضع سہاری میں اس مزار مبارک کے قریب سکھوں نے ایک کچا قلعہ بھی تعمیر کیا۔ قلعے کی وہ دیوار جو حضرت کے مزار مبارک کی طرف ہے اس کی تعمیر بغیر چھت کے ہے۔ آپ کی یہ کرامت ہے کہ اس طرف جب بھی چھت کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ گر جاتی ہے۔ قلعے کی وہ جانب ابھی تک شکستہ حالت میں ہے۔ گردش ایام سے جب ان سادات کرام کی

اولاد میں سے ان حضرات جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد اور اسلاف کے نقش قدم کو چھوڑ کر محض دنیا داری اختیار کر لی اور درس و تدریس دین کا سلسلہ ترک کر دیا تو جاہلوں میں شامل ہو گئے جن پر حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ شعر صادق آتا ہے:۔

پسرِ نوح با بداں نشست
خاندانِ نبوتش گم شد

مشرب:۔

مشرب کے لحاظ سے آپ امام اعظم حضرت ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پیروکار تھے۔

سلسلہ ءِ طریقت:۔

تصوف میں سلسلہ ء عالیہ سہروردیہ سے نسبت کامل تھی۔ قطب الاقطاب حضرت میاں غلام محمد صاحب سہروردیؒ حیات گڑھی تحصیل و ضلع گجرات سے بیعت تھے جنہیں تصوف میں تین واسطوں سے فیض روحانی حاصل ہوا۔ سلسلہ ء سہروردیہ کے بانی حضرت ابو نجیب ضیاء الدین سہروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا بھی تھے اور پیر طریقت بھی۔ یہ سلسلہ عالیہ حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے واسطے سے ختمی المرتبت سید المرسلین حضور علیہ السلام تک جا ملتا ہے۔ مکمل شجرہ شریف حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے منظوم تحریر فرمایا ہے جو کتاب ہذا کے صفحہ نمبر ۱۹۵ پر درج ہے۔

ظہور مبارک

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تا زِ بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

مبشرات:۔

حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت کے متعلق جو بشارات ہم تک پہنچی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) حضور کے دادا محترم جناب قاضی سید جمال الدین صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ

ساکن کوٹلی لوہاراں مشرقی تحصیل وضلع سیالکوٹ جن دنوں حیات تھے ان دنوں ان کے گاؤں کے قریب رتووال سیداں کے باہر ایک مجذوب بزرگ قیام پذیر تھے جو قندھار سے آئے ہوئے تھے۔ ان کا اسم گرامی سائیں سمندر علی شاہؒ تھا۔ یہ بڑے اولی العزم باخدا مجذوب درویش تھے۔ بھادوں کے مہینے میں یعنی وسط اگست تا وسط ستمبر ۱۸۹۵ء کی ایک شام پھرتے پھراتے کوٹلی لوہاراں مشرقی آ گئے۔ گاؤں کے باہر حضور کے دادا محترم اپنے مویشیوں کو چارہ ڈال رہے تھے۔ انہوں نے آ کر قاضی صاحب قبلہؒ کو سلام کیا اور بشارت فرمائی کہ آپ کے ہاں عنقریب ایک پوتا ظہور فرمائے گا جو منزل فقر میں یگانہء روزگار اور اقلیم خیر کا تاجدار ہوگا۔ منزل تجرید اور وادیء تفرید کے راہرو اس کے نقش قدم پر چلنا فخر سمجھیں گے۔ ان کا نام قلندر علی رکھنا اور ان کی والدہ سے کہنا کہ ان کی طرف کبھی پشت کر کے نہ سوئیں۔ چنانچہ سائیں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا یہ ارشاد گرامی پورا ہوا۔ حضور کی ولادت کے بعد اسی ارشاد کے تحت سائیں صاحب کا تجویز کردہ نام قلندر علی رکھا گیا۔

(۲) حضور کے چچا جان سید علمدار حسین صاحب کو ایک مرتبہ پیران کلیر شریف سیدنا حضرت علی احمد صابر پیا رحمتہ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر جانے کا شرف حاصل ہوا۔ صابر پیاؒ نے انہیں حضور کی ولادت کی بشارت فرمائی اور ساتھ ہی حکم دیا کہ ان کا نام میرے نام کی رعایت سے علی احمد رکھنا۔ چنانچہ حضور کی ولادت کے بعد یہ نام بھی رکھا گیا گویا یہ حضور کا دوسرا اسم گرامی تھا۔

(۳) حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے نانا محترم سید قادر بخشؒ اور ماموں جان سید غلام حیدر شاہ رحمتہ اللہ علیہ (پورہ ہیراں سیالکوٹ) اپنے زمانہ کے یگانہ ولی اللہ تھے۔ ان کے متعدد کشف وکرامات زبان زد خلائق ہیں۔ حضور کی ولادت پر آپ کے نانا جان نے ''ضیاء اللہ'' کا نام تجویز فرمایا گویا یہ حضور کا تیسرا نام ہے جو ننھیال کی طرف سے رکھا گیا۔

مگر ان تینوں ناموں میں سے عرف عام میں جس اسم گرامی سے حضور خلق میں متعارف ہیں وہ حضرت سائیں سمندر علی صاحب قندھاری کا ہی تجویز کردہ نام یعنی ''قلندر علی'' ہی ہے۔

ولادت باسعادت:-

اصل تاریخ ولادت کا تعین جنم پرچی کی رو سے تو نہیں کیا جا سکا۔ وصال سے چند ماہ پیشتر حضور نے دوسری مرتبہ حج ادا کرنے کا ارادہ فرمایا اور مجھے حج فارم پر کرنے کے لئے عطا فرمایا تھا۔ جہاں تک یاد پڑتا ہے سال ۱۸۹۵ء تحریر کیا تھا۔ بوقت وصال عمر شریف بھی ۶۳ سال کے قریب تھی۔ وصال ستمبر ۱۹۵۸ء میں ہوا تو گویا اس لحاظ سے بھی یہ سن نہ صرف قرین قیاس بلکہ صحت کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت قبلہؒ کے فرزند اکبر سجادہ نشین صاحبزادہ ابوالشاہد سید فیض احمد سہروردیؒ نے حضرت قبلہؒ کی تصوف کے موضوع پر مشہور تصنیف ''الفقر فخری'' کے دیباچہ میں تحریر کے مطابق ولادت کا مہینہ پوہ تھا، تاریخ ۲۱ اور سن ۱۹۵۱ بکرماجیت تھی۔ لہٰذا قرائن وشواہد کی روشنی میں تاریخ ولادت کا تعین ۴ جنوری ۱۸۹۵ء کیا جاتا ہے۔

سوانح حیات میں جو سن درج کئے گئے ہیں ان میں کچھ تو وہ ہیں جو حضور کے ارشادات کے دوران نوٹ کئے گئے اور بعض وہ ہیں جن کا تعین قرائن وحتی الامکان تحقیق کی رو سے کیا گیا ہے۔ کوشش کی ہے کہ ان کا تعین ہر لحاظ سے صحیح ہو، تاہم تحریر کردہ کوئی سن اگر اصل کے لحاظ سے خدانخواستہ مختلف ثابت ہو جائے تو واقفان حال سے اصلاح کا طالب ہوں۔ دوسرے ایڈیشن میں انشاءاللہ تصحیح کر دی جائے گی۔

برادر طریقت صوفی فضل الرحمان خان سہروردیؒ کے مطابق تاریخ پیدائش ۱۸ نومبر ۱۸۹۵ء ہے، جو ان کی ''مکاشفانہ کیفیت'' پر مبنی ہے۔ بہرحال سال ولادت متفقہ الیہ ہے۔ راقم الحروف کی رائے ہے کہ اس دوسرے ایڈیشن میں اسی تاریخ یعنی ۱۸ نومبر ۱۸۹۵ء کو ہی اب حتمی تاریخ پیدائش گردانا جائے کیونکہ سائیں سمندر علی قندھاریؒ نے آپ کی ولادت کے متعلق جو بشارت بھادوں کے مہینے (وسط اگست تا وسط ستمبر ۱۸۹۵ء) میں آپ کے دادا محترمؒ کو فرمائی تھی، اس میں ''عنقریب ولادت'' کا اشارہ بھی ماہ نومبر پر زیادہ قرین قیاس اور حقیقت سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے۔

مختصر حالات زندگی

ابتدائی تعلیم:۔

آپ کا گھرانہ علماء و مشائخ پر مبنی تھا۔ اسی علمی اور مذہبی ماحول میں آپ نے آنکھیں کھولیں۔ ابھی چار سال کے ہی تھے کہ والدہ محترمہ کا انتقال ہوگیا۔ آپ کے والد گرامی مولانا حافظ رسول بخش رحمتہ اللہ علیہ بذات خود بہت بڑے عالم باعمل تھے۔ ان کے زیر سایہ تقریباً ساڑھے چار سال کی عمر میں ابتدائی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کیا لیکن ابھی عمر آٹھ سال کی ہی ہوئی تھی کہ سایہء پدری سے محروم ہوگئے۔ تاہم انتہائی نامساعد حالات کے باوجود سلسلہ تعلیم جاری رکھا۔

اردو مڈل تک تعلیم حاصل کی۔ تبلیغی ذوق وشوق کا یہ عالم تھا کہ ننھی عمر میں ہی گاؤں کے باہر جنگل یا میدان میں اکیلے نکل جاتے۔ سر پر ٹوپی، ہاتھ میں چھڑی نما ٹہنی اور بغیر کسی مخاطب کے مشق وعظ و تقریر فرمایا کرتے۔ مالی حالات سازگار نہ تھے کہ کسی بڑے دینی مدرسے میں داخلہ لیا جاسکتا لہٰذا کچھ عرصہ انتظار کرنا پڑا اور علاقہ سیالکوٹ کے مختلف مقتدر علماء سے اکتساب علم کیا۔

اپریل ۱۹۱۰ء میں لاہور تشریف لائے اور مدرسۃ النعمانیہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور میں داخلہ لیا اور تقریباً چار سال تک یہاں دینی تعلیم حاصل کرتے رہے۔

لاہور کے زمانہ طالب علمی کے دو واقعات:۔

ایک دفعہ زمانہ طالب علمی کا یہ واقعہ بیان فرمایا: انجمن نعمانیہ کا ایک طالب علم خادم حسین نامی تھا اس پر اچانک جن کا اثر ہوا اور وہ مخبوط الحواس ہوگیا۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب مچھ (بلوچستان) کے رہنے والے ہمارے استاد تھے جو انجمن نعمانیہ میں درس دیا کرتے۔ نہایت ہی خوش الحان تھے۔ خادم حسین کی اس کیفیت پر یہ بات ان پر منکشف ہوئی کہ یہ جنات کا اثر ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے عمل سے رجوع فرمایا تو ایک جن حاضر ہوگیا۔ آپ نے اس سے پوچھا: میاں! اس طالب علم نے کیا جرم کیا ہے جو اسے یہ سزا دے رہے ہو؟ کہنے لگا: میں اجین کا رہنے والا ہوں۔ میرے استاد نے مجھے بتایا تھا کہ مسجد نعمانیہ میں ایک

نابینا حافظ ہیں جو قرآن شریف بہت عمدہ پڑھتے ہیں۔ میں خود بھی حافظ ہوں۔ یہاں آپ کے ہاں قرآن پڑھنے آتا ہوں۔ آپ کے اس مدرسے کے ساتھ جو مسجد ہے وہاں ''گوندنی'' کے درخت پر رہتا ہوں۔ دو دن ہوئے خادم حسین نے مٹی کا ڈھیلا اس درخت پر پھینکا جو میری آنکھ پر لگا' یہ اسی کی سزا دی ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا: تم اگر حافظ قرآن ہو تو کوئی سورت سناؤ۔ اس نے ایک سورت تلاوت کی۔ حافظ صاحب نے فرمایا: دیکھو! تم بھی مسلمان اور یہ بھی مسلمان۔ دو تین دن سے اس کا سبق ضائع ہو رہا ہے تمہیں اس کا کیا فائدہ پہنچا؟ کہنے لگا: اچھا اسے منع فرما دیں کہ آئندہ ایسی حرکت نہ کرے۔ یہ ٹھیک ہو جائے گا۔ حافظ صاحب نے فرمایا: کوئی نشانی دے کر جاؤ۔ کہنے لگا: خادم حسین جب آئے تو اسے ''السلام علیکم'' کہہ دیں۔ اسی اثناء میں دیکھا کہ خادم حسین الف ننگا، سر پر تہبند اور جوتی رکھے آ رہا ہے۔ حافظ صاحب نے دور سے ہی اسے کہا: ''السلام علیکم'' خادم حسین نے اسی وقت وہ چیزیں یعنی تہبند اور جوتی سر سے اتاری اور ہوش میں آ گیا۔ دیکھا کہ میں تو الف ننگا ہوں۔ فوراً ایک طرف کو بھاگا، کپڑے پہنے، وضو کیا اور مسجد کے اندر آ گیا۔

دوسرا واقعہ یہ بیان فرمایا: ہمارے ایک مولوی کرم دین ہوتے تھے۔ یہیں کے تھے۔ ان سے ہم نے پوچھا کہ استاد جی! یہ بتاؤ کہ یہ جو کنجر لوگ ہیں ان کے گھر سے نذر نیاز، چاول، روٹیاں یا حلوا پوری آتا ہے اور وہ طالب علموں کو بانٹ دیتے ہیں، مسجد میں بھیج دیتے ہیں۔ علماء لے لیتے ہیں ان کے بال بچے بھی کھاتے ہیں اور شاگرد بھی کھا لیتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمانے لگے: مسافر، طالب علم یا کوئی آدمی جو اس چیز کا مستحق ہے اسے یہ لازم ہے کہ وہ پوچھے ہی نہ کہ کس کے گھر سے چیز آئی ہے؟ کیونکہ وہ مستحق ہے۔ اگر پوچھے گا تو پھر اس سزا کا مستحق ہے' اسے پھینک دے۔ اگر کھائے گا تو شریعت تو اسے جائز قرار نہیں دے دیتی لہٰذا اپنا نقصان کرے گا۔

سفر دیوبند:-

جنگ عظیم اول میں ملکی حالات مخدوش ہو گئے۔ حالات قدرے سنبھلے تو دینی تعلیم کی مزید تشنگی کو بجھانے کا پھر عزم کیا۔ چنانچہ اوائل ۱۹۱۵ء میں مدرسہ دیوبند میں داخلے کی غرض سے وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ نماز عصر کے بعد وہاں چند طلباء صحن مسجد میں اپنے استاد کے سامنے بیٹھے چند مسائل پوچھ رہے ہیں۔ آپ بھی اس مجلس تدریس میں شامل ہو گئے اور استاد

صاحب سے ایک حدیث شریف کی وضاحت چاہی کہ حضور علیہ السلام نے اپنے دین کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ہے کہ دین اسلام قرب قیامت میں مکہ مکرمہ میں ایسے واپس آجائے گا جس طرح ایک سانپ اپنی بل میں گھستا ہے۔ استاد صاحب کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے بلکہ الٹا ڈانٹنے لگے کہ پنجابی لونڈوں کے لئے یہاں کوئی گنجائش نہیں۔ انہیں سوائے کٹ حجتی کے اور آتا ہی کیا ہے۔ ان کے اس طرز گفتگو سے آپ بڑے کبیدہ خاطر ہوئے اور دارالعلوم دیوبند سے تحصیل علم کا ارادہ ترک کر دیا۔[1]

دارالعلوم بریلی میں:۔

چنانچہ اسی رات دارالعلوم بریلی میں تحصیل علم کے لئے روانہ ہوگئے اور مجدد اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

بریلی میں آپ کا قیام تقریباً دو اڑھائی سال ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء رہا۔ جہاں سے آپ نے تفسیر، قانون، فقہ، علم کلام اور حدیث کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔

حقہ نوشی:۔

ایک دفعہ فرمایا: اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ حقہ بہت پیتے تھے۔ مجھے خود پہلے پہل انہیں سے حقہ نوشی کی عادت پڑی۔ وہ ایسے کہ میں آپ کی خدمت میں ان کے پاس بیٹھک

---

[1] ایک مجلس میں برادر طریقت صوفی فضل الرحمٰن خان سہروردیؒ نے حضرت قبلہ علیہ رحمتہ سے عرض کی: قبلہ! آپ نے دیوبند میں جس حدیث کا مطلب اساتذہ سے پوچھا تھا کہ "حضور علیہ السلام نے اپنے دین کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ہے کہ دین اسلام قرب قیامت میں مکہ مکرمہ میں ایسے واپس آجائے گا جس طرح ایک سانپ اپنی بل میں آگھستا ہے" اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ حضرت قبلہؒ نے فرمایا: سانپ کا قاعدہ یا فطرت ہے کہ وہ اپنے بل سے جسے اس نے پہلے پہل اپنا مسکن بنایا ہوتا ہے وہاں سے جب نکلتا ہے تو چاروں طرف پھرتا پھراتا ہے اور دور دور نکل جاتا ہے پھر اس مسکن میں (تازیست) واپس نہیں آتا۔ ہاں! جب اس کا آخری وقت آجاتا ہے تو پھرتا پھراتا وہیں اپنے پہلے بل میں جہاں سے نکلا تھا واپس آجاتا ہے۔ اسلام کا مسکن بلدالامین مکہ معظمہ ہے جہاں سے یہ نکلا۔ قرب قیامت میں فتنہء دجال کے موقع پر اس وقت جو مومنین بچ رہیں گے، دنیا کے گوشے گوشے سے نکل کر مکہ معظمہ میں جمع ہو جائیں گے۔ گویا دین اسلام بلدالامین میں ہی واپس آجائے گا جہاں سے اس کا ظہور ہوا تھا۔ یہیں پر حضرت مہدی علیہ السلام کا ظہور ہوگا۔ حج کے دوران مومنین انہیں پہچان لیں گے اور ان کی بیعت کر لیں گے۔

میں بیٹھا ہوتا۔ طالب علم مدرسے میں ہوتے، مجھے فرماتے: فتویٰ کے لئے عبارت نکالو۔ منشی عبادت علی کو کہو کہ وہ نوٹ کرے اور پھر فرماتے: اچھا بھئی! حقہ بھرو، میں حقہ لے کر تازہ کرتا، چلم بھرتا، خمیرہ خوشبودار تمباکو ہوتا، شیشے کا نہایت عمدہ حقہ جب بھر کر سامنے رکھتا تو فرماتے: اچھا بھئی! اسے سلگاؤ۔ بس سلگاتے سلگاتے عادت پڑ گئی۔

پاکستان بننے کے ایک دو سال بعد تک حقہ نوشی کا شوق فرماتے رہے جس کا خاصا اہتمام کیا جاتا۔ بہترین فرشی حقہ ہوتا تھا۔ ہر چلم کے ساتھ تازہ پانی اور نہایت نفیس خوشبودار عمدہ دیسی تمباکو۔

ترکِ حقہ نوشی کا واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ آپ راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ وہاں سے ایک دن بوقت عصر راجہ بازار سے پیدل گزر رہے تھے کہ ایک مجذوب بزرگ سے جو افغانی معلوم ہوتے تھے سرِ راہ آمنا سامنا ہو گیا۔ انہوں نے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے دو انگلیوں کو اپنے لبوں تک پہنچاتے ہوئے فرمایا: ''بایں جبہ و دستار ایں نمی زیبد''

اور یہ کہہ کر وہ مجذوب بزرگ نظروں سے غائب ہو گئے۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا: مجھے اسی وقت احساس ہو گیا کہ یہ میری حقہ نوشی کی طرف اشارہ ہے۔ چنانچہ میں نے اسی دم ترکِ حقہ نوشی کا عہد کر لیا۔ لاہور آیا تو اہل خانہ نے حسب سابق حقے کا اہتمام کیا اور میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ میں نے تو اب حقہ پینا چھوڑ دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت بریلویؒ اور دیگر علماء کی خدمت میں:-

ایک مجلس میں فرمایا: اعلیٰ حضرت بریلویؒ آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ چل پھر نہ سکتے تھے۔ کرسی میں دونوں ٹانگیں رکھ کر آپ کو مسجد میں لایا جاتا۔ اتنے کمزور ہونے کے باوجود نماز کھڑے ہو کر پڑھاتے اور عصا کندھوں کے درمیان رکھنا پڑتا۔ عصا کی مدد سے رکوع کرتے اور سجدے کی حالت میں عصا زمین پر رکھ دیتے۔ بڑا بلند آواز اور اچھا پڑھتے تھے۔ علم کا یہ عالم تھا کہ دور دراز سے جو فتوے یا مسئلے پوچھنے کے لئے خط آتے وہیں چھوٹی سی چارپائی پر لیٹے ہوئے مجھے فرماتے: ہاں بھائی خط پڑھو۔ جواب میں فوراً فرماتے فلاں باب فلاں صفحہ اتنی عبارت نقل کر دو۔ میں نے وہ عبارت نکالنی اور منشی عبادت علی استفتا (فتویٰ) کی صورت میں نقل کر دیتے۔ یوں بولتے جیسے زبانی یاد ہوتا ہے۔ بڑے زبردست عالم باعمل تھے۔

حدیث کے دورے کے لئے میں مولانا وصی احمد صاحبؒ کے پاس پیلی بھیت بھی گیا۔

یہ بھی بڑے متشرع بزرگ تھے۔ اسی طرح ایک بزرگ تھے مولانا ہدایت رسول۔ بڑے متدین اور بہتر بولنے والے۔ ایک دفعہ مجھے کہنے لگے دیکھو بھائی! سرکار دو عالمؐ کو اگر دل کی گہرائیوں سے پکارا جائے تو بڑی مدد فرماتے ہیں۔ میں کسی سیاسی تحریک میں جیل چلا گیا۔ وہاں طبیعت بڑی گھبرائی کیونکہ بیمار تھا۔ پولیس نہیں چھوڑتی تھی۔ رات جیل میں میں نے نظم لکھی جس کا آخری شعر تھا:

ہدایت قید میں گردش میں دیں کی ہے تو کیا غم ہے
تڑا سکتے ہیں گر چاہیں شہ دیں بیڑیاں میری

آدھی رات کے وقت یہ نظم لکھی۔ صبح حکم ہو گیا کہ اسے چھوڑ دو۔

اسی طرح مولانا حسرت موہانی بھی بڑے جذبے، خلوص اور پکے عقیدے والے تھے۔ جس بات پر اڑ جاتے کسی کی نہ مانتے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہر سے بھی ملاقات ہوئی۔ بڑے صحیح العقیدہ تھے اور اتنے عاشق کہ ایک دفعہ انہیں میں نے سلطان الہند اجمیریؒ کے مزار پر دیکھا۔ وہاں قرآن شریف پڑھ رہے تھے اور رو رہے تھے۔ انگریزی ایسی عمدہ لکھتے تھے کہ انگریز بھی ان کی تحریر اور تقریر پر قربان ہوتے تھے کہ ان کے الفاظ کہاں سے آتے ہیں؟

مولانا عبدالباری فرنگی محلؒ مولانا شوکت علی اور محمد علی کے پیر تھے۔ بڑے فاضل اور جید عالم تھے۔ چھوٹا قد، پتلے سے۔ کلام میں اتنی تیزی اور تحقیق ایسی کہ جو مسئلہ لکھ دیا سارا ہندوستان خواہ ایک طرف لیکن یہ ایک طرف۔ بڑے اولی العزم درویش تھے۔ ''خدام الکعبہ'' ایک جماعت بنائی۔ جب یہ کانگریس میں شامل ہوئے تو مسئلہ یہ تھا کہ اس جماعت نے کام کر کے آزادیء ہند میں حصہ لینا ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے لئے انگریز کے خلاف سب ہندی اقوام متحد ہو جائیں اور انگریز سے آزادی حاصل کر لیں، بعد میں پھر ملک بانٹتے رہیں گے۔ یہ ان لوگوں کا سیاسی نظریہ تھا جو ان کے دلوں میں گاندھی اور نہرو نے ڈال دیا تھا جبکہ گاندھی اور نہرو وغیرہ کی نیت یہ تھی کہ اکثریت ہندوؤں کی ہے ہم بعد میں مسلمانوں سے نپٹ لیں گے۔

اعلیٰ حضرت بریلویؒ کی سیاسی بصیرت:۔

اسی طرح ایک دفعہ علی برادران مولانا شوکت علی و محمد علی اعلیٰ حضرتؒ کی خدمت میں حکیم اجمل خان، ڈاکٹر سیمیع، ڈاکٹر انصاری اور آغا حیدر سیالکوٹی کے ہمراہ حاضر ہوئے اور کہنے لگے

کہ ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ہمارا ساتھ دیں۔ ہم ہندوستان کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ بڑے بے لاگ انسان تھے وہ انہیں (ہندو لیڈروں کو) اچھی طرح جانتے تھے۔ مولانا محمد علی کو فرمانے لگے۔ صاحبزادے بات سنو! مسلم اور مشرک کا اتحاد نہیں ہوتا۔ تاریخ شاہد ہے اس لئے ہمیں ہندوستان کی آزادی کی علیحدہ کوشش کرنی چاہئے اور الگ انتخاب ہونا چاہئے۔ ہندو کی حکومت الگ ہو اور مسلمان کی الگ۔ اگر تم یہ کرو تو میں تم سے دس قدم آگے چلوں گا اور اگر یہ چاہو کہ گاندھی کو امام الوقت بنایا جائے تو میرا اسلام! پہلی صورت میں میں جہاد کا فتویٰ دوں گا۔ ان کے ساتھ جو ڈاکٹر سمیع تھے وہ مولانا محمد علی کو کہنے لگے مولانا! انہیں چھوڑیئے یہ گورنمنٹ کے وظیفہ خوار ہیں۔ اعلیٰ حضرتؒ چپ ہو گئے۔ وہ جانے لگے تو مولانا محمد علی کو فرمایا! صاحبزادے میری بات سنو! ہندو کی بے ایمانی سے تم واقف نہیں۔ ایک وقت آئے گا جب تم پچھتاؤ گے کہ ہم نے کیا کیا؟ اس سمے وقت نہیں ہوگا۔ اس لئے میری بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو اور جاؤ۔ مولانا محمد علی یہ بات سن کر چلے گئے۔

اس اللہ کے بندے اعلیٰ حضرت بریلویؒ کے وہ الفاظ اس وقت پورے ہوئے جب مولانا محمد علی جوہر گول میز کانفرنس میں جا رہے تھے تو کراچی میں تقریر کی کہ ہندو کی بے ایمانی کا ذکر میں اس وقت نہیں کر سکتا۔ اگر زندہ واپس آیا تو پھر ذکر کروں گا' لیکن دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس غلام آباد میں مجھے واپس نہ لائے۔ پھر وہ باہر ہی فوت ہو گئے۔ وہیں یہ قرار پایا کہ ''مسجد عمر'' بیت المقدس میں انہیں دفن کیا جائے۔ چنانچہ بذریعہ ہوائی جہاز ان کی میت وہاں لے جائی گئی۔

ایک ہم جماعت مجذوب :-

ایک دفعہ فرمایا: اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے درس میں ہمارے ساتھ ایک مجذوب بزرگ بھی اس حلقہء تدریس میں شامل تھے۔ ایک دن اعلیٰ حضرتؒ کی عدم موجودگی میں چند ہم جماعت طلباء نے انہیں کہا کہ اس آیت مبارکہ "فلا تموتن الا وانتم مسلمون" (تو نہ مرنا مگر مسلمان) اس کی تفسیر سمجھایئے کہ یہ کیسے ہو کہ آدمی کو جس وقت موت آئے تو بوقت دم واپسیں وہ لازمی طور پر مسلمان ہی ہو۔ انہوں نے پہلے تو بہت ٹالا لیکن طلباء نے بہت ضد کی۔ آخر رضامند ہو گئے۔ کہنے لگے: دل تو چاہتا تھا کہ کچھ اور دن جئیں لیکن چھوکرو! تم زندگی کے

دن پورے کرنے نہیں دیتے۔ اچھا، میرے لئے پانی لاؤ تا کہ وضو کرلوں۔ وضو کر کے لیٹ گئے۔ لڑکوں سے کہا میرے اوپر چادر ڈال دو بعد میں تفسیر بتاؤں گا۔ چنانچہ لڑکوں نے ان کے اوپر چادر ڈال دی اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھئے کب تفسیر بیان کرتے ہیں۔ جب کچھ دیر گزر گئی اور وہ نہ بولے تو ایک طالب علم نے ان کے چہرے سے چادر سرکائی۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ہم سب کے سب بڑے حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ ایک طالب علم نے بھاگ کر اعلیٰ حضرت بریلویؒ کو جا کر اطلاع دی۔ آپ تشریف لائے، انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور فرمایا کہ یہ مجذوب آیہ مبارکہ کی عملی تفسیر بتا گیا ہے جو تمہیں کبھی نہیں بھولے گی۔

حسین شاہ انسپکٹر پولیس اور وارث شاہؒ:۔

ایک دفعہ فرمایا: ایک بزرگ میاں وارث شاہ لکھنوی رحمتہ اللہ علیہ ہوئے ہیں۔ میں نے اس شخص حسین شاہ انسپکٹر پولیس کو دیکھا ہے جس کے ساتھ یہ کیفیت وارد ہوئی۔ لکھنو میں ایک مقام ہے بدرسہ، میاں وارث شاہؒ وہاں جا رہے تھے۔ حسین شاہ انسپکٹر پولیس گھوڑے پر سوار وہاں ڈیوٹی پر جا رہا تھا' اس کے ساتھ دو تین سپاہی بھی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ سامنے سے میاں وارثؒ آرہے ہیں۔ حسین شاہ کو سپاہیوں نے کہا کہ وارثؒ آرہے ہیں آپ تعظیماً گھوڑے سے اتر جائیں چونکہ وہ بزرگ آدمی ہیں' ان کی عزت اور احترام کرنا چاہئے۔ پولیس' پولیس ہوتی ہے پھر حسین شاہ۔ ایک سید دوسرا پولیس انسپکٹر گویا ''ڈبل پولیس''۔ کہنے لگا' چھوڑو: ہم کیا کہتے ہیں بہتیری مخلوق دیکھی ہے جو وارث بنی پھرتی ہے۔ گھوڑے سے نہ اترا۔ میاں وارثؒ پیدل آرہے تھے۔ قریب پہنچے تو حسین شاہ کی طرف دیکھا۔ اس کا گھوڑا کھڑا ہو گیا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا: جب بہت سی دنیا وارث بنی پھرتی ہے تو تُو سید کا بال ہو کر لاوارث کیوں مرتا ہے؟ یہ کہنا تھا کہ سید گھوڑے سے گر پڑا اور زمین پر لوٹنے تڑپنے لگا۔ میاں وارث شاہ صاحبؒ آگے چلے گئے۔ حسین شاہ کو ہوش آیا تو پوچھا: میاں وارثؒ کہاں گئے ہیں؟ سپاہیوں نے کہا: شہر۔ وردی وہیں اتار دی اور سپاہیوں سے کہا کہ یہ وردی لے جا کر داخل دفتر کرا دو اور کہنا کہ حسین شاہ اب اس ہستی کی نوکری کر بیٹھا ہے اور اب اس سرکاری نوکری پر نہیں آئے گا۔ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ ڈھونڈتا ہوا میاں

وارث شاہ صاحبؒ کے پاس پہنچا۔ آپ نے پوچھا: کون ہے؟ کہا: لاوارث ہوں وارث بنا دو۔ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حسین شاہ کو ان دنوں دیکھا جب میں تعلیم کے لئے بریلی گیا تھا۔ ان دنوں وہ فیض آباد میں تھے۔ بہت سے ان کے مرید تھے۔ فیض آباد کے پاس ایک جگہ ''پورا قلندر'' ہے۔ شاہ صاحب کی روٹی وہاں پکتی تھی اور شاہ صاحب کا یہ قاعدہ تھا کہ سب لوگ ایک جگہ کھانا کھاتے۔ آج میرے گھر، کل آپ کے گھر یعنی اس طرح باری باری ایک ایک گھر سب مل کر کھانا کھایا کرتے۔ خیر ہم ان کے ہاں کھانا کھا کر واپس آرہے تھے، میں بھی ساتھ تھا۔ میرے بہنوئی ان دنوں فوج میں ہیڈ کلرک تھے۔ میں بریلی سے چھٹیاں گزارنے فیض آباد گیا ہوا تھا۔ میں بھی شاہ صاحب کے ساتھ تھا۔ ہم کوئی دس بارہ آدمی تھے اور تانگے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک کنواں تھا اس میں کچھ مٹی بھری ہوئی تھی۔ ہمارا تانگہ اس میں جا گرا۔ میں، شاہ صاحب، میرے بہنوئی اور ان کے بڑے بھائی تانگے میں اگلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ تانگے والا سخت گھبرایا۔ شاہ صاحب فرمانے لگے: بیٹا! گھبرانے کی بات نہیں، یہ تو ہم سے دل لگی کرتا ہے۔ گھوڑے کی پشت پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے: دیکھو بیٹا! چوٹ لگے گی۔ ہمیں حضرت شیث رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جانا ہے، وقت ضائع نہ ہو۔ ان کا یہ فرمانا تھا کہ گھوڑے نے یکدم چھلانگ لگائی۔ ہم اوپر بیٹھے ہوئے تھے۔ تانگہ اسی طرح بالکل صحیح سلامت باہر نکل آیا۔ وہاں گنج شہیداں قبرستان میں ایک لمبی قبر ہے، حضرت شیثؒ کی۔ وہاں مزار پر جا بیٹھے۔ ہم میں سے ایک مولا بخش نامی ٹھیکیدار تھا۔ وہ کہنے لگا: شاہ صاحب ہم نے سنا ہے کہ بندگان خدا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا دیتے ہیں۔ کوئی ایسا سبق پڑھا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جائے۔ فرمانے لگے: ہمیں خود جوتے پڑتے ہیں۔ مولا بخش نے کہا: حضرت آپ ہر بات پر یہی کہتے ہیں۔ فرمانے لگے: اچھا بھئی سنو! جب حضور علیہ السلام تشریف لائیں اور دریافت فرمائیں کہ بتاؤ کیا چاہتے ہو تو دنیا اور دین کہنا، کہو گے نا؟ ہاں تو دیکھو آئندہ یہ سوال نہ کرنا۔ ہماری حالت یہ نہیں۔ وہ بڑے آدمی ہوتے ہیں (جو زیارت کرا دیتے ہیں) اچھا تم سب مراقبانہ حالت میں بیٹھ جاؤ اور وظیفہ پڑھو۔ کوئی پانچ دس منٹ گزرے ہوں گے کہ جتنے آدمی تھے پندرہ یا بیس تمام نے علیٰ قدرِ مراتب دربار رسالت کو پایا۔ کسی کے سامنے کچھ تھا اور کسی کے سامنے کچھ۔ ہر ایک اپنی کیفیت میں جو منزل طے کر رہا تھا اس کے مطابق

اسے آگاہی ہوئی۔ مولا بخش کے سامنے حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے دریافت فرمایا: کیا چاہتے ہو؟ وہ دین و دنیا بھول گیا اور ''ایمان، ایمان'' زور زور سے چلانے لگا۔ اس نے اتنی بلند آواز سے جوش میں نعرے لگائے اور شاہ صاحب کو پرلی طرف لے بھاگا کہ اس پر لوگوں کی کیفیت منتشر ہوگئی۔ جو لوگ جلدی ہوش میں آئے انہوں نے شاہ صاحبؒ کو اس کی گرفت سے چھڑایا۔ شاہ صاحب فرمانے لگے: دیکھا، اس نے کیا عمل کیا۔ بتایا کچھ تھا اور کیا کچھ اور مجھے لے بھاگا۔

تلاش مرشد:۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔ نہ صرف ظاہری علوم ان سے حاصل کئے بلکہ ان کی صحبت میں بیعت کی اہمیت واضح تر ہوگئی اور دل میں کسی کامل پیر طریقت کے دامن فیض سے وابستہ ہونے کا شوق تیز تر ہوگیا۔ ان کے ہاں قادری سلسلہ میں چونکہ آپ کا حصہ نہیں تھا لہٰذا پیر و مرشد کی تلاش میں رہے۔ مئی ۱۹۱۹ء میں بریلی سے واپس اپنے گاؤں آگئے اور کچھ عرصہ بعد حضرت میاں محمد شیر محمد شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی رجوع فرمایا مگر یہاں بھی سلسلہ نقشبندیہ میں حصہ نہیں تھا اس لئے پیر کامل کی تلاش جاری رکھی۔

سلسلہ بیعت:۔

مالی حالات سازگار نہ تھے۔ تلاش معاش کے سلسلہ میں نکاح خوانوں کے پاس گرداوری کی پوسٹ کے لئے اوائل ۱۹۲۲ء میں سیالکوٹ آئے۔ اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تلاش معاش کا ارادہ تلاش حق میں تبدیل ہوگیا۔ چنانچہ وہیں سے اپنے خاندان کے ایک صوفی مشرب بزرگ فیروز الدین صاحب کے ہمراہ بغرض بیعت حضرت قبلہ مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں گولڑہ شریف تحصیل و ضلع راولپنڈی حاضر ہوئے اور مدعائے دل بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ میرے ماموں جان جو اپنے وقت کے کامل بزرگ گزرے ہیں ان کے مزار مبارک پر (جو وہیں گولڑہ شریف میں ہے) مراقبانہ حالت میں بیٹھئے۔ وہاں سے جو حکم ہو اسی کے مطابق عمل کیجیے۔ چنانچہ حسب الحکم وہاں حاضری دی۔ صاحب مزار کی طرف سے حکم ہوا کہ آپ کا حصہ سہروردی سلسلہ میں حضرت میاں غلام محمد صاحب سہروردی بمقام حیات گڑھ (نزد جلال پور جٹاں تحصیل و ضلع گجرات) کے پاس

ہے۔ فوراً وہاں پہنچ کر ان کی بیعت کرلیں۔ حسن اتفاق سے آپ کا ہمراہی حضرت میاں صاحب سہروردی المشہور ''باباجی'' سے آشنا تھا۔ آپ اس کے ساتھ حیات گڑھ پہنچے۔ وہاں پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت باباجیؒ ایک کیکر تلے جو گاؤں کے شمالی جانب اس نالے پر جو جلال پور جٹاں کے قریب سے بہتا ہے قیام فرما ہیں۔ چنانچہ آپ وہیں ان کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بوقت عصر باباجی کے ہمراہ ان کی قیام گاہ پر آئے۔ باباجی قبلہ کی رہائش فقیرانہ تھی۔ کمرے میں ایک طرف چارپائی بچھی ہوئی تھی اور باقی جگہ پر نیچے فرش پر دھان کا پیال تھا گویا ع کہ سبز پوش فقیراں ہمیں گیاہ بس است

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات:-

ایک مجلس میں فرمایا: رب العزت کا یہ کوئی راز تھا کہ پہلے پہل جب میں حضرت قبلہ بابا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: رات کو تیرا دادا[1] تیرے نانا[2] اور میرے پیر حضرت بابا جنگو شاہؒ[3] جو تینوں اولی العزم ولی تھے، مجھے ملے ہیں۔ انہوں نے مجھے فرمایا ہے کہ یہ لڑکا آرہا ہے اسے سنبھالنے کی کوشش کرنا۔ حضرت بابا شرف الدین جنگو شاہؒ نے خاص طور پر فرمایا کہ اسے اس لئے سنبھال کہ اس سے میرا نام ظاہر ہوگا۔

بیعت اور سلسلہ سہروردیہ کا سبق:-

حضرت قبلہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کو سلسلہ سہروردیہ کا جو سبق حضرت قبلہ شرف الدین المعروف بابا جنگو شاہؒ نے تلقین فرمایا تھا وہ سہروردیہ اور قادریہ کا مخلوط سبق تھا۔ حضرت صاحب قبلہ بغرض بیعت حاضر ہوئے تو باباجی قبلہؒ نے انہیں فرمایا کہ میرے دوسرے مرید سلسلہ سہروردیہ کی طرف توجہ نہیں دیتے اس لئے میں نے ان میں سے کسی سے بھی اس سلسلہ کے متعلق ذکر نہیں کیا لہٰذا اس سلسلہ سہروردیہ کی میں صرف تمہیں تلقین کرتا ہوں چنانچہ آپ نے سلسلہ سہروردیہ کا سبق تلقین فرما کر آپ کو بیعت سے سرفراز فرمایا۔

---

۱ قاضی سید محمد جمال الدین رحمتہ اللہ علیہ

۲ سید قادر بخشؒ

۳ آپ کا مزار اقدس ملہو کھر تحصیل گجرات میں ہے۔

حسن مجاز:-

گاؤں آکر جب آپ نے سبق شروع کیا تو سب سے پہلے حسن مجاز نے آگھیرا یعنی گاؤں کی نوجوان دوشیزہ لڑکیاں پیچھے لگ جاتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے فرمایا کہ اس صورت حال پر میں سخت پریشان ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس پھندے سے جان چھڑانا مشکل ہوگی۔ سبق بھی چھوڑ نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ رحمت فرمائی کہ گاؤں کے ایک مجذوب بزرگ جن کو انتقال فرمائے تھوڑا عرصہ ہی گزرا تھا خواب میں تشریف لائے۔ داڑھی رکھی ہوئی اور سر پر لال ٹوپی پہنے ہوئے تھے۔ آپ نے ان سے تبدیلیء وضع کا سبب پوچھا تو فرمانے لگے کہ آگے چل کر ایسا ہی ہوتا ہے۔ حسن مجاز سے خلاصی کا حل یہ بتایا کہ جو سبق پڑھ رہے ہو اس سے آگے یہ دو الفاظ (بارک وسلم) بھی پڑھ لیا کرو انشاء اللہ اس پھندے سے نجات مل جائے گی اور یہ اصنام نرم و نازک تمہارا پیچھا چھوڑ جائیں گی۔ چنانچہ اس طرح عمل کرنے سے اس الجھن سے خلاصی ہوئی۔

شادی خانہ آبادی:-

آپ کی شادی خانہ آبادی حضرت قبلہ سید نعمت علی صاحب کی دختر نیک اختر سے ۱۹۲۳ء میں ہوئی۔

تصور شیخ:-

تصور شیخ کے سلسلہ میں ایک دفعہ فرمایا کہ سلوک کی ابتدائی منزلوں میں ایک شام میں اپنے گاؤں میں چارہ کاٹ رہا تھا۔ چارے کی ہری بھری نالیوں کو مٹھی میں لیتا اور دائیں ہاتھ سے درانتی پکڑے تصور شیخ پکائے چارہ کاٹتا جاتا۔ دوسرے ہی دن حضرت قبلہ باباجیؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ فرمانے لگے: چارہ کاٹتے وقت تصور نہ کیا کرو مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔

انگلیوں میں شدید درد:-

حسن مجاز والی آزمائش سے نجات ملی تو کچھ عرصہ بعد آپ کے دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کی شہادت اور درمیانی انگلیوں میں شدید درد پیدا ہوگیا جو اس قدر بڑھا کہ ناقابل

برداشت ہوگیا جس کی وجہ سے آپ اکثر کراہتے رہتے۔ حالت یہ ہوگئی کہ نہ کپڑا پہنا جاتا' نہ اوڑھا جاتا۔ بڑے لاچار اور بے بس ہوگئے۔ ادھر بابا جی قبلہ نے سبق تلقین کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ اس دوران تمہیں تکلیف آئے گی۔ دو سال تک اس تکلیف کا مجھ سے ذکر نہ کرنا۔ گویا ایک کڑی آزمائش تھی جس میں دعا اور دوا کی ناکامی کا احتمال تھا۔ اس تکلیف نے سخت بے حال کر ڈالا۔ درد سے چیختے رہتے مگر وظیفہ نہ چھوڑتے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ تمام رشتے ناطے ساتھ چھوڑ گئے۔ رفیقہء حیات کو تو ان کے والدین ابتدائے آزمائش میں ہی اپنے گھر لے گئے گویا:

وحدہٗ لاشریک کے بندے وحدہٗ لاشریک ہوتے ہیں

شاباش بیٹا! مرد نکلے:-

ایک دن سیالکوٹ آنے کا اتفاق ہوا۔ ریلوے سٹیشن کے باہر ایک جگہ مٹی کے تودے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے تھے کہ اونگھ سی آگئی۔ وہی مجذوب بزرگ جنہوں نے پہلی الجھن میں سبق کے ساتھ دو لفظ بڑھانے کا حکم دیا تھا تشریف لائے اور فرمایا کہ لاہور چلے جاؤ۔ چنانچہ آپ اپنے پیر بھائی حکیم عبدالعزیز کے ہاں قلعہ گوجر سنگھ لاہور آگئے۔

ایک دن وہاں درد کی شدت سے کراہ رہے تھے کہ حسن اتفاق سے ایک حکیم باہر گلی سے گزر رہا تھا۔ اس نے کراہنے کی آواز سنی تو آپ کے پاس آگیا اور تکلیف کی وجہ پوچھی۔ آپ نے دونوں ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیاں دکھائیں۔ اس نے ایک ہفتہ تک آپ کی مرہم پٹی کی جس سے چمڑی اترتی رہی اور پھر مکمل آرام آگیا۔ بابا جی قبلہ نے جو دو سال اس سلسلہ میں رجوع نہ فرمانے کا حکم دیا ہوا تھا وہ مدت پوری ہوگئی تھی۔ لہٰذا صحت یاب ہونے پر پہلا کام یہ کیا کہ آپ حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حیات گڑھ پہنچے۔ وہ دیکھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے' گلے لگالیا اور فرمایا: شاباش بیٹا! مرد نکلے۔

دوسری ابتلاء کے مابعد اثرات:-

چودھری محمد یوسف صاحب سہروردی ''اجتماع ضدین'' میں لکھتے ہیں کہ سخت سردیوں کے دن تھے میں ایک علی الصبح حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ تخت پر رونق افروز تھے۔ مجھے ساتھ والی کرسی پر جگہ دی۔ میرا ہاتھ پکڑ کر الٹایا اور اپنے داہنے ہاتھ

کے انگوٹھے کے ساتھ والی دونوں انگلیاں میرے ہاتھ پر رکھیں جو گرم تھیں۔ پھر دوسری دونوں انگلیاں میرے ہاتھ پر رکھیں جو سرد تھیں۔ اسی طرح بائیں ہاتھ والی دو انگلیاں گرم اور دو سرد تھیں۔ پاؤں مبارک والی انگلیوں کی کیفیت بھی ایسے ہی تھی۔ اس اجتماع ضدین نے مجھے کچھ حیران سا کیا۔ آپ فرمانے لگے کہ یہ میرے مقام ابتلاء کی آخری یاد ہے جو ابھی ابھی تم نے محسوس کی۔

فوجی سپاہیوں کو درس:۔

اپنے گاؤں کے قیام کے دوران کچھ عرصہ آپ سیالکوٹ چھاؤنی بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں فوجی سپاہیوں کو درس بھی دیتے رہے۔ فوج والوں نے گھوڑی دے رکھی تھی جس پر سوار ہو کر آپ صبح چھاؤنی آجاتے اور شام کو واپس اپنے گاؤں چلے جاتے۔ بعد میں انہوں نے اس تکلیف کے پیش نظر کہ روز آنے جانے میں دقت ہوتی ہے، چھاؤنی میں سرکاری کوارٹر دے دیا۔

حضور علیہ السلام کے موئے مبارک والا نگینہ:۔

بمقام چمن ایک ارادت مند نے ایک فیروزہ اور ایک نگینہ بطور نذرانہ پیش کیا۔ فرمایا: قسطنطنیہ کے ایک سوداگر نے میرے ایک دوست کو ایک حمائل شریف جو نوٹ پیپر پر چھپی ہوئی تھی اور ایک بلور کا نگینہ بطور تحفہ پیش کئے۔ اس سوداگر کی روایت کے مطابق اس نگینے میں یہ خوبی تھی کہ اس میں حضور علیہ السلام کے لب مبارک کے گیارہ عدد چھوٹے چھوٹے بال مبارک تھے اور وہ صاف دکھائی دیتے تھے۔ میرے اس دوست نے وہ نگینہ اور حمائل شریف مجھے بطور نذرانہ پیش کی۔ میں نے اس بلور کے نگینے کو چاندی کی انگوٹھی میں مڑھا لیا۔ میرے شیخ حضرت قبلہ بابا جیؒ کو پکھراج نیلم فیروزہ کا بہت شوق تھا اور وہ مختلف قسم کے نگینے انگوٹھیوں میں جڑے ہوئے پہنے رہتے تھے۔ میں نے ساری عمر میں وہ پہلی انگوٹھی پہنی تھی۔ ایک دفعہ حضرت بابا جیؒ میرے ہاں تشریف لائے۔ انہوں نے وہ بلور کے نگینے والی انگوٹھی دیکھ کر اس کے متعلق پوچھا۔ میں نے راوی کی روایت کا ذکر کیا۔ کہنے لگے: آج اس انگوٹھی کو میرے پاس رہنے دو میں رات کو اسے سرہانے رکھ کر سوؤں گا اور حضور علیہ السلام سے اس روایت کی تصدیق کروں گا۔ چنانچہ رات کو انہوں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے تصدیق فرمائی کہ واقعی یہ بال میرے ہیں۔ ایک

جنگ کے موقع پر کسی جنگل میں حضورؐ نے لب مبارک تر شوائے۔ یہ چھوٹے چھوٹے بال مبارک اڑ کر اس بلور میں جذب ہو گئے۔

حضرت بابا جیؒ نے وہ انگوٹھی مجھے واپس کر دی اور فرمایا: اسے ہاتھ میں نہ پہنو اس لئے کہ کبھی ہاتھ پیچھے چلا جاتا ہے، آدمی ننگا ہو جاتا ہے، استنجے کرتا ہے تو اس طرح بے ادبی ہو جاتی ہے۔ اس وقت میرا پہلا بچہ فیض پیدا ہوا تھا[1] کافی عرصہ وہ نگینہ چاندی میں مڑھا کر میں نے اس کے گلے میں ڈالے رکھا۔ اس کے بعد ہم لاہور چلے آئے اور وہ نگینہ گاؤں والے گھر میں رہا۔ فیض کی تائی صاحبہ زندہ تھیں ان کے فوت ہونے کے بعد گھر میں ایسا انقلاب آیا کہ ہم لاہور تھے پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ نگینہ کہاں گیا۔

سلسلہ سہروردیہ کا خصوصی سبق:-

ایک مجلس میں حضرت مولانا مہر الدین صدر انجمن نعمانیہ لوہاری گیٹ لاہور نے اپنی کسی باطنی الجھن کا تذکرہ کیا جس کا حل بتانے کے بعد فرمایا: ایک دفعہ ابتداء میں مجھے ایک باطنی الجھن پڑ گئی۔ ان دنوں میں اپنے گاؤں کوٹلی لوہاراں مشرقی میں ہوا کرتا تھا۔ طبیعت بڑی پریشان ہوئی چنانچہ اپنے شیخ حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حیات گڑھ حاضر ہوا اور ان سے اپنی کیفیت عرض کی۔ آپ نے مجھے ایک سبق دیا اور دریا میں چلہ کرنے کا حکم فرمایا کہ اسے دریا میں دن رات قیام کر کے پورا کرو بس یہی کسر رہ گئی ہے۔ انشاء اللہ پھر تکمیل ہو جائے گی۔ میں ہاں تو کر بیٹھا لیکن دل میں خیال آیا کہ یہ کام بہت مشکل ہے اللہ تعالیٰ بہتر کرے۔ اس رات میں نے وہیں بابا جی قبلہؒ کے ہاں قیام کیا۔ رات کو تقریباً دو اڑھائی بجے عالم رویا میں حضرت غوث العالمین بہاالحق ذکریا ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور فرمانے لگے: جو انہوں نے دریا میں چلہ کرنے کا تمہیں حکم دیا ہے اسے کرنے کی ضرورت نہیں، اس لئے کہ ماقبل کے صوفیا شہروں سے دور جنگلوں اور پہاڑوں میں ڈیرے ڈال کر شہری زندگی سے بالکل منقطع ہو گئے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج سہروردی سلسلے کو جاننے والا ہی کوئی نہیں۔ لہٰذا اس دریا کے چلے کی بجائے میں تمہیں یہ سبق دیتا ہوں اسے شہر میں بیٹھ کر کرو۔ جو معاملہ دریا کے چلے سے طے ہونا ہے وہ انشاء اللہ شہر میں ہی رہ کر

---

[1] ۳ رجب ۱۳۴۴ ھجری مطابق ۱۷ جنوری ۱۹۲۶ عیسوی۔

پورا ہو جائے گا۔ میں نے عرض کی: بہت بہتر حضور! لیکن کرم فرمائی ہوگی اگر آپ بابا جی قبلہ کو یہی بات فرما دیں۔ فرمانے لگے فکر نہ کرو میں نے پہلے ہی انہیں کہہ دیا ہے۔ اس کے بعد آپ تشریف لے گئے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ حضرت قبلہ بابا جیؒ چارپائی پر آلتی مارے بیٹھے حقہ پی رہے ہیں اور آپ ہی آپ یہ کہہ رہے ہیں: دیکھو جی ہم تو جنگلوں کی خاک چھانتے رہے، پتھروں اور کانٹوں پر پھرتے رہے، دریائے چناب میں بارہ سال پانی میں ہی کھڑے رہے، ہمارا انچلا دھڑ مچھلیاں کھا گئیں، ہم پر تو کسی کو ترس نہ آیا۔ یہ کل کا نوجوان جسے اس لائن میں آئے ہوئے ابھی تھوڑا عرصہ ہی ہوا ہے اس پر حضرت غوث العالمینؒ کو اتنا ترس آ گیا ہے کہ خود ہی منع فرمانے آ گئے ہیں کہ دریا کے چلے کی ضرورت ہی نہیں۔ گویا سخت اور جانکاہ مجاہدے معاف اور سبق بھی وہ دے دیا ہے کہ منزلیں آن واحد میں ہی طے ہو جائیں۔ میں نے ہاتھ باندھ کر عرض کی: بابا جیؒ! کیا بات ہے؟ فرمانے لگے وہی بات جو حضرت غوث العالمینؒ تمہیں کہہ گئے ہیں۔ یہ دیکھو! میرا انچلا دھڑ دریاؤں کے چلے میں مچھلیاں کھا گئیں لیکن مجھ پر کسی کو ترس نہ آیا۔ مولوی صاحب[1]! آپ کی عیش ہے مزے سے کھاؤ پیو اور بستر پر آرام کرو۔ آپ کی قسمت اچھی ہے ہم تو جنگلوں کی خاک چھانتے، پتھروں اور کانٹوں پر ہی پھرتے رہے ہیں۔ ہاں جی! آپ کی باری تو سب کو ترس آ گیا۔ غوث العالمینؒ بھی تشریف لے آئے ہیں۔ ہماری باری سب خاموش رہے اب تمہیں عیش ہی عیش ہے میں نے عرض کی: قبلہ! جس طرح آپ کا حکم ہو میں اسی طرح کرنے کو تیار ہوں۔ بابا جی قبلہؒ مسکرائے اور فرمانے لگے: نہیں بیٹا! وہ کہتے تو ٹھیک ہی ہیں۔ تم اب وہی کرو جو وہ کہہ گئے ہیں۔

ورود لاہور:-

اگلی صبح حضرت قبلہ بابا جیؒ نے حکم دیا کہ فوراً سیدھے لاہور چلے جاؤ۔ وہاں ایبٹ روڈ پر حضرت حسن کنجد گر المعروف حسو تیلی سہروردی[2] رحمتہ اللہ علیہ کا مزار ہے وہاں جا کر بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ آپ نے تعمیل ارشاد میں اپنے گاؤں سے ہو کر جانا بھی مناسب نہ سمجھا اور سیدھے

---

[1] حضرت قبلہ بابا جیؒ پیار سے آپ کو مولوی کہا کرتے تھے۔

[2] حضرت حسو تیلی سہروردی حضرت بابا شاہ جمال قادری سہروردی لاہوریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔

لاہور آ کر مزار پر چلہ کش ہو گئے۔

امامت وخطابت جامعہ شاہ ابوالمعالیؒ :-

مزار پر چلہ مکمل کرنے کے بعد آپ نے لاہور میں مستقل امامت اختیار کر لی اور جامع حضرت شاہ ابوالمعالیؒ میں امامت وخطابت کا سلسلہ شروع کیا جو ۱۹۲۵ء تا ۱۹۳۴ء تقریباً نو سال تک جاری رہا۔

گاہے چنیں گاہے چناں :-

ایک دفعہ فرمایا: جن دنوں میں جامع شاہ ابوالمعالیؒ میں امامت کرتا تھا اس دوران کبھی کبھی ایک مجذوب مجھے ملا کرتا اور مجھ سے میرا حال پوچھتا تو میں کہہ دیتا کہ الحمد للہ ٹھیک ہے۔ لیکن وہ دو تین مرتبہ نفی میں سر ہلا کر بھاگ جاتا' جس سے میں سمجھ جاتا کہ یہ میرے حال سے خوش نہیں۔

خلافت سلسلہء سہروردیہ :-

ایک رات جب آپ اپنے اوراد و وظائف میں مشغول تھے تو دیکھا کہ دفعتاً کمرے کی چھت اڑ گئی ہے اور آسمان سے سرچ لائٹ کی طرح اندر روشنی آ رہی ہے بلکہ کمرے کی دیواروں سے بھی روشنی پھوٹ رہی تھی۔ گویا گرد و نواح کا تمام ماحول تا حد نگاہ نور ہی نور تھا۔ اس عالم میں طبیعت میں ایک خاص قسم کی طمانیت پیدا ہو گئی اور سکون ہی سکون محسوس ہونے لگا۔ حضرت قبلہ باباجیؒ ان دنوں لاہور میں اپنے ایک مرید کے ہاں مقیم تھے۔ اگلے دن آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دیکھتے ہی اٹھ کر گلے لگا لیا اور فرمایا مولوی تو نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے اب عیش ہی عیش ہے اور خلافت سہروردیہ سے مشرف فرمایا۔

صاحب مزار سے ملاقات :-

ایک دفعہ فرمایا: شروع شروع میں جب لاہور آیا اور حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی تو میں نے مزار مبارک کے قریب ایک مکان چھ روپے ماہوار کرایہ پر لے لیا۔ جب اس مکان میں منتقل ہوا تو کئی لوگ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ یہ مکان آسیب زدہ ہے یہاں جو بھی آ کر رہا ہے اس نے نقصان اٹھایا ہے سامنے

حضرت شاہ ابو المعالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا مزار ہے اس لئے دوسری منزل پر کوئی بھی نہیں چڑھتا۔ اس مکان کے اندر جو کوٹھڑی ہے وہ بھی پُر خطر ہے۔ غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ خیر! میں نے کوئی پروانہ کی اور اندرونی کوٹھڑی جسے وہ پُر خطر بتاتے تھے اس میں چٹائیاں وغیرہ ڈال لیں اور اپنا ڈیسک لگا دیا۔ کمرے میں قرآن شریف اور اپنی کتابیں وغیرہ رکھیں۔ میں وہیں سوتا، کوٹھے پر بھی چڑھتا اور سوتا بھی۔ اندرونی حصے میں میرے بچے رہتے تھے۔

ایک رات میں اندر کمرے میں چارپائی پر تکیے کا سہارا لئے بیٹھا تھا، دروازے وغیرہ بند تھے۔ میرے بیوی بچے ان دنوں گاؤں گئے ہوئے تھے، کیا دیکھتا ہوں کہ ایک درویش میرے پاس آ کھڑے ہوئے۔ کہنے لگے: آپ کوئی فکر نہ کریں آپ کے آنے سے رونق لگی ہوئی ہے۔ دن کو مسائل بیان ہوتے ہیں، رب کا ذکر ہوتا ہے۔ رات کو بھی اللہ اللہ کا ذکر ہوتا رہتا ہے۔ آپ سے پہلے یہاں طوائفیں رہتی تھیں۔ انہوں نے مجھے بہت تنگ کیا۔ کم بخت زنا کرتی تھیں۔ جب وہ دفع ہوئیں تو تانگے والے آ گئے۔ انہوں صحن میں گھوڑے باندھنے شروع کر دیئے ساتھ ہی بھینسیں بندھی ہوتی تھیں، ہر طرف غلاظت ہی غلاظت کے ڈھیر ہوتے۔ دیوار کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اس دیوار میں میری قبر ہے۔ وہ کم بخت مجھے تنگ کرتے رہے۔ آخر سوچا کہ جب تک میں بھی جوابی کارروائی نہ کروں گا یہ کم بخت یہاں سے نہیں جائیں گے چنانچہ پہلے تو ان کی بھینس مر گئی پھر گھوڑا مر گیا آخر ڈر کر یہاں سے چلے گئے۔ آپ کے آنے سے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے، بڑے شوق سے یہاں رہیں اپنی عدم موجودگی میں بھی فکر کرنے کی ضرورت نہیں گھر کے دروازے بے شک کھلے چھوڑ کر چلے جایا کریں میں گھر کی پوری حفاظت اور خیال رکھوں گا۔ تو اس طرح وہ درویش میرا بہت خیال رکھتا رہا اور میری بڑی مدد کرتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ مغرب کے وقت میں مراقبانہ حالت میں بیٹھا تھا۔ اپنے ایک درویش سلطانے کو میں نے کہا تھا کہ تو جا اور بازار سے روٹی لے آ۔ تو خیر! اس مراقبانہ حالت میں وہی رب کا بندہ ہاتھ میں کوئی چیز لئے پھر آ گیا۔ میری طرف ہاتھ بڑھا کر کہنے لگا: یہ لے لو۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ کہنے لگے: یہ پھول ہیں اور یہ میں تمہیں دیتا ہوں۔ میں نے کہا: بہت بہت مہربانی۔ آپ تشریف رکھیں۔ کہنے لگے: نہیں۔ مجھے وہ گلاب کا پھول دے کر جس طرف سے آئے تھے واپس چلے گئے۔ اتنی دیر میں ایک شخص نے باہر سے مجھے

آواز دی۔ باہر گیا تو دیکھا کہ میرے گاؤں سے وہ شخص آیا ہے۔ علیک سلیک کے بعد کہنے لگا آپ کو مبارک ہو آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے۔ تو یہ گویا فیاض میاں (صاحبزادہ نمبر ۲) کی پیدائش کی خوشخبری میں وہ بزرگ مجھے پھول عطا فرما گئے تھے[1]

اس واقعہ کے بعد میں نے حیدر شاہ صاحب سجادہ نشیں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ سے پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ وہ پوچھنے لگے: کیوں، کیا بات ہے؟ میں نے انہیں بتایا کہ اس حلیے کے درویش کو دیکھا ہے۔ کہنے لگے: عرصہ ہوا کہ میرے والد سید مہتاب شاہؒ نے ایک دفعہ مجھے یہ واقعہ بتایا تھا کہ لکھنوال تحصیل وضلع گجرات میں اس درویش نے وفات پائی تھی۔ وفات سے پیشتر اس نے وصیت فرمائی کہ مجھے حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی پائنتی دفن کیا جائے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ میں سویا ہوا تھا کہ خواب میں حضرت قبلہ شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ تشریف لائے اور مجھے فرمانے لگے: لکھنوال میں ایک رب کے بندے نے وفات پائی ہے۔ اس کی میت آرہی ہے۔ وفات سے قبل اس نے وصیت کی ہے کہ اسے میری پائنتی دفن کیا جائے لیکن اسے میری پائنتی میں ہرگز دفن نہ کرنا بلکہ اس جگہ دفن کرنا۔ ہاتھ کے اشارے سے آپ نے اس جگہ کی نشان دہی فرمائی جہاں اب اس درویش کی قبر موجود ہے۔ اس لئے کہ وہ اس پائے کا درویش ہے کہ اگر تم نے اسے میری پائنتی دفن کر دیا تو مجھے اپنے پاؤں سکیڑنے پڑ جائیں گے۔ میری آنکھ کھل گئی۔ اسی اثناء میں اس درویش کی میت لے کر لوگ پہنچ گئے۔ تو حیدر شاہ نے مجھے بتایا کہ حضرت! یہ وہی رب کا بندہ ہے۔

تو بات یہ ہے کہ جنہوں نے اپنے مطلب کا کام کرانا ہو تو وہ کرا لیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کی قبریں زندہ ہوتی ہیں۔

نام فقیر تنہاں دا باہو
قبر جنہاں دی جیوے ھو

عطائے خطاب:-

ایک مجلس میں اس امر کی صراحت فرمائی کہ یہ دونوں خطاب ''قلندر رسول نما'' اور ''غوث زماں'' مجھے حضرت قبلہ شاہ ابوالمعالی لاہوری رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف سے عطا

---

[1] جمعہ ۱۲ صفر ۱۳۴۸ ہجری مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۹ عیسوی۔

ہوئے۔ واقعہ یوں ہے کہ جن دنوں حضرت شاہ ابو المعالیؒ کے مزار مبارک کے ملحقہ کوارٹوں میں سے ایک میں آپ رہائش پذیر تھے آپ کے پڑوس میں ایک شخص کافی دیر سے رہ رہا تھا اس کی دلی تمنا تھی کہ اسے کوئی رہبر کامل ملے وہ حضرت شاہ ابو المعالی رحمتہ اللہ علیہ کے واسطے سے اس مرد کامل کی نشاندہی چاہتا تھا چنانچہ ایک رات اس نے استخارہ کیا کہ مولا کریم میں تیری طرف قدم اٹھانا چاہتا ہوں مجھے کوئی وسیلہ عطا فرما کیونکہ تجھ تک رسائی کے لئے ظاہری بیعت ضروری ہے چنانچہ خواب کی حالت میں اسے غیب سے آواز آئی کہ غوث زماں کی بیعت کرو۔ دوسری رات اس نے پھر وضاحت کے لئے استخارہ کیا تو آواز آئی ''غوث زماں قلندر رسول نما'' کی بیعت کرو۔ اس شخص نے اسی نیم خوابی کی حالت میں عرض کی حضور آپ کون بزرگ ہیں جو مجھے حکم فرما رہے ہیں؟ آواز آئی کہ یہ الفاظ پڑھو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ میں کون ہوں؟ چنانچہ اس نے اسی کیفیت میں تلقین شدہ الفاظ کا ورد شروع کر دیا۔ اسی اثناء میں وہ بزرگ سامنے تشریف لے آئے اور فرمایا: میں صاحب مزار ہوں جسے لوگ خیر الدین شاہ ابو المعالی کے نام سے جانتے ہیں جس ہستی کا میں نے تمہیں پتہ دیا ہے وہ تمہارے ساتھ والے کوارٹر میں رہتے ہیں ان سے رابطہ قائم کرو اور بیعت کر لو۔

''الفقیر'':۔

انہی ایام میں خطابت اور امامت کے ساتھ ساتھ رسالہ ''الفقیر'' کی ادارت و اشاعت کا کام بھی کرتے رہے۔

در رزق و معرفت:۔

ایک دفعہ فرمایا کہ وہ مجذوب بزرگ جو میری امامت کے دوران میں میرا حال پوچھ کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بھاگ جایا کرتا تھا، ایک دفعہ پھر ملا اور حال پوچھا۔ میں نے بتایا کہ اب کوئی حال نہیں امامت چھوڑ دی ہے اور رزاق مطلق کے بھروسے پر جم کر بیٹھ گیا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوا اور گلے لگا لیا۔ رب العزت کی مہربانی سے اس دن سے دونوں دروازے کھلے ہیں، معرفت والا بھی اور رزق والا بھی۔

زیارت انبیاء علیہم السلام :-

تصور کے ضمن میں ایک دفعہ فرمایا: اس ذات حقیقی کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے مجھے راتوں رات جملہ انبیاء علیہم السلام کی زیارت سے ایک ایک سے مشرف فرمایا اور علیحدہ علیحدہ ہر ایک سے مصافحہ کا شرف بھی بخشا۔ یہ سب برگزیدہ انبیاء علیہم السلام مجھے قطار میں دکھائے گئے اور لطف پر لطف یہ کہ سب سے پہلے بھی حضور علیہ السلام کو دیکھا اور قطار کے ختم ہونے پر بھی سب سے آخر میں انہیں ہی پایا۔ رب العزت کے فضل و کرم سے اب بھی یہ مقدس جماعت میرے تصور میں رہتی ہے۔

شاردا ایکٹ :-

ایک دفعہ فرمایا: انگریز کے زمانے میں ہندوؤں نے مل ملا کر شاردا ایکٹ پاس کرالیا[1] جس میں یہ منظور ہوا کہ چودہ سال سے قبل لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے۔ تمام علماء نے اس کی مخالفت کی۔ میں ان دنوں شاہ ابوالمعالیؒ کی مسجد میں جمعہ پڑھایا کرتا تھا۔ میں نے بھی اس کی مخالفت کی اور شاردا ایکٹ کے موضوع پر تقریر کی۔ جمعہ پڑھا کر جب میں مسجد سے نکلا تو دو ہیڈ کانسٹیبل مسجد کے دروازے پر کھڑے تھے۔ مجھے کہنے لگے کہ آپ کو تھانیدار صاحب تھانہ گوالمنڈی بلاتے ہیں۔ میں وہیں سے ان کے ساتھ تھانے چلا گیا۔ تھانے دار نے مجھ سے پوچھا: آپ نے شاردا ایکٹ کے خلاف تقریر کی ہے؟ میں نے کہا: ہاں! کی ہے۔ کہنے لگا: کیوں؟ میں نے کہا اس لئے کہ شاردا ایکٹ اسلام کے خلاف ہے۔ کہنے لگا: وہ بڑے علماء اور اسمبلیوں والے آپ کے نزدیک علم والے نہیں؟ میں نے کہا: ہوں گے مگر ہوسکتا ہے کبھی کوئی بات بڑے علم والوں کی سمجھ میں نہ آئے۔ کہنے لگا: مجھے سمجھایئے کہ اس میں کون سی بات صحیح نہیں؟ میں نے اسے بتایا کہ شاردا ایکٹ کی ایک دفعہ میں لکھا ہے کہ چودہ سال کی عمر سے قبل لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے۔ کہنے لگا: ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے کہا: اس پر غور نہیں کیا گیا کہ شریعت نے چودہ سال سے کم عمر سے قبل نکاح جائز رکھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے جب کہ ان کی عمر سات سال تھی نکاح کیا۔ شاردا ایکٹ چودہ سال عمر کی پابندی کیوں لگاتا ہے؟ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ کہیں نکاح تو ایک

---

[1] یہ ایکٹ انڈین اسمبلی میں ہربرلاس شاردا نے پیش کیا جو ۱۹۳۰ء میں پاس ہوا۔

دن کی لڑکی کا بھی جائز ہے لیکن سسرال میں روانگی اس وقت تک نہ کی جائے جب تک کہ لڑکی خاوند کا گھر آباد کرنے کے قابل نہ ہو جائے۔ کوتوال شہر خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد کہنے لگا: یہ صحیح ہے۔ میں نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا طریق ہے۔ زید کا نہیں، عمر کا نہیں، بکر کا نہیں، کسی صحابی کا نہیں، پھر آپ کس طرح کہتے ہیں کہ مسلمان چودہ سال سے کم عمر لڑکی کا نکاح نہ کریں۔ مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تابعدار ہے، شاردا ایکٹ کا نہیں۔

انجیل برنباس:۔

عیسائی مشنری کی تبلیغ اور موجودہ انجیل متی، لوقا، یوحنا پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک دفعہ فرمایا: موجودہ انجیل قطعاً صحیح نہیں۔ اصل انجیل برنباس ہے جو آج کل ناپید ہے۔ جن دنوں میں جامع مسجد شاہ ابوالمعالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ میں جمعہ پڑھایا کرتا تھا، ان دنوں ایک مرتبہ رمضان شریف میں آخری جمعہ کا وعظ کر رہا تھا۔ وہاں کافی مخلوق جمع ہوتی تھی۔ زیادہ تر دفتری اور کاروباری لوگ ہوتے۔ بڑا عجیب رنگ ہوتا۔ دوران تقریر میں نے دیکھا کہ حاضرین میں میرے سامنے ایک انگریز اور ایک میم بھی بیٹھے ہیں۔ جب میں تقریر سے فارغ ہوا تو وہ دونوں میرے پاس آ گئے۔ میں نے پوچھا: کیسے آنا ہوا؟ انگریز اردو کم جانتا تھا اس کے ساتھ جو میم تھی وہ اینگلو انڈین تھی۔ اس نے جواب دیا کہ یہ (انگریز) میرے پڑوس میں رہتا ہے اس کی میم کو جن کا سایہ ہے۔ ہم اسے آپ کو دکھانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: تم جانتی ہو کہ آج جمعہ ہے، جمعہ سے فارغ ہونے کے بعد ہی جا سکتا ہوں۔ آپ چار ساڑھے چار بجے آ جائیں۔ چنانچہ وہ ساڑھے چار بجے مجھے لینے آ گئے۔ میں ان کے ساتھ گھر پہنچا۔ میم بے ہوش پڑی تھی۔ میں نے اسے دیکھ کر اس کے منہ پر پانی چھڑکا اور دم کیا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ ٹھیک ہو گئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دراصل اسے انقباض کی شکایت تھی۔

میم کے اس طرح تندرست ہو جانے پر وہ انگریز بہت خوش ہوا۔ اسی خوشی میں اس نے مجھے کچھ تحائف پیش کئے اور انہیں قبول کرنے پر اصرار کیا۔ ان تحائف میں ایک نسخہ برنباس تھا جس کے بارے میں اس نے کہا کہ یہ مجھے اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ میرے بزرگ پادری تھے آپ اس نسخہ کو لے جائیں اور پڑھ کر چند دن بعد مجھے واپس کر دیں۔

چنانچہ ان دنوں میں نے اس نسخہ کا مطالعہ کیا اور کچھ دنوں بعد اسے واپس کر دیا۔ اس کے بعد انجیل برنباس کا صحیح نسخہ حاصل کرنے کے متعلق میں نے کلکتہ، بمبئی اور دیگر مقامات پر لکھ کر دریافت کیا مگر وہ نہ مل سکا۔ مجھے ابھی تک اس کی تلاش ہے۔

کشف باطن :-

مسجد چودھریاں اندرون قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں بھی آپ نے کچھ عرصہ نماز جمعہ پڑھائی اور اپنے مواعظ حسنہ سے خلق کو مستفید فرمایا: چودھری محمد یوسف سہروردی ''اجتماع ضدین'' کے صفحہ ۱۷۳، ۱۷۴ پر لکھتے ہیں: آپ کے خطابات سننے کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ آپ کا معمول تھا کہ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر واپس چند دوستوں (مریدوں) کے ہمراہ اپنے گھر تشریف لاتے۔ ایک دن حسب معمول واپس جو آئے تو ایک دوست سے جو مضافات لاہور ہی کا رہنے والا تھا، سے فرمانے لگے: آج دوران جماعت آپ نے میری اقتداء کئے ہوئے سارا وقت قمیض و تہبند کے خیال میں اور صابن کپڑے کے ڈپوؤں کے چکر میں گزارا اور مقابلتہً کبھی کبھی سامنے میری اچکن، شلوار اور عمامہ کا خیال کیا۔ اپنی ساری نماز بھی خراب کی اور کچھ حاصل بھی نہ ہوا۔ سنو! میرا لباس جو تم دیکھ رہے ہو اس کے ایک تار کو بھی دل میں جگہ نہیں، جس نے اس گھر کو گھر والے پر چھوڑا ہوا ہے۔ برخلاف اس کے آپ نے اس گھر میں کرتہ، تہبند اور صابن کا ڈپو سب گھسیڑے ہوئے ہیں اور گھر والے کے لئے کوئی جگہ نہیں چھوڑی۔ یہ جملہ خیرات و عبادات اگرچہ بمنزلہ ڈول ہیں جو کوئیں کا پانی صاف کرنے کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں لیکن یہ بھی اس طرح مشروط ہیں کہ پہلے کنوئیں سے کتا نکالا جائے پھر ڈولوں سے پاکیزگی کا اہتمام کیا جائے۔ اگر کتا اندر ہی رہا تو ڈول نکالنے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ چاہے ان کی تعداد شمار میں نہ آئے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل — دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکر نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور — تری خودی کے نگہبان نہیں تو کچھ بھی نہیں

رزاق مطلق :-

۱۹۳۴ء کے اواخر میں حضرت قبلہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اور پوچھا کہ رب العزت کو مسبب الاسباب مانتے ہو یا رزاق مطلق؟ آپ نے عرض کی حضور! مسبب

الاسباب مانتے ہوئے تو عمر گزر گئی ہے اب رزاق مطلق ماننے والا نشہ بھی چڑھا دیں۔ آپ مسکرائے اور وہیں محلہ آویاں میں ایک قطعہ زمین کی نشاندہی فرما کر مکان تعمیر کرانے کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ اسی جگہ آپ نے رہائشی مکان تعمیر کرایا۔

ادائے حج:۔

ایک دفعہ فرمایا: فروری ۱۹۳۵ء میں جب میں حج پر گیا تو وہاں ابن سعود کی طرف سے دعوت نامہ ملا' چنانچہ میں ان کے ہاں پہنچا۔ شاہ سعود نے مجھ سے پوچھا: سنایئے! آپکا سفر بخیریت گزرا۔ راستہ میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی؟ میں نے کہا: تکلیفیں تو بہت ہوئی ہیں۔ پوچھنے لگے: وہ کیا؟ میں نے ساری تکالیف بتائیں۔ اس وقت مولانا اسماعیل غزنوی' امان اللہ کابلی وزیر یمن، سر عمر حیات خان ٹوانہ، نواب بہاولپور، نظام حیدر دکن کی والدہ اور کئی دیگر عمائدین وہاں موجود تھے۔ جب میں نے راستے میں پیش آنے والی تکالیف بتائیں تو شاہ ابن سعود نے کہا یہ جتنے لوگ بیٹھے ہیں انہوں نے تو کسی تکلیف کا ذکر نہیں کیا' آپ کیسے کہتے ہیں کہ تکالیف ہوئیں؟ میں نے کہا: ہم پہلے آئے ہیں اور یہ بعد میں۔ علاوہ ازیں فرسٹ کلاس کی سیٹوں پر سفر کر کے جدہ پہنچے ہیں جدہ میں جلالتہ الملک سلطان کی ساٹھ ساٹھ ہزار روپے کی قیمتی کاریں انہیں لینے کے لئے وہاں موجود تھیں۔ وہاں سے حج کے لئے روانہ ہو کر یہاں گیارہ بجے انہوں نے آپ کے ہاں کھانا کھایا! انہیں کیا تکلیف ہونی تھی۔ تکلیف تو انہیں ہوتی ہے جن کی نہ لاریاں ہیں' نہ راستے میں ان کے لئے روٹی پانی کا انتظام ہے۔ اگر حکم ہو تو پانچ دس آدمی پیش کروں۔ شاہ ابن سعود کہنے لگے: جتنی تکلیفیں آپ نے بیان کیں ہیں یہ سب مجھے لکھ کر دیں تا کہ اُن کا آئندہ تدارک کیا جا سکے اور حجاج کے آرام کے لئے زیادہ سے زیادہ ممکن سہولتوں کا انتظام کیا جا سکے۔ میں نے کہا بہتر مگر مدینہ شریف کے سفر کے بعد لکھ کر دوں گا۔ چنانچہ حج بیت اللہ اور مدینہ شریف کی حاضری کے بعد واپسی کے سفر پر میں نے تمام حالات میمورنڈم کی صورت میں لکھے اور اس میں یہ بھی لکھا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں لڑکیوں کے لئے ایک ایسے سکول کی تعمیر کی ضرورت ہے جیسے ''مدرستہ البنات'' یا ''مدرسہ ملیہ'' ہیں۔ میرے اس میمورنڈم کا جواب شاہ ابن سعود کی طرف سے مجھے حج سے واپسی پر یہاں لاہور میں موصول ہوا جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ معلمات اور

متعلمات کی ضروریات واخراجات کا ذمہ کون لے گا؟ میں نے انہیں جواب میں لکھا کہ یہ حکومت کے فرائض میں داخل ہے۔ اگر اس ضمن میں کوئی بوجھ میرے ذمے ڈالا جائے تو سلائی کی مشینیں، کروشیے، دھاگہ، بیل بوٹے بنانے والی مشینیں اور پرزے، دست کاری کا ساز وسامان وغیرہ کا ذمہ میں لیتا ہوں لیکن ان کا انتظام آپ کے ذمے ہوگا۔ چنانچہ میرے اس خط کے جواب میں انہوں نے مجھے پھر لکھا کہ میرا وزیر عبداللہ سلیمان اس کے متعلق آئندہ سال حج کے موقع پر آپ سے خاص طور پر بات کرے گا مگر دوسرے سال میں حج پر نہ جاسکا کیونکہ مسجد شہید گنج کا جھگڑا شروع ہوگیا تھا۔

مدینہ منورہ میں:-

ایک صاحب نے عرض کی: نجدی سپاہی حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کی جالی کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے۔

فرمایا جب میں حج پر گیا ہوا تھا تو ایک دفعہ مدینہ شریف میں روضہ مبارک کی جالی سے سر ٹیکے ہوئے تھا۔ دو تین مصری عورتیں، قد آور، سفید لباس میں ملبوس۔ ان کی اپنی قبول صورتی کا یہ عالم۔ مصر کا حسن مشہور ہے۔ وہ میرے پیچھے آکر کھڑی ہوگئیں۔ انہیں دور سے دیکھ کر ایک نجدی سپاہی آگے بڑھا اور انہیں کہنے لگا پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوں۔ وہ میری طرف اشارہ کر کے کہنے لگیں: ھذا اخی (یہ ہمارا بھائی ہے) جو بیٹھا ہے۔ سپاہی نے سمجھا کہ اسی کی وجہ سے یہ عورتیں یہاں کھڑا ہونا چاہتی ہیں، انہوں نے میرے سر کے اوپر سے جالی مبارک کو ہاتھ لگا دیا۔ سپاہی نے ڈنڈا آگے کر دیا۔ یقین کیجیے وہ سپاہی جو تھے سوکھے سڑے، پستہ قد اور بے شکل سے۔ ایک لڑکی نے پیچھے ہٹ کر اس سپاہی کی طرف دیکھا اور اسے گردن سے پکڑ کر دھکا دے دیا۔ اسی اثناء میں ان کی ہمراہی معمر عورت نے کچھ رقم مٹھی میں پکڑ لی، سپاہی نیچے گر کر اٹھا اور جب ندامت کی ہنسی ہنستے ہوئے پھر اپنی جگہ پر واپس آیا تو مائی نے کہا: یا شیخ! وہ آگے ہوا تو اس کی ہتھیلی پر طیب طیب کہتے ہوئے وہ پیسے رکھ دیئے۔ سپاہی رقم لے کر دوسری طرف چلا گیا۔ دوسری عورتیں میرے سر کے اوپر سے ہاتھ بڑھائے جالی سے چمٹی ہوئی کھڑی تھیں۔ میں نے کہا: بھلا ہو تمہارا، وہ اب چلا گیا ہے۔ وہ میرے پاس نہ آیا اور کسی نے پلٹ کر بھی نہ پوچھا کہ تم کون ہو؟۔

شب جائے کہ من بودم:-

ایک مرتبہ فرمایا: حسن محبوب کا اپنا ہوتا ہے اس کی مرضی ہے چاہے نقاب ڈال لے یا اٹھا ڈالے۔ مواجہ شریف کے سامنے حاضری کے لئے دست بستہ کھڑا تھا کہ رحمت عالمؐ جوش میں آئی۔ درون خانہ کے پردے اٹھائے گئے اور مجھے اندر آنے کی اجازت بخشی گئی۔ میرا جسم بے حس ہو کر دھڑام سے گر گیا۔ ساتھ والے احباب متفکر ہوئے کہ یہ کہیں جان سے ہی نہ چلا جائے اور میں ع ''ز درونِ خانہ گفتم'' کی کیفیت لئے شریک محفل تھا۔ اس وقت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہاتھ میں تلوار سنبھالے ہوئے پاسبانی کے منصب پر فائز تھے۔ مجھے ان کے رعب دار الفاظ ''چلو اندر'' کی صدا ابھی تک سنائی دیتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میری حاضری کی مدت تقریباً آدھ گھنٹہ رہی۔ اس دوران میرے دوست میرے جسم کو ادلتے بدلتے رہے حتیٰ کہ میں اس محفل سے سرشار واپس آ گیا۔

مخلوط طواف کعبہ:-

مکہ معظمہ میں سلطان سعود کے پاس لوگوں نے درخواست پیش کی کہ عورتوں کے طواف کا وقت علیحدہ رکھا جائے۔ یہ مردوں کے ساتھ مل کر طواف نہ کریں۔ شاہ سعود نے کہا: یہ سلطنت کا کام نہیں مفتی صاحب کے پاس یہ مسئلہ لے جاؤ۔ یہ لوگ مفتی صاحب کے پاس گئے۔ انہوں نے درخواست پڑھ کر اس کی پشت پر لکھ دیا کہ جو عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو رہا تھا وہی جاری رہے گا۔ اسے بدلا نہیں جا سکتا اس لئے کہ جو نبی کا حکم ہے وہی اللہ کا حکم ہے۔ وہ لوگ یہ حکم لے کر چند دوسرے واقف کاروں کے پاس گئے۔ انہوں نے کہا یہ فتویٰ صحیح ہے آپ کو یہ کیسے وہم ہوا؟۔

اپنی اصلاح:-

ایک مجلس میں فرمایا: تبلیغ کا سب سے بلند و احسن پہلو یہ ہے کہ اپنا کرتہ صاف رکھو۔ کسی کے کرتے کے میل پر نکتہ چینی نہ کرو، تمہارے کرتہ کو دیکھ کر میلے کرتہ والا خود بخود اثر قبول کر لے گا۔ جو وقت غیر کی نکتہ چینی میں صرف کرنا ہے وہ اپنی اصلاح پر لگاؤ۔ اپنی سیدھ ٹھیک رکھو اور منزل کھوٹی نہ کرو۔ جہاں سورج چھپنے سے پہلے پہنچنا ہے وہاں اگر راستے میں رک گئے خواہ کسی خیر کی وجہ سے ہی ہو بہر حال رسائی میں تاخیر ضرور واقع ہو گی جو نقصان کا باعث

بنے گی۔ اللہ والے دنیاداروں کی پرواہ نہیں کرتے۔

دوگونہ عذاب:-

ایک دفعہ فرمایا: اہل دنیا کا راستہ کچھ اس قسم کا ہے کہ ان کی مخالفت کی جائے تو بھی راضی نہیں ہوتے اور اگر مطابقت کی جائے تو بھی راضی نہیں ہوتے۔ یہاں لاہور میں ابتدائی ایام انتہائی عسرت میں گزرے، اس حالت میں بھی رہا کہ میرا تہبند کھدر کا ہوتا تھا جو بمشکل آدھی پنڈلیوں پر آتا۔ اسی طرح معمولی کھدر کا کرتہ اور کھدر کی ہی پگڑی، وہ بھی بمشکل شرعی تین گھیروں تک۔ طرہ تو درکنار شملا کے لئے بھی دوگرہ زائد کپڑا میسر نہ تھا۔ میرے بچے اگر مجھے اس حالت میں دیکھتے تو شاید پہچان بھی نہ سکتے۔ اس زمانہ میں بھی دنیاوالوں نے مجھ پر خوب پھبتیاں کسیں کہ یہ گدڑی پوش، فقیری کا دعویٰ کرنے والا، ننگ اسلام بنا ہوا ہے۔ وہ دن گزرے اور اب جبکہ ہر طرح کی ظاہری آسائش میسر ہوئی ہے اور وہ بھی کئی دنیاداروں سے بڑھ چڑھ کر تو اب یہ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ دیکھو! یہ فقیری کا دعویٰ کرنے والا کاروں پر سوار ہوتا ہے۔ بہترین پوشاک پہنتا ہے اور شاہانہ دسترخوان رکھتا ہے۔ غرضیکہ دنیا والے دونوں طرح اپنی فطرت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔

حضرت خاتون جنتؓ:-

ایک دفعہ فرمایا: قیام پاکستان سے کچھ عرصہ پیشتر حضرت بی بی خاتون جنت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بمعہ سرکار علی کرم اللہ وجہہ میرے غریب خانہ پر تشریف لائیں اور مجھ سے پوچھا: حضور علیہ السلام تشریف لائے تھے، کدھر ہیں؟ میں نے عرض کی اوپر چوبارے والی منزل میں۔ آپ نے فرمایا: چلو، اوپر چلیں۔ میں، میری بیوی، سرکار حضرت علیؓ اور حضرت بی بی فاطمہؓ اوپر گئے۔ دیکھا کہ حضور علیہ السلام ایک پلنگ پر آرام فرما رہے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بیوی کو اشارہ فرمایا کہ پینے کے لئے پانی لاؤ۔ اس نے ایک پیالے میں پانی پیش کیا۔ حضورؐ نے پانی پیا۔ حضرت مائی صاحبہؓ، میں اور میری بیوی حضورؐ کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ میری بیوی نے محسوس کیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور پر پسینہ آیا ہوا ہے اور لب مبارک گیلے ہیں۔ اس نے اپنے دوپٹے سے حضورؐ کا پسینہ پونچھا اور لب مبارک بھی۔ حضرت اماں جی بی بی خاتون جنت

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بیٹا! ایک وقت آرہا ہے کہ یہاں ایسی کیفیت پیدا ہوگی جس طرح کربلا میں ہوئی تھی۔ دودھ والیوں کے دودھ سوکھ جائیں گے، حمل والیوں کے حمل گر جائیں گے۔ آگ کے شعلے ہر طرف بلند ہوں گے۔ ہر انسان خوف زدہ ہوگا لیکن تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم یہیں رہنا۔ حضرت مائی صاحبہؒ کے ان ارشادات کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُٹھے اور وہیں سے تشریف لے گئے۔ یہ پتہ نہیں کہ سیڑھیوں سے نیچے اترے یا نہیں۔

چنانچہ جب فسادات کا سلسلہ شروع ہوا تو ایک ایک میل پر شعلے جاتے، خون سے لت پت گاڑیاں دیکھیں۔ اسی حالت میں لاہور سے سیالکوٹ، کوہ مری، دادو سندھ کا سفر کیا۔ روزے کراچی رکھے۔ ان حالات میں مہاجر آرہے تھے۔ گاڑیاں بھری ہوئیں۔ سو آدمی کمرے کے اندر ہیں تو ڈیڑھ سو چھت پر، لیکن جد پاک کا صدقہ اتنا ان کا دھیان رہا کہ کبھی مجھے یہ خیال نہ آیا کہ ان حالات میں میں گاڑی میں جا رہا ہوں۔ جن دنوں ہندو سکھ یہاں سے جا رہے تھے میں ایک مرتبہ اکیلا گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ ہندوؤں اور سکھوں سے گاڑی بھری ہوئی تھی۔ ایک بوڑھا سکھ اپنی سیٹ سے اٹھا کہ میاں جی! گرمی ہے میں آپ کو پنکھا جھلتا ہوں۔ یہ سرکار دو عالمؐ جد پاک کا صدقہ تھا۔ میں نے اسے کہا: نہیں معاف کرو میری موجودگی میں اس بات کا وسواس نہ کرو۔ تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کئے جاتا ہوں۔ حضرت اماں جی بی بی جنت خاتون رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے منہ سے نکلے ہوئے وہ الفاظ دل و دماغ اور سینے پر اس طرح نقش ہیں کہ آج تک نہیں بھولے۔ وہ منظر آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ محفوظ رکھنے کا ہو اور بزرگوں کی امداد شامل حال ہو تو غیر اقوام کے پروگرام کیا معنی رکھتے ہیں؟۔

قوالی اور سہروردی حضرات

ڈاکٹر محمد اسماعیل سہروردی نے پوچھا: کیا قوالی سننا جائز ہے؟

فرمایا: طریقت یا درویشی میں پہلی چیز یہ ہے کہ اس کا منبع دیکھو کہ جتنا ان سلسلوں میں علم باعمل پایا جاتا ہے کیا وہ منبع سے چلا ہے یا اس میں بعد ازاں ایسے خس و خاشاک مل گئے ہیں جنہوں نے اس صاف پانی کو گدلا کر دیا ہے؟ حضور علیہ السلام سے اسلام کا ظاہری پہلو اور خداشناسی کا باطنی پہلو یعنی شریعت اور طریقت دونوں چلے ہیں۔ ظاہری پہلو یہ ہے کہ قوم کا ڈھانچہ تیار ہو جائے جیسے کھیتی بوئی جائے۔ اب اس کھیتی کو بونے کے بعد اس کے تحفظ کی بھی دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک اندرونی اور ایک بیرونی۔

زمیندار جب کھیتی بوتا ہے تو کھیتی کے شگوفے نکلنے پر نقصان کے احتمال کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کھیتی میں گندم بوئی ہے' اس کے ساتھ فالتو بوٹیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں جن سے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے چونکہ اس طرح زمین کی طاقت تقسیم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ زمیندار ان فالتو خودرو بوٹیوں کو نکال پھینکتا ہے اور گندم رہنے دیتا ہے۔ یہ اس فصل کا گویا اندرونی تحفظ ہے۔ بیرونی تحفظ یہ ہے کہ باہر سے کوئی ڈھور ڈنگر آ کر اس فصل کو کہیں برباد نہ کر دے اس لئے وہ اس کھیتی کے اردگرد باڑ لگا دیتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے قوم کے ڈھانچے اور ان کی ظاہری نشوونما و ارتقاء کا یہ ظاہری تحفظ یوں فرمایا کہ قرآن اور حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے گرد خلافت کی باڑ لگا دی۔ اندرونی تحفظ یہ فرمایا کہ ''اللہ اللہ'' کرنے کا وہ طریقہ جو غار حرا سے شروع ہو کر معراج کی بلندیوں پر ختم ہوا اس سے قوم میں اندرونی طور پر خداشناسی کی لائن کو بیان فرمایا۔ درویشی کا طریق کار بتایا اور فرمایا: اخرج الیھود و النصاری من جزیرۃ العرب. (یہود اور نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو)

اور: الفقر فخری و الفقر منی (مجھے فقر پر فخر ہے اس لئے کہ فقر مجھ سے ہے)

وہ کیوں؟ معراج حاصل ہوا' براہ راست خدا سے مکالمہ بالمشافہ ہوا' اس پر فخر نہیں کیا' نبوت تامہ پر فخر نہیں کیا۔ آپ نے فرمایا: میں آدم کی تمام اولاد کا سردار ہوں لیکن مجھے فخر نہیں۔ کتاب ملی' ام الکتاب' اس پر فخر نہیں کیا۔ صحابہؓ کی جماعت ملی سب سے افضل' اس پر فخر

نہیں کیا۔ ازواج مطہراتؓ ملیں سب سے بڑھ کر اس پر فخر نہیں کیا۔ اہل بیتؓ ملے سب سے بلند اس پر فخر نہیں کیا۔ فخر کیا تو صرف ''فقر'' پر۔

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ کیا چیز ہے جس پر فخر کیا؟ یہ ایسی شے نظر آتی ہے جو رب العزت کے راز پانے کی آخری سٹیج ہے اور جس مقام پر دوسرے انبیاء اور رسولوں میں سے بھی کوئی نہیں پہنچا' اس مقام کا نام ''فقر'' ہے۔ اس رنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دو صورتیں جو بیان فرمائی ہیں۔ ظاہری میں قرآن، حدیث اور فقہ شامل ہے۔ اندرونی پہلو جہاں علماء کی زبانیں کاٹ دی گئیں' جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے وہاں ''لا الہ'' کی تبلیغ کے لئے کس نے کام کیا ہے؟ درویشوں نے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ درویشی رسولؐ تک رہی اور وہاں سے جب ایک کڑی سے دوسری کڑی تک آئی تو کیا ذوق سماع اور سماع بالمزامیر کا عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور متقدمین میں ہے یا نہیں؟

بات دراصل یہ ہے کہ سماع یا قوالی کا زمانہ بہت بعد کا ہے۔ نہ تو حضور علیہ السلام کے زمانے میں اور نہ ہی خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے زمانے میں اسے رب العزت کے عرفان یا روح کی پرواز کا باعث سمجھا جاتا تھا۔ ایک حدیث میں آتا ہے: ابتدائے اسلام کے زمانے میں ایک عورت جو کہ مغنیہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے منت مانی تھی کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو میں آپ کے روبرو گاؤں گی۔ منت چونکہ ادا کرنی فرض ہوتی ہے اس لئے فرمایا: منت پوری کرو۔ چنانچہ وہ بیٹھ گئی اور گانا شروع کیا۔ اسی اثناء میں حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لے آئے' دیکھا کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ وہ خاموش رہے۔ آپ کے بعد حضرت علیؓ تشریف لائے اور وہ گاتی رہی۔ اسی اثناء میں حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس نے جب حضرت عمرؓ کا نام سنا کہ وہ تشریف لائے ہیں تو اپنا ساز و سامان لپیٹ کر اٹھ بھاگی۔ اتنی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اندر تشریف لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: کیا عجیب بات ہے کہ شیطان عمر کے سائے سے بھی بھاگتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اس کی منت پوری کرنے کے لئے سماع کی اجازت تو دے دی مگر اسے مستحسن فعل قرار نہیں دیا بلکہ شیطان کا سایہ فرمایا۔ تو گویا حضورؐ کے مزاج اطہر میں اس شے کا کوئی حصہ نہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگی چونکہ نبوت کی زندگی کا عکس ہے اس لئے یہ چیز صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں نہیں ملتی۔ تابعین کے

زمانے میں بھی نہیں پائی جاتی۔ اس کے بعد تبع تابعین کا زمانہ آیا اور اس کے کئی سو سال بعد کے بزرگوں حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ یا ان کے بعض ہمعصروں میں یہ ذوق سماع رہا۔ انہوں نے اسے رواج دیا، لیکن اپنی ذات کے لئے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ سے اس کے متعلق کسی نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

''نہ انکار می کنم نہ ایں کار می کنم''

انکار اس لئے نہیں کرتا کہ یہ بعض بزرگوں کا فعل ہے اور خود سننے والا کام اس لئے نہیں کرتا کہ یہ فعل میرے بزرگوں میں نہیں پایا جاتا۔

خواجہ عثمان ہارونیؒ اور حضرت غوث الاعظمؒ کے زمانے کی ایک بات یہاں واضح کرتا ہوں کہ حضرت غوث الاعظمؒ کا یہ عمل رہا ہے کہ آپ نے فتوے دے کر گانے بجانے والوں کو بغداد سے نکلوا دیا اور سماع کے متعلق شدت سے منع فرمایا۔ ''غنیتہ الطالبین'' میں اس کا ذکر موجود ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حضرات شاہ جیلانؒ کا عرس منعقد کرتے ہیں تو وہ قوالی کا فعل حضرت کے حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ نہ معلوم ان کے پاس اس کا کیا جواز ہے؟ کہ عرس تو ہو حضرت شاہ جیلانؒ کا اور ڈھولک بجائیں حضرت چشتیؒ کے مسلک کی، حالانکہ وہاں تو ساری شقیں شریعت کے مطابق ہی ملتی ہیں۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے نہ تو سماع سنا اور نہ ہی اس کی اجازت فرمائی۔ اس لئے ایسے حضرات کا عمل حضور غوث پاکؒ کے عمل کے خلاف ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضرت عثمان ہارونیؒ چونکہ خود نہایت ہی خوش فکر شاعر تھے، بلند پایہ نعتیں اور غزلیں کہتے تھے، ان کے حسن مذاق میں یہ چیز شامل تھی۔ شاعری کا بنیادی پتھر حضور علیہ السلام کے زمانے میں بھی پایا جاتا ہے اس لئے شاعرانہ مذاق، شاعرانہ تخیل اور شاعرانہ طبائع ہر زمانے میں رہی ہیں۔ حضرت عثمان ہارونیؒ خود غزلیں، نظمیں اور نعتیں کہتے اور پڑھتے تھے۔ اس میں ایک لطافت ہوتی ہے کہ اپنے محبوب کا تصور رکھ کر ایسے انداز سے کرے جو اس کی روحانی غذا کا باعث بنے۔ ان سے آگے یہ نسبت چشتیوں اور حسن سنجریؒ وغیرہ کو پہنچی۔ حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ، خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کا زمانہ ایک ہی ہے، کوئی دس سال پہلے کوئی دس سال بعد۔ حضرت خواجہ اجمیری چشتی رحمتہ اللہ علیہ، حضور غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کے خالہ زاد بھائی ہیں مگر اس کے باوجود قوالی کے مسئلے میں ایک

ماحول میں اکٹھے نہیں ہوئے۔ حضرت شیخ الشیوخ ؒ حضور غوث پاک ؓ کے بھانجے تھے۔

امتیازی خصوصیت :-

جب خواجہ چشتیؒ اور حضرت شہاب الدین عمر سہروردیؒ اس قابل ہوئے اور درویشی کی بالائی منزل پر دین مبین کی تبلیغ کے لئے موزوں سمجھے گئے تو ان کا معاملہ باطنی طور پر دربار رسالت ؐ میں پیش ہوا تو حکم ہوا کہ ان کی ڈیوٹیاں پیش کی جائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی ڈیوٹیاں یوں تفویض فرمائیں کہ سہروردیؒ کو ملتان کی طرف اور چشتیؒ کو سرحد، کابل اور غزنی وغیرہ کا تعین فرمایا۔ لیکن جب تقسیم ہونے لگی تو چشتیؒ کو ہندوستان میں اور سہروردیؒ کو ادھر لگا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یہ تقسیم تو الٹی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: تقسیم اس لئے بدلی ہے کہ معین الدین کا مذاقِ سماع ہندوستان کی فضا سے مطابقت رکھتا ہے۔ اہل ہند ڈھولک ساز بجاتے ہیں لہٰذا ان کی طبیعت مزامیر کے ذریعے اہل ہند کے لئے جاذب ہوگی۔ سہروردیؒ کی پیشانی میں شریعت محمدی کا نور چونکہ جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، اس میں یہ سماع نہیں لہٰذا اسے دوسری طرف بھیج دو۔ چنانچہ اس معاملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سہروردیوں کے ساتھ سماع کا کوئی تعلق نہیں۔ دوسرے یہ کہ سہروردی حضرات وسط ہند کو عبور کر کے بنگال تک پہنچے ہیں مگر ان کی تبلیغ میں یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ انہوں نے قوالی سنی ہو یا ایسا ماحول پیدا کیا ہو اور طبلے کی تھاپ سے لوگوں کو اکٹھا کیا ہو، بلکہ انہوں نے اندرونی قوتِ باطنی سے مخلوق کی طبیعتوں میں عرفان کی صلاحیت و پرواز پیدا کی۔ میں نے اپنی تحقیق میں بھی سہروردی حضرات میں سے کسی کو سماع بالمزامیر کا ذاکر یا سامع نہیں پایا اور نہ ہی مجھے سہروردی حضرات سے یہ نسبت پہنچی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض حضرات اس عمل کی شدت سے ممانعت کرتے ہیں۔

حاضرین میں سے ایک نے قطع کلامی کرتے ہوئے عرض کی: حضور! بعض لوگ کہتے ہیں کہ سماع کا تعلق خواجہ ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کی وجہ سے سہروردیوں میں بھی پایا جاتا ہے۔

فرمایا: خواجہ ہارونیؒ کا سہروردیوں سے کیا تعلق؟ سماع بالمزامیر کی ابتدا چشتیوں سے ہوئی۔ سہروردیوں نے تو جہاں بھی تبلیغ کی ان سے یہ عمل یعنی سماع ثابت نہیں ہوتا۔ پنجاب میں سہروردیوں کے مورث اعلیٰ حضرت غوث العالمین بہاالدین ذکریا ملتانیؒ کو ہی لیجیے ان

کے سارے عمل میں یہ چیز آپ کو نہیں ملے گی حالانکہ وہ بابا فرید شکر گنج ؒ کے ہمعصر اور یار غار تھے۔ اگر کسی وقت کوئی مہمان آ گیا اور اس کی خوشنودی کے لئے اس کے اصرار یا دوستانہ رنگ میں اشعار بغیر ساز یا مزامیر کے سن لئے گئے تو یہ اور چیز ہے وگرنہ قوالی کا دستور العمل یا اہتمام سہروردیوں کے ہاں نہیں پایا جاتا۔

اناڑی قوال :-

میرے شیخ حضرت قبلہ بابا جی غلام محمد سہروردی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے پاس اگر کوئی ایسا شخص آتا اور کہتا کہ میں کچھ سنانا چاہتا ہوں تو فرمایا کرتے کہ تو آداب سماع سے واقف نہیں اگر میری کیفیت دگرگوں ہوگئی اور حال بدل گیا تو پھر کیا کرو گے؟۔

میرے سیالکوٹ چھاؤنی قیام کے دوران ایک دفعہ حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ میرے ہاں تشریف لائے۔ کچھ دیر کے بعد ایک لڑکا فضل نامی آن کر بیٹھ گیا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا۔ اسے پتہ چلا کہ بابا جی قبلہؒ میرے پاس آئے ہوئے ہیں وہ ان کا پتہ کر کے وہاں پہنچ گیا۔ عصر کا وقت تھا۔ بابا جی قبلہؒ ایک مرزائی کو مسئلہ معراج سمجھا رہے تھے۔ اس لڑکے کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ تو گاتا ہے؟ کہنے لگا: جی ہاں۔ فرمانے لگے: باخبر بھی ہے؟ راگ کا علم بھی ہے' یا یوں ہی گاتے ہو؟ کہنے لگا' حضرت راگ کا علم ہے۔ فرمانے لگے: تجھے میں سمجھاؤں گا۔ تجھ میں دراصل دو نقص ہیں۔ تو ''شام کلیان'' اور ''پہاڑی'' کو ملا دیتا ہے۔ بہر حال کچھ سنا کیونکہ تیری خواہش ہے، چنانچہ اس نے کوئی غزل یا نعت پڑھنا شروع کی۔ فرمانے لگے: کیوں اکھڑتا ہے؟ اپنی آواز کو قائم رکھ کے پڑھ۔ اگر کچھ بجانے کی عادت ہے تو یہ بالٹی رکھ لے۔ کہنے لگا: حضرت! بس یہی کسر ہے۔ چنانچہ اس نے بالٹی کی تھاپ پر گانا شروع کیا۔ ابھی اس نے اپنے مخصوص انداز میں دو چار شعر ہی پڑھے تھے کہ بابا جی قبلہؒ کو وجد آ گیا۔ وجد کیا ہوا کہ بیٹھے چارپائی پر تھے اٹھ کر فوراً دوڑ پڑے میں نے فوراً جا کر پکڑ لیا۔ بیت اللہ اور مدینہ شریف کی طرف منہ کیا ہوا تھا۔ کانپ رہے تھے اور زار و قطار رو رہے تھے۔ ضعیفی کا عالم تھا۔ اس لڑکے کو یہ سمجھ نہ آئی کہ میں ان شعروں کو دہراتا رہوں تاوقتیکہ یہ مطمئن ہو جائیں۔ اس نے جہاں شعر ختم کئے آپ کی طبیعت وہیں رک گئی تھی۔

بابا جی بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ میں نے اس لڑکے کو کہا کہ یہ کیا ظلم کیا ہے؟ انہی شعروں

کو دہراتا رہ تا آنکہ وہ اپنے پہلے ماحول میں آجائیں۔ چنانچہ اس نے پھر وہی اشعار پڑھنے شروع کئے۔ باباجی قبلہؒ اٹھ کھڑے ہوئے سامنے میری بیٹھک تھی اس میں چلے گئے۔ ہم بھی ان کے پیچھے چلے آئے۔ جب طبیعت سیر ہوگئی تو پھر بے ہوش ہوگئے۔ دس منٹ کے بعد وہ بھی چپ کر گیا اور میں نے اسے کہا کہ میاں! اب تو جا اور صبح آجانا اب یہ کوئی بات نہیں کریں گے۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد حضرت قبلہ باباجیؒ کو ہوش آیا، مجھے دیکھ کر بلایا۔ میں نے عرض کی حضرت قبلہ! کچھ پانی وغیرہ پیش کروں۔ فرمایا: کوئی ضرورت نہیں، تم جاؤ، حقہ چلتا ہے نا؟ اسے دیوار کے ساتھ رکھ دو۔ جب تک میری طبیعت میں یہ سرور واثر رہے مجھے نہ بلانا۔ چنانچہ سب دروازہ بند کر کے چلے گئے۔ میں اٹھ کر زنان خانے میں چلا آیا۔ ساری رات نہ بلایا۔ اگلے دن انہوں نے صبح تقریباً ساڑھے گیارہ بجے چھڑی کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا، چنانچہ میں فوراً حاضر ہوا اور پوچھا: حضور! اب طبیعت کیسی ہے؟ فرمانے لگے: وہ لڑکا کدھر ہے؟ بڑا بے وقوف ہے۔ ان لوگوں کو گانے کا شوق ہے مگر آداب مجلس نہیں سمجھتے۔ اسے یہ بات سمجھانا کہ سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اہل مجلس، اہل سماع، آداب مجلس سے واقف ہوں۔ زمان ومکان اور اخوان، سماع کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) مجلس میں سب پیر بھائی ہوں دوسری نسبت کا کوئی درویش نہ ہو۔

(۲) مقام متحد ہوں۔

(۳) وقت ایک ہو، سب ہم خیال ہوں، سب کا ایک طرف تصور ہو۔

جب تک مجلس کا یہ ماحول نہ ہو اس وقت تک سماع نہیں ہونا چاہئے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: مجھے ساری زندگی صرف ایک دفعہ قبلہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا تھا: کبھی کبھی قوالی کی طرف توجہ رکھا کرو! میں نے عرض کی: بہت بہتر۔ آپ کی نسبت سمجھ کر سننے میں کوئی اعتراض نہیں مگر میں نے جناب کو اس کا مستقل اہتمام فرماتے کبھی نہیں دیکھا اس لئے میری طبیعت چاہتی ہے کہ جو روحانی پرواز یا ماحول اس روح کو نصیب ہو وہ عرفان کی بلندیوں میں بغیر کسی آسرے کے پرواز کرے۔ اگر اس نے گانے والے کا تکیہ لے کر شروع کیا اور طبیعت اس کی عادی ہوگئی تو جہاں اسے گانے والا نہ ملا تو اس کی بلند پروازی رہ جائے گی۔ فرمانے لگے: تجھے ضرورت نہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ بعض بزرگوں نے غلط روایتیں پیدا کر کے پیش کی ہیں کہ

سہروردیوں کے ہاں سماعِ بالمزامیر کا رواج ہے۔ یہاں ایک رسالہ ''الفرقان'' نکلتا ہے اس میں مجید سالک صاحب کا ایک مضمون ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے: ''سماع بالمزامیر صرف سہروردی سنتے تھے چشتی نہیں سنتے تھے''۔

اسی طرح ایک مرتبہ لائل پور میں سید احمد شاہ صاحب قادری[1] کے روبرو ذکر آیا کہ آپ

---

[1] حضرت سید احمد شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ المعروف باباجی گیارہویں والے بڑے بلند پایہ صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے۔ مادرزاد ولی تھے، جلال آباد افغانستان کے رہنے والے، ۱۸۳۴ء میں وہیں پیدا ہوئے آپ کے والد سید حبیب شاہ قادری رحمتہ اللہ علیہ بھی یگانہ روزگار مادرزاد ولی تھے۔ حضرت قبلہ باباجیؒ ابھی چار پانچ سال کے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آٹھ سال کے ہوئے تو باطنی طور پر حکم ہوا کہ پشاور پہنچو اور حضرت سلطان نور احمد قادریؒ جو حضرت سلطان باہوؒ کی اولاد سے ہیں، کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ وہ ان دنوں بسلسلہ رشد و ہدایت پشاور آئے ہوئے تھے۔ چنانچہ آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا ارادہ ظاہر کیا مگر آپ نے سکوت فرمایا۔ چار پانچ سال ان کی خدمت اقدس میں سفر اور حضر میں حاضر رہے۔ تقریباً بارہ سال کے ہوئے تو حضرت سلطانؒ نے باطنی نگاہ ڈالی اور مجذوبیت کی کیفیت طاری کر دی۔ پچاسی سال کی عمر تک مجذوب رہے اور اسی عالم میں جنگلوں اور بیابانوں میں گھومتے پھرتے رہے۔ کبھی کبھی مختلف مقامات پر کئی کئی سال خالی لنگوٹ پہنے ننگے بدن بارش، دھوپ اور گرمی سے بے نیاز درختوں کے نیچے مجاہدات و ریاضات میں گزار دیئے۔ حکم تھا کہ ساری دنیا کی سیاحت کرو چنانچہ مجذوبیت کے عالم میں برطانیہ، روس، جرمنی، جاپان، اٹلی، فرانس، بغداد شریف، ترکی، شام، ایران، ہانگ کانگ، برما، ملائشیا اور برصغیر پاک و ہند میں جگہ جگہ بنگال، کانگڑہ، ریاست بہاولپور اور پنجاب وغیرہ پھرتے رہے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہر ماہ گیارہویں شریف کو سکر و مستی سے صحو و ہشیاری کے عالم میں آجاتے اور حاجت مندوں کی رہنمائی فرماتے۔ مجذوبیت کا دور ۱۹۱۹ء تک قائم رہا۔ اسی دوران میں بارہ سال جامع مسجد حضرت قبلہ داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کی ملحقہ نالیاں صاف کرنے کی ڈیوٹی لگی، چنانچہ تہجد کے وقت غلاظت صاف کرتے۔ ۱۹۵۰ء تک مسلسل ستائیس سال بغداد شریف حاضری دیتے رہے۔ متعدد حج کئے۔ خرقہ خلافت عطا ہوا تو رشد و ہدایت خلق میں مصروف ہو گئے۔ ہزاروں غیر مسلم آپ کے دست حق پر اسلام لائے۔ لاتعداد بھٹکی ہوئی مخلوق کو عرفان الٰہی کی راہ سجھائی۔ ۱۹۲۰ء کے بعد زیادہ تر قیام پاکستانی علاقوں میں رہا۔ آپ کے کشف و کرامات کے بے شمار قصے مشہور ہیں۔ طبیعت اقدس پر طویل مجذوبیت اور جانکاہ مجاہدوں کا خاصہ اثر تھا جس کی وجہ سے جلالی رنگ زیادہ نمایاں تھا۔ بہت ہی کم گفتگو فرماتے۔ ہمہ وقت ورد و وظائف میں ہی مشغول رہتے۔ سائل کی غرض بڑے غور سے سنتے اور جواب مسکراتے ہوئے بالعموم ہاتھ یا سر کے اشارے سے ہی اسے دیتے۔ سائل اگر کبھی وضاحت کی ضرورت محسوس کرتا تو کوئی مزاج شناس مرید اسے تفصیل بتا دیتا۔ راقم الحروف کو پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں حاضری کا شرف اگست ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ بعد ازاں نو سال تک (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

پچھلی گیارہویں میں کیوں نہیں آئے؟ اس میں خاص چیز سماع بالمزامیر کا اہتمام تھا جو سہروردیوں میں جائز ہے۔ نہ معلوم کس تحقیق کی بناء پر سماع بالمزامیر سہروردیوں سے منسوب کر دیا جاتا ہے، حالانکہ ان کے متعلق کوئی مورخ یہ ثابت نہیں کر سکا کہ یہ حضرات اس کے قائل تھے، یا ان میں ذوق سماع کا تھا۔ خود حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کا ارشاد ہے:

''آن نعمتے کہ در بشر ممکن است، شہاب الدین را دادہ اند اِلّا ذوقِ سماع''۔

ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ذوق سماع کو نعمت بھی سمجھتے ہیں لیکن اس سے محروم رہنا باعث فخر بیان کرتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو سماع محض آوازِ موزوں کا نام ہے جس سے قلب میں تحریک پیدا ہوتی ہے۔ پس اگر یہ تحریک اللہ تعالیٰ کی یاد کی ہو تو مستحب ہے، ورنہ ہزلیات سے ایسا سماع حرام ہوگا۔

(حاشیہ: گزشتہ سے پیوستہ)

اکثر و بیشتر حاضر خدمت ہوتا رہا اور ہمیشہ آپ کی شفقت اور توجہ شامل حال رہی۔ خلفاء کے متعلق فروری ۱۹۷۲ء میں ایک دفعہ میں نے سوال کیا تو تعداد آٹھ بتائی۔ (۱) سائیں جملے شاہ۔ (۲) سائیں ثابت شاہ کابلی۔ (۳) جالندھر میں صوفی صاحب قادری سیشن جج۔ (۴) محمد علی قادری ڈپٹی کلکٹر یہ صوفی صاحب کے صاحبزادے تھے۔ (۵) ضلع سرگودھا میں دریائے جہلم کے کنارے شاہ کا روضہ بڑا مشہور ہے وہ صاحب مزار آپ کے خلیفہ ہیں۔ (۶) یہ کوئی بزرگ کلکتہ میں تھے۔ (۷) اٹلی میں کسی صاحب کو خلافت عطا کرنے کا ذکر فرمایا۔ (۸) آٹھویں خلافت کے متعلق پوچھا تو مسکراتے ہوئے سر کو دو تین مرتبہ اوپر اور نیچے ہلا کر خاموشی اختیار کر لی۔ آپ بڑے صاحب جلال اور شکوہ و دبدبے والے بزرگ تھے اس لئے دوبارہ پوچھنے یا وضاحت کے لئے جسارت نہیں ہوتی تھی۔ جتنی بات فرمائی اگر سمجھ میں آ گئی تو خیر! ورنہ اسی حد تک لکھ لیتا تھا۔ تقریباً ایک سو چالیس سال کی عمر پائی۔ بڑے شب بیدار اور صوم وصلوٰۃ کے بڑی شدت سے پابند تھے۔ آخر دم تک غسل فرما کر تہجد ادا کرتے رہے۔ وصال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۹۲ھ بروز جمعرات مطابق ۱۴ جون ۱۹۷۳ء بوقت دس بجے صبح ہوا۔ اگلے دن بروز جمعہ تدفین مبارک ہوئی۔ مزار پرانوار موضع بچیانہ چک نمبر ۲۷۴ تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں ہے جو ریلوے سٹیشن رڑیالہ روڈ سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ پختہ سڑک جاتی ہے۔ ہر سال ۱۲ جمادی الاول کو بڑے تزک و احتشام سے آپ کا عرس مبارک ہوتا ہے۔ جس کا انتظام راقم الحروف کے ذمے ہے۔

چہار سلاسل کی دینی خدمات:-

چاروں اکابر سلسلوں کی دینی خدمات کے سلسلہ میں ایک دفعہ فرمایا: چاروں سلسلوں کے ماقبل بزرگوں میں اکثریت نقشبندیوں کی ہے۔ یہ بات بڑی غور طلب ہے کہ آج سے پچاس سال قبل سلسلہء سہروردیہ کا کوئی نام نہ تھا۔ ان پچاس سالوں سے قبل قریباً دو سو سال سے زیادہ عرصہ تک صوفیائے سہروردیہ کا طبقہ فیوض باطنی کا زیادہ حامل اور تبلیغ اسلام کا ذمہ دار تھا۔ بالفاظ دیگر آج سے اڑھائی تین سو سال پیشتر چشتی، نقشبندی اور قادری حضرات نے جس قدر خدمات دینی سرانجام دیں، ان میں سہروردی حضرات کا حصہ بیش از بیش رہا۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ چشتی بزرگانِ عظام اپنا ساز و سامان لے کر وارد ہندوستان ہوئے تو ان کے سلسلے کا اثر متعلقین پر زیادہ پڑا کیونکہ اہل ہند راگ کے شوقین تھے۔ ہندو گھروں میں ڈھول ڈھمکے کا رواج تھا۔ چنانچہ چشتیوں کی قوالیوں نے جو با مزا میر تھیں، انہوں نے اپنا گہرا اثر بلکہ غلبہ حاصل کیا۔ ان کے ساتھ ساتھ قادری بزرگ آئے، پھر نقشبندی حضرات آئے جن میں سب سے بنیادی پتھر حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے رکھا۔ ان کی تبحر علمی اور درویشی کا چرچا اس وقت عروج پر تھا۔ ایک تو شریعت کے ''امامِ وقت مجدد'' اور دوسرے طریقت کے امام، دو مدارج کے حامل۔ یہ لوگ بفضل تعالیٰ بڑے کامیاب رہے۔ سلطنت سے ٹکر لینا پڑی، جہانگیر نے ''سجدۂ تعظیمی'' جائز قرار دے رکھا تھا۔ آپ نے اس پر فتویٰ صادر فرمایا کہ یہ ناجائز ہے۔ ابوالفضل اور فیضی چونکہ شیعہ تھے اس لئے انہیں منظور خاطر نہ ہوا کہ حضرت مجددؒ کا بڑھتا ہوا اقتدار، الحاد و لادینی کے عقائد کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے اقتدار کو ختم کرنے کا تہیہ کیا۔ جہانگیر کو انہوں نے بھڑکایا کہ یہ آپ کو سجدۂ تعظیمی نہیں کرتے اور اسے خلاف شریعت قرار دے کر اس کی آڑ میں آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں۔ جہانگیر بھی اُنکی باتوں میں آگیا اور اس نے حضرت مجددؒ کو دربار میں طلب فرمایا۔ جب آپ دربار میں تشریف لائے تو تخت کے سامنے کھڑے کھڑے ہی ''السلام علیکم'' کہا۔ جہانگیر نے پوچھا: سجدۂ تعظیمی چرا نہ کردی؟ فرمایا: در شرع محمد رسول اللہ حرام است۔ وزراء نے شہنشاہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ جہانگیر کو یقین ہوگیا کہ ابوالفضل اور فیضی صحیح کہتے ہیں۔ چنانچہ طے ہوا کہ آپ کو آگرے کے قلعے

میں قید کر دیا جائے۔ لہٰذا قید کر دیئے گئے۔ آپ کے مریدوں میں مہابت خان کا اقتدار زیادہ تھا' اس نے انکار کر دیا اور بغاوت کر دی۔ جہانگیر بنفس نفیس شورش کو رفع کرنے کے لئے گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود جہانگیر مہابت خان کے قابو میں آ گیا۔ سارے ملک میں چونکہ آواز اٹھ چکی تھی' نہ تو فوج نے ہی' اور نہ ہی رعایا نے مقابلہ کیا۔ آخر جہانگیر قید کر دیا گیا۔

مہابت خان نے حضرت مجددؒ کو قلعہ آگرہ میں لکھا کہ جہانگیر کو پکڑ لیا گیا ہے کیونکہ اس نے آپ کی توہین کی ہے۔ اجازت ہو تو اسے قتل کر دیا جائے۔ درویش کی عالی ظرفی ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ نے جواباً رقعہ تحریر فرمایا: میرا ''شرعی معاملہ'' ہے ''ذاتی'' نہیں۔ وہ بادشاہِ وقت ہے' ظل اللہ ہے' اسے فوراً تخت پر بھیج دو اور کوئی مزاحمت نہ کرو۔

یہ رقعہ جہانگیر کو بھی دکھایا گیا کہ خیال فرمایئے! آپ کا وہ فعل اور درویش کا یہ فعل۔ چنانچہ جہانگیر بعد از بحالیٔ تخت جب تخت پر بیٹھا تو اس نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو حکم لکھا کہ میں نے آپ کو رہا کیا۔ آپ تشریف لائیں۔ آپ نے جواباً دس شرطیں تحریر فرمائیں کہ اگر یہ منظور ہوں تو رہائی منظور ہے ورنہ نہیں۔ جہانگیر نے وہ شرائط من وعن قبول کر لیں۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانیؒ قید سے باہر آ گئے اور جہانگیر کے پاس پہنچے۔ جہانگیر نے اسی وقت آپ کی بیعت کر لی[1] تو اس قسم کے واقعات ہیں۔ یہ گویا اس دور میں نقشبندی سلسلے کا پہلا مبلغ مجدد الف ثانیؒ۔ پھر ان کے بعد کئی حضرات آتے رہے۔ دہلی کی گدیاں' چورے شریف والی گدیاں وغیرہ وغیرہ۔

تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو ہے اور فی الواقع اس میں کئی خصوصیتیں ایسی تھیں جنہیں ہندوستانی حالات خاص طور پر سازگار تھے۔ مثلاً موسیقی اور سماع کا رواج۔ ادبیت اور شعر شاعری سے انس و ملائمت' غیر مسلمانوں کے ساتھ غیر

---

[1] چودھری محمد یوسف سہروردی اپنی کتاب ''اجتماع ضدین'' میں صفحہ نمبر ۲۵۹ پر لکھتے ہیں: ایک دفعہ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ شاہدرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ واپسی پر آپ نے فرمایا کہ جہانگیر کے مقبرہ سے ہوتے جائیں۔ چند منٹ جہانگیر کی قبر پر مراقبہ کیا۔ فرمانے لگے: میں نے جہانگیر کو دیکھا کہ ایک خوبصورت نوجوان مرد' موٹی موٹی سرگیں آنکھیں جن میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ مرنے کے بعد کیسے پایا؟ ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے میری طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا: واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ۔

معمولی رواداری، جنہوں نے اس کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مدد کی۔ مسلمانوں کی روحانی تربیت میں بھی اس سلسلہ کے بزرگان کبار نے بڑا حصہ ادا کیا لیکن سہروردیہ سلسلہ بھی اپنی ٹھوس تبلیغی سرگرمیوں میں منفرد اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ (سلسلہ کلام منقطع ہوگیا)

سلسلہ سہروردیہ پر ایک اجمالی نظر

بانیٔ سلسلہ سہروردیہ:-

ایک مجلس میں فرمایا: سلسلہ سہروردیہ کہاں سے شروع ہوا، اس کے متعلق اکثر غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ یہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ سے شروع ہوا حالانکہ اس سلسلہ کے بانی حضرت شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ ہیں۔ انہیں سے شروع ہوا۔ سلسلے کو چلانے والا چونکہ ایک بزرگ شہاب الدینؒ ہے اس لئے اب ساری نسبت شہاب الدین سہروردیؒ سے ہوگئی ہے۔ حضرت ابو نجیب سہروردیؒ کا نام ہی کوئی نہیں لیتا۔ سلسلہ سہروردیہ کا نام گزشتہ ڈیڑھ سو سال سے پنجاب میں لیا جاتا ہے اب اگر کوئی یہ کہے کہ آپ کہاں سے آگئے ہیں؟ یا کوئی مصنف یہ لکھ دے کہ سلسلہ سہروردیہ کی نسبت پنجاب میں فلاں شخص سیدھی کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سلسلہ اصل میں موجود ہی نہیں۔

حضرت شیخ الشیوخؒ:-

سلسلہ سہروردیہ کے مشہور ترین بزرگ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھانجے اور حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ہیں۔ آپکا سلسلۂ طریقت حضرت شیخ ابو نجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔ قادری سلسلہ کے اسباق جو سلسلہ سہروردیہ میں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے زیادہ میعاد حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس گزاری۔

تبلیغی سرگرمیاں

آب کوثر[1] کے حوالے سے فرمایا: سلسلہ سہروردیہ سلسلہ بھی سلسلہ چشتیہ کی طرح بہت پرانا

---

[1] مصنفہ شیخ محمد اکرام۔

ہے اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھی بہت بھاری ہے۔ کشمیر میں اسلام کبرویہ سلسلہ کے بزرگوں مثلاً امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانیؒ نے پھیلایا جو سہروردیوں ہی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔

بنگال کے کامیاب پہلے مبلغ شیخ جلال الدین تبریزیؒ تھے جو شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے خلیفہء اعظم تھے۔ اس وقت مشرقی بنگال کی سب سے بڑی زیارت گاہ سلہٹ میں ایک سہروردی شاہ جلال یمنیؒ کا مزار ہے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ پٹن میں حضرت سلطان المشائخؒ اور حضرت چراغ دہلیؒ نے بھی اپنے خلفاء بھیجے۔ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں حضرت قطب عالمؒ اور حضرت شاہ عالمؒ کے سر بفلک روضے، سہروردی یادگاریں ہیں اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ مغربی پنجاب اور بلوچستان کو تو بابا فرید شکر گنجؒ بھی حضرت بہاؤالدین ذکریا سہروردیؒ کی ولایت کا جزو مانتے تھے۔

چشتیوں اور سہروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں اور اس امر کا بھی رواج تھا کہ ایک شخص دونوں سلسلوں کے بزرگوں سے فیض یاب ہو، لیکن اگر ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کو بنظر غائر دیکھیں تو ان کا امتیازی رنگ صاف نظر آتا ہے۔ امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ بیعت کے وقت چاروں خاندانوں (چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ) بزرگوں کے نام لیتے تاکہ ان سب سے فیض یاب ہو اور ان کی خصوصیات اخذ ہوں۔ ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف سلسلوں کو ماننے والوں کے درمیان حدِ فاصل نہ رہی لیکن پھر بھی ان کے طریق ذکر و عبادت میں کئی امتیازات ہیں۔ سہروردی امور شرعی میں زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سماع بہت کم تھا۔ خلاف شرع امور میں وہ فوراً ناپسندیدگی کا اظہار کرتے۔ دوسرے مذہبوں کے ساتھ ان کا برتاؤ غیر معمولی رواداری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ، سیر و سفر کا شوق بھی انہیں چشتیوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ جمالی تھا۔ سہروردیوں کا جلالی۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دارالخلافہ کی نازک مزاج اور حساس ہستیوں کو سہروردی کسی بڑی حد تک مسخر نہ کر سکے لیکن اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا اور اسلام کی بڑے پرجوش طریقے سے اشاعت کی۔

افسوس ہے کہ سہروردیوں کی مکمل تاریخ مرتب نہیں ہوئی اور آج تو اس کے لئے مواد نہیں

ملتا۔ سہروردیوں نے زیادہ تر کام ہندوستان کے سیاسی اور ثقافتی مرکزوں سے دور رہ کر کیا ہے۔ ان کی روحانی کوششوں کو دارالخلافے کی تیز برقی روشنی نے اجاگر نہیں کیا اور اتفاق سے ان میں اہل قلم حضرات کی بھی بہتات نہیں ہوئی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ سہروردیوں کی ٹھوس مذہبی خدمات سے جن کی بدولت اس برصغیر میں اسلام کا بول بالا ہوا، ایک عام بے خبری ہے۔"

درخطہءِ پنجاب وسندھ:-

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے بعد رشد وہدایت اور دعوت وتبلیغ کا کام حضرت سلطان سخی سرور سہروردی رحمتہ الہ علیہ نے بڑے شد و مد سے کیا۔ آپ نے علوم ظاہری لاہور آکر مولانا محمد اسحاق (لاہوری) سے حاصل کئے اور علوم باطنی اپنے والد بزرگوار سے اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ سے حاصل کئے۔ ریاضت و عبادت کے لئے آپ نے اپنا مرکز موضع سوہدرہ قرار دیا۔ یہاں سے دھونکل تشریف لائے اور ہدایت خلق میں مشغول ہوگئے۔ آخر میں ڈیرہ غازی خان کے ایک گاؤں کُرسی کوٹ کو اپنا تبلیغی مرکز بنالیا۔ وہیں ۵۷۷ھ میں ایک حاسد نے آپ کو شہید کرڈالا۔ مزار مبارک بھی اُسی قصبہ میں ہے۔ آپ بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ بے شمار ہندو اور سکھ بھی آپ کے عقیدت مند تھے جنہیں "سلطانی" کہتے ہیں۔

چھٹی صدی ہجری میں ملتان پنجاب کا روحانی مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں سلسلہ سہروردیہ کے نامور بزرگ غوث العالمین حضرت شیخ بہاالدین ذکریا ملتانیؒ نے بڑا کام کیا۔ آپ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے خلیفہ تھے جن سے آپ نے سترہ دن میں خلافت حاصل کی۔ آپ ہی کے حکم سے آپ نے ملتان کو رشد وہدایت کا مرکز بنایا۔ ۶۶۱ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ برصغیر ہندو پاکستان میں سہروردیہ سلسلہ کے آپ مورثِ اعلیٰ ہیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے جانشین ہوئے اور ان کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردیؒ اپنے باپ کے جانشین ہوئے۔ وہ اپنے دادا حضرت ذکریا ملتانیؒ کے مرید تھے۔ دہلی کا شہنشاہ علاؤالدین خلجی آپ کا بے حد معتقد تھا۔

ملتان کے بعد اُچ تبلیغ اسلام اور رشد و ہدایت کا مرکز بنا جہاں قادری اور سہروردی بزرگوں نے قیام فرمایا۔ سب سے پہلے ۶۴۲ھ میں حضرت شیخ بہاالدین ذکریا ملتانیؒ کے خلیفہ سید جلال الدین المعروف ''میر سید سرخ بخاری'' نے سلسلہ سہروردیہ کی تبلیغ وترویج میں نمایاں کردار ادا کیا۔ آپ کے بعد آپ کے پوتے سید جلال الدینؒ المعروف ''جہانیاں جہاں گشت'' کی خدمات بسلسلہ تبلیغ وترویج بیان محتاج نہیں۔ آپ کے دست مبارک پر سینکڑوں راجپوت قبیلے مسلمان ہوئے۔ زاں بعد آپ کے خلفائے عظامؒ نے بھی اس سلسلہ کو پروان چڑھایا۔

درخطہء بنگال:-

کفر زارِ بنگال کے تودوں کو ہموار کرنے کے لئے حضرت جلال الدین تبریزی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ بنگال میں داخل ہوئے جنہوں نے سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کرلی تھی، بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد، دہلی، ملتان اور اجمیر ہوتے ہوئے بدایوں تشریف لائے اور وہاں سے بنگال کے مرکزی شہر پنڈو پہنچے جو کفر کی گھٹاٹوپ ظلمت میں گھرا ہوا تھا۔ یہاں سحرِ بنگال زوروں پر تھا اور خدائے واحد وقہار کی بجائے کالی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ یہاں یہ مرد خداتن تنہا کفر کے سینے میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے اور ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کی آواز بلند کرتا ہے۔ ایک نگاہ ڈالتا ہے' پنڈو کا سب سے بڑا مندر مع اپنے بتوں کے' آپ کی اس نگاہ پاک سے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ پجاری ایمان لے آتے ہیں۔ علاقے کی مخلوق درشنوں کے لئے ٹوٹ پڑتی ہے اور اسلام پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت کاکا صاحب سہروردیؒ:-

اسی طرح صوبہ سرحد بھی سہروردی بزرگوں کا مرکز بنا۔ نوشہرہ سے تقریباً آٹھ میل پر حضرت کاکا صاحب سہروردیؒ بڑے بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے لاکھوں کی تعداد میں بھٹکی ہوئی مخلوق کو رشد وہدایت بخشی۔

شاہ دولہؒ دریائی گجراتی:-

پنجاب میں تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے سلسلہ میں سرزمین گجرات کو بھی فراموش نہیں

کیا جاسکتا۔ یہ زمین بڑی مردم خیز ہے یہاں سے بہت سے مردان خدا نے اٹھ کر فریضہ تبلیغ جس شان سے ادا کیا وہ تاریخی صفحات پر آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ان مردان خدا میں حضرت کبیر الدین المعروف شاہ دولہ دریائی رحمتہ اللہ علیہ صف اول کے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کا تعلق شہنشاہ ہند سلطان لودھی کے خاندان سے تھا۔ ۹۸۹ھ میں پیدا ہوئے۔ حضرت سید سرمست سہروردیؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔ آپ کا وصال ۱۰۸۵ھ اور بعض کے نزدیک ۱۰۸۱ھ ہجری مطابق ۱۶۷۶ء میں ہوا۔ مزار شریف گجرات شہر میں ہے، جو آج بھی پنجاب اور بیرون پنجاب کے لوگوں کے لئے بے پناہ برکات کا حامل ہے۔

حضرت بابا جنگو شاہ قلندرؒ:۔

اسی طرح گجرات کے ایک اور بزرگ جن کی جدوجہد سے اسلام نے نشوونما پائی اور لاکھوں بندگان خدا نے توحید و رسالت کا حقیقی راستہ پایا۔ حضرت شرف الدین عرف بابا جنگو شاہ قلندر رحمتہ اللہ علیہ ہیں، جن کا مزار ملہو کھوکھر تحصیل و ضلع گجرات میں ہے۔ پہلے مجذوب تھے پھر سالک ہوئے۔ ابتدا میں بہت بڑے ڈاکو تھے۔ ایک دفعہ ڈاکہ مار کر بھاگے تو لوگوں کو پتہ چل گیا اور ان کا پیچھا کیا۔ آخر پکڑے گئے اور انہیں اتنا مارا پیٹا کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اٹھ کر شاہ دولہ شاہ گجراتی قادری سہروردیؒ کے مزار پر حاضر ہوئے اور واویلا کیا۔ ملاحظہ فرمایئے یہ اپنا اپنا مقدر ہے۔ بابا جنگو شاہ رحمتہ اللہ علیہ اس حالت بیماری یا مار میں اٹھ نہیں سکتے تھے۔ حضرت شاہ دولہ رحمتہ اللہ علیہ نے ''باجسدِ ظاہری'' قبر سے نکل کر بابا جنگو شاہ رحمتہ اللہ علیہ کو بیعت کیا اور سبق دیا۔ انہی دنوں حضرت شاہ دولہ گجراتی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے ساتھ دریا چناب بہتا تھا۔ اب تک یہ بات مشہور ہے کہ ایک پلی تھی اور اس مقام پر سوہنی ڈوب کر مری تھی۔ بعض کے نزدیک دریا پلی کے اس طرف تھا اور بعض کے نزدیک پلی کے پار۔ خیر! بیعت کے بعد آپ کو جب مجاہدہ بتایا گیا تو آپ نے وہاں سے ایک سرنگ نکالی اور دریا کے نیچے لے گئے۔ صبح وہاں چلے جاتے اور رات کو کنارے پر آجاتے۔ اتنا مجاہدہ کیا کہ حالت مجذوبی میں باقی کے ''تکلفاتِ شرعیہ'' ختم ہو گئے۔

''تذکرہ غوثیہ'' میں لکھا ہے: حضرت غوث علی پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک روز ارشاد

فرمایا کہ میں نے زندگی میں دو کامل اولیا کو دیکھا ہے۔ ایک جنگو شاہؒ[1] ہے، دوسرے کا ذکر نہیں کیا۔ غالباً اس سے مراد اُن کا اپنا شیخ ہے''۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: چنانچہ اسی طرح حضرت بابا جنگو شاہؒ کا مریدین کو بیعت کرنے کا عام طریقہ نہیں تھا، جس طرح ''شرعی بیعت'' کی جاتی ہے۔ بس ایک توجہ فرمائی اور کام کر ڈالا۔

میرے شیخ حضرت بابا غلام محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ صغیر سنی میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت جنگو شاہؒ نے بابا جی پر نظر فرمائی اور دیکھا کہ اس میں ابھی وہ چیز پیدا کرنے والی ہے چنانچہ انہیں کندھوں پر اٹھالیا اور لے گئے۔ حضرت قبلہ بابا جی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت بابا جنگو شاہ کئی دن ریت میں دبا دیتے تھے اور خود چلے جاتے تھے، لیکن بفضل تعالیٰ مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی تھی۔ ان کے پاس لوگ جب اپنی حاجت روائی کے لئے حاضر ہوتے تھے تو آپ انہیں کہتے کہ اس بچے کو تحفہ یا مٹھائی دو۔ چنانچہ لوگ میرے پاس بتاشے وغیرہ رکھتے اور کہتے دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرمانے والا ہے ان کی حاجتیں روا ہو جاتیں۔

بابا جنگو شاہؒ کو جو سبق، حضرت شاہ دولہ رحمتہ اللہ علیہ سے ملا، وہ قادری، سہروردی مخلوط ہے۔ چنانچہ میرے شیخ حضرت قبلہ بابا جیؒ نے سہروردی سلسلہ کے متعلق اپنے کسی مرید سے ذکر نہیں کیا۔ میں جب حاضر ہوا تو فرمایا: جو دوسرے دوست ہیں وہ سہروردی سلسلہ کی طرف توجہ نہیں دیتے، سہروردی سلسلہ کی آپ کو تلقین کرتا ہوں۔

سہروردیوں میں اہل قلم کی کمی

ڈاکٹر عبدالرحمٰن سہروردی نے عرض کی کہ سہروردیوں میں اہل قلم حضرات کا پتہ کم ملتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: برصغیر میں سہروردی حضرات نے بڑی تبلیغی خدمات سرانجام دی ہیں اور سہروردی

---

[1] مولانا شاہ گل حسن قادریؒ مولف ''تذکرہ غوثیہ'' (ارشادات حضرت غوث علیؒ پانی پتی) ''قلندر وہ ہے کہ تجرید و تفرید میں یکتا اور بے پرواہ ہو اور شرط یہ ہے کہ مجذوب بھی ہو اور سالک بھی، جیسے حضرت شرف الدین بوعلی قلندرؒ تھے یا اس زمانے میں حضرت جنگو شاہؒ گزرے ہیں''۔

بزرگان عظام جا بجا پھیلے ہوئے ہیں مگر بدقسمتی سے ان حضرات کے تفصیلی حالات پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے۔ لاہور ہی کا ماحول دیکھو تو پتہ چل جائے گا کہ جتنے سہروردی حضرات گزرے ہیں وہ سب لاہور کی سابقہ بستی سے باہر اور شہر کے کناروں پر رہے ہیں۔ حضرت شاہ جمال رحمتہ اللہ علیہ وہ اچھرے سے پرے۔ ان کے بھائی حضرت شاہ کمال رحمتہ اللہ علیہ گنج مغل پورہ کے پاس۔ حضرت حسن گنجدگر المعروف حسو تیلی رحمتہ اللہ علیہ ایبٹ روڈ یعنی فصیل شہر سے باہر۔ اسی طرح حضرت بیبیاں پاک دامن رحمتہ اللہ علیہ محمد نگر گڑھی شاہو، حضرت موسیٰ رحمتہ اللہ علیہ آہن گر میکلوڈ روڈ، حضرت میاں موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ نابھہ روڈ کسٹم آفس کے قریب۔ غرضیکہ جتنے بھی سہروردی بزرگ ہوئے ہیں وہ اصل شہر کی آبادیوں سے باہر ہی ہوئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے شہری زندگی سے قطعاً دلچسپی نہیں لی اور دور دراز رہتے رہے۔ اگر یہ حضرات شہروں میں باقاعدہ کام کرتے اور بتاتے کہ سلاطین زمانہ سے ان کا کوئی تعلق رہا ہے تو ان میں بھی اہل قلم حضرات پیدا ہو جاتے، لیکن نہیں۔ تعلق ہی نہیں پایا۔ دل پر ''معنوی فنا'' وارد کر لی اور شہرت کے مقام میں نہ آئے۔ ایک چیز ہوتی ہے، حقیقتاً ظاہری چیز سے انکار کرنا۔ ایک یہ چیز ہے کہ دل سے (نفس سے) یہ سمجھنا کہ دنیا میں پڑ کر کیا لینا ہے۔ دنیا مقام فانی ہے۔ رفتنی گذشتنی ہے، وہ اس طرف لگ پڑے۔ ان کے قلب پر یہ مفہوم نہ ہوتا اور دنیا کو نہ چھوڑتے، تو وہ بھی اتنا ہی کام کر لیتے جتنا دوسرے سلسلے کے بزرگوں نے کیا۔ مقابلتاً انہوں نے زیادہ کام کیا ہے مگر سینوں کے زور سے، دل کی بیداری سے، روح کی صفائی سے۔ پروپیگنڈا سے نہیں کیا۔[1]

---

[1] خلیفہ مجاز چودھری اقبال حمید سہروردیؒ تذکرہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ (مصنفہ سلام سہروردیؒ) کے صفحہ نمبر ۵ اور ۶ پر بطور پیش لفظ یوں رقم طراز ہیں:

''سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں اللہ پاک کے فضل و کرم سے بہت سے عالم و فاضل اور دبیران عالی مقام پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے ہر دور میں دین کی ٹھوس خدمات سرانجام دیں۔ تاہم سہروردی مشائخ نے اپنے تذکرے مرتب کرنے کی طرف توجہ نہ دی چنانچہ لوگ آج کل سلسلہ سہروردیہ سے اس درجے روشناس نہیں جو کہ اس کا حق ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ سہروردی مشائخ کرام نے اپنی ٹھوس دینی خدمات کے پیش نظر تذکروں کی اشاعت کو اہم نہ گردانا'' اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ''نسبت سہروردیہ'' ماشاء اللہ نہایت قوی ہونے کے باعث ایک خاص منزل پر آکر سہروردی درویش پر اکثر و بیشتر کیفیت جذب و سرمستی طاری ہو جاتی تھی جس کی وجہ سے وہ معرفت الٰہی میں سرشار ہو

عوام کی کم شناسی :-

ایک مجلس میں فرمایا: یہ عجیب بات ہے کہ سلسلہء سہروردیہ کے بزرگوں کے حالات پر بہت کم قلم اٹھایا گیا ہے۔ ان کے حالات ملتے ہی نہیں۔ یہاں پر میں نے پریس میں ایک کتاب دیکھی، اس میں ان بزرگوں کے حالات لکھنے تو درکنار، نام تک نہیں ہیں۔ اگلے پچھلے بزرگوں کے نام لکھے ہیں۔

''مسالک السالکین'' کی تین جلدیں دیکھیں۔ پہلے تو تینوں جلدیں مل ہی نہ سکیں۔ صرف پہلی اور آخری جلد ملی، درمیانی نہ ملی۔ پہلی اور آخری جلد میں تینوں سلسلوں نقشبندیہ، چشتیہ اور قادریہ کے حالات تھے مگر سہروردیہ سلسلہ کے حالات نہیں تھے۔ انہی دنوں سرہند شریف جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی یہی دو جلدیں ہی ملیں، درمیانی نہ ملی۔ آخر کچھ مدت کے بعد انجمن حمایت اسلام لاہور کے کتب خانے میں صرف ایک درمیانی جلد ملی ہم نے اللہ کا شکر کیا۔ اس میں سہروردیہ سلسلہ کے حالات موجود تھے۔ اس میں شیخ الشیوخؒ اور چند دیگر بزرگان سہروردیہؒ کے حالات تو تھے، مگر اتنی وضاحت سے نہیں۔

(بقیہ حاشیہ)

کر گوشہ نشینی اختیار کر لیتے اور پہاڑوں اور جنگلوں میں ڈیرہ جما لیتے تھے۔ ظاہر ہے ان حالات میں تصنیف و تالیف کا کام کیسے سرانجام دیا جا سکتا تھا۔

چونکہ مشائخ کرامؒ کے سلاسل قائم کرنے کا مقصد محض فیض رسانی اور خلق خدا کی رشد و ہدایت ہے جو جذب و سرمستی کی فراوانی کے ساتھ ممکن نہیں، لہٰذا دربار بالا میں اس کو پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھا گیا۔ پس جب حضرت صاحب قبلہ الحاج ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ سیالکوٹی ثم لاہوری رحمتہ اللہ علیہ پر بھی جذب طاری ہونے لگا تو حضرت غوث العالم شیخ بہاالدین ذکریا ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار سے سلسلہء عالیہ سہروردیہ کے لئے ایک نیا سبق، جذب و سرمستی کے سدباب کے لئے، خصوصی طور پر صادر ہوا۔ لہٰذا اب جب بھی سالک منزل ''جذب و فنا'' میں پہنچتا ہے تو شیخ کامل اس خصوصی سبق کو تعلیم فرما کر غلبہء جذب کو روک دیتا ہے۔ درویش بدستور حالت صحو میں رہ کر دنیاوی امور سرانجام دیتا رہتا ہے اور منازل میں بھی کوئی فرق نہیں پڑتا، چنانچہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے خلافت عظمیٰ کی حصولی کے بعد سجادہ کے ساتھ ساتھ خامہء حقیقت بیان بھی سنبھالا اور متعدد کتب، سلوک و تصوف پر تصنیف فرما کر فریضہء تبلیغ و رشد و ہدایت بکمال حسن و خوبی سرانجام دیا اور حلقہء اشاعت کو سلسلہء عالیہ سہروردیہ کی دینی خدمات اور فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمایا۔

۵۵۶ھ میں حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ ہندوستان میں آئے۔ پرتھوی راج کا زمانہ تھا' نقشبندی حضرات بعد میں آئے۔ سب سے پہلے جو سلسلہ ہندوستان میں طریقت کے سلسلوں میں کام کرتا رہا وہ سہروردیہ ہے۔ کام انہوں نے کیا مگر ان میں کوئی ایسا اہل قلم نہیں اٹھا جو ان کے حالات قلمبند کرتا۔ ان کا دور چل رہا تھا کہ پھر یہ حضرات نقشبندیہ، چشتیہ اور قادریہ تشریف لائے۔ ان تینوں کا سلسلہ خوب چلا۔ چشتی حضرات میں کافی اہل قلم تھے بالخصوص امیر خسروؒ یا اس قسم کے دیگر شعراء و ادیب۔ نقشبندی حضرات میں بھی اہل قلم لوگ تھے انہوں نے بھی اپنے سلسلہ کے حالات لکھے۔ قادریہ سلسلہ کے بزرگوں نے بھی بہت کچھ لکھا مگر یہ سلسلہ سہروردیہ جب عروج پر تھا اس وقت تو کسی نے نہ لکھا' مگر جب یہ پیچھے آیا تو پھر آہستہ آہستہ یہ حضرات پیچھے ہو گئے اور ان کی جگہ قادری' چشتی اور نقشبندی حضرات میدان میں آ گئے۔ وقت گزرتا گیا حتی کہ سہروردی حضرات[1] سلسلہ کلام منقطع ہو گیا۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا:

ایک دفعہ صوفی محمد رمضان سہروردی خانیوال میں ختم خواجگان سہروردیہ پڑھ رہے تھے اس ختم میں ایک ضعیف العمر بزرگ بھی آ شامل ہوئے۔ وہ اس تقریب پر بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے: اتنی عمر ہو گئی ہے آج تک چشتی، قادری اور نقشبندی سلسلہ کے ختم پڑھے تھے مگر سہروردیہ سلسلے کا ختم شریف نصیب نہیں ہوا تھا۔ الحمد للہ کہ آج اس کا بھی پتہ چل گیا ہے۔ سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: خدائی چیز ہے کہ اس کی طرف لوگوں نے توجہ ہی نہیں کی اس لئے ان کے حالات کم ملتے ہیں اب اگر لکھے بھی جائیں تو متقدمین تحریر میں آتے نہیں' اب آگے کیا لکھیں۔ آہستہ آہستہ اس سلسلے کو رب العزت نے بڑھایا۔ اپنی تو کوئی حیثیت نہ تھی' اور کوئی ایسے پیر بھائی بھی نہیں تھے جو یہ کہتے کہ اس سلسلے سے میرا تعلق ہے۔

---

[1] کا ''قلم'' کی طرف ''عدم توجہی'' کا وہ دور جس میں وہ اپنی ''سکرانہ کیفیات'' کی وجہ سے اس ''شعبہ تحریر'' کی طرف توجہ نہ فرما سکے' حضرت غوث العالمین بہاالدین ذکریا ملتانی علیہ رحمتہ کے باطنی حکم' جس کا ذکر صفحہ نمبر ۴۵ پر بعنوان ''سلسلہ سہروردیہ کا خصوصی سبق'' کیا گیا ہے اختتام کو پہنچا اور درویش بدستور حالت صحو میں رہ کر یہ فریضہ بھی بخوبی انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت قبلہ علیہ رحمتہ کی جملہ تصنیفات اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں اور ان کی فی زمانہ ''مجددانہ'' حیثیت کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔

دیگر پیر بھائی:-

میرے شیخ حضرت قبلہ بابا جی میاں غلام محمد سہروردی حیات گڑھی رحمتہ اللہ علیہ کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے کہ فلاں فلاں میرے خلفاء ہیں۔ ان میں سے ایک سائیں گوہر علیؒ بھی تھا جس کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا مگر وہ بالکل جاہل آدمی تھا۔ کوئی مسئلہ سننا ہوتا تو کسی مولوی کو پاس بٹھالیتا اور کہنا کہ کتاب سنا۔ شروع شروع میں مجھے خیال آیا کہ شجرہ لکھا جائے اور اسے شائع کیا جائے چنانچہ میں نے ''شجرہ شریف خواجگان سہروردیہ'' لکھا اور اپنے شیخ حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ان دنوں اتفاق سے یہاں ہی تشریف فرما تھے۔ آپ نے اسے قبول و منظور فرما کر حکم دیا کہ یہ شائع کیا جائے تو اچھا ہے تاکہ سلسلہ کا نشان ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ سائیں گوہر آج کل آیا ہوا ہے یہاں ایک محلّہ ہے رڑہ تیلیاں۔ وہاں وہ ٹھہرا ہوا ہے۔ چلو اسے بھی یہ دکھالیں۔ میرا خیال تھا کہ اسے اگر اپنے شیخ سے کوئی عقیدت ہوئی تو بابا جی قبلہؒ اسے یہیں طلب فرمالیں گے لیکن آپ نے مناسب نہ سمجھا اور مجھے ساتھ لے کر وہاں خود ہی تشریف لے گئے۔ وہاں جا کر میری طبیعت بڑی خراب ہوئی۔ اسے آداب شیخ سے بالکل کورا پایا اور جاہل۔ اس کی موٹی مثال یہ ہے کہ جب ہم وہاں پہنچے تو وہ اس وقت کھڑا تھا۔ ہمیں دیکھ کر حضرت قبلہ کے سامنے پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں بدستور سامنے کھڑے رہے۔ سامنے ایک چٹائی پڑی ہوئی تھی حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کافی ضعیف العمر تھے' سیڑھیاں چڑھ کر آئے تھے' اس لئے ہانپ رہے تھے۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کے لئے کچھ نہ کہا۔ آخر ہم خود ہی چٹائی پر نیچے بیٹھ گئے۔ ہمارے نیچے بیٹھ جانے پر وہ پلنگ سے اٹھا اور ہمارے ساتھ نیچے چٹائی پر بیٹھ گیا مگر قبلہ بابا جیؒ کو پھر بھی یہ نہ کہا کہ آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں' البتہ گھر والوں نے اصرار کیا کہ آپ پلنگ پر بیٹھ جائیں۔ چنانچہ حضرت قبلہؒ ان کے اصرار پر پلنگ پر بیٹھ گئے۔ میں اور سائیں وہیں چٹائی پر بیٹھے رہے۔ اس کے سامنے شجرہ پیش کیا۔ بابا جیؒ نے فرمایا یہ شائع کیا جائے تو اچھا ہے۔ تاکہ سلسلہء سہروردیہ کا نشان ہو جائے۔ اس نے نہ ہُوں کی نہ ہاں۔ **تھوڑی دیر بعد** مجھے کہنے لگا کہ کیا خیال ہے تمہارا؟ کتنے چھاپو گے اور کیا خرچ آئے **گا؟ میں نے کہا** یہی دو چار سو روپے۔ وہ تھوڑی دیر چپ رہا۔ پھر کہنے لگا: اچھا میں سوچوں گا۔ چار ورق کا شجرہ تھا اور یہی

چھ سات سو روپے کا خرچ ہوگا۔ ہم اس کی بات سن کر چلے آئے۔ خیال کیجیے کہ وہ شخص جس سے دو دو سو، چار چار سو روپے قوال لے جائیں، عرس پر خرچ ہو جائے، پانچ سات سو روپے نہ دے سکا۔ دراصل وہ یہاں میری موجودگی کو بھی بوجھ سمجھتا تھا۔ اس نے یوں محسوس کیا کہ اس کا یہاں رہنا میری بے عزتی کا باعث بنے گا اور مجھے نقصان پہنچے گا۔ خیر! میں نے یہاں آکر وہ ''شجرہ شریف خواجگان سہروردیہ'' چھپوایا اور تقسیم کر دیا۔ پانچ سات سو روپے کی کوئی بات نہیں ہوتی اور خاص کر ایسے شخص کے لئے جس کے ہزاروں مرید ہوں۔ وہ حضرت قبلہ بابا جیؒ کا خلیفہ اعظم تھا۔ پہلے تو مرید کہلاتا رہا، جب روٹی کھانے کے قابل ہو گیا تو کہنے لگا: میں قاضی صاحبؒ ''اعوان والے'' کا مرید ہوں۔ غور کیجیے جہاں ایسے حالات تھے وہاں اس قسم کے لوگوں نے کیا قلم اٹھانا تھا؟۔

مجددِ سلسلہء سہروردیہ:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اس لئے میرے ذمے ہے کہ اس سلسلہء سہروردیہ کی خدمت کروں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی اثر ظاہر ہو رہا ہے تو یہ سب ان کی برکت ہے اور حضرت قبلہ بابا جنگو شاہ رحمتہ اللہ علیہ کا قول پورا ہو رہا ہے، ورنہ اپنے پلے نہ اب ہے، نہ اس وقت تھا۔ سلسلہ سہروردیہ کی بالکل مٹی ہوئی چیز میں جان پڑنی تھی۔ انہیں کا اثر ہے جو یہ سلسلہ جاری ہے۔ مجھے اب تک کئی لوگ خط لکھتے ہیں کہ سلسلہ سہروردیہ کئی سو سالوں سے مٹ چکا ہے، آپ کہاں سے اس کے نام لیوا پیدا ہو گئے ہیں؟ مگر آخر کرم نوازی ہونی تھی۔ قبلہ جنگو شاہ رحمتہ اللہ علیہ کی روح کام کرتی ہے ورنہ اپنا کیا ہے۔

قرعہء فال بنامِ من:-

حضرت بابا جی قبلہؒ کے خلفا میں سے ایک کا میں نے ذکر کیا ہے کہ وہ جس حیثیت اور خلوص کے مالک تھے۔ دوسرے خلیفہ احمد شاہ ریاست جموں میں تھے اور تیسرے مہدی شاہ تھے ان دونوں خلفاء کی بڑے شاندار اور بڑے وسیع پیمانے پر پیری مریدی تھی مگر انہوں نے بھی سلسلہ سہروردیہ کی کوئی خدمت نہ کی۔ اسی طرح دوسرے خلفاء غلام محمد ملکوال والے اور چودھری غلام رسول نے بھی کوئی خدمت نہ کی۔ اور:

قرعہء فال بنامِ من دیوانہ زدند

ہم قابو آ گئے۔ ہزار شکر ہے اس بے نیاز کا' کہ اس نے یہ خدمت لینی تھی اور اپنی رحمت سے کام لینا تھا ورنہ ہم میں کون سی خصوصیت تھی کہ دنیا میں ہم ہی کو چن لیا۔

سلسلہء روز و شب

امامت و خطابت کا باقاعدہ اور مستقل سلسلہ ۱۹۳۴ء تک جاری رکھا۔ ازاں بعد گاہے گاہے' جامع مسجدوں اور عام پبلک جلسوں میں مواعظ حسنہ کا دور پاکستان بننے کے شروع شروع یعنی ۱۹۴۷ء تک قائم رہا' لیکن خرابی صحت کی بناء پر بالآخر اسے بھی ترک کرنا پڑا۔ ماسوائے بارہ ۱۲ ربیع الاول کے سالانہ جلسوں اور عرس مبارک حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ' جس کا خود اہتمام فرماتے۔ آستانہء عالیہ پر ہی خلق خدا کو فیض یاب فرماتے رہے۔ دورانِ سیاحت باطنی امور کی نگہداشت کے علاوہ حال و قال کی محفلیں ہر قیام گاہ پر سجاتے۔ ڈیوٹی پر متعین سالک اور مجذوب درویش ظاہری اور پوشیدہ طور پر احکامات و ہدایات لیتے۔ نرالی شان کا انیس و محسن:

انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو　　شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق

(اقبالؒ)

ظاہری عمر شریف کے اس آخری دور میں معمول یہ تھا کہ تقریباً صبح سات بجے بالائی منزل سے نیچے بیٹھک میں تشریف لاتے' دوپہر تک خلق خدا کی حاجت روائی فرماتے اور محفل حال و قال کی پہلی نشست ایک یا ڈیڑھ بجے دوپہر برخواست ہو جاتی۔ دوسری نشست ظہر کے بعد، عصر کے قریب قائم ہوتی جو بعض اوقات مغرب کی اذان تک اور کبھی عشاء کی اذان تک برقرار رہتی۔ مریدوں کے علاوہ بہت سے دوسرے لوگ بلا تخصیص مسلک حاضر خدمت ہوتے۔ بیان مناظرہ، مجادلہ یا کسی قسم کے الجھاؤ یا دل شکنی سے مبرا ہوتا۔ جس میں اصلاح و تبلیغ کا پہلو نمایاں اور ہزاروں لطائف پوشیدہ ہوتے۔ باتیں ہمہ گیر۔ گویا ہر حاجت مند کے سوال کا جواب اور اس کی الجھن کا حل۔

گفتگو نہایت واشگاف الفاظ میں، دھیمے دھیمے اور ٹھہر ٹھہر کر فرماتے لبوں پر دائمی مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔ آواز نہایت لطیف و مترنم، اسلوبِ بیان سادہ و دل نشیں:

قلندرانہ ادائیں' سکندرانہ جلال!

سننے والوں کو ذہن نشین کرنے یا لکھنے میں مطلقاً دقت محسوس نہ ہوتی۔ ہر کوئی بقدر ظرف فیض یاب ہوتا۔

گفتگو کا بھی کیا سلیقہ ہے — بات کرتے ہیں پھول جھڑتے ہیں
دبدبہ اور وقارِ شخصیت — کوہساروں کے دل لرزتے ہیں

(خاور سہروردی)

اکثر اوقات سامعین کو رقت طاری ہو جاتی۔ بعض تو ضبط کا دامن تھامے رکھتے اور بعض کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو چھلک پڑتے، رواں ہو جاتے۔ تربیتِ باطنی تھی کہ زمان و مکان کی قیود سے مطلقاً آزاد۔

بقول ڈاکٹر عنایت اللہ سلیمی قادری:

حاضر ہو کے آ کے دیکھ لے دربارِ سہرورد
پائے گا لطفِ خاص بہ سرکارِ سہرورد
یاں پہ عجب برستے ہیں انوارِ سہرورد
ہیں کھل رہے عجیب ہی اسرارِ سہرورد

معترض کا جواب ظاہری شریعت سے ہی دے دیا کرتے اور کبھی کبھی اس کا اظہار یوں فرما دیتے کہ ان لوگوں کے ساتھ ولایت کی ہمیں ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

ایک دفعہ فرمایا: ہماری مرضی کے خلاف اس دہلیز کے اندر کوئی قدم نہیں رکھ سکتا۔ رب العزت کی مہربانی سے جو آتا ہے وہ کبھی خالی ہاتھ واپس نہیں لوٹتا۔ بارگاہِ ایزدی میں ایک ہی عرض کر چھوڑی ہے جو اس کی مہربانی سے قبول ہو چکی ہے کہ ''یا اللہ! مجھے اس گروہ خلق کا واسطہ بنا جس کی کامیابی و کامرانی تو اپنی رضا میں پہلے ہی مقدر کر چکا ہے۔ اس دروازے پر صرف اسے آنے کی توفیق عطا فرما جس کا کام تیری رضا میں ہونا مقدر ہو چکا ہے، نہ اس کو کہ جس کے مقدر میں محرومی لکھی جا چکی ہے''۔ حال و قال کی ان پاکیزہ محفلوں کے علاوہ اسی آخر عمر کے دور میں ہی مستقل تصنیفات کا سلسلہ شروع فرمایا۔

شریعت و طریقت، ذات و صفاتِ باری تعالیٰ، حضور علیہ السلام کی سوانح حیات، بزرگان عظامؒ کے تذکار، اختلافی اور دقیق فقہی مسائل کا حل، نازک احوال و مقامات کی توضیح و تشریح، قرآن حکیم کی آیات کی تفسیر اور اس کے سیاق و سباق کے بیان میں، قلم کے وہ جوہر دکھائے جو

اپنی مثال آپ ہیں۔ چند سالوں کی قلیل مدت میں ان "باقیات الصالحات" کا وہ ترکہ چھوڑا کہ:

جگر راہِ وفا میں نقش ایسے چھوڑ آیا ہوں
کہ دنیا دیکھتی ہے اور مجھ کو یاد کرتی ہے

لکھنے کا انداز نرالا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا: لکھنے کا ٹائم فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد صرف ایک دو گھنٹے ہی ملتا ہے۔ تین چار پنسلیں بنا کر رکھ لیتا ہوں۔ ایک کے ختم ہونے پر دوسری استعمال کرتا ہوں تا کہ وقت ضائع نہ ہو اور تسلسل تحریر ٹوٹنے نہ پائے۔ لکھتے وقت ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوتی ہے۔ آمد کا یہ عالم کہ تخیلات خود بخود مضامین کی صورت میں ڈھلتے جاتے ہیں اور زیب قرطاس ہوتے جاتے ہیں۔ رب العزت کی رحمت اور بزرگان عظام کی توجہ شامل حال ہوتی ہے ورنہ میں کیا اور میری تحریر کیا۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامین خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

بعض مقامات پر دورانِ تحریر، بزرگان عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خود تشریف لا کر عبارت کی اصلاح کرائی۔ گویا تحریریں کسی کی راہنمائی میں ہی لکھی گئیں۔

اندازِ تحریر نہایت شستہ، عالمانہ اور مدلل، بے لاگ، زبان کی چاشنی سے بھرپور۔ محاورات، تمثیلات و تلمیحات سے مزین، روانیٔ تحریر دریا کی روانی کی مانند، سبک رفتار، خود بخود رواں دواں اور تاثیر کلام کا یہ عالم، کہ ہر لفظ قاری کے دل کی گہرائیوں میں اترتا جاتا۔ روحانیت کی جیتی جاگتی تصویر کہ اکثر پڑھنے والوں کو دوران مطالعہ رقت اور سرور و کیف کے دوش بدوش کئی بزرگان عظامؒ کی زیارتیں بھی نصیب ہوئیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قبلہؒ کے ارشادات گرامی کا خلوص دل سے مطالعہ کرنے والوں کو اسی نوع کی کیفیات و واردات سے مشرف فرماتا رہے۔ التماس ہے کہ جب اولیائے کرام کے پاکیزہ نفوس کی برکات اور ان کی مقدس ارواح کی حسنات سے ان کا وقت خوش ہو تو ان اوراق کے مولف کو بھی دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

بارک اللہ لنا فی دیننا و دنیانا۔

۲۳ نومبر ۱۹۷۸

(حیدر آباد سندھ)

خاور سہروردی

خضر طریقت

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر　　شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

زندگی آمد برائے بندگی

فی صلواتھم دائمون

ایک مجلس میں فرمایا: تخیلات کسی قوم یا نسل کے لئے حجت نہیں رکھتے۔ موقع اور محل کے مطابق عام طور پر اظہار خیال ہوتا ہے۔ کسی انسان کی تمام زندگی نہ ثواب کی ہوتی ہے اور نہ تمام گناہ کی۔ زندگی میں چند رکوع، چند سجود، چند الفاظ محبت، چند پیسے فی سبیل اللہ باقی تمام زندگی کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ پاکیزہ کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سرکاری ملازم جب ریٹائر ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے تیس بتیس سال ملازمت کی ہے حالانکہ اس مدت میں مسلسل دن رات اس نے خدمت نہیں کی ہوتی۔ اس عرصہ میں اس کا دفتری ٹائم علیحدہ ہوتا ہے۔ جو دن کے چوبیس گھنٹوں میں صرف چند گھنٹے ہوتا ہے۔ ان چوبیس گھنٹوں میں دفتر کے ٹائم کے علاوہ اس کے اپنے ذاتی مصرف کا وقت بھی ہوتا ہے اور ملازمت کے دوران ہفتہ وار دوسری چھٹیاں بھی لی جاتی ہیں مگر وہ کہے گا یہی کہ میں نے تیس بتیس سال ملازمت کی ہے اور اسے پنشن بھی اس پورے عرصے کے حساب سے ملے گی تو گویا اس کی ملازمت کا وہ Active فعال حصہ تمام مدت پر حاوی ہے۔ قرآن کا حکم ہے کہ جو ایک نیکی کرے اسے دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ اب اگر ایک آدمی رمضان کے ایک ماہ کے اور شوال کے چھ روزے رکھے تو ایک مہینے کے روزوں کا ثواب دس مہینے ہوا اور چھ روزوں کے ساٹھ دن یا دو ماہ تو گویا اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔ اسی طرح ایک جمعہ کی نماز دوسرے جمعہ

کی نماز تک گناہ کا کفارہ ہوتی ہے۔ ایک نماز کا وقت دوسری نماز کے انتظار میں گزرتا ہے۔ یہ ہر نماز کا انتظار خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق نماز میں شمار ہوتا ہے۔ گویا "ھم فی صلوٰاتھم دائمون"۔ انسان کو یہ دیکھنا چاہئے کہ میرا وقت کیسے گزرتا ہے۔ یعنی ایک نماز سے دوسری نماز تک اگر وہ پاکیزہ گزرتا ہے۔ توھم فی صلواتھم دائمون اس پر صادق آتا ہے۔

یہی پاکیزہ لمحے نجات اور قبولیت کا سبب بن جاتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کی تمام زندگی پاکیزہ ہے مگر وہ لمحے زیادہ قیمتی ہیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کا کرتہ آتا ہے اور اس کے آنکھوں پر لگانے سے آنکھیں بینا ہو جاتی ہیں۔ بنی اسرائیل کی زندگی گناہ آلود ہے مگر وہ لمحے پاکیزہ اور قیمتی ہیں جب انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دریا عبور کیا اور فرعون کے مظالم سے نجات پائی۔

منفرد عمل:-

بعض اوقات زندگی کا ایک عمل تمام زندگی کو پاک کر جاتا ہے اور انسان حضور علیہ السلام پر قربان ہو کر شہید کا مرتبہ پالیتا ہے۔

حدیث میں مرقوم ہے کہ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شادی کی۔ شادی کی اسی رات کے خاتمہ پر علی الصبح ڈھنڈورا پٹ گیا کہ جہاد کے لئے تیار ہو کر نکلو۔ ان کی دلہن ان کے ہمراہ لیٹی ہوئی تھی۔ منادی سنتے ہی آپ بھی اٹھے اور جلدی جلدی ہتھیار باندھ کر نکلے مگر اس دوران فوج تیار ہو کر جا چکی تھی۔ آپ گھوڑے پر سوار ہو کر پیچھے روانہ ہو گئے جلدی میں غسل واجب بھی نہ کر سکے۔ جس راستے سے یہ گئے اسی راستے پر کافروں سے آمنا سامنا ہو گیا انہوں نے سوچا کون دوسری طرف سے جا کر اپنے لشکر سے ملے چنانچہ انہوں نے پیچھے سے کافروں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ آخر لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ جب جنگ بند ہوئی تو فریقین اپنی اپنی لاشیں لانے کے لئے میدان میں نکلے۔ اسی اثناء حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دشمنوں کی صفوں میں وہ کون ہے؟ جس کی لاش سے نورانی شعاعیں اٹھ کر اوپر کو جا رہی ہیں اور فرشتے اسے غسل دے رہے ہیں جا کر دیکھا تو حضرت حنظلہؓ تھے۔ غسل کے پانی کے قطرے ان کی داڑھی اور جسم مبارک سے ٹپک رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے

فرمایا۔ حنظلہؓ غسیلتہ الملائکہ۔ حضور علیہ السلام جنگ سے واپس آئے تو ان کی بیوی سے پوچھا کہ فرشتے حنظلہؓ کو غسل دے رہے تھے۔ اس کا کیا سبب ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ منادی کے وقت وہ میرے ساتھ تھے۔ مسلمان جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو اتنا وقت نہیں تھا کہ فرضی غسل ادا کر سکتے۔ غسل واجب ان کے ذمے تھا۔

سچی توبہ:۔

غور فرمایئے: ایک وہ وقت تھا جب صرف کلمہ فرض تھا۔ نماز روزہ کا حکم نہیں تھا۔ مومنوں کا اتنا عمل ہی کامیابی کا عمل تھا۔ اسی طرح جوں جوں احکام نازل ہوئے تو ان کی تکمیل کامیابی کی دلیل بنتی گئی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ جو نماز روزہ کے احکام سے پہلے نماز نہ پڑھتے تھے ان کے ذمے نماز نہ پڑھنے کا گناہ باقی ہے۔ اس لئے سب سے پہلی چیز ہے سچی توبہ:۔

سچی توبہ انسانی زندگی کے تین زمانوں پر حاوی ہے یعنی ماضی، حال اور مستقبل پر مثلاً ایک صحابی کا واقعہ ہے وہ ایک دیہاتی تھے انہوں نے سنا کہ حضور علیہ السلام پیدا ہو گئے ہیں اور نبوت کا اظہار فرمایا ہے انہوں نے اپنے لڑکوں سے کہا میں نے سنا ہے کہ حضور علیہ السلام تشریف لے آئے ہیں۔ لہٰذا مجھے ان کے دربار میں پہنچاؤ۔ ضعیف العمر تھے چارپائی اٹھائی گئی۔ ابھی راہ میں ہی تھے اور حضور علیہ السلام سے کچھ دور کہ ملک الموت آ گئے اور آ کر جو دکھائی دی تو انہوں نے اپنے لڑکوں کو کہا کہ چارپائی یہیں رکھ دو۔ آسمان کی طرف منہ کر کے عرض کی کہ اے مولا کریم! میں حضور علیہ السلام کی خدمت میں پہنچنا چاہتا تھا لیکن ملک الموت مہلت نہیں دیتا۔ لہٰذا تم میری اس توبہ اور اس عمل کے گواہ رہنا۔ میں اپنے ایک ہاتھ کو حضور علیہ السلام کا ہاتھ قرار دیتا ہوں اور دوسرے ہاتھ کو اپنا اور اس سچی توبہ کے بعد حضور علیہ السلام پر بہ تصدیق قلب ایمان لاتے ہوئے پڑھتا ہوں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔ اتنی بات کی اور جان دے دی۔ اس عمل سے پیشتر ساری عمر کفر کی حالت یا جس حالت میں بھی رہے مگر اب اتنا عمل کرنے سے ادھر جان دی ادھر حضور علیہ السلام کو وحی نازل ہوئی کہ ہمارا ایک بندہ تیرے حضور آ رہا تھا۔ اس کا یہ ارادہ تھا لیکن عمر اتنی ہی تھی اس نے اپنا ایک ہاتھ آپ کا ہاتھ قرار دے کر آپ کی بیعت کی ہے لہٰذا ہم نے اس کی اس اقرار بیعت اور سابقہ

گناہوں سے تائب ہونے پر اس کی نجات کردی ہے۔ حضور وہاں جائیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ چنانچہ حضور علیہ السلام اس مقام پر تشریف لے گئے اور ان کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔

بے گناہ:۔

حاضرین میں سے ایک صوبیدار نے عرض کی کہ میرے دوست کے بھائی کو قتل کے جرم میں سزا ہوگئی ہے۔ دعا فرمائیں وہ بری ہو جائے' وہ بالکل بے گناہ ہے۔

فرمایا: بارگاہ ایزدی میں سوائے نبی کے اور کوئی پاکباز کھڑا نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنے سابقہ گناہوں سے معافی مانگنی چاہئے۔ اس کا علاج سچی توبہ ہے اگر آج رب العزت کے حضور یہ بات پیش ہو جائے اور ان کردہ گناہوں کی سزا کا حکم آجائے تو آپ کو ساری توبہ یاد آجائیں گی۔ کسی تازیانے کا انتظار نہیں کرنا چاہئے۔ انسان کی خواہ ساری زندگی خراب ہو ایک توبہ ہی ایسی چیز ہے جو بندے اور رب العزت کے درمیان ایک معاہدہ ہے کہ میں سابقہ گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور آئندہ ان سے باز رہنے کی توبہ کرتا ہوں اور یہی وہ چیز ہے جس سے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ یہ تو کوئی بات نہیں کہ انسان تازیانے کا منتظر رہے۔ قولِ مرداں جان دارد۔ خلوص اسی کا نام ہے کہ ایک دفعہ جب کسی غلط کام کو نہ کرنے کی بات منہ سے نکل گئی ہے تو وہ ہمیشہ نہ ہی رہے آپ کے پاس توفیق ہے کہ سچا معاہدہ کرو اور پھر اس پر قائم رہو۔ جب دل میں احساس پیدا ہوتا ہے تو توفیق کے لئے جدوجہد شروع ہو جاتی ہے۔ ہر خوف کا نام احساس ہے لہٰذا جس چیز کا خوف ہو اس کی اصلاح بھی کرسکتا ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا اور اس مخمصے سے نجات بخشے گا۔

کتیا کے بدلے:۔

سائل نے پھر اسی بات پر اصرار کیا کہ وہ شخص بالکل بے گناہ ہے۔

فرمایا: جی ایک گاؤں ہے وہاں ایک کیپٹن اپنے ایک دوست کو جو رسالہ نمبر ۹ میں میجر تھا' لے کر میرے پاس آیا اس کے کیس کی بھی بالکل یہی نوعیت تھی۔ ایک پارٹی کپتان کی اور دوسری زمینداروں کی۔ دونوں فریق پانی کے جھگڑے پر لڑ پڑے۔ مخالف فریق کا آدمی مر گیا انہوں نے طے کیا کہ کپتان کو قتل میں ماخوذ کرتے ہیں پھر ہمارا کیس چل سکتا ہے۔

کپتان وقوعہ کے روز گھر پر نہیں تھا۔ کیس چلایا کہ اس میں کیپٹن کا ہاتھ ہے۔ یہ لوگوں کو لڑائی پر اکساتا تھا۔ ایک شخص نے گواہی دی کہ میں کھڑا تھا۔ یہ میرے پاس سے گزرا اس کے ہاتھ میں دونالی بندوق تھی جس سے اس نے فائر کیا اور ہمارا آدمی مر گیا۔ کیس چلتا رہا، اصل ملزم بری ہو گیا اور کیپٹن پھنس گیا۔ کیپٹن نے لاہور کے ڈپٹی کمشنر کو اپنی صفائی میں گواہ پیش کیا کہ وقوعہ کے روز میں لاہور میں اس کے بنگلے پر تھا اور اس وقت اس کے ہاں کھانا کھا رہا تھا۔ عدالت نے گواہی مسترد کر دی کہ بڑے آدمی ایسی گواہیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا یہ قابل قبول نہیں۔ مقدمے میں ابھی ایک اور تاریخ باقی تھی جس میں انہوں نے ایک گواہ احمد خان نامی پیش کرنا تھا۔ یہ لوگ احمد خان کو لینے کے لئے گئے۔ اس نے کہا کہ میں گواہی تو دے دوں گا مگر تم سے یہ کہتا ہوں کہ کسی اللہ کے بندے کی طرف رجوع کرو تا کہ نجات ہو۔ وہ لوگ میرے ایک ملنے والے دفعدار میجر حیدر بیگ کو ساتھ لے کر میرے پاس آئے اور کہا کہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کپتان کو نجات بخشے۔ میں نے کپتان سے حقیقت حاصل پوچھی۔ کپتان قسم کھا کر کہنے لگا کہ حقیقتاً میں قتل کے روز وہاں موجود نہیں تھا۔ بالکل بے گناہ ہوں۔ میں نے کہا گھبراؤ نہیں اللہ رحم کرے گا۔ وہ چلے گئے۔ جبّی پہنچے اور احمد خان کو بھی یہی بات کہی کہ تو بھی کوئی اللہ کا بندہ بتا تا کہ اسے بھی سلام کر لیں۔ وہاں جبّی میں ایک مجذوب قطب الدین تھا۔ اس کے پاس چلے گئے۔ انہوں نے کپتان سے پوچھا کدھر آیا ہے؟ کہنے لگا قتل کے مقدمے میں پھنس گیا ہوں، دعا کرانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا ہاں مجھے پتہ ہے لیکن جب تمہیں ایک اللہ کے بندے نے کہہ دیا ہے کہ بری ہو جاؤ گے تو پھر یہاں کیوں آئے ہو؟ کہنے لگا بس دعا کرانے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

انہوں نے کہا اچھا میں بھی دعا کروں گا، جاؤ بری ہو جاؤ گے۔ کپتان نے کہا: بابا جی میرا اس قتل میں ہاتھ نہیں تھا۔ میں کیوں پھنس گیا ہوں؟

فرمانے لگے تمہاری مرضی یہ جاننے کی ہے تو سنو! ایک دفعہ تو رسالے سے چھٹی پر گھر آیا تھا۔ تیرے پاس دونالی بندوق تھی۔ ٹھیک ہے نا؟ کہنے لگا جی ہاں۔ وہ تو نے پہلی دفعہ خریدی تھی۔ تو اسے گھر سے لے کر نکلا کہ دیکھوں اس کا فائر کیسا ہے۔ ایک کتیا پر تو نے فائر کر دیا۔ اس کے پیٹ میں چھ بچے تھے۔ ایک تو وہ مر گئی اور اس کے ساتھ چھ بچے بھی۔ تیرا شوق پورا ہو گیا اور سات جانیں ضائع ہو گئیں۔ اسی گناہ کے بدلے آج اللہ نے تجھے گرفتار کیا ہے۔

میں نے اس کے حضور عرض کی ہے کہ یا اللہ! یہ تیرے محبوب کا نقشہ ہے۔ اس کا چہرہ تیرے محبوب کا چہرہ ہے۔ اسے کتیا کے بدلے نہ مار، کسی اور بہانے مار لینا۔ تو میاں! تو اُسی کتیا کے بدلے مارا جا رہا تھا۔ رب کا شکر کر کہ اب بری ہو گیا ہے۔

تو صوبیدار صاحب! بات یہ ہے کہ انسانی زندگی میں انسان کی کتاب عمل مختلف رنگوں سے لکھی جاتی ہے۔ کوئی صفحہ کالی سیاہی سے، کوئی سفید سے اور کوئی لال سے۔ پتہ نہیں ہوتا کہ کس گناہ کے بدلے انسان قابو آ جائے۔ یہ بھی کوئی راز ہے جو آپ کا چچازاد بھائی پھنس گیا ہے۔ اللہ رحم کرے۔

ڈر ہے یا عادل ترے انصاف کا

اعمال حسنہ:۔

سچی توبہ کے بعد ہیں اعمال حسنہ، یعنی ایسی توبہ کے بعد جو سبق یا وظیفہ پڑھے گا اس کے متعلق اس کے ساتھ اس کا دل سینہ اور دماغ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے روشن ہو گا اور وہ اس قابل ہو گا کہ اپنے مرنے سے پہلے یہ معلوم کر لے کہ رب العزت نے میری نجات فرما دی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، محض پڑھنا اس وقت تک کام نہیں دیتا جب تک پڑھنے کے لئے زمین تیار نہ ہو۔ یہ پہلے بنانی پڑتی ہے۔ کھیتی خواہ کتنی اچھی ہو اس میں جب تک ہل نہ چلایا جائے، زمین ہموار نہ کی جائے، فالتو بوٹیاں وغیرہ نہ نکالی جائیں، فصل اُگنے کا سامان پیدا نہیں ہوتا۔ زمین ناقص ہو تو بیج چڑیاں کھا جائیں گی۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

تربیت باطنی:۔

ابتدائے اسلام کے زمانہ میں ایک دفعہ حضور علیہ السلام چند صحابہ کبارؓ کے روبرو یہ مسئلہ بیان فرما رہے تھے کہ من عرف اللہ لا یقول اللہ ومن یقول اللہ لا عرف اللہ جو اللہ کو پہچانتا ہے وہ اللہ نہیں کہتا اور جو کہتا ہے اللہ۔ وہ جانتا نہیں اللہ۔ اسی اثناء حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے آئے۔ حضور علیہ السلام نے ان کی آمد پر وہ مسئلہ بند کر دیا اور اس کی بجائے یہ ارشاد فرمایا لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین. تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ

وہ اپنی اولاد ماں باپ اور جان و مال سے زیادہ عزیز مجھے نہ سمجھے۔ حضرت عمرؓ فوراً بول اٹھے: یا رسول اللہ! میں حضور کو ساری کائنات سے اچھا سمجھتا ہوں۔ مگر حضورؐ سے مجھے اپنی جان زیادہ عزیز ہے۔ مقصد اس سے یہ بھی تھا کہ حضور علیہ السلام کے دربار میں سچائی سے کام لینا ہے۔ حضورؐ نے دیکھا کہ عمرؓ نے ابتدائے اسلام میں ایسی بات کی ہے، جتنی ان کی استعداد ہے۔ اب میں اس کی استعداد بڑھاؤں تاکہ یہ اس مقام پر پہنچ جائے چنانچہ حضور علیہ السلام نے سر جھکایا اور ایک باطنی توجہ سے قلب عمرؓ پر نگاہ مرشدانہ ڈالی جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ فوراً بول اٹھے: یارسول اللہ! قسم ہے مجھے اس وحدہٗ لاشریک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں حضورؐ کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتا ہوں۔

اب یہ واقعہ بخاری شریف کے اوراق میں تو موجود ہے مگر وہ نورِ نبوت موجود نہیں جو سینہء اطہر سرکار دو عالم سے اٹھ کر قلب عمرؓ پر گرا اور اسے ہمیشہ کے لئے منور کر گیا۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہی انتقال نور دوسرے معنوں میں حقیقت تصوف ہے۔ بلاشبہ اس کے حصول کے لئے کسی نورانی سینہ ہی کی تلاش کی ضرورت ہوگی۔

ایک دفعہ چند صحابہ کرامؓ مسجد میں بیٹھے اس بات کی تصدیق کر رہے تھے کہ حضورؐ واقعی اللہ کے رسولؐ ہیں اور اس بات پر شکر کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان عطا کیا کہ انہوں نے حضورؐ کی پہچان کر لی۔ وہ یہ گفتگو کر رہے تھے کہ اتنے میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے اور استفسار فرمایا کہ کیا گفتگو ہو رہی تھی؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم شکر ادا کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان عطا فرمایا ہے اور حضورؐ کی پہچان ہوئی ہے۔ حضورؐ نے سن کر فرمایا قسم کرو کہ تم واقعی یہی ذکر کر رہے تھے۔ صحابہ کرام نے قسم کھائی کہ واقعی ہم یہی ذکر کر رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا قسم دلانے کا یہ مطلب نہیں کہ تم جھوٹ بولتے ہو بلکہ مقصد یہ ہے کہ تم اپنی بات پر پکے ہو جاؤ۔ میں گھر بیٹھا تھا کہ جبرائیل علیہ السلام آئے اور فرمایا کہ اس وقت جو لوگ مسجد میں بیٹھے اس بات پر شکر ادا کر رہے ہیں کہ دین ملا، ایمان ملا، رسول اللہ کی پہچان ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان کے اس ذکر پر فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ اِنّی جاعل" فی الارض خلیفہ۔ ہم نے زمین پر انسان کو خلیفہ مقرر فرمایا۔

اس لئے جب تک چپے چپے پر سالک راہ کی حفاظت نہ ہو اس کٹھن زار سے نکلنا محال ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا اور ہر قدم پر اس کی

حفاظت فرمائی جس طرح ایک زمیندار اپنی کھیتی کی حفاظت اس طرح کرتا ہے کہ پہلے فالتو بوٹیاں جو زمین کی قوت کاشت و پیداوار کو کمزور کر دیتی ہیں نکال پھینکتا ہے۔ اس کی نالیاں وغیرہ درست کرتا ہے تاکہ پانی صحیح طور پر اس میں اثر کر سکے۔ یہ تو ہوتی ہے اس کی اندرونی حفاظت۔ بیرونی حفاظت یوں کرتا ہے کہ اس کے گرداگرد باڑ لگا دیتا ہے تاکہ باہر سے ڈھور ڈنگر کھیتی کے اندر آ کر فصل کو تباہ نہ کریں۔

اسی طرح شیخ کو ضرورت ہوتی ہے کہ پہلے وہ مرید کے قلب سے وہ فالتو خواہشات و جذبات نکالے جو اس کی بے راہروی کا باعث بنتے ہیں۔ ان فاسد خیالات کا قلع قمع کرے جو اسے غلط اقدامات پر اکساتے ہیں تاکہ پیروی کی کھیتی اور دل اس طرف راغب ہو۔ پھر باہر گرداگرد توجہ کی باڑ لگا دے تاکہ اس کی نگاہ غیر محرم کی طرف نہ اٹھے۔ کان غلط بات نہ سنیں، زبان غلط کلمات نہ کہے، پاؤں غلط جگہ چل کر نہ لے جائیں، ہاتھ غلط کام کرنے سے باز رہیں، دماغ غلط چیز سوچنے سے مانع رہے اور اگر خدانخواستہ کسی بڑی لغزش کا کوئی موقع پیدا ہو تو اعتراف لغزش کے بعد رب العزت سے استغفار چاہے اور سچی توبہ کر کے ثابت قدم رہے۔

زندگی آمد برائے بندگی
زندگی بے بندگی شرمندگی

اخلاص عمل

صداقت:۔

ایک مجلس میں فرمایا: علم، بزرگی، فضل، فقیری یا امیری کسی قوم کی میراث نہیں۔

حسنؓ ز بصرہ بلالؓ از حبش، صہیبؓ از روم!
زخاک مکہ ابوجہل، ایں یہ بوالعجبیست؟

یہ سب فہم کا قصور ہے ابوجہل نے سطحی نظر سے دیکھا۔ اس سے اوپر نہ جا سکا ورنہ ایمان لے آتا۔ کسی نے کہا عبداللہ کا جایا ہے۔ کسی نے کہا آمنہؓ کا لعل ہے۔ کسی نے کہا قریشی ہے۔ کسی نے کہا محمد عربی ہے۔ کسی نے محمدؐ رسول اللہ کہا اور کسی نے کہا نور "من نور اللہ" ہے۔ ابوجہل کے سے ہزار قریشی حضرت بلالؓ کے خون کے قطروں اور جوتوں کی خاک سے

کم حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا سبق درویشوں نے یہ دیا ہے کہ تمام دنیا سے اپنے آپ کو حقیر سمجھے جس مقام کا کوئی پتہ دیتا ہے اگر وہ سچا ہے تو بڑے بڑوں کو لاجواب کر دے گا ورنہ ذلیل ہوگا۔ خبر دینے کے لئے صداقت لازمی ہے۔ ..... سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

انکسار:۔

خواجہ محمد پارساؒ نقشبندی سلسلہ کے بلند پایہ بزرگ گزرے ہیں۔ آپ ایک جگہ ٹانگیں لمبی کئے بیٹھے تھے۔ خیال میں اتنی بلند پرواز کر گئے کہ اپنے آپ سے باہر ہو گئے۔ اسی اثناء آپ کے پیر حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ وہاں آ کھڑے ہوئے۔ خواجہ محمد پارساؒ کو پتہ نہ چلا۔ پیر نے یہ چاہا کہ میں دیکھوں کہ اس کی پرواز کتنی اونچی ہے جو اسے میری آمد کا پتہ بھی نہیں چلا چنانچہ آپ نے مرید کی طرف توجہ فرمائی اور اس کی بلند پروازی کے ساتھ اپنی پرواز کو ملانا چاہا مگر نہ مل سکے۔ وجہ یہ نہیں کہ طاقت نہ تھی بلکہ بات یہ تھی کہ وہ حالت بے اختیاری تھی اور یہ اختیاری۔ جس وقت دیکھا کہ میں بالارادہ نہیں مل سکا تو وہیں سے ہٹ کر خواجہ پارساؒ کے قریب آئے اور ان کے پاؤں پکڑ لئے۔ سبحان اللہ! کس قدر پاکباز لوگ تھے۔ یہ احساس ہی چھوڑ دیا کہ میں پیر ہوں اور یہ مرید۔ دعا مانگی "الٰہی بحق ایں پاہائے مقدس خواجہ محمد معصوم پارسا بر بہاالدین رحم کن"۔ کس قدر عجز اور کس قدر انکسار ہے۔ یہی چیز ہے جو انسان کو صحیح مقام کی طرف لے جاتی ہے۔

ایسی نماز سے گذر ایسے امام سے گذر:۔

ایک دفعہ ایک فقیر مسجد میں آیا۔ امام صاحب نے تکبیر کہی اور نماز پڑھانی شروع کی۔ پہلی رکعت کی قرات پڑھتے رہے پھر رکوع و سجود کیا۔ مگر یہ فقیر صفیں درست کرتا رہا اس کے بعد جماعت میں شامل ہو گیا۔ دوسری رکعت میں جب امام صاحب رکوع کو گئے تو یہ گاجریں کھانے لگا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد لوگوں نے اسے پوچھا تم بھی خوب آدمی ہو۔ ہم نماز پڑھتے تھے تو تم پہلے صفیں درست کرتے رہے اور پھر گاجریں کھانا شروع کر دیں۔ کہنے لگا بات یہ ہے کہ جب تک امام صاحب مسجد میں رہے میں ان کے ہمراہ رہا۔ جب یہ باہر چلے گئے تو میں بھی نماز سے علیحدہ ہو گیا۔ انہوں نے پوچھا وہ کیسے؟ کہنے لگا پہلی رکعت میں تو یہ اپنی گائے کو پانی ڈالنے چلے گئے تھے اور دوسری دفعہ دال لینے کے لئے بازار۔ چنانچہ میں

نے سوچا کہ جب تک امام صاحب حاضر نہیں ہوتے میں گاجریں کھالوں۔

سرکار دو عالم نے فرمایا ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک. اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر اس طرح عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے اس لئے کہ جب اسے یہ پتہ چلے کہ رب مجھ کو دیکھ رہا ہے تو وہ بدخیال نہیں ہوتا۔ لہٰذا عمل میں خلوص لازمی ہے۔

حضوری وعدم حضوری:-

ایک صاحب نے عرض کی کہ حضرت جب ہم آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں تو بڑا سرور اور سکون ہوتا ہے۔ مگر جب گھر جاتے ہیں تو کیفیت بدل جاتی ہے۔

فرمایا: ایک صحابی نے عرض کی ''یارسول اللہ!'' ہمارے دل منافق ہوگئے ہیں۔ ہماری جو حالت حضورؐ کے دربار میں بیٹھے ہوئے ہوتی ہے وہ غیبت میں نہیں ہوتی۔ حضورؐ جس وقت دوزخ کے متعلق ذکر فرمارہے ہوں تو دوزخ کے شعلے چمکتے دکھائی دیتے ہیں اگر جنت کا ذکر فرمارہے ہوں تو جنت کے پھلدار درختوں پر پھلوں کے خوشے لٹکتے دکھائی دیتے ہیں لیکن جس وقت ہم حضورؐ سے رخصت ہوکر یہاں سے چلے جاتے ہیں اور دنیا کے کاموں میں لگ جاتے ہیں تو وہ حالت قائم نہیں رہتی۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تمہاری وہ حالت جو میرے دربار میں حاضر ہونے پر رہتی ہے اگر غیبت میں بھی برقرار رہے تو وہ کام جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لینے ہیں نہ کرسکو گے۔

اُذکر ہذا:-

ڈاکٹر محمد طفیل سہروردی نے عرض کی کہ حضور! نماز پڑھتے وقت کئی بھولی بسری باتیں یاد آجاتی ہیں نہ معلوم مکمل یکسوئی حاصل کیوں نہیں ہوتی؟

فرمایا: حضرت امام اعظمؒ کے پاس ایک دفعہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ میں کہیں پیسے رکھ بیٹھا ہوں ہر چند تلاش کی ہے اور حافظے پر زور بھی دیا ہے مگر مل نہیں رہے۔ امام اعظمؒ نے فرمایا جا کر سو رکعت نفل ادا کرو۔ اس شخص نے عرض کی کہ حضور اس کا تعلق روپوں سے کیا ہوسکتا ہے؟ حضرت امامؒ نے فرمایا جا کر نفل پڑھو پھر پوچھنا۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ ابھی پندرہ بیس نفل ہی پڑھے تھے کہ رقم جہاں دفن کر رکھی تھی ذہن میں آگئی چنانچہ اس جگہ سے نکال لی

اور مطمئن ہو کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس وقت تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے ہو تو شیطان تم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے اور کہتا ہے ''اذکر ہذا۔ اذکر ہذا'' یہ بھی یاد کر لے وہ بھی یاد کر لے وہ باتیں یاد کراتا ہے۔ چنانچہ مجھے یہ پتہ تھا کہ اس نے تمہیں سو رکعتیں پوری پڑھنے نہیں دینی اور روپے کا اتہ پتہ بتا دے گا۔ اب جا اور باقی کی رکعتیں اللہ تعالیٰ کے حضور بطور شکرانہ ادا کر۔

دِیّا روشن :-

اسی طرح ایک مولوی صاحب سے کسی نے پوچھا کہ آگے پیچھے تو کئی باتیں یاد نہیں ہوتیں مگر جب نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو خواہ مخواہ دھیان میں آتی رہتی ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مجھے یہ بتا کہ اندھیری رات ہو اور تو کمرے کے اندر سویا ہوا ہو جہاں کوئی روشنی نہ ہو تو کیا کمرے کے اندر کوئی چیز تمہیں نظر آئے گی؟ کہنے لگا نہیں۔ مولوی صاحب نے پوچھا اگر وہاں دیا جلا دیا جائے تو پھر؟ کہنے لگا پھر ہر چیز نظر آئے گی۔ فرمانے لگے: بس یہی بات ہے۔ آگے پیچھے انسان کا دل غافل ہوتا ہے جب وضو کر کے یہ نماز کی نیت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا نور اس میں روشنی کرتا ہے۔ اس روشنی میں جس جس کونے میں کوئی چیز پڑی ہوئی ہو وہ دکھائی دینے لگتی ہے۔

سائل کو فرمایا! نماز سے نور الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ تم اپنا فرض، واجب یا سنت جو حکم ہے اسے پورا کرو اس وسوسے میں پڑنے کی ضرورت نہیں کہ یہ کیوں یاد آتا ہے اور وہ کیوں یاد آتا ہے۔ جس وقت رگ رگ میں اللہ تعالیٰ کی یاد سما جائے گی تو اس کی رحمت سے ایک خاص قسم کی طمانیت اور یکسوئی خود پیدا ہو جائے گی۔

طریقت باشریعت

ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ باشریعت ہیں اور مخلوق خدا کو اللہ تعالیٰ کے راستہ کی تلقین فرماتے ہیں۔

فرمایا: ہمیں شریعت کا کیا علم ہے۔ شریعت کے واقف تو وہ تھے جنہوں نے شریعت اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ ایک دفعہ سائیں جھنڈے شاہ سے اتفاقاً ملاقات ہوئی مجھے کہنے لگا

تم تو مولوی ہو۔ میں نے کہا تمہارے نزدیک نہ معلوم مولوی کسے کہتے ہیں؟ کہنے لگا جو مولا کی خبر دے۔ میں نے کہا بھائی! پھر تو شاید یہ بات وارا کھا جائے۔ کہنے لگا کوئی بات سناؤ۔ میں نے کہا شاہ صاحب! بات سناتا ہوں لیکن میں نے جو بات سنانی ہے وہ اس تعزیرات کی ہوگی جو تمہارے نانے اور دادے نے ہماری بغل میں دی ہے۔ میں تو اسی کا ضابطہ اور قانون ہی سناتا ہوں۔ اگر اس کے سننے کی ہمت ہے تو الحمد للہ۔ اور اگر اپنے کونڈے ڈنڈے والے مشرب پر جانا ہے تو پھر چھوڑ اس بات کو' تیری راہ تجھے مبارک اور میری راہ مجھے مبارک۔ کہنے لگا واہ بھئی واہ! جو باپ دادے کی نہ مانے وہ تو حلالی نہیں ہوتا۔ میں نے کہا تو سن ایک بات بتاتا ہوں اس پر غور کر۔ رسول اللہؐ کو نبیوں کو ختم کرنے والی نبوت ملی اس پر حضورؐ نے فخر نہیں کیا۔ صحابہ کرامؓ کی جماعت ملی سب سے بلند' اس پر فخر نہیں کیا۔ قرآن ملا ام الکتاب' اس پر فخر نہیں کیا۔ اہل بیتؓ ملے سب سے بلند' اس پر فخر نہیں کیا۔ ازواج مطہرات بے مثل ملیں ان پر فخر نہیں کیا۔ فخر کیا تو الفقر فخری فرمایا۔ یعنی درویشی پر فخر کیا اب تو ہی فیصلہ کر کہ کیا تیرے نانے کی درویشی یہ تھی جو تو لئے بیٹھا ہے یا کوئی اور شے ہے؟ وہ اس بات پر تڑپ اٹھا۔ کہنے لگا مولوی صاحب آج رات کو خواب میں میرے پیر صاحب مجھے ملے تھے انہوں نے مجھے فرمایا کہ اب تیری لائن بدل گئی ہے۔ الحمد للہ کہ پیر صاحب کی اس بات کی حکمت سمجھ میں آ گئی ہے اور وہ پیغام آپ کی وساطت سے مل گیا ہے۔ وہ راہ جس پر آپ قائم ہیں وہی سچی ہے۔ اب میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ چنانچہ کونڈے ڈنڈے وہیں پٹک دیئے۔ کپڑے تبدیل کئے اور کہنے لگا کہ اب انشاء اللہ آئندہ زندگی شریعت کے مطابق گزاروں گا۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو یہ ہے قصہ! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریعت بھی جو ملی ہے۔ اس میں فقیری پوشیدہ ہے۔ جس طرح کہ بادام' یعنی باہر کا خول اور ہوتا ہے اور اندر کا کچھ اور۔ سیاست اور مذہب ایک ہی چیز ہے' اس کے باہر کے حصے کا نام شریعت ہے اور اندر کا نام طریقت۔

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اگر وہ شریعت میں کامیاب ہے تو طریقت کی راہ اس کے سامنے ہے۔ جس نے وضو سے ڈر کر شریعت چھوڑ دی خدا چھوڑ دیا، رسول چھوڑ دیا اور جو پانچ وقت اپنا منہ نہیں دھو سکتا

اس نے مجاہدہ کیا کرنا ہے۔ مجاہدہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم پر بے کم و کاست چلنا اور بال برابر بھی انحراف نہ کرنا۔ ذرا غور فرمایئے کہ سرکار علیہ السلام مکے سے چار میل کے فاصلے پر غار حرا میں کیا کیا کرتے تھے؟ یہی نا کہ اس خالق حقیقی سے لو لگائی۔ مجاہدہ کیا۔ اس کی تلاش کی تب کہیں اس کی حریم ناز کا دروازہ کھلا اور پہلی آواز یہ آئی کہ: اقرا باسم ربک الذی خلق. پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ تو اس لئے جب تک درویش شریعت میں کامل نہ ہو، طریقت اور معرفت کی راہ نہیں کھلتی۔ شریعت کا دوسرا نام رسول ہے اور رسول کا دوسرا نام رب ہے۔ سالک کا بغیر شریعت کے اس راہ سے گذرنا ناممکن ہے۔

خرقہ

ایک صاحب نے پوچھا کیا خرقہ درویشی کی اصل صحیح ہے؟ کیونکہ بعض محدثین اس روایت کو ثابت نہیں کرتے اور اس کو غلط قرار دیتے ہیں۔

فرمایا: اس کی وضاحت میں نے اپنی تصنیف ''الفقر فخری'' میں کی ہے۔ حسب روایت حضرت خلیفہ سیف الدین قدس سرہ صاحب ''فصوص الآداب'' اس خرقہ درویشی کی اصل وہ گلیم سیاہ ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو اوڑھائی تھی، اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ خرقہ کی اصل وہ عبا ہے جو آنحضرتؐ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو اور ان سے مابعد کے مشائخین عظامؒ کو یکے بعد دیگرے پہنچی اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حقیقت خرقہ یہ ہے کہ رب العزت نے خرقہ کو واسطہ طہارت اور تشریف پوشندہ اہل خرقہ کا کیا ہے پس حضور علیہ السلام نے حقائق اسرار نبوت اور دقائق راز ہائے ولایت اس خرقہ میں ودیعت فرمائے جو شاہ ولایت حضرت علیؓ کو پہنایا۔ ''راحت القلوب''، ''سیر الاولیاء'' اور سلوک کی دوسری کتابوں میں ہے کہ خرقہ ءدرویشی حضور علیہ السلام کو شب معراج میں حضرت رب العزت سے مرحمت ہوا تھا جو ایک گلیم سیاہ کی صورت میں تھا۔ مگر بعض محدثین اس روایت کو ثابت نہیں کرتے جیسا کہ ''مجمع بحار الانوار'' اور ''موضوعات کبیر'' ملا علی قاریؒ سے ظاہر ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنے رسالہ ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں لکھتے ہیں کہ اصل اس کی سنت

سنیہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی خرقہ کی اصل تو حضور علیہ السلام کا لباس ہے جو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو امیر لشکر بنایا تھا تو اپنا عمامہ عطا فرمایا تھا۔ صاحب ''مسالک السالکین''، ''لطائف اشرفی''، ''تذکرۃ الاولیاء''، ''فوائد الفواد'' اوراد غوثیہ و دیگر اکثر مشائخ کبارؒ اس بات پر متفق ہیں کہ خرقہ ءخلافت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے چار اوالعزم اصحاب کو پہنچا ہے۔ اول سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام، دوم سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام، سوم خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ اور چہارم خواجہ کمیل بن زیاد رضی اللہ عنہ اور یہی چاروں حضرات چار خلفائے طریقت اور ''چار پیر'' بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام اور حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو شاہ ولایت حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی رحلت کے بعد فیض و خرقہ ءخلافت سیدنا حضرت امام حسن علیہ السلام سے بھی پہنچا ہے۔

صاحب ''مسالک السالکین'' لکھتے ہیں کہ سوائے سلسلہ نقشبندیہ کے جو حضرت صدیق اکبرؓ سے ہے باقی سارے سلسلے شاہ ولایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاری ہیں۔

سائل نے عرض کی کہ جو خرقہ حضرت علیؓ سے خواجہ حسن بصریؒ کو عطا ہوا ہے بعض اس کی نفی کرتے ہیں۔

فرمایا: اس کے متعلق ''کشکول بہاالدین عاملی'' میں مصنف نے لکھا ہے کہ یہ وہی ہے۔ وہ اس میں اختلاف نہیں کرتے۔ جنہوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف بے تحقیق ہے۔

سیدنا حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو سبق تلقین فرمایا اور خرقہ خلافت بھی عطا فرمایا۔ جو سلسلہ تصوف چلا ہے اس کو تو مانتے ہیں نا؟ جب یہ سلسلہ چلا ہے تو غور کا مقام ہے کہ خرقہ خواجہ حسن بصریؒ کو نہیں ملا تو یہ کس کو ملا ہے؟ آخر اس کا کوئی مدمقابل بھی تو ہونا چاہئے۔ آپ اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ علمائے ربانی وہی ہیں جو اولیاء اللہ ہیں اور جو لوگ اہل اللہ کے درمیان قلم اٹھانے والے ہیں انہوں نے پوری تحقیق سے یہ لکھا ہے اور اسے ثابت کیا ہے۔ ایک روایت یا عمل کی اگر نفی کی جائے تو اس کے مقابلے میں دلیل پیش کی جائے گی۔ اس لئے جو چیز پایہ ءتکمیل تک نہیں پہنچتی مثلاً میں کہتا ہوں فلاں آیا۔ زید بیان کرتا ہے۔ وہ نہیں آیا۔ اب یہ زید کے ذمے ہے کہ وہ ثابت کرے

کہ اگر کوئی نہیں آیا تو پھر کون آیا ہے؟

سائل نے عرض کی: تو پھر بعض محدثین نے کیوں انکار کیا ہے؟

فرمایا: یہ تو آپ انکار کرنے والوں سے پوچھیں۔ جو چیز بزرگان دین سے چلی آرہی ہے اور ان حضرات سے جن کی زندگی نبوت کا صحیح عکس ہے سے انہیں ملی ہے وہ اگر کسی دوسرے کو عطا فرما دیتے ہیں تو اس تحقیقت سے انکار کے کیا معنی؟ ہاں اگر وہ (مخالفین) یہ ثابت کرتے کہ یہ رسم، قدیم سے نہیں چلی تو حجت ہو سکتی تھی۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوتا' اللہ معاف کرے! کہ مابعد کے حضرات بدعت کر رہے ہیں۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ یہ سلسلہ بہ حدِ تواتر مشائخین کبارؒ سے ثابت ہے۔

من عرف نفسہ'

شعور:-

ایک مجلس میں فرمایا: من عرف نفسہ' فقد عرف ربہ 'جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے رب العزت کو پہچان لیا۔ تصوف کے مسئلہ میں لوگوں نے الفاظ کا عملی جامہ پہنایا ہے۔ اپنی پہچان کے لئے؟

شاہدِ اول شعور خویشتن — خویش را دیدن بہ نورِ خویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے — خویش راہ دیدن بہ نورِ دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق — خویش را دیدن بہ نورِ ذاتِ حق

(اقبالؒ)

شاہد اول شعور خویشتن جب یہ احساس ہو جائے یعنی اپنی ذات کا شعور حاصل ہو جائے تو پھر جو کیفیت وارد ہوگی وہ ہے۔ خویش را دیدن بہ نورِ خویشتن۔ اپنا نور کیا ہے؟ شرافت انسانیہ کا۔ اشرف المخلوقات ہونے کا۔ نفس کی مختلف حالتیں ہیں۔ یعنی:

اول۔ امارہ: وہ نفس جو نیکیوں کی راہ میں مخالفت کرے۔

دوم۔ لوامہ: جو اپنی پہلی برائیوں پر اپنے آپ کو ملامت کرے اور نیکی کی تلاش کرے۔

سوم۔ ملہمہ: یعنی ایک آئینہ بن گیا اور ہر چیز کا عکس قبول کرے گا۔ الہام قبول کرے گا۔

کاذب: وہ جس میں نفس کی تمنا ملی ہوئی ہو۔ صادق وہ کہ جب الہام صادق ہو تو رب کی

طرف سے جتنے حالات کا علم آئے گا وہ صحیح ہوگا۔ جب ایسا ہوگا تو پھر گویا:۔

چہارم: نفس مطمئنہ کی حالت ہوگی اور نفس مطمئنہ اتنا مطمئن ہوتا ہے کہ زمانہ بدل جائے اس کی حالت نہیں بدلتی یعنی کسی چیز کا ہونا نہ ہونا ایک برابر ہوگا۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے اسلامیہ کالج لاہور کے پروفیسر ظہیر الدین میرے پاس آئے۔ میں ان دنوں کوہ مری میں تھا۔ کہنے لگے اس مسئلہ کی سمجھ نہیں آئی۔ یہی شام کا وقت تھا۔ تقریباً ڈیڑھ دو گھنٹے میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتا رہا۔ اس دوران وہ خاموش بیٹھے ہمہ تن گوش سنتے رہے۔ محویت کا عالم تھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جب میں نے مسئلہ سمجھا دیا تو کہنے لگے میں نے بہت مرتبہ پڑھا۔ بہت مرتبہ سنا۔ مختلف درویشوں اور مختلف علماء کے سامنے یہ سوال پیش کیا کہ یہ سمجھا دیں مگر انہوں نے کہا کہ اس کا سمجھانا مشکل ہے ترجمہ کر دیتے ہیں۔ تو پروفیسر صاحب نے انہیں کہا میں ایم اے ہوں۔ پروفیسر ہوں۔ ترجمہ تو مجھے بھی آتا ہے میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ عملی طور پر یہ چیز کیا ہے؟ علماء کہنے لگے کہ یہ تو آپ کو اس راہ کا کوئی عارف ہی سمجھا سکے گا۔ ہم نہیں سمجھا سکتے۔

حدیثِ دل کسی درویشِ بے گلیم سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ!

تو جب یہ مسئلہ میں نے انہیں سمجھایا تو کہنے لگے اسی لئے آپ کی خدمت میں آیا تھا کہ آپ اس راہ کے عارف ہیں۔ الحمدللہ کہ اب میں نے اسے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت قبلہؒ نے فرمایا: تو بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ محض الفاظ کام نہیں دیتے۔ جس عمل سے درویش گزرا ہو وہ عمل وہاں کام دیتا ہے۔

مقامات اور بھی ہیں:۔

اسی طرح ابھی تھوڑی دیر پہلے حاجی معراج الدین صاحب (خلیفہء مجاز) یہاں بیٹھے تھے اور مجھ سے اپنی ایک کیفیت کا ذکر کر رہے تھے۔ اگر کوئی ظاہر بین ان کی بات کو سن کر بھی وہی ترجمہ کرے جو حاجی صاحب خود کر رہے تھے (تو وہ حقیقت پر مبنی نہیں ہوگا) انہوں نے ایک کیفیت سنائی جو رمضان المبارک کے آخری عشرے میں یا بعد وارد ہوئی۔ کیفیت یہ تھی

کہ ایک مقام ہے جہاں کچھ اہل اللہ تشریف فرما ہیں۔ وہاں دو حصے ہیں۔ ایک حصہ.....
راقم الحروف نے یہاں تک لکھا تھا کہ فرمایا: پھر لکھ لینا غلطی نہ ہو جائے۔ جب حضرت قبلہؒ اس باطنی کیفیت کو بیان فرما چکے تو راقم الحروف نے پھر قلم کا سہارا لے لیا۔

فرمایا: حاجی صاحب اپنی اس کیفیت پر بڑے پریشان تھے۔ میں نے انہیں سمجھایا کہ اس کیفیت کا ظہور پریشان کن نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ اس مقام سے گذر کر محبّ یا ایک عاشق کا حضور علیہ السلام کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ حالانکہ حالت یہ ہے کہ اگر وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی یہاں سے ہٹ کر دوسرے دروازے پر نہ جائے گا تو لا الہ کی اسے کیا پہچان ہوگی۔ جب تک ''فنا فی الرسول'' کے مقام سے گذر کر ''فنا فی اللہ'' نہیں ہوتا۔ وہ ''بقا باللہ'' کیوں کر ہوگا؟

اب اس کیفیت میں حضور علیہ السلام حاجی صاحب کو اپنے پاس سے ہٹاتے ہیں (تا کہ حالیہ مقام سے ترقی کرتے ہوئے آگے بڑھیں) اور دوسری کوئی طاقت ہے جو انہیں لا الہ کی طرف چلانے کے لئے کھینچ رہی ہے۔ اب یہ اپنی جگہ پریشان ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام نے اپنے دربار سے ہٹا دیا ہے۔

میں نے کہا بات یہ ہے..... قطع کلامی ہوگئی (کہ اس ہٹانے میں آپ کو آگے بڑھنے کی تلقین پوشیدہ ہے)۔

قم اللیل :-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ایک دفعہ مرزا غلام محی الدین (خلیفہ مجاز) اللہ ان پر رحمت کرے۔ میرے پاس بڑے خوش خوش آئے۔ میں نے پوچھا کیوں خیر ہے؟ کہنے لگے مجھے رات کو حضور علیہ السلام کے دربار سے حکم ہوا ہے کہ سورۃ مزمل پڑھ! چنانچہ میں سورۃ مزمل پڑھتا ہوں۔ میں نے کہا مرزا یہ کیا سمجھا ہے؟ آپ کو شرم نہیں آئی۔ یہ تو اس لئے حکم ہوا ہے کہ پندرہ بیس دن ہو گئے ہیں کہ تم نے تہجد چھوڑی ہوئی ہے۔ خوش کس بات پر ہو رہے ہو؟ اگلے کہتے ہیں کہ رسولؐ کی درویشی ''سورہ مزمل'' میں ہے۔ تم نے تہجد چھوڑ دی ہے اور پھر خوش ہو۔ کہنے لگے جی بھول گیا ہوں۔ میں نے کہا مجھے خواہ بتاؤ نہ بتاؤ لیکن میں پوچھتا ہوں تہجد چھوڑی ہے یا نہیں؟ پھر کہنے لگے جی بھول گیا ہوں۔ میں نے کہا کہ بھائی! بھول جانے

سے اس کا تعلق نہیں۔ اپنے نفس کو ملامت کرو۔ غیرت دلاؤ کہ بھڑوے شرم کر۔ رحمت اللعالمین کا تجھ پر اتنا انعام ہے کہ تیری غلطی پر پیار سے تجھے فرمایا ہے کہ سورہ مزمل پڑھا کر تاکہ تجھے سمجھ آئے کہ یا ایھا المزمل. قم الیل الا قلیلا نصفه او نقص منه قلیلا. او ذد علیه ورتل القران ترتیلا. (۷۳:۱تا۴) اے کملی پوش! رات میں قیام فرماؤ' سوا کچھ رات کے آدھی رات' یا اس سے کچھ کم کرو۔ یا اس پر کچھ بڑھاؤ اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔

مرزا صاحب! یہ تمہیں حکم ہو رہا ہے کہ سورۂ مزمل پڑھو تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ رات کو اٹھا کرو کیونکہ تم نے اٹھنا چھوڑ دیا ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بعض اوقات ایسی چیزیں یا اشارات ہدایت کے لئے ہوتے ہیں اور آدمی ان کے معنے کچھ سمجھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مرزا صاحب کی طبیعت بدل گئی۔

قلب:۔

صوفی فضل الرحمٰن سہروردی نے عرض کی کہ حضور کی تصنیفات ''الفقر فخری''، ''صحیفہ غوثیہ'' اور ''جمال رسول'' میں کچھ ایسے دقیق مسائل ہیں جو سمجھ سے بالاتر ہیں۔ مثلاً دو دل ہوتے ہیں۔ جو انسان کے اندر ہے وہ گوشت کا لوتھڑا ہے۔ یہ قلب مجازی ہے۔ دوسرا قلب حقیقی ہے جو نہ دائیں طرف ہے نہ بائیں طرف۔ نہ اوپر ہے نہ نیچے۔ نہ نزدیک ہے نہ دور اور اسے مرشد کامل کی صحبت کے بغیر کوئی نہیں سمجھ سکتا۔

فرمایا: ایسے اشارات اور تصوف کی اصطلاحات دوسرے لفظوں میں بدلی نہیں جاسکتیں۔ مثلاً پنسل کے لفظ کو آپ ہزار طور پر واضح کریں۔ وہ اپنے مفہوم میں پنسل ہی رہے گی۔ اب اگر کوئی شخص یہ سوال کرے کہ انہوں نے پنسل کا لفظ لکھ دیا ہے۔ یعنی یہ کہ میں نے مسودہ پنسل سے لکھا ہے تو وہ کہے گا کہ پنسل کیا ہے؟ اس کے معنی کیا ہیں؟ تو وضاحت کرنے کے لئے آپ لکھ دیں کہ لکڑی کے خول میں سیکے اور سیاہی کی ملاوٹ کا ایک تار دے دیا جاتا ہے۔ پھر اسے تراش کر ایک منہ بنا لیا جاتا ہے۔ اس سے لکھا جائے تو وہ ایسے لکھتی ہے جیسے سیاہی۔ تو گویا یہ پنسل کا مفہوم یا اس کا حلیہ تو ہے۔ مگر اس طرح معنوں میں (یا

ترجمہ کرنے سے) سمجھ میں نہیں آتا۔

سائل نے پھر عرض کی: اسی طرح یہ کہ مومن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اس کی سمجھ نہیں آتی۔

فرمایا: ہاں قلوب المومنین عرش اللّٰہ تعالیٰ کا یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ ساری کائنات قلب ہے اور مومن کا قلب عرش الٰہی ہے۔ اس صورت سے ترجمہ کرنے میں بہت سی دقتیں پیش آتی ہیں اور وہ ترجمہ بھی صحیح نہیں ہوتا۔

سائل نے عرض کی جب تک عملی رنگ میں نہ سمجھے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا۔

فرمایا: یہ ٹھیک ہے مثلاً نفس، جان، اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نفس کیا شے ہے؟ تو آپ جب تک نفس کی کیفیت، اور اس کی حقیقت اس پر وارد نہ کردیں، الفاظ میں اسے نہیں سمجھا سکتے۔ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے فلاں بزرگ نے توجہ فرمائی۔ توجہ کا مفہوم توجہ کے لفظ سے ظاہر نہیں ہوتا، تاوقتیکہ توجہ کی کیفیت مدمقابل پر وارد نہ ہو یا وہ حقیقتِ اعلیٰ اپنی قوتِ باطنی سے اس پر وارد نہ کردی جائے جسے وہ عملی رنگ میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی طرح بعض اصطلاحات لکھنے میں تو آتی ہیں مگر ان کی وضاحت وارد ہونے پر ہی ہوتی ہے۔ انشاء اللہ کسی وقت یہ واضح کریں گے۔

''ہے''، ''ہو''، ہیں:-

ایک مجلس میں فرمایا: یہ چیز ہمیں بڑے جھمیلے میں ڈال گئی ہے کہ متقدمین کی جتنی تعلیم اس رنگ (تصوف) میں ہے۔ وہ تمام عربی یا فارسی زبان میں ہے۔ موجودہ زمانے کا متلاشی اردو بھی نہیں جانتا۔ دوسری غلطی پر غلطی یہ ہے کہ ترجمہ کرنے والے حضرات بڑے آرام سے وہی الفاظ چسپاں کردیتے ہیں اور آگے پیچھے ''ہے''، ''ہو''، ''ہیں'' لگادیتے ہیں۔ اصل الفاظ کا ترجمہ نہیں کرتے۔ یہ بات اتنی پریشان کن ہے کہ عام آدمی کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ ''مکتوبات'' (حضرت مجدد الف ثانیؒ) کو ہی لیجئے، حالانکہ وہ ترجمہ ہے۔ اصطلاحات کا ترجمہ علم والوں کو نہیں آتا اور جو علم سے دور ہیں۔ ان بیچاروں کو کیا سمجھ آئے گی۔

علم ظاہر و باطن

ایک مجلس میں فرمایا: علم ظاہر اور ہے اور علم باطن اور۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

علم باطن بمچو مسکہ علم ظاہر بمچو شیر کے شود بے شیر مسکہ کے شود بے پیر پیر

یعنی علم باطن مکھن کی طرح ہے علم ظاہر دودھ کی مانند۔ علم ظاہر پڑھنا ضرور پڑتا ہے اس لئے کہ دودھ کے بغیر مکھن کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔ گویا بغیر دودھ کے مکھن اور بغیر پیر کے بندہ پیر نہیں بن سکتا۔ پیر سے ہی پیری لینی ہوتی ہے کیونکہ۔

علم را بر دل زنی یارے بود علم را برتن زنی مارے بود

علم کو جسم پر لگاؤ تو سانپ ہے۔ اس واسطے علم نہ پڑھ کہ بڑے بڑے چغے پہن لئے اور ریا کاری کی۔ ہاں اگر باطن پر پڑھا تو پھر دوست ہے۔

دس سال کی متواتر تلاش کے بعد اور نظامیہ کالج میں پڑھاتے ہوئے حضرت امام غزالیؒ کو یک لخت یہ سمجھ آئی کہ چھوڑو اس علم اور فلسفے کو۔ نظامیہ کالج وہ کالج ہے جس کے متعلق مورخین نے لکھا ہے کہ ایک ایک حلقہ درس اتنا وسیع ہوتا تھا کہ اس میں دس دس ہزار دواتیں رکھی جاتی تھیں۔ وہاں یہ پروفیسر تھے۔ ساتھی پروفیسروں اور شاگردوں نے کہا کہ حضرت آپ کے دم سے رونق ہے' اس سلسلہ کو چھوڑ کر کہاں چلے ہو؟ فرمانے لگے ایک خاص بات ہے۔ الحمد للہ رب العالمین سیاہی کے لکھے ہوئے حروف پہلے خود پیسے دے کر پڑھے اور پھر پیسے لیکر آگے پڑھا دیئے' گویا کالی سیاہی کی تجارت کی' مگر ان میں جو ''اللہ'' پوشیدہ ہے۔ اس کی آج تک سمجھ نہیں آئی کہ کیا ہے؟ سب تعریف اللہ کے لئے ہے۔ کس کا یہ تذکرہ ہے؟ کس کا یہ نام ہے؟ تو گویا اب سمجھ میں آئی ہے کہ حرف پڑھنا مقصود نہیں' مقصود یہ ہے کہ اس کی تلاش کی جائے چنانچہ اب میں کالج چھوڑ کر جا رہا ہوں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ میں دس سال پھرا۔ ہر جماعت کے آگے زانوئے ادب تہ کئے اس خیال سے کہ دیکھیں اللہ کا فرمان اور معرفت حاصل ہو جائے مگر تلاش کے بعد بھی کہیں سے تسکین نہ ہوئی۔ مجھے صوفیوں کے گروہ سے بڑا بیر تھا۔ میں کہتا تھا کہ یہ کوئی کام نہیں کرتے۔ کونوں میں بیٹھ کر تسبیح مارتے ہیں اور روح کو مانجھتے ہیں۔ خیال آیا کہ اب یہی ایک گروہ رہ گیا ہے چلو اسے بھی غیر جانبداری سے بے لوث طریقے اور ٹھنڈے دل سے ٹوہ لیں۔ جہاں سو وہاں ایک سو ایک۔ چنانچہ پھرتے پھرتے حمص میں گیا۔ وہاں ایک مسجد میں ٹھہرا۔ ایک نے پوچھا کون ہو؟ میں نے اسے سب حال بتایا۔ وہ کہنے لگا میاں یہاں فلاں جگہ ایک بزرگ ہیں[1] اگر شوق ہو تو وہاں چلے جاؤ۔ فرماتے ہیں میں چلا گیا۔ وہ بزرگ

---

[1] حضرت ابوعلی فارمدیؒ

بیٹھے تھے۔ فرمانے لگے غزالی آ گئے ہو؟ عرض کی حضور آ گیا ہوں۔ فرمانے لگے یہاں کھڑے کھڑے ایک بات سن لو۔ شریعت میں ہر چیز کا جاننا یعنی علم پہلے ہے اور عمل بعد میں۔ کسی کو کہیں کہ وضو کرو تو پہلے وضو کر کے بتائیں گے یا اس کا طریقہ۔ پھر وہ عمل کرے گا۔ ہمارا طریقت کا میدان ہے۔ اس میں عمل پہلے ہے اور علم بعد میں۔ اگر شیخ یہ کہے گا کہ یہاں کھڑا رہ تو یہ پوچھنے کی گنجائش نہیں کہ کیوں؟ پھر کھڑے ہو کر عمل کرو پھر تجھ پر اس کا علم وارد ہوگا۔ چنانچہ غزالیؒ فرماتے ہیں مجھے ارشاد ہوا کہ اگر یہ سودا منظور ہے تو بیٹھو ورنہ جاؤ فلسفہ ہی پڑھو۔ مجھے یہ الفاظ چبھ گئے۔ معلوم ہوا کہ ان الفاظ میں جان ہے۔ آپ نے مجھ پر توجہ فرمائی۔ لکھتے ہیں اس توجہ نے یہ کام کیا کہ حقیقت کی راہ میرے سامنے آ گئی۔ وہ راز جس سے میں ساری عمر نا آشنا رہا اس درویش کی ایک نگاہ نے کھول کر رکھ دیا۔ گویا (مرد کامل کی توجہ) یہ ایک چیز ہے جس کے ساتھ انکشاف ہوتا ہے۔ راہ کھلتی ہے۔ مسافر کو جوں جوں راہ کے صحیح نشانات ملتے جائیں وہ سمجھتا ہے کہ میں منزل کے قریب آ گیا ہوں۔ اگر مغالطہ لگے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ صحیح راہ نہیں۔

صحیح تعلق :-

کچھ توقف کے بعد اسی ضمن میں، چودھری یوسف سہروردی کو فرمایا: آپ کو صبح حضرت داتا صاحبؒ کے مزار سے نکلتے ہوئے یہ بات میں نے بتائی تھی کہ ان کے وصال کو ہزار سال ہو گئے ہیں۔ آج بھی خلقت ان کی قبر پر پروانہ وار گرتی ہے۔ دھکے لگتے ہیں۔ عورت و مرد کی تمیز نہیں، شانہ سے شانہ لگتا ہے۔ اس کا سبب؟ صرف خدا کا نام۔ اس رب کے بندے کے لوں لوں میں (رونگٹے رونگٹے میں) رب کا نام رچ گیا ہوا ہے۔ آج قبر کی ہزاروں من مٹی میں سے اس کی نورانی شعائیں لوگوں پر پڑ رہی ہیں۔ دنیا کھنچی چلی آتی ہے۔ کوئی رشتہ ہے؟ کوئی حکومت ہے؟ یہ ایک درویش ہے جس کا سینہ، دل اور دماغ رب کے نام سے آباد ہے۔ اس کا انجام یہ ہے۔ اس کے برعکس ایک ہندوستان کا والی راوی کے اس پار پڑا ہے اسے چار سو سال بھی نہیں ہوئے۔ وہ شہنشاہ ظاہری طمطراق کا مالک، فوجوں اور قلعوں کا مالک جہانگیر! جہاں پر لوگ اس کا مقبرہ دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھانے نہیں جاتے۔

وہ ظاہری شان وشکوہ کا بادشاہ اور یہ رب کا بندہ ایک درویش! کتنا فرق ہے۔

نہ تاج و تخت میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے (اقبالؔ)

مولا کریم توفیق دے یہ مقام جہاں تم بیٹھے ہو یہاں ظاہر داری کا تمہارا کوئی رشتہ نہیں۔ اپنا وقت، بال بچوں کا پیار، گھر گھاٹ، سب کچھ چھوڑ کر آتے ہو، کوئی خاص مقصد ہے کہ جس کے لئے یہ وقت دیا جاتا ہے؟ اندھیرے سویرے، اٹھتے بیٹھتے، خدا کرے یہ وقت مُجرے آجائے۔ کوشش یہ کرو کہ جو قدم اٹھے وہ رب کی رحمت سے آگے اٹھے۔ مجاہدہ کرو اپنے اوقات کی پابندی کرو اور اس ذات کا نام پاک جو ہے اسے اتنا پکاؤ کہ اس کا اثر لوں لوں سے ظاہر ہو۔ پھر وہ وقت دور نہیں کہ رب العزت کرم نوازی کرے اور تم سے دنیا نفع اٹھائے۔ درویش کا تعلق اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر قائم ہونا چاہئے اور جو باقی دنیا کی چیزیں ہیں یہ تو دنیا کے حساب کتاب ہیں۔ یہ تو ہیں یونہی ''جھونگے'' میں کام ہو گیا تو ہو گیا ورنہ نہ سہی۔ بڑا کام جو ہے وہ ہے صحیح تعلق الٰہی۔ اب ہم اپنے آپ کو سہروردی لکھے بیٹھے ہیں۔ دعا کرو کہ عزت رہ جائے۔

پانی بھرن سہیلیاں رنگ برنگ گھڑے
بھریا اوہدا جانیئے جدھا توڑ چڑھے

جس کی آخر تک نبھ جائے اور خصم کو قبول ہو اس بھرے کا مزا ہے۔ اگر اپنی طرف سے کوشش کریں اور قبول نہ ہو تو بھرا ہوا کس کام کا؟۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

کیا فائدہ؟:-

اِندور کے ایک مولوی صاحب تھے۔ بڑے پارسا اور پیر طریقت۔ فوت ہونے لگے تو لوگوں نے کہا حضرت! اگر اجازت ہو تو پگڑی باندھ کر آپ کو دفن کریں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمانے لگے: تم نہ باندھنا۔ اگر تم نے پگڑی باندھی اور اگلوں نے جوتے مار کر کھول دی تو پھر کیا فائدہ اس پگڑی باندھنے کا؟ اگر وہاں سے ملی تو وہیں باندھ لوں گا۔

حاضرین کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا: اس لئے اگلے مقام کے لئے اپنے آپ کو

تیار کرو۔ یہ دنیا کے تعلقات سب بے فائدہ اور بے ہودہ ہیں۔ ایک بھی ایسا نہیں جو منزل سے تعلق رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اپنے اسباق اور اوقات کی پابندی رکھو۔

علم باطن کب؟:-

ڈاکٹر عبدالرحمٰن سہروردی نے حضرت امام غزالیؒ کا ذکر کرتے ہوئے عرض کی کیا بچپن سے ہی علم باطن کی تلقین کر دی جاتی ہے؟

فرمایا: ابتدا والدین کی طرف سے چونکہ علوم ظاہر سے ہوتی ہے اور ہر وہ علم (جو حاصل کیا جاتا ہے اس کا اثر بعد میں ظہور پذیر ہوتا ہے) بچہ چھوٹا ہوتا ہے اس کا کیا پتہ کہ اس نے بڑے ہو کر قطب بننا ہے یا جرنیل۔ اس لئے شروع سے بچوں کا جو عام ماحول ہوتا ہے والدین اس پر توجہ دیتے ہیں۔

حضرت امام غزالیؒ بچپن سے علم ظاہر کی طرف لگے رہے۔ انہوں نے اپنے متعلق خود لکھا ہے کہ نظامیہ کالج میں پڑھتے پڑھتے جس وقت میں نے کالج میں پڑھانا شروع کر دیا تو پھر خیال آیا کہ یہ ظاہر کا کام ہے۔ ایک طرف سے علم پڑھا۔ دوسری طرف پڑھا دیا۔ گویا کالی سیاہی کی تجارت کی۔

اس مقام پر حضور نے حضرت امام غزالیؒ کا وہ واقعہ جو صفحہ نمبر ۱۰۱ بعنوان ''علم ظاہر و باطن'' درج ہے، بیان کرنے کے بعد فرمایا:

بچپن میں علم باطن کی سمجھ ہی نہیں ہوتی۔ کس چیز پر لگے؟ کس چیز پر جائے؟ چھوٹے بچے کو تمیز ہی نہیں ہوتی۔ بچپن میں تو وہ علم ظاہر میں ہی بڑی مشکل سے کامیابی حاصل کرتا ہے جوں جوں وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور علم کی سمجھ آتی ہے توں توں اس کا عادی ہوتا جاتا ہے۔ پڑھ پڑھا کر اسے علم ہوتا ہے کہ خدا کوئی ہستی ہے۔ جس نے مجھے پیدا کیا ہے اسے بھی تلاش کرنا ہے۔ یہ پیغام جس نے دیا ہے اس کا خدا سے لگاؤ ہے۔ اسے بھی دیکھنا ہے اور جب علم ظاہر سے یہ چیزیں پیدا ہوں گی پھر علم باطن کی اسے تلاش ہوگی جو علم ظاہر سے اس نے سیکھیں۔ پہلے اس نے علم ظاہر کو پایا ہے پھر اس کی تلاش کرتا ہے۔ اس تلاش کرنے والے کا نام علم باطن ہے اور نام بتانے والے کا نام علم ظاہر ہے۔ شریعت میں علم پہلے ہے اور عمل بعد میں۔ اس لئے کہ شریعت ظاہری شے کا نام ہے۔ ایک آدمی یہاں سے حج کے لئے

روانہ ہوتا ہے۔ لوگ گلے میں ہار ڈالتے ہیں کہ یہ حاجی ہے' لیکن کیفیت وہاں پہنچ کر وارد ہوتی ہے کہ حج کسے کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک یہ سنتا ہے کہ نماز پڑھنی چاہئے۔ ایک وقت آتا ہے جب اسے تلاش ہوتی ہے کہ نماز کسے کہتے ہیں اور وہ خود کہتا ہے کہ اگر ان حرکتوں کا نام نماز ہے یعنی قیام، رکوع و سجود وغیرہ تو اس کا فائدہ؟ وہ قرآن نے بتایا ہے کہ وہ اگر پڑھی جائے تو ایک غائبانہ ہستی کے آگے جھکنا۔ سجدہ کرنا اور دل میں یہ سمجھنا کہ کوئی ذات اقدس ہے جس کا یہ ذکر کر رہا ہوں۔ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر. نماز برائیوں اور بغاوت الٰہی سے روکتی ہے۔ نماز کا صحیح مفہوم اس وقت اس پر وارد ہوگا جب نماز اس پر اثر کرے گی۔ شروع شروع میں تیمم' وضو' پاک جگہ وغیرہ کی پرہیز کرے گا اور اس کا عامل بنے گا۔ لیکن جب سمجھ آئے گی کہ یہ جو کچھ ہے یہ نماز کا ظاہر ہے۔ پوست ہے اور نماز کا چھلکا ہے۔ نماز کا مغز وہ ہے جس نے یہ ثابت کرنا ہے کہ مغز کھانے سے' بادام کی گری کھانے سے طاقت آتی ہے۔ اس میں تیل ہوتا ہے۔ یہ چیز گھٹتی بڑھتی ہے۔ اگر کوئی چھلکے پر اکتفا کر لے اور مغز سے بے بہرہ رہے تو مطلب ہوا کہ اس نے مغز کو حاصل نہیں کیا اور اس کے اثرات سے غافل رہا۔ ایک آدمی بادام لے کر چھلکا توڑ لے اور یہ سمجھے کہ اس چھلکے سے سیاہی بنالوں اور اسے یہ پتہ نہ ہو کہ مغز کا کیا اثر ہے تو؟ اگر اسے استعمال کرے گا تو بادام روغن یا گری (مغز) کی خصوصیات پھر وارد ہوں گی۔ اسی لئے قرآن نے ہر چیز کو واضح کیا ہے' ایک اس کی علت بیان کی اور ایک اس کا نتیجہ بیان کیا ہے۔ یہ بتایا ہے کہ نماز پڑھو' یہ بتایا کہ روزہ رکھو' تم روزہ رکھتے ہو کیوں؟ تمہاری بھوک پیاس کی اللہ تعالیٰ کو ضرورت نہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تمہاری صورتوں اور عملوں پر نظر نہیں رکھتا بلکہ وہ نظر رکھتا ہے تمہارے دلوں اور نیتوں پر۔

نیت کے متعلق حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ تمام اعمال کا لب لباب اور روح ہی نیت ہے اور اعتبار بھی نیت ہی کا ہے۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی نظر ہر ایک عمل میں نیت پر ہی ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ دل پر اس لئے نظر کرتا ہے کہ دل ہی نیت کی جگہ ہے۔

کسی کام کا صادر ہونا اور ظہور میں آنا ثابت نہیں ہو سکتا جب تک کہ تین چیزیں اس کام سے پہلے نہ ہوں۔ (۱) علم۔ (۲) ارادہ۔ (۳) قدرت اور (۴) طاقت۔ ان تینوں چیزوں میں سے خواہش اور ارادہ کا نام نیت ہے۔ نہ کہ قدرت اور علم کا۔ اور خواہش وہ چیز ہے کہ

آدمی کو کسی کام پر آمادہ کرے اور اس پر لگا دے۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نیت المومن خیر'' من عملہ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

طاعت تن سے ہوتی ہے اور نیت دل سے' اور ان دونوں میں سے جو چیز دل سے علاقہ رکھتی ہے وہ بہتر ہے' کیونکہ تن کے عمل کا مقصود بھی یہی ہوتا ہے کہ اس سے عمل دل کی صفت پیدا ہو جائے۔ تمام عبادتوں میں ''طلب خیر'' کو نیت کہتے ہیں یعنی دنیا سے کام نہ رکھے بلکہ ذات الٰہی کی طرف متوجہ ہو۔

ایک آدمی نماز پڑھتا ہے۔ اس کی نیت یہ ہے کہ نمازی جب صحیح انہماک میں شامل ہو جائیں' کسی اور طرف مشغول ہو جائیں' عشق الٰہی وارد ہو تو میں اٹھ کر جوتا اٹھالوں۔ بتایئے اس نے کیا پڑھا؟ اب یہ اس کی نماز ہے یا ان کی جن کا جوتا اٹھایا گیا ہے؟۔ اسی طرح ایک چیز علت ہے اور ایک نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک شخص کو پیٹ درد ہوتی ہے۔ حکیم کہتا ہے میگنیشیا پی لے کہ وہ درد کا قصور دفع کرتا ہے۔ اب پانی میں کوئی اور چیز بھی ملا کر پلائی جا سکتی ہے یہ درد کو عارضی طور پر رفع تو کر دے گی لیکن پیٹ درد تو اندر ہی ہے اسے صرف میگنیشیا ہی نکالے گا۔ اسی طرح نماز اس وقت نماز ہے جب پڑھنے والا یہ محسوس کرے کہ رب کی کیفیات مجھ پر وارد ہو گئی ہیں۔ اگر نہیں تو اس کی حقیقت کچھ نہیں۔ اسی طرح ابتداء میں ایک چیز کو علت کے لئے اختیار کیا جاتا ہے اور حقیقت کا پتہ بعد میں چلتا ہے۔

لِلّٰہیّت

مولانا وجیہ السماء عرفانی سہروردیؒ نے عرض کی کہ میں نے باغبانپورہ میں درس کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ روزانہ ایک گھنٹہ درس دیتا ہوں۔

فرمایا: جزاک اللہ! صحیح چیز بھی یہی ہے۔ غور فرمایئے کہ بزرگان عظام اس کام کے لئے کیسے کیسے دور دراز علاقوں سے روانہ ہو کر کہاں کہاں پہنچے۔ للّٰہیت بڑی عجیب چیز ہے۔ اگر ریاکاری کا شائبہ نہ ہو تو یہ بڑا اثر کرتی ہے۔ وہ چیز جو اثر کرتی ہے وہ صرف خدا کا بھروسہ اور حضور علیہ السلام کے اتباع کا نقشہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی اس کام میں مدد فرماتا ہے یہاں میں نے جو یہ سلسلہ شروع کیا ہوا ہے وہ کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں کیا یہاں

تک کہ اگر کوئی شخص میرے پاس بیعت کے لئے بھی آتا ہے تو اسے کہہ دیتا ہوں کہ میاں مجھے اپنے بزرگوں سے پوچھ لینے دو۔ اگر ان کے ہاں تمہارا حصہ ہے تو بیٹھ جاؤ ورنہ جانے کی اجازت دے دیتا ہوں۔ اس کے باوجود بھی مخالفت ہوئی لیکن وہی ہوا جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ تبلیغ اسلام اور اصلاح خلق کے لئے حقیقتاً کسی مجدّد اور کسی چشتی کی ضرورت ہے پھر انسان کامیاب ہوسکتا ہے۔

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

یہ ظاہری علم سب الفاظ کا فتور ہے اگر صحیح علم میسر آجائے تو سبحان اللہ! رب العزت نے فرمایا ہے۔ هو الذی بعث فی الامین رسولاً منهم یتلوا علیهم آیته ویزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمته وہی ذات بابرکات ہے جس نے اَن پڑھ انسانوں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آئیتیں پڑھتا ہے۔ ان کا تزکیہ نفس فرماتا ہے اور انہیں علم کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (۲:۶۲)

غرفانی صاحب! کسی اس اُمّی کی ضرورت ہے۔ جو عمل سے تعلیم دے اور یہ ثابت کرے کہ رب العزت بندے کے اتنا قریب ہوسکتا ہے۔ آپ نے یہ بہت عمدہ کام کیا ہے اس چیز کا خاص خیال رکھنا کہ جتنی تعلیم ہو وہ عقائد صحیحہ کے ماتحت ہو۔

تصوّر کا جواز:۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: چند دن ہوئے ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تصور کے آجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے؟ میں نے اسے کہا کہ تصور جائز ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تصور کی تعریف کیا ہے؟ اگر تمہارے اور تمہارے بزرگوں کے نزدیک تصور یا کسی شکل کا آجانا فاسد ہے۔ تو مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے بزرگ کہتے ہیں کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھو اور دوران نماز بھی قرآن سمجھ کر پڑھو تو ذرا اس کا ترجمہ اور تفسیر کرنا۔ ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت اذا قال لبنیه ما تعبدون من بعدی. (اے بنی اسرائیل! بلکہ تمہارے پہلے لوگ موجود تھے جب یعقوبؑ کو موت آئی اور جبکہ اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ (۲:۱۳۳)

ان آیات کی تلاوت کو غور و فکر اور سمجھ کر پڑھنے سے سارا نقشہ تمہارے سامنے آجائے گا

کہ حضرت یعقوبؑ چارپائی پر لیٹے ہیں۔ وصیت ہو رہی ہے اسی طرح سورہ یوسف میں کہیں زلیخا کا محل۔ کہیں یوسفؑ کی چاک دامانی کا نقشہ، کہیں لوگوں کی گواہیاں، کہیں خواب کی تعبیر کا بیان۔ اچھا اس انبیاء کے خاندان کو چھوڑ دو۔ کہیں ابولہب، کہیں ابوجہل، کہیں سور، کہیں شراب کا ذکر ہے۔ یہ سب نقشے تمہارے ذہن میں فلم کی طرح دوڑتے جائیں گے۔ گویا ایک طرف قرآن سمجھ کر پڑھنے سے ساری کائنات اکٹھی ہو جاتی ہے اور دوسری طرف یہ کہتے ہو کہ تصور کے آجانے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

عرفانی صاحب! ایمانداری کی بات ہے کہ میری نیت یہ ہے کہ لوگوں کو سرکار دو عالمؐ کی رضا اور قرب کا صحیح رستہ بتادوں۔ یوں تو سب سیدھی راہ کی تلقین کرتے ہیں مگر منفرد چیز یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کی صحیح راہ اور تبلیغ کا صحیح راستہ بتادیا جائے۔ یہی میرا مشن ہے۔

تصویر اور تصور:۔

ایک دفعہ مولانا مہر الدین صدر انجمن نعمانیہ لاہور کو فرمایا: ایک مولوی احمد حیات ہوئے ہیں۔ وہ مزاروں پر جا کر سجدے کرتے رہتے۔ ایک دن اتفاق سے مزنگ میں ان سے ملاقات کا موقع مل گیا اور یہی مسئلہ چھڑ گیا۔

مولانا نے عرض کی: حضرت! وہ تو اپنے مریدوں کو تصور کے لئے تصویریں بھی دیتے ہیں۔

فرمایا: ہاں! میں نے انہیں کہا حضرت! یہ بتائیے کہ شریعت کہتی ہے کہ قبر آگے ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ قبر سے کیا مفہوم ہے؟ کہنے لگے۔ شریعت کی نگاہ سے یا میری نگاہ سے؟ میں نے کہا آپ کی نگاہ شریعت کے لئے حجت نہیں۔ کہنے لگے تو پھر جائز نہیں۔ میں نے وہ سجدہ اپنی نگاہ سے کیا تھا۔ میں نے کہا حضرت شریعت میں تصور شیخ کے لئے تصور جائز ہے لیکن تصویر جائز نہیں۔ کہنے لگے تصور کیسے جائز ہے؟ میں نے کہا سارا قرآن گواہ ہے۔ سورۂ یوسف کو ایک سرے سے شروع کریں کہیں یعقوبؑ کا گھر۔ کنعان کی آبادی، کہیں بھائیوں کی بے مہری، زلیخا کا محل، جیل کی کوٹھڑیاں۔ اگر آپ قرآن کی تلاوت سمجھ کر کریں گے تو یقیناً تصور آئے گا۔ اس میں آدم، فرشتے، ابولہب، کتے، گھوڑے، گدھے، سواریاں، چاند، سورج، ستارے، زمین، آسمان سب کچھ آئے گا۔ یہ ہے تصور لیکن تصویر منع ہے۔ کہنے لگے

کیوں؟ میں نے کہا اس لئے کہ تصور غیر شعوری طور پر از خود آتا ہے جب کہ تصویر بالارادہ ہے۔ تصور کو پکانا پڑتا ہے تصور کو چھوڑنا نہیں پڑتا۔ تصور متحرک ہوتا ہے اور بدلتا رہتا ہے جبکہ تصویر غیر متحرک ہے۔ کہنے لگے کوئی باطن کی بات سناؤ اور یہ کہہ کر میدان چھوڑ گئے۔

حضوری وحقیقت:۔

ایک مجلس میں مولانا مہر الدین نے تصور کے جائز ہونے کے سلسلہ میں عرض کی کہ حضور علیہ السلام نے احسان کی یہ توضیح فرمائی ہے۔ ان تعبداللہ کانک تراہ فان لم تراہ فانہ یزاک یعنی احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

فرمایا: یہ تصوف کا اصول ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ یعنی یا تو اسے دیکھو اور یہ حقیقت ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہیں تو کم از کم اولیت میں یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

مولانا نے عرض کی بعض کے نزدیک نماز میں گھوڑے، گدھے، بلی، بندر کا تصور آجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور حضور علیہ السلام کا تصور آجائے تو ٹوٹ جاتی ہے۔

فرمایا: یہ ان کا تخیل ہے۔ حضور علیہ السلام کا تصور اور خیال ہمارے عقیدے میں تو ایمان سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت امام غزالیؒ نماز میں حضوری کے متعلق لکھتے ہیں کہ جب نمازی تحیات میں درود پڑھنے لگے تو یوں کہے فاحضر فی قلبک النبی علیہ السلام وشخصہ الکریم ثم تقول من بعد ذالک "الصلواۃ والسلام علیک ایھا النبی ورحمتہ اللہ وبرکاتہ" یعنی پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تصور میں حاضر کر پھر خوب تشخیص وغور سے کام لے کہ واقعی حضور علیہ السلام ہی ہیں پھر جب پتہ چل جائے کہ حضور علیہ السلام ہی ہیں تو پھر درود وسلام بھیج۔ تو گویا اس میں تصور ہی نہیں بلکہ حضوری اور حقیقت ہے بات یہ ہے مولانا! کہ جب انسان پھسل جائے تو ایسی باتیں کرتا ہے (یعنی حضور علیہ السلام کا تصور آجانے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے) سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

دورنگی:۔

اہل حدیث کے ایک بہت بڑے عالم مولوی محمد اسماعیل دہلوی گزرے ہیں۔ صداقت اور سچائی تو ہر ایک کو ماننی پڑتی ہے۔ وہ اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا

گروہ جن کو لوح محفوظ کا علم ہوتا ہے۔ بارش کے قطروں کا علم ہوتا ہے۔ ارواح کا علم ہوتا ہے، دوزخ اور جنت کا علم ہوتا ہے۔ یہ سب باتیں لکھ کر آگے چل کر لکھتے ہیں:۔ ''ایں طائفہ کبار اولی الاید والابصار رامی رسد کہ تمامی کلیات رابسوئے خود نسبت نمائیند مثلاً ایشاں رامی رسد کہ بگوئیند کہ عرش تا فرش سلطنت ما است'' یعنی اولیائے کرام علیہ الرحمتہ والرضوان کے یہ مراتب ہیں کہ تمام زمینوں اور آسمانوں کے حالات وغیرہ کو اپنی طرف منسوب کریں اور انہیں یہ استحقاق ہے کہ وہ یہ بات کہہ دیں کہ عرش سے لے کر فرش تک ہماری بادشاہی ہے۔

خیال فرمایئے مولانا! ایک طرف اولیائے کرام کے متعلق یہ عقیدہ اور دوسری طرف حضور علیہ السلام کے متعلق وہ عقیدہ۔ حضرت شاہ رفیع الدینؒ نے لکھا ہے کہ مجھے جس قدر فیض باطنی اور انکشاف ہوا وہ اپنے نانا جان کی قبر سے ہوا۔ یہ سب بزرگ اسی طرف سے ہی گزرے ہیں لیکن کئی لوگ بعض جگہوں پر ایسی ٹھوکر کھاتے ہیں جس طرح چودھویں صدی کے بعض علما نے تعین وقتی کے سلسلہ میں کھائی ہیں۔

ہمارے صوفیا میں تعین زمان، تعین مکان، تعین الارض کا ایک مسئلہ آتا ہے کہ ایک ولی بہ یک وقت زمین پر بہتر (۷۲) مقامات پر اسی جسم سے کام کر سکتا ہے اور جو چیز ہزاروں کوس پر سمجھی جاتی ہے ابدال اور ولی کے لئے کوئی محال نہیں ہوتی۔

نفس مطمئنہ:۔

صوفی عبدالکریم سہروردی نے نفس مطمئنہ کی تعریف پوچھی۔

فرمایا: نفس مطمئنہ سے مراد ہے کسی چیز کا وجود یا عدم وجود ایک برابر ہونا۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کو ایک مرتبہ ان کے ملازم نے پیغام دیا کہ آپ کا فلاں مال جو جہاز میں آرہا تھا وہ غرق ہو گیا ہے۔ آپ نے دل پر دھیان مارا۔ دل ''اللہ اللہ'' کر رہا تھا اس پر اس نقصان کا کوئی اثر نہ پڑا تھا۔ آپ نے وہ پیغام سن کر فرمایا۔ ''الحمد اللہ''! وقت گزر گیا' دوسرے دن پھر اطلاع آئی کہ وہ جہاز دراصل طوفان میں گھر گیا تھا اور غرق نہیں ہوا تھا۔ اب ساحل پر لگ گیا ہے اور مال بچ گیا ہے۔ آپ نے پھر دل پر دھیان مارا' دیکھا کہ وہ بدستور'' اللہ اللہ'' کر رہا ہے۔ اس پر خوشی کا کچھ اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ آپ نے پھر فرمایا۔ ''الحمدللہ''!۔ ایک مرید نے پوچھا کہ حضرت! آپ نے ہر دو حالتوں میں ''الحمدللہ''

فرمایا۔ یہ کیوں؟ فرمایا: اس لئے کہ پہلی دفعہ جب نقصان کی اطلاع ملی اور دل کو بدستور یاد الٰہی میں محو پایا تو خدا کا شکر ادا کیا۔ خوشی کی اطلاع ملنے پر بھی دل کی وہی حالت پائی تو پھر خدا کا شکر ادا کیا۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ دل غم اور خوشی کے احساس سے بے نیاز اپنے خالق حقیقی کی یاد میں مگن تھا۔

سائل کو فرمایا: بس یہی نفس مطمئنہ ہے کہ ''کسی چیز کا ہونا نہ ہونا برابر ہو''۔

طمانیت قلب کا علاج قرآن پاک نے ذکر الٰہی بیان فرمایا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب. (۲۸:۱۳) خبردار رہو کہ دلوں کا اطمینان صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہوتا ہے۔ جو لوگ دنیاوی نکتہ نگاہ سے سکون یا اطمینان قلب چاہتے ہیں اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

ہفت اقلیم ار پذیرد پادشاہ
ہم چناں باشد ازو بند دگر

یعنی اگر بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق سات ولائتیں بھی فتح کر لے تو بھی اس کی تمنا ہوتی ہے کہ اگر کوئی اور ولایت ہو تو اسے بھی فتح کر لوں۔ گویا فتح کرنے سے بھی اس کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ اس کی ایک خواہش ہے کہ بغیر اطمینان قلب کے کہیں بھی نہیں ٹھہرتی اگر وہ ٹھہرے گی تو اس مقام پر ٹھہرے گی جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اسے اطمینان دے۔

سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

صحیح درویشی:۔

اس لئے دنیا میں درویش کی توجہ کا بڑا کام یہ ہے کہ وہ مرید کو اتنا مطمئن کر دے کہ اس پر بھوک، پیاس، ہونا، نہ ہونا قطعاً کوئی اثر نہ ڈالے۔ آپ نے یہ واقعات پڑھے ہوں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سمیت ''شعب ابو طالب'' میں تین سال محصور رہے۔ کفار نے باہر سے دلنہ پانی اندر لے جانا بند کر دیا۔ خیال کیجئے یہ کوئی دو یا چار دن کا کام نہیں تھا بلکہ تین سال تھے۔ آخر وہ کیا چیز تھی جس نے صحابہ کرامؓ کو پروانہ وار شمع رسالت مآبؐ کا دیوانہ بنائے رکھا؟۔ یہ عشق و جنون محبت اور صحیح تعلق الٰہی ہی تھا نا؟ آج مرید کو ایک دن کی بھوک آجائے یا اس کا کوئی دنیاوی کام نہ سنورے تو وہ مریدی چھوڑ جاتا ہے۔

سبحان اللہ! صحابہ کرامؓ کا پیر بھی وہ ہے جس کا رب العزت سے سیدھا تعلق ہے اور پیغام (براہ راست) آتے ہیں۔ کاٹھیوں کے پرانے چمڑے ابال کر مسلمانوں نے کھائے۔ اگر وہ واقعہ آج کے مسلمان کو پیش آجائے تو وہ کہے کہ رب العزت سے یہ کیسا تعلق ہے کہ بھوک ہے۔ پیاس ہے وغیرہ۔ مگر وہ لوگ تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دیکھا تو سب بھوک پیاس مٹ جاتی۔ ساری کوفت دور ہو جاتی۔ سبحان اللہ! رسول اللہ نے ان کے دلوں میں کیا بھرا تھا؟ ان میں کئی شہید ہو گئے، وطن چھوڑ گئے۔ ہر طرح کی تکلیفیں اٹھائیں، ہر طرح کی قربانی دی، بھوک ننگ میں ہجرت کی مگر ''لا الہ الا اللہ'' نہ چھوڑا۔ تو یہ ہے اطمینان قلب گویا دل میں وہ نعمت بھر دی۔

آج کل جن پیروں کو مریدوں کے دروازوں پر ٹکریں مارتے لاج نہیں آتی۔ انہوں نے مریدوں کا کیا کرنا ہے جسے خود پتہ نہیں وہ دوسرے کو کیا بتائے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے:۔

ہیچ می دانی کہ سگ را با گدا غوغائے چیست
منع می سازد کہ جز باحق بر درِ دیگر مرد!

خود در بدر پھرنا اور اپنے آپ کا ولایت میں قدم رکھنا کیا اسے فقیری کہتے ہیں؟

دو خدا؟:۔

اسی طرح ایک دن ایک فقیر بوریہ کا کرتہ پہنے ہوئے یہاں آگیا۔ آٹا مانگ رہا تھا۔ دن بھر مانگنے سے جو ملا جمع کر لیا۔ رات کو بھیک کی مانگی ہوئی روٹی کھائی اور جہاں جی چاہا پڑ رہا۔ میں نے اسے کہا کہ اگر اس لباس میں پیٹ پالنا مقصود ہے تو کیا فائدہ حلیہ بگاڑنے کا؟ اس سے بہتر ہے کہ اچھا لباس پہنو، صاف ستھرے رہو، نماز روزے کی پابندی کرو اور کوئی ملازمت کر لو یا لوگوں کی جیبیں کاٹو۔ اپنی لائن کیوں خراب کرتے ہو؟ اگر اس سے مقصود درویشی ہے تو پھر چھوڑو اس قصے کو اسی کے دروازے پر بیٹھو۔ اسی سے مانگو جس طرح اسے منظور ہوگا آجائے گا۔ یوں انگ بھبھوت ملے۔ لنگوٹ باندھے جان کو عذاب میں ڈالنا اور پیٹ پالنے کے لئے بھیک مانگنا پھر فریب نفس سے اس کا نام درویشی رکھنا کیا فائدہ اس قسم کی درویشی کا؟ یہ درویشی نہیں۔ حلال کی کمائی، شریعت کی پابندی، اللہ تعالیٰ کی یاد، اچھا اور صاف ستھرا لباس پہننا تیری اس مکارانہ درویشی سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ میری یہ باتیں سن

کر وہ میرے قریب آ گیا اور کہنے لگا رب کو پوجا کر۔ میں نے کہا اپنے رب کو یا تیرے رب کو؟ کہنے لگا رب بھی چار پانچ ہیں؟

میں نے کہا چار پانچ نہیں تو پھر دو تو ہیں۔ ایک وہ جو مجھے یہاں بیٹھے بٹھائے سب کچھ دے رہا ہے اور ایک وہ جو تجھے آٹا مانگنے کے لئے در بدر کے دھکے کھلا رہا ہے۔ اسے اس بات پر سخت غصہ آیا۔ یہیں یہ بینچ پڑا ہوا تھا۔ اس پر اس نے اپنا آٹے کا تھیلا رکھا اور خود پاؤں اوپر کر کے بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس حالت میں کہ سر جھکا لیا، ٹانگیں دوہری کیں اور پھر دونوں بازوؤں کو اپنی ٹانگوں کے گرد اگرد لپیٹ لیا۔ آنکھیں بند کر کے اسی کیفیت میں اس نے کچھ عمل کرنا شروع کیا۔ وہ عمل ایسا تھا جس سے مجھے محسوس ہوا کہ اس عمل میں کچھ کشش ہے۔ میں اس وقت دوستوں کے خطوں کے جواب لکھ رہا تھا۔ جس وقت مجھے اس کی توجہ کی کشش محسوس ہوئی تو میں نے قلم رکھ دیا اور اس کی طرف متوجہ ہوا کہ اب یہ اس طرف دل کو لگانے لگا ہے چنانچہ جب میں نے توجہ کی تو اس کی کشش کی کمند ٹوٹ گئی۔ اس کے دونوں ہاتھ جو اس نے اپنی ٹانگوں کے گرد لپیٹ رکھے تھے کھل گئے اور وہ دھڑام سے بینچ کے نیچے جا پڑا۔ چوٹ بھی آئی ہوگی۔ فوراً اٹھا اور اٹھ کر کہنے لگا: 'واہ حضرت! یہ کیا بات ہے۔ میں نے کہا کیوں بھائی! میں نے کیا کیا ہے؟ تمہیں کوئی گالی دی ہے یا دھکا دیا ہے؟ کہنے لگا۔ ابھی کچھ کیا ہی نہیں۔ یا تو فقیرانہ لباس پہنیں تا کہ آپ کو کوئی فقیر سمجھے' دنیا داروں سے صرف صاحب سلامت رکھیں اور انہیں کہہ دیا کہ میاں جاؤ اپنا کام کرو۔ اس ظاہری لباس میں یہ باطنی کمال۔ آخر یہ کیا بھید ہے؟

میں نے کہا میاں! بات یہ ہے کہ میں تو دنیا دار ہوں اس حد تک جیسا کہ تم مجھے دیکھ رہے ہو اور جس بنا پر تم نے کشش کی کمند ڈالی وہ بھی تمہارے سامنے ہے۔ درویشی کا مجھے پتہ نہیں۔ میاں! اس زحمت کا کیا فائدہ؟ کم از کم تیس پینتیس سیر آٹا ہے جو اٹھائے پھر رہے ہو اور ابھی مانگنے کی ہوس ہے۔ چھوڑو اس قصے کو اسی ذات حقیقی پر بھروسہ کرو۔

کہنے لگا حضرت میں یہ آٹا یہیں چھوڑ دیتا ہوں۔ میں نے کہا میرے کس کام کا؟ کسی غرض مند کو دے دینا۔ ہاں ایک بات تمہیں بتاؤں کہ گھر سے نکل کر تم یہ بات بھول گئے کہ کچھ عرصہ پہلے تمہارے پیر نے تمہاری اصلاح کے لئے تمہیں حکم دیا تھا کہ دو وقت کی روٹی در بدر بھیک مانگ کر حاصل کرنا۔ ان کا مقصد دراصل یہ تھا کہ تمہارے نفس کا غرور ختم ہو اور

تمہارے دل سے تمہاری ''چودھراہٹ'' کا متکبرانہ طلسم ٹوٹ جائے۔ تمہارے شیخ کے اس حکم کا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا کہ تم ساری عمر در بدر بھیک مانگتے پھرو اور اسے بطور پیشہ اختیار کرلو۔

کہنے لگا سبحان اللہ! آپ نے بالکل صحیح فرمایا ہے لیکن میرے پیر تو فوت ہو گئے ہیں۔ مجھے اس بھیک مانگنے کی میعاد کا پتہ نہیں۔

میں نے کہا جاؤ اس میعاد کو بفضل تعالیٰ ہم ختم کرتے ہیں۔ اب ایک جگہ جم کر بیٹھ جاؤ، شریعت کا پورا اتباع کرو اللہ مدد کرے گا۔ باطن کی راہ بھی کھل جائے گی اور یہ آٹا بھی خود بخود تمہارے پاس آئے گا۔ چنانچہ وہ خوش خوش رخصت لے کر یہاں سے چلا گیا۔ دو اڑھائی سال بعد وہ مجھے پھر حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے عرس کے موقع پر بڑی عزت اور تپاک سے ملا۔ کہنے لگا حضرت! میری زندگی کی راہ صاف ہوگئی ہے۔ وہ بڑا مبارک وقت تھا۔ جب میں آپ کو ملا تھا۔ میں نے کہا میاں موج کرو آئندہ بھی اللہ تعالیٰ بہتر کرے گا۔

اپنا تخیل:-

ایک سائل نے عرض کی کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دعا کی جاتی ہے تو کام بن جاتا ہے اسباب بنتے ہیں مگر آخیر پہنچ کر ناکامی ہو جاتی ہے۔ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اصل بات یہ ہے کہ جسے ہم قبولیت سمجھتے ہیں وہ ہمارا تخیل ہے۔ اگر حقیقت میں قبولیت ہے اور رب العزت کی مرضی اسے کرنے کی ہو پھر نہ ہو یہ ناممکن ہے ورنہ اول الذکر محض فریب نفس ہے اس نے خدائی کا راز سرکار دو عالمؐ پر اتنا واضح کر دیا ہے کہ اور کسی کو علم نہیں اس راز کو انبیاء سمجھتے ہیں کہ رب کی مرضی کیا ہے۔

ایک دفعہ میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ منکت رام سیالکوٹ کا اچھا مالدار آدمی ہے اس کے الیکشن کے دن آ گئے ہیں اس کے مقابلے میں ایک محمد حسین امیدوار تھا۔ وہاں سیالکوٹ کی ایک مسجد میں ایک حافظ صاحب رہتے تھے۔ منکت رام نے اسے بیس روپے دیئے کہ دعا کرو کامیاب ہو جاؤں۔ انہوں نے کہا میں استخارہ کرتا ہوں پتہ چل جائے گا۔ انہوں نے استخارہ کیا رات کو اشارہ ہوا۔ ھو الذی ارسل رسولہ' باالھدیٰ و دین

الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفیٰ باللہ شھیدا۔ (۴۸:۲۸)

ترجمہ: ذات باری تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام ادیان عالم کے مقابلے میں غلبہ عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہی گواہی کے لئے کافی ہے۔

حافظ صاحب نے اس آیت کا ترجمہ یہ کیا کہ صبح منکت رام کو کہنے لگے کہ تو کامیاب ہے۔ اس نے کہا بڑی مہربانی۔ جب الیکشن کا نتیجہ نکلا تو منکت رام ناکام ہوگیا۔ حافظ صاحب مجھے ملے' کہنے لگے استخارہ کا حکم بھی اب جھوٹا ہونے لگا ہے۔ میں نے کہا اپنے آپ پر بھی غور کرو اور استخارہ کے اشارے پر بھی، منکت رام کے مقابلے میں دوسرا کون تھا؟ کہنے لگا محمد حسین میں نے کہا تو پھر اشارہ سچا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور دین کو غلبہ عطا کیا ہے۔ تو نے بھی اسی طرح ترجمہ کرنا تھا۔ منکت رام تو کافر ہے' کہنے لگا مجھے غلطی لگی ہے۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اسی طرح اگر ہم رب کے کسی اشارہ کا ترجمہ غلط کرلیں تو یہ ہمارا خیال یا غلطی ہے۔ اُدھر کوئی غلطی نہیں ہوتی۔ اگر کسی موقع پر یہ خیال فرماؤ کہ یہ دعا مانگی تھی اس کے حالات یہ ہوتے رہے اور آخر دعا ناکام ہوگئی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنا تخیل ہے۔ اگر رب کی آواز ہے تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد کبھی نہیں بدل سکتا۔

خدا خواہی:۔

اسی سائل کو فرمایا: اگر گاہے گاہے عرفان الٰہی کے لئے پڑھنا ہے تو پھر یہ وظیفہ پڑھنا اور اس کے پڑھنے کے دوران دنیا کی کوئی تمنا نہ کرنا۔ دنیا جیسے چلتی ہے یا چل رہی ہے یا جیسے اسے منظور ہے وہ چلے گی۔ اللہ تعالیٰ کے متعلق معرفت کا جو دروازہ کھلنا ہے وہ کھلتا چلا جائے گا۔ اس میں تسکین حاصل کرو اور اگر اس کے ساتھ ساتھ دنیا کا مسئلہ بھی حل ہوتا جائے تو یہ اور بہتر ہے۔ ویسے دنیا کے مسئلے کے لئے علیحدہ وظیفہ بتا دیتا ہوں۔

مولانا رومؒ نے کہا ہے:

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

بس ایک طرف منہ کرلو۔ رب العزت کی طرف منہ کرلو تو دنیا پیچھے بھاگتی ہے اور دنیا کی

طرف منہ کرلو تو رب کی طرف پشت ہو جاتی ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

مرد، نامرد:-

ایک بزرگ نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنواری نوجوان لڑکی انہیں اپنی نفسانیت کی دعوت دے رہی ہے۔ آپ نے اسے پوچھا تو کون ہے؟ کہنے لگی ''دنیا''۔ آپ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ لاتعداد دنیا دار تیرے عاشق اور چاہنے والے تجھے ڈھونڈ کر انہوں نے زندگیاں گزاریں۔ اتنے تیرے خاوند اور تو پھر کنواری کی کنواری؟ اس نے کہا حضرت! صرف غور کرنے کا مقام ہے۔ میرے کنوارپن کی وجہ صرف یہ ہے کہ مرد یعنی اللہ کے بندے رب کی طرف لگ گئے اور نامرد یعنی دنیا دار میرے حصے آ گئے۔ میں نے کنوارا ہی رہنا تھا۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس لئے یہ جو تمنا ہے بالکل اسی طرح ہے کہ ہمارا ایک پروگرام ہے جو رب کے علم میں بنا ہے۔ اگر مانگیں تو بھی پروگرام کے ماتحت ہے۔ اگر نہ مانگیں تو بھی پروگرام کے ماتحت ہے تو آدمی کیوں سر کھپائے۔

وظیفہ:-

تحصیل جہلم کے حافظ محمد اسحاق حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ موضع لنگر پور تحصیل جہلم میں ایک میاں صاحب بڑے ولی اللہ گزرے ہیں انہوں نے خواب میں مجھے فرمایا کہ سورہ کہف پڑھا کر۔ اسی طرح ایک دفعہ کسی نے خواب میں فرمایا سورہ فتح پڑھا کر۔ میں سب پڑھتا ہوں میرے کام بھی ہو جاتے ہیں اور دشمن بھی زیر رہتے ہیں۔

فرمایا: وظیفہ وقت پر ہی بہتر ہوتا ہے۔ فرض کیجئے آپ باہر سے گھر آتے ہیں۔ آپ کو پیاس لگی ہوئی ہے اور پانی مانگتے ہیں۔ گھر والے پانی پلانے کی بجائے آپ کے پاؤں دبانا شروع کر دیتے ہیں۔ ہے تو یہ بھی آپ کی خدمت اور خاطر لیکن کیا یہ آپ کی پیاس کا علاج ہے اور اس غرض کو پورا کرتی ہے؟ اب اگر مسافر پیاس سے مر جائے تو پاؤں دبانے کا فائدہ؟ اس لئے ہر بات کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہوتی ہے بزرگان دین کے اپنی اپنی زندگی کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ حالات کے مطابق جیسے جیسے ضرورت پڑی اس کے مطابق وظیفہ تلقین کیا۔ یہ دنیا جو ہوئی' دنیا میں اکثر وہ بزرگ رہے اور ان کے تجربات بھی۔ مجھے یہ بات بزرگان دین کی طرف سے پہنچی ہے جس طرح انہوں نے بیان فرمایا اور جس

وقت کے لئے فرمایا اسی وقت کے لئے وہ کام کیا جاتا رہا۔ کتاب میں یا اپنے دوستوں کو بتانے کے لئے ہم نے وہی تلقین کرنا ہے جو ہمارا تجربہ ہے اور ہمیں اپنے بزرگوں سے پہنچا ہے۔

حافظ صاحب! وظیفہ درحقیقت ایک درد بھری پکار ہوتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے نکلے۔ ہندو اپنی بولی میں رب کو پکارتا ہے۔ انگریز اپنی بولی میں، سکھ اپنی بولی میں اور مسلمان اپنی بولی میں۔ اسم ایک ہی ہے۔ اس کے حروف یا اس کا ترجمہ الگ الگ ہے۔ اسرائیل کے معنے ''اللہ کا بندہ''۔ عبداللہ کے معنے ''اللہ کا بندہ''۔ کسی نے اسرائیل کہہ لیا اور کسی نے عبداللہ۔ بولی کا ہی فرق ہے نا؟

اسماء الحسنٰی:۔

اسی طرح یہ جو اسماالحسنٰی باری تعالیٰ ہیں ہر کتاب میں یہ اسم آئے ہیں لیکن توریت میں عبرانی زبان میں یا یونانی بولی میں۔ زبور میں اس زبان میں جس زبان میں زبور نازل ہوئی اور قرآن میں اس بولی میں جو زبان حضور علیہ السلام کی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو زبان تھی اسی زبان میں توریت نازل ہوئی اور مسیح علیہ السلام کی جو زبان تھی اسی میں انجیل اتاری۔ داؤد علیہ السلام کی زبان میں زبور نازل کی۔ یہ جو کتابیں ہیں یہ درحقیقت اسی طرح ہوتی ہیں جیسے ایک ٹیلی گرام دینے والا دوسرے کو تار دیتا ہے۔ جب انگریز تھے سب تاریں انگریزی میں جاتی تھیں۔ اس لئے کہ جو تار لینے والا بیٹھا ہے وہ انگریز ہے اور اس کی زبان انگریزی ہے۔ اسی طرح حضرت جبریل علیہ السلام جو پیغام لاتے رہے اسی زبان میں لاتے رہے جو زبان اس پیغام کو وصول کرنے والے کی تھی۔

''تورات''! فرمایا ہم نے نازل کی مگر یہ نہیں فرمایا کہ ہم نے عربی میں بھیجی۔ انا انزلنہ قرانا عربیاً. قرآن عربی میں بھیجا اس لئے کہ لینے والے کی زبان عربی ہے۔ آگے جس قوم کو اس نے پڑھانا ہے اس قوم کی زبان عربی ہے۔ ورنہ قرآن یونانی میں آجاتا، عبرانی، فارسی یا ہندی میں آجاتا مگر جب لینے والا قرآن کی لغت سے واقف نہ ہو تو اسے سمجھا نہیں سکتا لہٰذا قرآن اس زبان میں آیا جس زبان کا اسے لینے والا تھا تاکہ خدا کی زبان کو یہ سمجھے جس پر قرآن نازل ہوا ہے اور آگے اپنی قوم کو یہ سمجھائے کیونکہ اس نے رب کی مرضی کو سمجھا

ہے اور رب کی مرضی کو آگے سمجھائے۔ آج اگر کوئی انگریزی میں چٹھی آجائے تو مجھے مصیبت ہوتی ہے۔ کوئی انگریزی پڑھا ہوا بابو ڈھونڈنا پڑتا ہے کہ اس کا ترجمہ کردے اگر خود بھی انگریزی پڑھے ہوتے تو اس کو سمجھ لیتے۔

ہر وظیفہ کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ یہی اسم توریت، انجیل، زبور، قرآن، صحائف ابراہیمی میں آئے ہیں کسی میں وہ "یا بنی اسرائیل!" اے اسرائیل کے بیٹو!

اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام تھا۔ عیث اور اسرائیل دو بھائی تھے۔ اسرائیل کے معنے "عبداللہ"۔ بنی اسرائیل کے معنے "عبداللہ کے بیٹے"۔ یہ لفظ یعقوب نام نہیں بلکہ عرف عام ہے۔ جس طرح ایک لڑکا پیدا ہوا اور اس کا نام جاوید احمد یا محمد صدیق رکھ لیں اس کا رنگ کالا ہو۔ اسے پیار سے "کالو" کہیں۔ اسی طرح عیث اور اسرائیل جڑواں پیدا ہوئے عیث پہلے اور اسرائیل بعد میں۔ یعقوب کے معنی ہیں "پچھیترا" یعنی پچھلا۔ عقب میں آنے والا۔ چونکہ اسرائیل عیث کے بعد پیدا ہوئے اس لئے ان کا نام یعقوب مشہور ہوگیا۔

اسی طرح ہندوؤں میں ناموں کا فرق ہے۔ اوم، پرمیشر، پرماتما یہ سب صفاتی نام ہیں۔ پرم ایشور وہ خدا جس کی بندگی کی جائے۔ پرماتما روٹی دینے والا جسے رب کہتے ہیں۔ انگریزوں نے اس "اوم" کو جسے ہم "اللہ" کہتے ہیں GOD کہا۔ لفظوں کا فرق ہے مطلب ایک ہی ہے۔

اسماالحسنیٰ کو جس طرح قرآن حکیم نے پیش کیا ہے اس طرح کوئی اور کتاب یا دوسری قوم پیش نہیں کرسکی۔ اس لئے جب بھی کوئی اسم پڑھا جائے تو اس کی غرض و غایت کے ماتحت پڑھا جائے۔ کوئی شخص رزق کے لئے پڑھنا چاہے تو بزرگ اسے کہے گا "یا رزاق" پڑھ۔ اس کا رزق سے تعلق ہے نا؟ اب اگر ایک آدمی یہ کہے کہ میں بھوکا مرتا ہوں، مجھے وظیفہ بتاؤ جس سے میری روزی کشادہ ہوجائے۔ بتانے والا اسے کہے "یا قہار" پڑھا کر، تو اس اسم کا رزق سے تعلق نہیں بلکہ وہ ایسی جگہ استعمال ہوگا جہاں غلبے کی ضرورت ہو، قہر کی ضرورت ہو، دوسرے پر چھا جانے کی ضرورت ہو۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

یا کہارُ:۔

حضرت کبیر الدینؒ کے پاس ایک آدمی آیا۔ کہنے لگا حضرت میں بہت تنگدست ہوں

مجھے کوئی وظیفہ بتائیں تا کہ میری روزی کشادہ ہو جائے اللہ رحم کرے اور حال بدل جائے۔ آپ نے فرمایا ''یا کہار'' پڑھا کر۔ وہ چلا گیا۔ گھر کی قریبی مسجد میں ''یا کہار'' کا ورد کرنے لگا۔ مولوی نے پوچھا کیا پڑھتے ہو۔ کہنے لگا ایک بزرگ نے وظیفہ بتایا ہے وہ پڑھتا ہوں۔ مولوی صاحب نے پوچھا کیا وظیفہ ہے؟ کہنے لگا ''یا کہار''۔ مولوی کہنے لگا ''یا کہار'' غلط ہے۔ ''یا قہار'' پڑھ۔ چنانچہ اس نے ''یا قہار'' پڑھنا شروع کر دیا۔ بڑے ق سے قہر میں ہی پڑنا تھا۔ پریشان ہوا اور دوبارہ انہیں کے پاس آیا۔ پوچھا کیا بات ہے؟ کہنے لگا حضرت میرا تو برا حال ہوا ہے۔ فرمایا کیا پڑھتے رہے ہو؟ کہنے لگا ''یا قہار'' آپ نے فرمایا یہ کس کم بخت نے تجھے بتایا ہے۔ اس نے کہا ایک مولوی نے۔ اُس نے تصحیح کرائی تھی۔ فرمانے لگے یہ صحیح نہیں میں نے تمہیں ''یا کہار'' بتایا تھا۔ ''کہار'' ڈولیاں اٹھانے والے کو کہتے ہیں۔ میرا مقصد تھا کہ یا اللہ! تو نے لوگوں کی ڈولیاں اٹھائی ہوئی ہیں میری بھی ڈولی اٹھا لے۔ تم خوامخواہ تصحیح کرا کر قہر میں جا پڑے ہو۔ جاؤ ''یا کہار'' پڑھا کرو اور اب کسی کو نہ بتانا۔

تو حافظ صاحب! وظیفہ تو دراصل ایک ''رحم آور'' ترنم ہوتا ہے رونے کا ایک ڈھب ہے۔ ایک ادا ہے۔ ایسے پیار سے رونا جو اس ذات حقیقی کے پیار کو قریب کر دے۔ اسما الحسنیٰ سب کچھ یہی ہیں۔

اَینویں اِی:-

ایک شخص نے اپنے کثیر وظائف کو پورا نہ کر سکنے پر اپنی معذوری کا اظہار کیا اور ان میں کمی کے متعلق اجازت چاہی۔

فرمایا: وظیفہ صحیح معنوں میں اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہڈیوں میں رچ جائے۔ اس سے پہلے وہ پکار ہوتی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ آتا ہے۔ یرید اللہ بکم الیسر. (۲:۱۹۵) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ فاقرؤا ما تیسّر من القرآن. (۷۳: ۲۰) قرآن میں جتنا سہل سمجھو پڑھ لیا کرو۔ لوگوں نے خوامخواہ اپنے اوپر پابندیاں عائد کر لی ہیں۔ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے۔ جتنا پڑھنے میں آسانی محسوس کرو اور جہاں سے چاہو پڑھ لیا کرو۔

حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے پوچھا: کیا عبادت سے بخشش ہو جاتی ہے؟

آپ نے فرمایا: ہاں! بخشش سے ہی عبادت ہوتی ہے۔ گویا اس کی رحمت ہو جبھی عبادت کی توفیق ہوتی ہے۔

لوگوں نے ذرا ذرا سی بات کو کھینچ کھینچ کر اپنے آپ کو اور زیادہ مصیبت میں ڈال دیا ہے۔ بچہ خواہ دن میں جتنی مرتبہ روئے ماں پرواہ نہیں کرتی اور سمجھتی ہے یہ عادتاً رو رہا ہے اور اپنے کام کاج میں مصروف رہتی ہے۔ اگر اسی دوران بلی آجائے اور وہ اسے دیکھ کر ڈر جائے اور تڑپ کر روئے تو پھر وہ سارے کام کاج چھوڑ کر اس کی طرف دوڑتی ہوئی آتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اصل چیز تڑپ ہی ہے۔ اس لئے بار بار رونے سے بہتر ہے کہ آدمی ایک ہی دفعہ تڑپ کر روئے تاکہ رحمت قریب آجائے۔ محض عادت سے وظیفہ کرنا ''اینویں ای ہوندا اے'' (یونہی بے سود ہوتا ہے) اللہ تعالیٰ نے دو ہی صورتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے لوگوں میں پیش کیں۔ یا محبت، یا خوف۔ ایک یہ کہ میری عبادت کرو مجھے ''وحدہ' لا شریک'' مانو تاکہ میں تمہیں مرنے کے بعد جنت دوں۔ حوریں عطا کروں، غلمان اور دوسری نعمتیں بخشوں۔ یہ میری رحمت ہوگی اور اگر وہ نہیں مانتے تو پھر اے نبی کریم انہیں بتا دیجئے کہ اگر یہ پیار سے نہیں جھکتے۔ فبشرھم بعذابٍ الیم. تو پھر ہمارے پاس عذاب بھی ہے۔

طریق اپنا اپنا:-

سائل نے عرض کی حضرت مجھے ذکر جہر میں لذت حاصل ہوتی ہے۔ اگر ذکر خفی کروں تو خیالات بدل جاتے ہیں۔

فرمایا: بعض انسانوں میں قوت کم ہوتی ہے۔ ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ سے خط میں پوچھا کہ آپ ذکر جہر کرتے ہیں یا خفی؟ انہوں نے جواب میں لکھا کہ خفی۔ انہوں نے اسے لکھا کہ اب وہ خفی نہیں رہا کیونکہ آپ نے مجھ پر ظاہر کر دیا ہے۔ ذکر تو وہ ہے جو سوائے رب العزت کے کسی اور پر ظاہر نہ ہو۔

بعض طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انہیں ذکر جہر کرنے میں اس لئے لذت آتی ہے کہ ان کا دماغ اس طرف متوجہ رہے۔ بعض وہ ہیں جو ذکر اتنا خفی کرتے ہیں کہ فرشتوں تک کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ یہ اپنا اپنا طریقہ کار ہے کسی کے ہاں ذکر جہر درست ہے اور کسی کے ہاں خفی۔

اس لئے آپ کو اگر ذکر جہر میں ہی حضوری نصیب ہوتی ہے تو بلند آواز میں ہی کرلیا کریں بشرطیکہ اس میں ریا کاری کا پہلو نہ ہو۔

خرد فرو ماند:۔

راقم الحروف کے حاضر ہونے سے بیشتر مولانا مہر الدین صاحب صدر مدرسہ نعمانیہ نے اپنی کسی الجھن کا تذکرہ کیا تھا۔ جب میں مجلس میں حاضر ہوا تو آپ ان کو فرما رہے تھے:

ایک دفعہ میں کسی گاؤں میں گیا مگر وہاں جی نہ لگا۔ واپس اپنے گاؤں آرہا تھا کہ راستے میں ایک باغ تھا اس کے کونے میں مسجد تھی۔ طبیعت نے چاہا کہ یہیں رات بسر کرلی جائے چنانچہ میں باغ کے مالی کے ہاں ٹھہر گیا۔ رات کو ایک بزرگ خواب میں تشریف لائے اور فرمانے لگے۔ اس تشویش کا علاج مجھے میرے شیخ نے بتایا تھا وہ میں تمہیں بتاتا ہوں۔ کبھی ضرورت پڑے تو پڑھ لیا کرنا' جب ضرورت نہ ہو تو چھوڑ دیا۔ اول آخر جتنا چاہا درود شریف اور درمیان میں تین سو تیرہ مرتبہ یہ وظیفہ "لا الہ الا ھو علیہ اھلہٖ" پڑھ لیا کرو۔ ان کے اس ارشاد سے مجھے تسکین ہوگئی۔ اگلے دن فجر کی نماز کے بعد یہ وظیفہ میں نے شروع کر دیا بعد ازاں جب بھی اپنے حالات کے مطابق مجھے وقت ملے پڑھ لیتا ہوں۔ جب کبھی کوئی اہم معاملہ پیش آتا ہے تو وہ رب العزت کی مہربانی سے حل ہو جاتا ہے۔

مولانا! میرا خیال ہے کہ کسی مقصد کو سامنے رکھ کر آپ رب العزت کے بھروسے پر اسے شروع کر دیں' وقت کوئی ایک معین فرمالیں۔ مغرب کا ہو، تہجد کے بعد، عشاء کے بعد یا فجر کے بعد' بہر حال جس وقت پہلے دن شروع کرنا ہے اسی ٹائم قائم رکھنا ہے۔ اسے صرف اس وقت پڑھیں جب ضرورت پڑے۔ اس سے باطنی سلسلے کی بھی راہ کھل جائے گی اور پھر مراقبہ کی حالت یا خواب میں جو کچھ بھی کوئی فرمائے یا وارد ہو خواہ کسی قسم کا وظیفہ یا اسم ہو آپ مجھے بتادیں تاکہ آگے اس کی ترکیب اور ترتیب میں آپ کو سمجھا دوں اور ہاں! خواب جب بیان کریں تو پوری سنائیں چونکہ اس کے ہر نقطے اور ہر پہلو پر بیان بدلتا ہے۔ مثال کے طور پر پھول ظاہری سلسلے کی نسبت باطنی سلسلے سے زیادہ تعلق رکھتا ہے۔ کبھی دل کے کھلنے کی صورت مراقبے اور ذکر و فکر میں سامنے آتی ہے۔ شاہ عبدالرؤف ؒ نے لکھا ہے: ذکر رُوحی و ذکر قلبی دریں صورت عیاں شود کہ گل بند کہ گل شگفتہ ازاں ہا خوشبوئی آید۔ آں خوشبو در حقیقت ذکر رُوحی

است۔ایک دفعہ میں مراقبے میں بیٹھا تھا اسی حالت میں دیکھا کہ میرا سینہ فراخ ہو گیا ہے۔ دل کو دیکھتا ہوں تو وہ اتنا بڑا ہے کہ اس کی میرے سینے میں گنجائش نہیں رہی۔ وہ گوبھی کے پھول کی طرح ہے لیکن بند ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ دیکھتے ہی کھلا جیسے پھول کھلتا ہے۔ وہ اتنا بڑا ہوا جتنا بڑا ٹوکرا ہوتا ہے۔ اس میں سے دھیمی دھیمی نہایت خوشگوار خوشبو آئی جس سے میں مست ہو گیا۔ اسی دوران میرے شیخ کی آواز آئی ''ایں است ذکر روحی''۔

پہلا ذکر لسانی ہے یعنی زبان سے الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ دوسرا ذکر قلبی ہے جس میں دل حرکت کرے، تیسرا روحی ہے اس میں الفاظ نہیں ہوتے۔ نہ دل کا ذکر نہ زبان کا، بلکہ روح کا ذکر اس میں صرف ایک محویت اور خوشبو ہوتی ہے جس سے ذاکر مطمئن ہو جاتا ہے۔ میں نے اپنی کتاب ''الفقر فخری'' میں بعض ذکر لکھے ہیں۔

مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: آپ نے حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا وہ لیکچر المنقد من الضلال پڑھا ہوگا۔ جس میں آپ نے اپنا واقعہ لکھا ہے۔ اس موقع پر اُن کی بیعت والا واقعہ مندرجہ صفحہ نمبر ۱۰۲ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ اس بزرگ کے ان الفاظ سے کہ یہاں ''کیوں؟'' کا مقام نہیں میرے دل پر ایسی چوٹ لگی کہ سارا دین سمجھ میں آ گیا۔

خرد سے راہرو روشن بصر ہے — خرد کیا ہے چراغ رہگذر ہے
درونِ خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا — چراغ راہ گزر کو کیا خبر ہے

اس مرد خدا کے فرمان کے مطابق میں سترہ دن ان کی خدمت میں رہا اور اس دوران عرفان کی ساری کیفیات مجھ پر وارد ہوئیں اور سمجھ آئی کہ میں نے گزشتہ عمر یونہی ضائع کر دی۔

تو مولانا! یہ جو مقام ہے، یہ لوگ جو ہیں۔ ان کی تلاش بھی صحیح ہے۔ العلم حجاب الاکبر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ یہ وظیفہ جو میں نے آپ کو بتایا ہے اسے شروع کر دیں اور پھر جب کیفیت وارد ہو تو مجھ سے ذکر کر لیں۔

مراقبہ:۔

مختار علی سہروردی نے مراقبے کا طریقہ دریافت کیا۔

فرمایا: پہلی صورت یہ ہے کہ مغرب کی نماز کے بعد بیٹھا جائے۔ مغرب کا مراقبہ تمام بزرگان دین نے لکھا ہے اور ہر بزرگ اپنے زمانے میں مغرب کے وقت مراقبہ کرتے رہے ہیں۔ اس کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ مغرب کے وقت جب ہر شیخ اور ہر مرید مراقبے میں بیٹھے گا تو شیخ کی پرواز چونکہ زیادہ ہوتی ہے اور اس نے ارادتمندوں کا بھی خیال رکھنا ہوتا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ارادتمند کی مراقبانہ کیفیت اس کے ساتھ مل جائے' اس حالت میں اگر ملاقات ہو جائے تو اسے کہتے ہیں ''توجہ اتصالی''۔ یعنی دریا کہیں اور زمین کہیں۔ نہروں کے ذریعے زمینوں کو وہ پانی مسلسل پہنچ رہا ہے۔ شیخ کہیں ہو اور مرید کہیں۔ وہ درمیانی رابطہ کے ماتحت شیخ اور اس کی پرواز اگر کسی مقام پر متحد ہو جائے تو مرید کو نفع پہنچ جاتا ہے۔ بعض اوقات مرید انہماک اور یکسوئی کی بدولت اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ شیخ بالارادہ اسے نہیں مل سکتا۔

اس مقام پر حضرت خواجہ محمد معصوم پارساؒ اور حضرت شیخ بہاالدین نقشبندؒ کا واقعہ جو صفحہ نمبر ۹۱ پر درج ہے' بیان کرنے کے بعد فرمایا: تو اس کا یہ فائدہ پہنچتا ہے جوں جوں خیالات کا سلسلہ یکے بعد دیگرے مسلسل آتا ہے اور یہ قطع نہیں ہوتا۔ ہر لحظہ دماغ میں ایک خیال سے' ایک لحاظ سے' قوت ارادی سے' اسے قطع کرنا ہوتا ہے کہ باہر کا خیال باہر اور اندر کا اندر، دل خالی ہو۔ اس مقام پر باطنی نظر کرو کہ اس میں کچھ نہیں۔ خلا محال ہے۔ پھر جس کا انتظار ہے وہ خود سامنے آئے گا۔ ذات باری کے عقیدے کا تصور نہیں رکھنا بلکہ آمد کا انتظار کرنا ہے۔ ''قلوب المومنین عرش اللہ تعالیٰ'' اس سے پہلے اس انتظار سے آنے والے کی کوئی صورت پیدا ہو۔ تجلیات پیدا ہوں، انوار چمکیں، کبھی اندر آئیں کبھی باہر، یہ مظالعہ بڑھتا جائے۔ بعض اوقات نور اتنا تیز تر ہوتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے جیسے بجلی کی لائٹ آرہی ہے اور مجھ پر سوار ہو چلی ہے۔ اس وقت اندیشہ ہو جاتا ہے کہ کہیں دل نہ پھٹ جائے' آدمی گھبرا جاتا ہے اور بے اختیار ہو کر خیال سے باہر آجاتا ہے۔ مگر اس وقت بھی یہ احساس نہیں ہونا چاہئے کہ پتہ نہیں کیا ہوگا؟ جس وقت اپنے آپ کو اس خیال میں گم کردے گا پھر اس کی پرواز شروع ہوگی اور مختلف کیفیتوں سے اسے دیکھے گا۔ روح پرواز کرے گی' جس طرف سے لائٹ آتی ہے ادھر کو ابھرے گی حتیٰ کہ اس مقام پر پہنچے گی جہاں پر اس ضیا کا منبع ہے۔

تصور:-

مختار علی نے پھر عرض کی کہ تصور کے ساتھ مراقبہ کرنا چاہئے؟

فرمایا: ''تصور موہوم'' مراقبہ نہیں وہ ایک سبق ہے۔ وہ متحرک ہوگا اور بدلتا رہتا ہے' یہ گویا ایک سبق ہوتا ہے۔ نگہداشت ہے۔ یادداشت ہے۔ نماز کے متعلق الفاظ کا ذکر تو ہے مثلاً الحمدللہ وغیرہ۔ نماز شریعت کا قائدہ ہے مگر نماز میں الفاظ کے علاوہ اس چیز کی جو نماز کی ترجمانی کرتی ہے وہ علیحدہ چیز ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جس وقت نماز میں کھڑے ہو تو لفظ منہ سے کہو مگر ساتھ اسے بھی دیکھو کہ میں کس کی نماز پڑھ رہا ہوں۔ ایسی نماز ادا کرو ''کَاَنَّ تَرَاہ'' گویا تم اسے دیکھتے ہو جس کی نماز پڑھ رہے ہو۔ اب الفاظ میں تو یہ کیفیت نہیں الفاظ میں تو یہ کیفیت ہے کہ تم نماز ادا کر رہے ہو۔ اگر یہ آخری سٹیج تمہیں حاصل نہیں تو ابتدا میں کم از کم اتنا سنبھل کر تو کھڑے ہو کہ گویا وہ تمہیں دیکھ رہا ہے جس کی نماز پڑھ رہے ہو۔ یہ دونوں تصورات الفاظ کے دائرے سے باہر ہیں۔ اسی طرح جو سبق لسانی ہو وہ زبان سے ادا ہوتا ہے' جو نگہداشت کا ہو وہ نگاہ سے یا قوت ارادی سے ہوتا ہے۔ اس لئے جو کیفیت پیدا ہوگی وہ دائمی نہ ہوگی بلکہ بدلتی رہے گی اور اسی کے ساتھ طبیعت بھی بدلتی رہے گی کیونکہ اگر ایک مقام پر کھڑے ہو جاؤ گے تو پھر آگے ترقی نہ کر سکو گے۔

مراقبے میں نہ کوئی تصور' نہ سبق' نہ کوئی اور کیفیت ہوتی ہے ماسوائے انتظار کے کہ قلب کی گہرائیاں خالی ہو جائیں اس کے لئے جس کے انتظار میں بیٹھے ہو۔

چاہئے خانہء دل کی کوئی منزل خالی شاید آ جائے کہیں سے کوئی مہمان عزیز

دسواں دوار:-

ایک مسئلہ ہے کہ درویش کے لئے مقام ہے ایک حال ہے، مقام وہ ہے جہاں وہ ٹھہر جائے۔ مثلاً جوگی سادھو وغیرہ انہوں نے سمجھا کہ ''دسواں دوار'' آخری مقام ہے۔ ان کا علم یہ کہتا ہے کہ اس کے آگے کوئی مقام نہیں حالانکہ ایک سبق ''اللہ ھو'' کا پڑھتے ہوئے ایک وقت آئے گا کہ جس وقت بھی نظر کرو معکوس طور پر پیشانی کے اندر لکھا نظر آئے گا۔ ہر اسم میں اس کی خوبی کی نورانیت پوشیدہ ہے۔ بھنگی اگرچہ پیشہ کے لحاظ سے بھنگی ہے مگر پھر بھی انسان ہے۔ شرافت انسانیت کا جوہر اس میں پوشیدہ ہے۔ جس وقت وہ بھی غور کرے گا اس پر بھی راز کھلے

گا۔ جس وقت انوار اسمی ظاہر ہوں گے تو پھر اس سے آگے باقی کا میدان شروع ہوتا ہے۔

ایک دفعہ میں ''ونی کے شام سنگھ اٹاری'' گیا۔ مجھے کسی نے بتایا کہ وہاں حضرت بہاؤالحق[1] گنج بخشؒ کے جو بھائی ہیں ان کا مزار ہے جو ان کے بعد یا کسی وقت وہاں آئے تھے۔ بادشاہ وقت مسلمان تھا وہ ان کا معتقد تھا۔ آپ نے ''ونی کے'' میں وفات پائی۔ بادشاہ نے وزیر کو حکم دیا کہ ان کی خانقاہ تعمیر کی جائے چنانچہ وزیر اس مقصد کے لئے لاکھوں روپے شاہی خزانے سے لاتا رہا۔ قبر کے گرداگرد بہت وسیع احاطہ ہے جیسے قلعہ کی چار دیواری۔ عین وسط میں کنواں ہے۔ کافی زمین ہے' عمارات ہیں' حجرے اور قبریں بھی ہیں۔ اس کے ساتھ پرلی طرف لب سڑک بزرگوں کے مزارات کے ساتھ اس وزیر نے جو ہندو تھا اپنے لئے باغ لگالیا اور قبر پر صرف قبہ بنایا' اس خیال سے کہ بادشاہ تو دہلی میں ہوتا ہے اتنی دور سے کہاں چل کر یہاں دیکھنے آئے گا لہٰذا مزار کے نام پر لایا ہوا روپیہ اپنے باغ' زمین اور عمارات پر خرچ کر دیا۔ قدرتی بات کہ بادشاہ تیار ہو گیا کہ وہاں جا کر تعمیر شدہ خانقاہ کا ملاحظہ کروں۔ وزیر پریشان ہوا 'اس نے کہا مجھے اجازت دیں کہ میں آپ سے پیشتر وہاں پہنچ کر خیموں اور لنگر وغیرہ کا انتظام کروں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ بادشاہ کے پہنچنے سے دس دن پہلے وہاں پہنچ گیا۔ عمارات جو اپنے لئے تیار کی ہوئی تھیں اس میں سے ایک کمرے میں سو گیا اور اندر سے چٹخنی لگالی۔ سردی کا موسم تھا۔ آدھی رات کو اٹھا اور کمرے کے اندر ٹکریں مار مار کر مر گیا۔ دس دن بعد بادشاہ بھی پہنچ گیا۔ اس نے جب یہ بات سنی تو بہت حیران ہوا۔ خیر اسے سمجھ آ گئی کہ یا تو یہ بزرگوں کی کرامت سے مرا ہے یا اپنی خیانت کی وجہ سے۔ بہرحال بادشاہ نے مزار دیکھا اور صرف قبہ ہی بنا ہوا پایا۔ نہایت مغموم ہوا۔

کچھ توقف کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا: میں اس مزار پر زیارت کے لئے گیا۔ وہاں ''ونی کے'' میں ایک درویش تھے بابا صدر دین' بڑے متدین، بڑے مجاہد، سفید ریش اور پاکیزہ صورت۔ وہ اس جگہ جہاں میں ٹھہرا تھا تشریف لائے اور کہنے لگے کہ میں تجھے ملنے آیا ہوں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ میں نے دیکھا کہ یہ شخص (بابا صدر الدین) صاحب نسبت

---

[1] بحوالہ ''اولیاء کشمیر'' مؤلفہ طیب حسن' حضرت بہاؤالدین گنج بخشؒ (حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے مرید وخلیفہ اسحاق ختلیؒ کے مرید ہیں) کوہ ماران ہری پربت کے دامن کوہ میں واقع قلعہ کے بیرون مدفون ہیں۔ ۸۴۹ ہجری میں آپ کو شہید کیا گیا۔

ہے اچھی حالت میں ہے چنانچہ ان کے ہمراہ ظہر کے بعد ہم اس مزار پر گئے۔ باہر ڈیوڑھی تھی۔ میں نے انہیں کہا کہ ڈیوڑھی پر چڑھ کر اوپر مغرب کی نماز پڑھتے ہیں۔ کہنے لگے ٹھیک ہے۔ اور بھی پانچ سات دوست ہمارے ہمراہ تھے۔ وہاں نماز پڑھنے کے لئے کپڑے بچھائے۔ ابھی مغرب کی نماز میں کچھ وقت باقی تھا۔ اتفاقاً میری نظر سامنے دیوار پر پڑ گئی منڈیر پر یہ شعر لکھا تھا:

پردہ داری می کند بر طاقِ کسریٰ عنکبوت
چغد نوبت می زند بر گنبدِ افراسیاب

یہ شعر اس عمارت کے حسب حال تھا۔ وہاں نماز پڑھی۔ نماز پڑھنے کے بعد بابا صدرالدین کہنے لگے: آؤ اب چلتے ہیں۔ اندھیری رات ہے جلدی گھر پہنچ جائیں کیونکہ شور زمین ہے اور سانپ وغیرہ کا خطرہ ہے۔ کہنے لگے ''دسویں دوار'' کو ہندو بھی پکاتے ہیں اور مسلمان بھی۔ ایک دفعہ میرے شیخ نے مجھے اس کی تعلیم دی تھی۔ چنانچہ میں نے اس سبق کو خوب پکایا۔ آپ کو اس لئے بتاتا ہوں کہ اگر کر سکو تو پکانے کی ہمت کرنا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلے گا: یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے ہاتھ میں میرا ہاتھ لے لیا۔ وہ میری بائیں جانب تھے۔ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے وہ ذکر شروع کر دیا۔ یقین کیجیے کہ چلتے ہوئے جس وقت انہوں نے ''دسویں دوار'' کا ذکر شروع کیا تو یہ کیفیت ہوئی کہ ان کے ماتھے سے نورانی لائٹ نکل کر سامنے پڑنے لگی جس طرح کہ بیٹری کی لائٹ ہوتی ہے اور اس روشنی میں سامنے ہر چیز نظر آتی تھی۔ وہ سبق پڑھتے گئے اور ہم اس روشنی میں اپنا سفر طے کرتے رہے۔ جب گھر کے نزدیک پہنچے تو کہنے لگے کہ سبق اگر یوں پک جائے تو اچھا ہے' پھر بھولتا نہیں۔ میں نے کہا دعا فرمائیں کہ کوئی ایسی صورت نکل آئے جس سے یہ اثر مجھ پر پڑ جائے۔ فرمانے لگے اس چیز کو سادھوسنت اور برہمن منتہی خیال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس کے آگے کچھ نہیں حالانکہ یہ چیز بندے سے ہی نکلتی ہے اور اندر جاتی ہے اسے ہم ''اللہ'' سے تو تعبیر نہیں کر سکتے۔

حضرت قبلہؒ نے سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس لئے مراقبہ جو ہے اس میں سبق یا تصور کچھ بھی رکھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پہلے یہ جو کہا ہے کہ کوئی خیال نہ آئے تو اس مراقبانہ حالت میں یہی الفاظ بھی اگر خیال میں آجائیں کہ ''کوئی خیال نہ آئے'' تو یہ بھی تو ایک خیال ہی ہے نا؟ اس لئے کہ خیال نہ آنے کا تصور بھی تو خیال ہی ہے نا؟ لہٰذا اتنا بے خبر

بیٹھو کہ اپنی بے خبری کا بھی احساس نہ ہو۔

مراقبہ، خواب، نوم، غنود اور شہود:۔

ایک صاحب نے پوچھا کیا مراقبہ خواب کا حصہ ہے؟

فرمایا: نہیں۔ مراقبہ کا تعلق حواس کی روشنی سے ہے۔ اسم میں ایک روشنی ہوتی ہے جسم میں بھی ایک روشنی ہوتی ہے اور روح میں بھی ایک روشنی ہوتی ہے اس صورت میں بھنگی، پٹھان، مغل یا سید بحیثیت انسان ہونے کے ایک جیسے ہیں۔

شرافت انسانیہ اور اشرف المخلوقات ہونے کی جو روشنی ہے، مسجود ملائک ہونے کی جو روشنی ہے وہ بھنگی میں نہ کم ہے نہ سید میں زیادہ۔ اس لئے کہ سب آدم کی اولاد ہیں۔ ہر بنی آدم میں شرافت انسانیہ کا نور موجود ہے۔ اب رہی یہ چیز کہ کسی نے تو اس نور کو جلا دے لی اور کسی نے اسے راکھ میں دبا دیا۔ یہ ہے جسمی نور۔ ایک ہے اسمی نور۔ ''اللہ، اللہ'' یا کوئی ''اللہ الصمد'' پڑھتا ہے۔ کوئی ''یا رحیم''، ''یا کریم'' پڑھتا ہے۔ ہر اسم ذات باری تعالیٰ جل علیٰ شانہٗ جو ہے اس میں اس صفت کے مطابق انوار الٰہی محفوظ ہیں۔ جوں جوں کوئی شخص اسے پڑھے گا اس کی حیثیت کے مطابق اس پر انوار کا انکشاف ہوگا اور اس وظیفے اور انسانی حواس کے انکشاف کا وہ روشن پہلو مراقبے میں چمک اٹھے گا اور اتنا کہ وہ اپنے وظیفے میں منہمک ہے مگر اسے آگاہی ہو رہی ہے کہ فلاں جگہ یہ ہو رہا ہے اور فلاں جگہ یہ۔ اس کا تعلق خواب سے نہیں بلکہ بیداری سے ہے۔

(۱) نوم یہ ہے جو بالکل بے ہوشی کی نیند ہو جس میں اسے اپنی خبر نہ ہو کہ میں کہاں ہوں؟

(۲) خواب وہ نوم ہے جس میں اسے احساس ہو کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں یا مجھ پر کیا وارد ہو رہا ہے؟

(۳) ایک ہے غنود۔ نیم خواب اور بیداری ملی ہوئی، اس میں بیٹھا ہے اور کام کر رہا ہے لیکن آنکھیں بند ہیں۔ کوئی کیفیت اس پر وارد ہے یہ مراقبانہ کیفیت ہے۔

(۴) جو دیکھا جائے۔ یہ شہود ہے چونکہ اس میں بے ہوشی کا دخل نہیں۔

حقہ پیتے درود شریف:۔

آپ کے بھتیجے سید عبدالرؤف نے پوچھا کہ حقہ یا سگریٹ پیتے ہوئے درود شریف پڑھا

جاسکتا ہے؟

فرمایا: میرے شیخ حضرت قبلہ باباجی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی کے باطن پر نگاہ ڈالتے تو اس کے گھر کے برتن تک گن ڈالتے تھے۔ ان سے کسی نے پوچھا کہ کیا حقہ پینے والے کو حضور علیہ السلام کی زیارت نہیں ہوتی؟ فرمانے لگے۔ لوگ اس بات پر یوں ہی اعتراض کرتے ہیں۔ ویسے پرہیز بہتر ہے۔ لیکن یہ بتائے دیتا ہوں کہ جب حضور علیہ السلام کی زیارت ہوتی ہے اور حضور علیہ السلام کوئی ارشاد فرماتے ہیں یا ان سے بات ہوتی ہے تو اس وقت نہ یہ منہ ہوتا ہے اور نہ یہ آنکھیں۔ جب حضور علیہ السلام ذرہ نوازی فرماتے ہیں تو وہ وجود ہی اور ہوتا ہے۔ حقہ تو یہ منہ پیتا ہے۔ اُس حالت سے اس کا کیا تعلق؟

اسی طرح ایک دفعہ کسی نے بات کی کہ حضرت! جب کبھی نماز قضا ہو جاتی ہے اس وقت بڑی ندامت ہوتی ہے کہ نماز پوری ہو۔ فرمانے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور جانے کی کوشش کرو۔ نماز کے قضا ہونے پر ضمیر کی ملامت نفس کی اصلاح کرتی ہے لیکن تجھے بتادوں کہ اگر مولیٰ کریم توفیق عطا فرمادے اور سرکار دو عالمؐ کی حضوری نصیب ہو جائے تو پھر کوئی نماز قضا نہیں ہوتی۔ جب تک یہ نفس شرارتیں کرتا رہتا ہے۔ نمازیں قضا ہوتی رہتی ہیں۔ ایک نماز قضا ہو تو پانچ سات قضا نمازیں پڑھ لو۔ ایک ظہر قضا ہو تو دس دن کی قضا ظہر پڑھ لو پھر یہ بھڑوا نفس خود پڑھا کرے گا۔

بات دراصل یہ ہے کہ وجود ظاہری کا باطن سے کوئی تعلق نہیں اقرار با اللسان و تصدیق با القلب. میں اقرار کرتا ہوں ساتھ زبان کے اور سچ مانتا ہوں دل کے کانوں سے۔ دل کے کانوں میں سماعت ہے اس میں ہدایت ہے۔ جس وقت انسان کا باطن درست ہو جائے تو ظاہر خود بخود درست ہو جاتا ہے۔ ظاہر درست ہو جائے تو باطن خود بخود درست ہو جاتا ہے۔ ایک شخص متشرع داڑھی بڑھاتا ہے تو لوگ اسے صوفی یا ملا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ اگر داڑھی رکھ کر بے نماز ہو بٹیر بازی یا اور کوئی برا کام کرے تو ہر دیکھنے والا اسے کہے گا کہ داڑھی کی شرم کرو۔ اس لئے ظاہر درست ہو تو باطن درست ہو جاتا ہے۔ باطن میں ''اللہ اللہ'' کرنے کی قوت پیدا کرے تو ظاہر درست ہو جاتا ہے۔ یہ ظاہر داری کے مسئلے ہیں۔ اس وجود کے مسئلوں کا تعلق باطن سے اتنا ہی ہے جتنا ظاہر داری کا ہے' جب یہ توفیق عطا ہو جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار میں حضوری حاصل ہو تو

دربار رسالت میں یہ وجود تو نہیں جاتا وہ کوئی اور قصہ کہانی ہوتی ہے۔ یہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے عرض معروض اور گفتگو کرتا ہے تو اس حالت میں اس ظاہری منہ سے نہیں کرتا۔ ویسے یہ بات ہے کہ انسان میں اگر کوئی چیز نفس اپنی وجہ سے پیدا کرے تو اس سے پرہیز کرنی چاہئے۔

اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ بھی حقہ بہت پیتے تھے۔ انہوں نے ایک مقام پر لکھا ہے کہ سفر میں اگر حقہ ہو اور حقے میں پانی ہو۔ وضو کے لئے دوسرا پانی نہ ملے تو حقے کے پانی سے وضو کرلو۔ یعنی اس پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں۔ اگر کراہت طبعی کی وجہ سے اس پانی سے وضو کرنے کو جی نہ چاہے۔ تو لکھتے ہیں کہ وہ پانی انڈھیل دو اور پھر تیمم کرو۔

جو شخص حقے کے پانی سے وضو جائز قرار دے، وہ حقہ پینے سے کیوں منع کرے گا۔ آپ قادری سلسلہ کے اولی العزم پیر طریقت تھے۔ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عاشق اور سارے ہندوستان میں مانی ہوئی علم والی ہستی۔ انہوں نے تو کہیں نہیں لکھا کہ حقہ پیتے وقت درود اور ورد وغیرہ نہیں کرنا چاہئے۔

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ

دفعہ ۳۰ و ۱۴۴:۔

ایک سائل نے عرض کی کہ کشمیر واپس دلانا اولیائے کرام کے اختیار میں ہے؟

فرمایا: ہاں ہے مگر اس کا کیا علاج کہ مالک کی مرضی نہ ہو۔ ایک مقام ہوتا ہے طلب و دعا کا اور ایک ہوتا ہے تسلیم و رضا کا۔ طالب کا کسی چیز کو طلب کرنا اور مانگنا اور چیز ہے۔ مانگنے والے کے لئے میدان وسیع ہے۔ اب دینا نہ دینا وہ جانے۔ ایسی صورت میں اولیاء اللہ کے ہاتھ میں وہ طاقت ہوتی ہے جس کے ذریعے سے وہ خلق خدا کی مدد فرماتے ہیں۔ مگر اس مدد کا بنیادی پتھر عطائے الٰہی ہوتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص کو شادی کئے دو چار سال گزر گئے ہیں مگر اولاد نہیں ہوتی۔ وہ ایک اللہ کے بندے کے پاس جا کر حصول اولاد کے لئے عرض کرتا ہے تو اللہ کے بندے اپنے اس علم کی معلومات کی بناء پر جو رب العزت کی طرف سے انہیں حاصل ہوتا ہے سائل کو فرما دیتے ہیں کہ لڑکا ہوگا۔ ان کا یہ کہنا کہ لڑکا ہوگا، وہ دراصل علم الٰہی کے ماتحت ہے اور عنایت الٰہی ہے۔ اب

سائل یہ کہتا ہے کہ میں فلاں بزرگ کے پاس گیا اور لڑکا عطا ہوا گویا وہ براہ راست اس بزرگ سے نسبت کرتا ہے حالانکہ بندگان الٰہی کا تصرف سب عنایات الٰہی کے ماتحت ہوتا ہے۔ آپ ذرا غور کیجئے کہ کوئی کیس آپ کے پاس فیصلہ کے لئے نہیں آتا بلکہ وہ کیس کسی مجسٹریٹ کے پاس ہی آتا ہے جسے حکومت کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہے۔ اب ایک مجسٹریٹ کے پاس دفعہ ۱۴۴ کے اختیارات ہیں اور ایک کے پاس دفعہ ۳۰ کے، تو وہ علیٰ قدر مراتب اپنے اختیارات استعمال میں لاتا ہے ایک مجسٹریٹ فیصلہ کرتا ہے کہ فلاں بے گناہ ہے ہم اسے بری کرتے ہیں۔ کوئی بھی اس مجسٹریٹ کے خلاف دعویٰ نہیں کرے گا کہ تم نے اسے بری کیوں کیا ہے؟

اسی طرح ایک مجسٹریٹ ایک قتل کی بجائے چھ ملزموں کو پھانسی کی سزا دے دیتا ہے تو گویا وہ اس کیس کی نوعیت کے پیش نظر اپنے اختیارات کو عمل میں لا رہا ہے۔ اسی طرح اولیاء کرامؒ کو بھی جتنے جتنے اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ اپنی اس قوت طاقت یا اختیارات کو من جانب الٰہی استعمال کر سکتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ:

عظمتِ انسان:-

تمام کائنات میں درحقیقت انسان سب سے بڑی آفت ہے۔ اشرف المخلوقات ہے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی میں یہ کہانی لکھی ہے کہ کسی گڈریے نے شیر کا بچہ جنگل سے پکڑا اور اپنی بھیڑوں میں چھوڑ دیا۔ چھوٹے بچے کو کیا احساس تھا کہ یہ بھیڑیں ہیں اور میں شیر کا بچہ ہوں۔ ایک دفعہ بھیڑیں جنگل میں گئیں۔ کسی شیر نے حملہ کرنا چاہا۔ جب حملہ کرنے کے لئے آیا اور دیکھا کہ ان میں میری نسل کا ایک شیر کا بچہ پرورش پا رہا ہے تو سوچا کہ یہ کیا ظلم ہے۔ اسے شکار تو بھول گیا، حملہ کیا اور اس بچے کو اٹھا کر لے گیا۔ شیر نے اس بچے سے پوچھا کہ تو بھیڑوں میں کیوں رہتا ہے؟ کہنے لگا میں بھیڑ ہوں۔ شیر نے کہا نہیں تو شیر کا بچہ ہے۔ اب اس کے پاس آئینہ تو تھا نہیں جس میں اسے اس کی شکل دکھاتا۔ چنانچہ اس نے بچے کو اٹھایا اور پانی کے کنارے پر لے گیا۔ بچے سے پوچھنے لگا۔ بھیڑیں دیکھی ہیں؟ ان کی شکل یاد ہے؟ بچے نے کہا ہاں۔ شیر نے کہا اب اپنی شکل دیکھ کہ کیا تیری شکل ان بھیڑوں سے ملتی ہے یا مجھ سے؟ بچے نے دیکھا تو بات سمجھ میں آ گئی کہ میں تو واقعی شیر ہوں۔ شیر نے کہا اپنے اس وطیرے سے اپنی زندگی بھیڑوں میں خراب نہ کر۔ چنانچہ اس طرح اس بچے میں قوت

مردانگی اور شیری بھر دی اور وہ بچہ بھی شیروں کی طرح شکار کرنے لگا۔

بس یہی مغالطہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت کو سمجھ نہیں سکا۔ قرآن بیان فرماتا ہے کہ انسان اشرف المخلوقات ہے۔ انسان مسجود ملائک ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کا رازدار ہے۔ انسان میرا بھید ہے، میں اس کا بھید ہوں۔ کائنات بھر میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو اگر کسی نے سمجھا ہے تو وہ انسان ہی ہے۔ انسان کی بلندی کو کسی نے سمجھا ہے تو وہ اس کے پیدا کرنے والا وحدہٗ لا شریک نے۔ قرآن میں آتا ہے۔ والتین والزیتون وطور سینین وھذا ابلدالامین لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم. قسم ہے انجیر کی، قسم ہے زیتون کی، قسم ہے ہمیں طور سینا کی اور قسم ہے یارسول اللہ تیرے امن والے شہر کی کہ ہم نے انسان کو نہایت بلند و بالا اور بہترین صورت پر پیدا کیا۔ رب العزت نے یہ توثیق و پختگی انسان کی فضیلت اور بڑائی بیان کرنے کے لئے انسانوں کے سامنے کی کہ ہم نے تمہیں کیا بنایا؟ فرمایا غور کرو کہ کس قدر بے شرمی ہے کہ پتھر تمہارے لئے پیدا کئے گئے مگر تم انہیں سجدہ کرتے ہو۔ لکڑی تمہارے استعمال کے لئے پیدا کی، تم اس کے مجسمے بنا کر خدا بناتے ہو۔ یہ تو انسانیت نہیں۔ ذرا غور کرو کہ رب العزت نے یہ قسم کیوں کھائی؟

جب آدم کو جنت میں رکھا تو حوا اور آدم دونوں قدرتی نوری لباس میں ملبوس تھے۔ جب لا تقربا ھذا ھا شجرۃ والا مسئلہ سامنے آیا تو وہ نوری لباس اتر گیا اور وہ دونوں ننگے ہو گئے۔ اب جنت کے مکانوں کی طرف جاتے ہیں تو وہ پناہ نہیں دیتے۔ درختوں کے پاس جاتے ہیں وہ پناہ نہیں دیتے، اس لئے کہ یہ معتوب ہیں۔ جنت کی کوئی چیز پناہ نہیں دیتی آخر انجیر کے درخت کے سائے میں آپ نے اپنے آپ کو چھپایا تو رب العزت نے فرمایا: اے انسان! اپنی انسانیت پر غور کر، ہم نے تجھے جنت میں رکھا، فرشتوں سے سجدے کرائے مگر تو نے انسانیت ایک ٹکڑے پر بیچ دی۔ اسی جنت میں تو نے اپنے آپ کو ذلیل کر لیا۔ انجیر کے درخت سے پوچھ۔ بنی اسرائیل کی ایک تاریخ طور سینا اور زیتون سے وابستہ ہے۔ طور سے پوچھ کہ تمہارا ایک آدمی اتنا بلند اٹھایا کہ ہم سے بلاواسطہ ہم کلام ہوا۔ کوئی درمیان میں حائل نہ تھا۔ مگر تو نے اپنی انسانیت کو اتنا ذلیل کیا کہ ہمیں اسی قوم کو یہ کہنا پڑا کہ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ذلیل بندر بن جاؤ۔ تم انسان بننے کے مستحق نہیں۔

تو گویا انسان کو رب العزت نے یہ ترقی عطا فرمائی۔ مولیٰ ہی اپنے ایک بندے کو عرش

معلیٰ پر معہ جوتوں کے لے جائے' ساری دنیا کی سرفرازی بخشے' ہر انعام عطا فرمائے مگر ہم اس کے صلہ میں اللہ کی نافرمانی کریں۔ حرام کھائیں، بے نماز رہیں کیا اس کا صلہ یہ ہے؟

ع نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمیں

جس طرح کہ وہ شاخ جو میووں سے لدی ہوتی ہے وہ اپنا سر زمین پر رکھتی ہے۔ انسان کا یہ فرض تھا کہ جتنا اس محسن حقیقی نے اسے سربلند فرمایا اتنا ہی اس کا سر اس کی درگاہ میں جھکتا۔ فرعون نے کہا میں رب ہوں۔ نمرود نے کہا میں خدا ہوں۔ بات یہ ہے کہ انسان کی شان بڑی بلند ہے۔ انسان وہ ہے کہ جب اس میں رب العزت کی کن فیکونی طاقتیں کام کرتی ہیں تو جس طرف وہ خیال کرے اور ''کن'' کہہ دے تو وہ ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں وہ کیا ہے؟ وہ ریڈیو کا ایک بکس ہے۔ رب العزت کی آواز کام کرتی ہے اور اگر اپنے آپ کو ذلیل کرے تو پھر کس کا قصور؟ شیر کے بچے کی طرح کہتا پھرے کہ میں بھیڑ ہوں۔ کاش انسان اپنے درجے اور مرتبے کو سمجھے۔

اقبال نے اس مسئلے میں کیا مزے کی بات کہی ہے۔

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو، کھیتی بھی تو، باراں بھی تو، حاصل بھی تو

جب اسی انسان پر رب العزت کی طاقتیں کام کرتی ہیں تو پھر یہ کہہ دیتا ہے کہ میں وہ ہوں۔ منصور نے بھی کہا اور لوگوں نے بھی کہا۔ تو ان کا کہنا غلط نہیں تھا۔ جس جس مقام پر وہ یہ بولی بولے' وہ صحیح تھے۔ بعض میں ضبط کی قوت ہوتی ہے' بعض میں نہیں ہوتی۔ جن میں ضبط ہوتا ہے وہ بغیر بولی بولے اس مقام سے گزر جاتے ہیں۔ ان بزرگان عظام اور اولیائے کرام کی پاک جوانیوں کا صدقہ اسلام اور قرآن ہم تک پہنچا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو نہ جانے ہمارا کیا حال ہوتا؟

سلطنت ہی بدل لو:-

ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ ملک میں ہر طرف شور مچا ہوا ہے اس کا کوئی تدارک فرمائیں۔ اکبر بادشاہ پاپیادہ ایک ہی دفعہ سلیم چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں حاضر ہوا تھا اور اسے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے لڑکا عطا ہو گیا تھا۔

فرمایا: نو دس سال کی بات ہے ایک شخص[1] اس رنگ میں شرف رکھنے والا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں آج خاص طور پر ایک کام کے لئے آیا ہوں کام بڑا ضروری ہے بہت بڑا ہے اور کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نے کہا کہئے کیا بات ہے؟ کہنے لگا کر دیں گے؟ میں نے کہا یوں ہی ہاں کرانے لگے ہو۔ جتنی چادر ہو اتنے ہی پیر پھیلانے ہوتے ہیں۔ کہنے لگا پہلے آپ اقرار کریں۔ میں نے کہا بات بتاؤ اقرار ہی اقرار ہے۔ کہنے لگا خضر وزارت بدل دیں۔ میں نے کہا تو پھر کیا ہوگا؟ کہنے لگا پھر بہتر ہو جائے گا۔ اس کی جگہ کوئی اور آجائے شاید مسلمان نفع میں رہیں۔ میں نے کہا یہی منشا ہے تمہاری؟ کہنے لگا جی۔ میں نے کہا بات سنو آدمی کوئی کام کرنے لگے تو چھوٹے کام کے لئے بھی اتنا ہی فاصلہ طے کرنا ہوتا ہے اور بڑے کے لئے بھی اتنا۔ اس لئے خضر وزارت کی بجائے سلطنت ہی بدل لو۔ اس نے مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ کہنے لگا حضرت یہ بہت بڑا کام ہے۔ میں نے کہا تم اس بات کو چھوڑو۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا تو بات پکی ہوئی لیکن اب یہ یاد رکھنا کہ اس سلسلے کے ہونے کے بعد اگر کوئی تکلیف ہوئی تو پھر آکر نہ کہنا کہ یہ ہو گیا ہے اور وہ ہو گیا ہے۔ کہنے لگا نہیں حضرت پھر تکلیف نہیں دوں گا۔ میں نے پوچھا باقیوں سے صلاح کر لی ہے؟ کہنے لگا جی کر لی ہے۔ میں نے کہا تو ٹھیک ہے سلطنت بدلی گئی اور قصہ ختم۔

وہ اٹھ کر چلا گیا کچھ عرصہ کے بعد وہ قصہ شروع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے سلطنت ہی بدل گئی۔ پھر انگریز گیا، خضر گیا اور سچر و چر سب چلے گئے۔[2]

زیاں دارو:۔

اس کے بعد جب شاہ عالمی میں میل میل سے آگ کے شعلے شروع ہوئے اور گاڑیوں میں قتل و غارت شروع ہوا تو پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا حضرت یہ کیا ہو رہا ہے؟ میں نے کہا اکبر الہ آبادی نے لکھا ہے:

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ مرے احوال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

---

[1] ملک بسا قادریؒ محلہ ککے زیاں لاہور۔

[2] نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ نگہ کی تیغ بازی، وہ سپہ کی تیغ بازی (اقبالؒ)

کیا وہ اپنے اقرار بھول گئے ہو؟ تم تو کہتے تھے کہ ساری پارٹی سے صلاح مشورہ کرلیا ہے اب جاؤ! کہنے لگا حضرت اس میں بڑا دکھ ہے اور خطرہ ہی خطرہ ہے۔ میں نے کہا۔ درویشی تمیز کا میدان نہیں۔ حافظ نے لکھا ہے:

بعشقِ زلفِ لیلیٰ بند و کارِ عشقِ مجنوں کن
کہ طالب را زیاں وارد مقالاتِ خرد مندی

اس نے بار بار یہی اصرار کرنا شروع کیا کہ یہ ہو جائے گا وہ ہو جائے گا۔

میں نے کہا میاں تیرے نزدیک تیرا نظریہ ہے اور میرے نزدیک میرا نظریہ۔ یہ میری کوئی اپنی بات نہیں تھی۔ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تھے انہوں نے فرمایا یوں ہوگا۔ اس طرح ہوگا۔ آگ لگے گی، قتل و غارت ہوگی، دودھ والیوں کے دودھ سوکھ جائیں گے اور سب کچھ ارشاد فرمانے کے بعد مجھے فرمایا کہ تم بے فکر رہو۔ تمہیں بفضل تعالیٰ کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ بنتے بنتے یہ وقت آگیا ہے۔ ابھی تک یہ ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھے۔ جہاں انہیں ارباب نعمت مقہور چھوڑ گئے تھے یہ وہیں کے وہیں لکیر کے فقیر چلے آتے ہیں۔

غیبی سند:۔

سائل نے عرض کی کہ کوئی دیانتدار اور نیک آدمی آگے لائیں۔

فرمایا: آگے کون آئے؟ خدا توفیق عطا فرمائے یہ مسئلہ اپنے وقت اور موقع پر ہو جائیگا۔

مردے از غیب بیروں آید و کارے بکند

پہلا زمانہ اتنا سادہ تھا اور لوگ اس قدر راسخ العقیدہ ہوتے تھے کہ سبحان اللہ! ایک دفعہ ہمارے گاؤں کے ایک حافظ صاحب اور چند دیگر لوگ حج کو گئے ان کے ساتھ علم دین ان میں ایک درویش تھا۔ جب حج سے فارغ ہوئے تو انہوں نے از راہ تمسخر یہ پروگرام بنایا کہ علم دین کو اُلو بناؤ۔ اس طرح کہ ہر ایک اپنے ہاتھ میں ایک ایک کاغذ پکڑ لو اور علمے (علم دین) کو کہو کہ ہمیں تو کعبہ سے یہ سندیں ملی ہیں کہ تمہارے حج قبول ہو گئے ہیں۔ چنانچہ جب علما آیا تو انہوں نے اسے کہا: علمے! ہمیں تو یہ سندیں ملی ہیں کہ تمہارے حج قبول ہو گئے ہیں۔ تمہیں بھی کوئی سند ملی ہے؟ علما کہنے لگا نہیں مجھے تو کوئی سند نہیں ملی۔ وہ کہنے لگے۔ تو

پھر تمہارا حج قبول نہیں ہوا۔ علما سخت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ میں تو یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ مجھے بھی سند نہ مل جائے۔ چنانچہ بیت اللہ کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ دن رات وہیں پڑا رہا اور رونا شروع کر دیا کہ اے باری تعالیٰ تیری ذات اتنی بے نیاز ہے کہ میری تگ و دو اور سفر یونہی رائیگاں گیا۔ میرا حج قبول ہی نہیں ہوا۔ جب تک تیرے دربار سے سند نہیں ملے گی یہاں سے نہیں اٹھوں گا۔ فجر یا تہجد کی نماز میں آواز آئی "لے علما سند" اور اس غیبی آواز کے ساتھ بیت اللہ سے ایک ہاتھ باہر آیا اور اس نے سند پکڑا دی۔ یہ سند لے کر بڑا خوش ہوا اور سیدھا اپنے ساتھیوں کے پاس مکان میں گیا کہ تین دن کے بعد مجھے بھی سند ملی ہے۔ چلو مل تو گئی ہے نا۔ اب جو ساتھیوں نے سند دیکھی تو انہیں غش سا آ گیا۔ کہنے لگے علمے! ہم نے تو مذاق کیا تھا' تو نے تو ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ علما کہنے لگا میں نے خواہ مخواہ غرق کیا ہے تم نے خود ہی غرق کیا ہے۔ جاؤ تم بھی میری طرح اپنی اپنی سندیں لے آؤ۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بعض اوقات سادگی اتنا کام دے جاتی ہے کہ اس پر ہزار عقلیں قربان ہیں۔ مانگنے کے لئے اس کا انتظار کرو۔ کوئی نہ کوئی جواب ملے گا ہی نا۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

کیوں دِتّو ؟:-

ایک حافظ صاحب جو چونڈے گڈگوراں کے تھے۔ وہ حج پر روانہ ہونے لگے ان کا نوکر جو اُن کے مویشیوں کو چارہ ڈالتا تھا' کہنے لگا: حافظ جی! مجھے ساتھ حج پر لے چلیں۔ حافظ صاحب نے کہا تو یہیں رہ تیرا حج یہیں ہو جائے گا۔ جب حج کا دن ہوگا اس دن کپڑے وغیرہ دھو کر غسل کر کے اور پاک صاف ہو کر میرے حجرے میں لیٹ جانا اور دیکھنا کہ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب حج کا دن آیا تو اس نے کپڑے دھوئے، غسل کیا اور پاک صاف دھلے کپڑے پہن کر حجرے میں لیٹ گیا۔ اسی اثناء اسے نیند آ گئی۔ کیا دیکھتا ہے کہ حافظ صاحب مل گئے ہیں اور کہتے ہیں دِتّو! آ گئے ہو؟ آ پہلے تیرا کام کر دوں۔ ساتھ لیا طواف کرایا، صفا مروہ لے گئے اور تمام ارکان حج پورے کرائے کہ یہ عرفات ہے، یہ منیٰ ہے۔ حج پورا کرانے کے بعد پوچھا کیوں دِتّو حج ہو گیا ہے؟ دِتّو نے کہا: ہاں سرکار ہو گیا ہے۔ فرمایا اب تم گھر جاؤ

میں بعد میں آجاؤں گا اور ہاں! کہیں یہ نہ سمجھنا کہ محض خواب ہی آیا تھا اور حج نہیں ہوا اس لئے میرا یہ قرآن جو میں سفر میں اپنے ساتھ لایا تھا بطور نشانی گھر لے چل۔ مجھے یہاں سے اور قرآن مل گیا ہے۔ میں گھر پہنچ کر تم سے اپنا قرآن واپس لے لوں گا اور پھر اسے اجازت دے دی۔ جب وہ کیفیت بدلی اور دتو کی جاگ کھلی تو اس نے حافظ صاحب کا قرآن اپنی چھاتی پر پڑا ہوا پایا۔ بڑا خوش ہوا اور خوشی میں ناچنے ٹاپنے لگا۔ قرآن کو حجرے میں لٹکا دیا۔ دو ماہ کے بعد حافظ صاحب واپس آئے اور آتے ہی پوچھا سنا دتو! ہم نے اتنی دور دراز کا سفر کر کے حج کیا اور تیرا گھر بیٹھے بٹھائے حج ہو گیا۔ میرا قرآن کدھر ہے؟ دتو نے عرض کی سرکار وہ حجرے میں ہے۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: قدرت کے آگے کون سی چیز ہے جو وہ نہیں کر سکتی اپنے وقت پر انشاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔ تعجیل و تاخیر میں کوئی حکمت ہوتی ہے جب کسی کام کو ہونا ہوتا ہے تو اس وقت اس کا ہو جانا لازمی اور ضروری ہوتا ہے۔

صحیح لگاؤ:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ایک دفعہ شام چوراسی والوں کے ایک مرید وہاں ان کی خدمت میں جا رہے تھے۔ میرے پاس آئے اور کہنے لگے میرے لئے دعا فرمائیں۔ میں نے کہا: بھئی جہاں جا رہے ہو انہی کی توجہ کے طالب رہو۔

حضرت ابراہیم ادھمؒ درویش بننے پر بلخ سے گذر رہے تھے کہ ایک شہزادی پر نظر پڑ گئی۔ ان پر عشق مجازی کا دورہ ہو گیا۔ مختصراً یہ کہ آپ اس بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ اسنے بڑی آؤ بھگت کی کہ بادشاہی چھوڑ کر انہوں نے درویشی اختیار کی ہے۔ بادشاہ نے پوچھا حضرت کیسے تشریف لائے ہیں؟

فرمانے لگے ایک سوال ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے واسطے اپنی لڑکی کا رشتہ مجھے دے دو۔ بادشاہ اس سوال پر سخت پریشان ہوا۔ اپنے وزیر سے مشورہ کیا کہ میں خود ہی ان سے آمد کی وجہ پوچھ بیٹھا ہوں۔ اب جواب کیا دوں؟ وزیر نے کہا: سرکار فکر نہ کریں۔ میں ابھی اسے گلے سے اتار دیتا ہوں۔ چنانچہ وزیر نے ایک بیش بہا لعل حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ کے روبرو پیش کیا کہ حضور آپ کا حکم سر آنکھوں پر مگر لڑکی کی منشا یہ ہے کہ اس قسم کے گیارہ لعل

اسے حق مہر میں ادا کئے جائیں۔

آپ نے پوچھا کہ یہ کہاں سے ملتے ہیں؟ وزیر نے کہا سمندروں سے بھی اور پہاڑوں سے بھی مل سکتے ہیں۔ چنانچہ آپ وہ لعل ہاتھ میں لئے تلاش کو روانہ ہو گئے۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر پانی کو کشکول کے ساتھ نکالنا شروع کر دیا۔ صاحب کرامت ولی اللہ تھے۔ دو چار کاسے جو پانی نکالا تو سمندر میں اضطراب آ گیا۔ مچھلیاں دوڑی ہوئی آئیں۔ کنارے پر جنگلوں سے جانور آ گئے اور حکم کے لئے سر تسلیم خم کر دیئے۔ آپ نے کہا ایسے گیارہ لعل چاہئیں۔ انہوں نے پیش کر دیئے۔ ایک مچھلی آئی اس نے پوری لڑی پیش کر دی کہ حضرت یہ بھی جا کر پیش کر دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں میرا مطلب پورا ہو گیا ہے اس لڑی کو اب کیا کروں گا۔ مچھلی نے کہا یہ بھی کام دے گی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ وہاں سے واپس بادشاہ کے ہاں پہنچے اور اس کے روبرو گیارہ لعل پیش کر دیئے۔ بادشاہ نے وزیر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ وزیر نے بطور شرارت یہ بات کہہ دی کہ بادشاہ سلامت یہ لعل تو یہیں گرے تھے۔ یہ یہاں سے ہی لے گیا ہے۔ آپ نے لعلوں کی لڑی پیش کر دی۔ اب کوئی حجت باقی نہ رہی۔ وزیر ندامت کے مارے جب دربار سے اٹھا تو آپ نے اس کی طرف دیکھا اسے فوراً آگ لگ گئی اور وہ وہیں جل کر خاکستر ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؒ وہاں سے اٹھ کر چل دیئے، شہزادی محل میں تھی۔ اس نے جب یہ بات سنی تو بیہوش ہو کر جا گری۔ مشہور ہو گیا کہ شہزادی مر گئی ہے۔ دوسرے دن جب آپ آئے تو پتہ چلا کہ شہزادی مر گئی ہے، اسے دفنا آئے ہیں۔ بادشاہ نے حضرت کو کہا کہ اب ہم کیا جواب دیں شہزادی تو فوت ہو گئی ہے اسے تو ہم دفن بھی کر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اس کی موت کا یقین نہیں۔ آپ مجھے اس کی قبر بتا دیں تا کہ وہاں جا کر فاتحہ پڑھ لوں اور نفس کی تسکین ہو جائے۔ خیر کسی نے قبر بتا دی۔ آپ شہر سے باہر رہتے تھے۔ رات کو کدال لے کر اس کی قبر اکھیڑی، کفن آلودہ میت کو نکال لائے اور اسے اپنی کٹیا میں ایک طرف کھڑا کر دیا۔ اتنی دیر میں سخت آندھی اور طوفان آ گیا۔ بارش شروع ہو گئی۔ مگر آپ اس میت پر نظر جمائے بیٹھے رہے۔ اسی اثناء میں ایک حکیم اس طوفان باد و باراں میں ادھر آ نکلا۔ آہٹ سنی تو اندر آ گیا۔ کہنے لگا خدایا، کیا راز ہے؟ لڑکی کی میت کی طرف دیکھا اور کہا کاش کہ یہ مری نہ ہو۔ نزدیک آ کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ مری نہیں بلکہ سکتے کی حالت میں ہے اگر اسی وقت اس

کی فصد کھول دی جاتی تو بالکل ٹھیک ہو جاتی۔ خیر اب بھی کوشش کرتا ہوں شاید کامیابی حاصل ہو جائے۔ چنانچہ اس نے شہزادی کی پیشانی پر نشتر لگایا۔ خون جاری ہو گیا اور سکتے کا اثر دور ہو گیا۔ شہزادی ہوش میں آ کر بیٹھ گئی اور پوچھنے لگی کہ تم کون ہو؟ میں کہاں ہوں؟ یہ کس کا مکان ہے؟ حکیم نے اسے بتایا کہ تم بیمار تھیں الحمد للہ کہ اب بچ گئی ہو۔ اسی اثناء میں حضرت ابراہیم ادھم رحمتہ اللہ علیہ بھی حالت استغراق سے عالم صحو میں آ گئے۔ فرمانے لگے کہ یہ میری غلطی ہے۔ میں اپنے مشن کے تخیل میں اسے یہاں لے آیا تھا حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس معاملہ میں معاف رکھا جائے۔

تو یہ جرات ہے کہ اگر کوئی رب کا بندہ اس عشق کے تحت۔۔۔۔۔۔۔۔

سلسلہ کلام منقطع ہو گیا (رب العزت کی عطا کردہ کن فیکونی قوتوں کو بروئے کار لے آئے تو سبحان اللہ!)

وسیلہ

عزیز خان سہروردی نے پوچھا کہ کیا کسی بزرگ کے وسیلے سے دعا مانگی جا سکتی ہے؟

فرمایا: اگر دعا کسی وسیلے سے مانگی جائے تو وہ وسیلہ اجابت دعا کا باعث بنے گا۔ یعنی وہ وسیلہ دعا کی قبولیت کا باعث بنے گا اس طرح کہ اولیاء اللہ اور اس جماعت کے بڑے سے بڑے لوگ۔ (دعا مانگنے والے کے لئے رب العزت کے حضور دست بدعا ہوتے ہیں)

ایک طریق یہ ہے کہ ان کے پاس جانے والا دعا مانگے کہ مجھے اپنی رحمت سے عطا فرما جب وہ دیکھتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ حدیث میں آتا ہے عام لوگوں کی دعا جب قبول نہیں ہوتی تو پھر اللہ کے نیک بندے کے پاس جاتے ہیں۔ اگر پھر بھی وہ بارور نہیں ہوتی تو پھر قطب وقت دعا کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کے ہاتھ ابھی منہ تک نہیں پہنچتے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے تو گویا ایک درجہ خود دعا مانگنے کا ہے اور دوسرا درجہ یہ ہے (کہ یوں دعا مانگے) کہ الٰہی اپنے اس مقبول بندے کے طفیل میرے حال پر رحم فرما۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس مقبول بندے سے کہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائے۔ حدیثوں میں آتا ہے ایک دفعہ مدینے میں بارش نہ ہوئی۔ لوگ خلیفہ وقت کے پاس پہنچے۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ بارش کے لئے دعا فرمایئے۔ مائی

صاحبہ نے فرمایا حضور علیہ السلام کے روضے کی جو چھت ہے اس میں سوراخ کر دو۔ جب حضور علیہ السلام کی آخری آرام گاہ رب العزت کے سامنے ہوگی تو ان کے طفیل بارش ضرور ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اسی طرح اہل قسطنطنیہ کا واقعہ ہے کہ جب بارش نہ ہوتی تو وہ علامہ سنانیؒ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مزاروں پر جاتے۔ ان کے مزاروں کو غسل دیتے اور بارش کی دعا مانگتے اللہ تعالیٰ رحم فرما دیتا۔

تو یہ وسیلے کے رنگ ہیں۔ چونکہ بزرگان دین اپنے وسیلے میں اپنے مدارج کے لحاظ سے زندگی رکھتے ہیں اور حضور علیہ السلام تو حیات النبی ہیں اس لئے جو بات کہی جائے گی وہ بصورت وسیلہ جائز ہوگی۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

سردار کہاں ہے؟

میں نے ایک دفعہ سیرت کی کتاب میں پڑھا کہ ملتان پر جب سکھ حملہ کرنے لگے تو ان کے وحشی پن کے پیش نظر شہر کے کچھ لوگ ایک اللہ کے بندے کے پاس گئے اور عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سکھوں کے داخلہ ملتان سے محفوظ رکھے۔ اس اللہ کے بندے نے کہا میں جو جانتا ہوں اگر اس کا تم سے ذکر کروں گا تو تم اسے قبول نہیں کرو گے اس لئے صرف ایک دو آدمی میرے ساتھ چلیں اور جو کچھ دیکھیں اسی پر عمل کرنا۔ چنانچہ ایک بوڑھا آدمی ان کے ساتھ گیا جسے وہ بزرگ اپنے ساتھ حضرت رکن الدین عالم ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ مبارک کے اندر لے گئے۔ اسے مزار کے پاس بٹھا دیا اور کہا جو کیفیت سامنے آئے اسے ذہن نشین رکھنا اور شور نہ مچانا اور بے بس نہ ہو جانا۔ چنانچہ وہ درویش اور بوڑھا مراقبانہ حالت میں مزار پر بیٹھ گئے۔ دیکھا کہ حضرت رکن عالم سامنے آئے اور فرمایا آؤ میرے ساتھ۔ اس وقت محسوس ہوا گویا ایک کھڑکی ہے۔ اس میں سے گذر کر پرلی طرف گئے تو دیکھا کہ دربار رسالتؐ ہے۔ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ دربار لگا ہوا ہے اور کچھ کاغذات پیش ہو رہے ہیں۔ دس منٹ بعد میر منشی نے ایک مثل پیش کی کہ حضورؐ! یہ وہ مثل ہے کہ سکھ ملتان میں آنا چاہتے ہیں۔ اس کے متعلق کیا ارشاد ہے؟ منظوری وہاں سے ہونی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ان کا سردار کہاں ہے؟ یہ رنجیت سنگھ

کا زمانہ تھا۔ اسے پیش کیا گیا۔ وہ ہاتھ باندھے سر اور پاؤں سے ننگا گلے میں پٹکا ڈالے پیش ہوا۔ حضور علیہ السلام نے اس سے پوچھا ملتان آنا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کی جی حضورؑ۔ فرمایا اگر عصمت دری یا ظلم وستم ہوا تو کون ذمہ دار ہوگا؟ رنجیت سنگھ نے دست بستہ عرض کی کہ حضورؑ اگر ملتان والے ہماری مزاحمت نہ کریں اور جنگ کے لئے تیار نہ ہوں تو ہم پُر امن طریق سے داخل ہوں گے' اگر پھر بھی کوئی ظلم وستم ہوا تو میں ذمہ دار ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ معاہدہ درست ہے؟ اس نے عرض کی کہ حضور مالک ہیں۔ آپؑ نے فرمایا جاؤ۔ چنانچہ رنجیت سنگھ چلا گیا۔ یہ سارا واقعہ مراقبانہ حالت میں وہ بوڑھا دیکھ رہا تھا۔ اس کے بعد اس درویش نے اس بوڑھے سے کہا کہ اب واپس چلو چنانچہ جب اس نے اپنے آپ کو با ہوش حالت میں پایا تو خود کو حضرت رکن عالمؒ کے مزار پر بیٹھا ہوا پایا۔ اس کے بعد اس درویش نے دوسرے لوگوں کے روبرو جو اس درویش کے پاس دعا کے لئے حاضر ہوئے تھے اس بوڑھے سے پوچھا' کیوں بھئی کیا دیکھا تھا؟ اس نے تمام واقعہ اپنے ساتھیوں سے بیان کر دیا چنانچہ اس کے بعد ایسا ہی ہوا یعنی ملتان کے سربرآوردہ لوگ رنجیت سنگھ کو شہر کے باہر جا کر ملے اور سکھ اپنے معاہدے کے مطابق پر امن طریق سے داخل ملتان ہوئے۔

تو اولی العزم لوگوں کا یہ تصرف ان کی موت کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔

تقدس وفضیلت

بہشتی دروازہ:-

ملک بسا قادری نے عرض کی کہ بابا فرید شکر گنج رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر جو بہشتی دروازہ ہے اس کے متعلق روایت ہے کہ جو شخص اس میں سے گذرے گا جنتی ہو جائے گا۔ بعض لوگ اس کی صداقت پر شبہ کرتے ہیں مگر میں تو مانتا ہوں کہ وہاں سے گذر کر خطائیں بخشی جاتی ہیں۔

فرمایا: آپ خطائیں بخشی جاتی ہیں کیوں کہتے ہیں؟ یہ کیوں نہیں کہتے کہ جنتی ہو جاتا ہے۔ اصولی بات یہ ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوئی تقدس وابستہ ہو وہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ مثلاً لیلۃ القدر جس تقدس اور خوبیوں کے ساتھ حضور علیہ السلام کے زمانے میں آتی رہی اسی تقدس اور خوبیوں کے ساتھ آج بھی آتی ہے اور آئندہ بھی آتی رہے گی۔ فرق صرف تجسس کا ہے۔ رمضان شریف

اور جمعہ جس تقدس اور برکتوں کے ساتھ سرکار دو عالمؐ کے زمانے میں آتے تھے انہیں برکتوں کے ساتھ اب بھی آتے ہیں اور آئندہ بھی آتے رہیں گے۔ ان کے تقدس میں نہ پہلے کوئی فرق تھا نہ اب کوئی فرق ہے۔ قیامت تک ان کی تقدیس ان کے ساتھ وابستہ ہے اور جس طرح حضور علیہ السلام کے زمانے میں صحابہ کرامؓ پاک ہو جاتے رہے اسی طرح آج بھی اور آئندہ بھی ان کی برکات سے مسلمان پاک ہوتے رہیں گے۔ میں کہتا ہوں ان کی تقدیس، برکات اور صداقت میں ایک انچ کا بھی فرق نہیں آسکتا۔ اگر ان کی تقدیس میں ذرا بھی فرق ڈال کر دیکھیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ اسلام بودا ہو گیا ہے۔ جس تقدیس کے ماتحت ایک لکڑی، بلکہ میں کہتا ہوں کہ ایک جوتی اگر ایک درویش لٹکا دے تو بھی اس کی تقدیس میں فرق نہیں آتا۔

قبروں میں زندہ:۔

ملک بسانے پھر عرض کی: حضور! آستانہ عالیہ فرید شکر گنجؒ کے وَن کے درخت کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ کی برکت سے مولی کا ذائقہ دیتا ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک اس کے ذائقے میں کوئی فرق نہیں۔ عجیب کرامت ہے۔ یہ لوگ قبروں میں زندہ ہیں۔

فرمایا: دمشق سے کچھ میل دور ایک مزار ہے[1] اس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔ تختی بہت پرانی ہو گئی ہے۔ اس لئے پڑھی نہیں جاتی۔ سادہ سی قبر ہے لوگوں کو اس سے بڑی عقیدت ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک شخص یہ کہہ بیٹھا کہ لوگ یونہی کہتے ہیں کہ قبروں کے لوگ جیتے ہیں اگر زندہ ہیں تو زندگی کا ثبوت دیں۔ دوسرے نے کہا کیا ثبوت چاہتے ہو کہ ان کے وجود صحیح سلامت ہیں؟ قبر سے صاحب مزار نے جواب دیا ہاں یہ صحیح ہے کہ رب کے بندوں کے وجود صحیح رہتے ہیں اور ثبوت یوں دیا کہ قبر سے اپنا پاؤں باہر نکال دیا۔ لطف یہ ہے کہ آج تک ان کا پاؤں قبر سے باہر ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دس آدمی ایسے گنے ہیں جنہیں رب العزت نے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ وہ حقیقت میں اپنی کرامتوں اور برکتوں سے زندہ ہیں۔

---

[1] یہ مزار مبارک حضرت ابوطاہر محمد ایوب کردیؒ کا ہے جو بہت بڑے عارف، عالم اور محدث تھے۔ مزار شریف دمشق میں حضرت ابن عربی علیہ رحمتہ کے مزار سے دو فرلانگ پر واقع ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ جب حج پر گئے تو ان سے سند حدیث حاصل کی۔ (بحوالہ "الجواہرات عن الزیارت" از مولانا محمد اطہر القادری ایم اے، ملتان روڈ لاہور)

الی النور:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: چند دن ہوئے ایک مولوی آیا اور کہنے لگا بزرگوں اور عوام الناس میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا چھوڑ اس قصے کو۔ پھر تم کہو گے کہ فلاں کو اس کسوٹی پر پرکھو۔ مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ مرنے کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور ابوجہل ایک جیسے ہیں؟ کیا ابوجہل کو کوئی پوچھ گچھ نہیں ہوگی؟ اور صدیق اکبر کے درجات میں کوئی فرق نہیں اور اگر نہیں تو پھر بتاؤ کہ لا الہ پڑھنا کس حقیقت پر کام آیا ہے اور کن مدارج میں اس نے فرق ڈالا ہے؟ پس ماننا پڑے گا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا برزخ میں وہ مقام قطعاً نہیں ہوسکتا جو ابولہب اور ابوجہل کا ہے۔ اسی طرح تمہیں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اولیاء اللہ اور عوام الناس کے مدارج میں بھی فرق ہے۔ اس آیت کا ترجمہ کرو۔ اللہ ولی الذین آمنو یخرجھم من الظلمٰت الی النور (۲:۲۵۷) اللہ مومنوں کا والی ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اسی طرح کیا قرآن میں اس آیت الا ان اولیا اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی کوئی حیثیت نہیں؟ میں نے اس مولوی کو کہا میاں! الفاظ کے جھمیلے میں کیوں پڑے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ (بدعقیدہ) لوگ ان باتوں سے قطعاً ناآشنا ہیں۔

مسلمانوں میں جتنے فرقے ہیں تم انہیں گنو اور ان کا نام لو جن کے بزرگوں کا کوئی گنبد ہو جس کا مزار ہو اور جس پر دنیا پروانہ وار گرتی ہو۔ سوائے ایک فرقہ کے جس میں اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں۔ جتنے لوگوں نے تبلیغ اسلام کی، جہاں علماء کی زبانیں کٹ گئیں۔ جیلوں میں ٹھونس دیئے گئے۔ آگ میں دھکیل دیئے گئے، زندہ جلا دیئے گئے۔ وہاں ایک نگاہ اور ضرب لا الہ نے اندر سے سب مغالطہ نکال کے رکھ دیا اور عرفان کی راہ سجھا دی۔

اپنی واردات

چودھری محمد یوسف سہروردی نے عرض کی کہ سالانہ جلسہ میں ''درویش کی اپنی واردات'' کے موضوع پر بھی تقریر ہونی چاہئے۔

فرمایا: اس قسم کا تذکرہ جو اپنے ذاتی تجربات کی بنا پر ہو اس میں نفس پرستی کا شائبہ ہوسکتا ہے۔

ایک حافظ نے اپنا مجاہدہ یہ رکھا کہ وہ پہاڑی علاقہ میں راستہ بناتا رہا۔ سارا دن پتھر اکھیڑتا رہتا' ایک دن ایک شخص وہاں سے گذرا' کہنے لگا ساری عمر پتھر اکھیڑنا ہی سیکھا ہے یا کوئی خوبی اور کمال بھی پیدا کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ مجھے پیاس لگی ہے۔ یہاں کدال مار کہ چشمہ نکل آئے اور راہ گیر پانی پیا کریں۔ حافظ نے کدال ماری مگر غرض پوری نہ ہوئی۔ وہ شخص اپنی راہ ہولیا اور حافظ گھر جانے کی بجائے سیدھا حضرت سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی' حضرت یہ بات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا رات یہیں ٹھہر ابھی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ حافظ وہیں ٹھہر گیا۔ رات کو آپ نے اسے طلب فرمایا۔ توجہ فرمائی اور ساتھ ہی خلافت عطا فرمادی اور کہا کہ اب جا تمہاری تمنا رب العزت پوری کرے گا۔ حافظ وہاں سے چلا آیا اور وہ کیفیت وارد ہوگئی۔ باقی کے جو مرید دس دس یا بیس بیس سال کے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے شکوہ کیا کہ حضرت ہمیں اتنے سال ہو گئے ہیں مگر ہم پر عنایت نہیں ہوتی۔ یہ رات کو آیا اور خلافت بھی لے کر چلا گیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ شخص تیل' دیا' بتی سب کچھ ہمراہ لے کر آیا تھا۔ میرا کام تھا رگڑ لگا دینا اور دیئے کو روشن کر دینا۔ وہ میں نے رگڑ لگا دی اور دیا روشن کر دیا۔ تم میں ہر چیز مجھے خود ڈالنی پڑ رہی ہے۔ تیل بھی خود ڈال رہا ہوں بتی بھی خود اور پھر اسے جلانے کے قابل بھی خود ہی بنا رہا ہوں۔ جب تم میں بھی یہ چیزیں مکمل ہو جائیں گی اور وہ مقام آئے گا تو خود بخود یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ تو چودھری صاحب! دوسرے درویشوں کے واقعات بیان ہوتے رہتے ہیں لیکن اگر اس چیز کی تمنا ہو کہ وہ درویش اپنی قوت کا کوئی واقعہ بیان کرے تو وہ کبھی بھی بیان نہیں کرے گا۔ ''بشرطیکہ درویش ہووے سہی'' اکثر حالات میں وہ اپنے اس قسم کے حالات کا ذکر کرتے ہوئے ہچکچاتا ہے۔

گیس روشن :-

چودھری صاحب نے سر جھکا لیا اور حاضرین کو بتایا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب قبلہؒ حاجی چودھری معراج الدین سہروردی کی دعوت پر ان کے گاؤں سمسانی میں وعظ فرما رہے تھے کہ دوران تقریر اچانک گیس بجھ گئے۔ اندھیرا ہو جانے کی وجہ سے لوگوں میں افراتفری مچ گئی۔ حضرت قبلہ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے سامعین کو فرمایا: اطمینان سے بیٹھے رہو گیس

خود بخود جل جائیں گے۔ حضرت قبلہ کا یہ فرمانا تھا کہ گیس یک دم خود بخود روشن ہو گئے۔ حضور زیر لب مسکرائے اور فرمایا: یہ تو اتفاقات ہوتے ہیں۔

بارش بند:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ وعظ فرما رہے تھے کہ بادل آ گیا۔ اکثر لوگ بارش شروع ہو جانے کی وجہ سے اپنی جگہوں سے اٹھنا شروع ہو گئے۔ آپ نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ الٰہی میں تیرے ذکر و فکر کے لئے لوگ اکٹھے کرتا ہوں اور تو انہیں منتشر کر دیتا ہے۔ حضور غوث الاعظم کا یہ فرمانا تھا کہ بارش ایک دم رک گئی۔ تو بعض اوقات ایسے واقعات ہو جاتے ہیں لیکن وہ اختیاری نہیں ہوتے بلکہ وقت پر خود بخود رونما ہو جاتے ہیں۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا ایک دفعہ مرزا قادیانی نے اپنی نبوت کا بڑا شور مچایا۔ جگہ جگہ یہ کہتا پھرے کہ آؤ مباہلہ کر کے دیکھ لو کہ فریقین میں کون حق پر ہے؟ مطلب اس کا یہ تھا کہ چونکہ صرف اولی العزم درویش ہی جسے مباہلہ کرنے سے پہلے کسی کے مدمقابل آنے کی باطنی طور پر واقفیت اور آگاہی ہو مقابلہ پر ڈٹ کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ عام آدمی کو ایسی جرات کہاں ہو سکتی ہے؟ اس لئے وہ گھبرا جائے گا اور مقابلہ پر نہیں آئے گا۔

ہاتھ تیرا کام میرا:-

چنانچہ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ قطب الدین برہم چاری اجمیری نے اجمیر میں وعظ کیا۔ بعض اوقات طبیعت کی روانی میں مقرر ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن پر انہیں عبور نہیں ہوتا۔ وہ محض جوش میں کہہ جاتے ہیں کہ اہل اللہ نے مردے زندہ کئے' یہ کیا' وہ کیا۔ اسی طرح قطب الدین برہم چاری نے بھی اپنے وعظ میں اسی جوش میں آ کر کہہ دیا کہ اسلام اس بات پر فخر کرتا ہے کہ فرزندان اسلام نے مردے زندہ کئے۔ سامعین میں اکثریت ہندوؤں کی تھی۔ ایک ہندو اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا یہ صداقت اسلام کی ہو سکتی ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ صرف فرزندان اسلام کے قصے کہانیاں مشہور ہیں اگر یہ صداقت ہے تو آخر تم بھی تو مسلمان ہو یہ بات کر کے دکھاؤ پھر ہم مانیں گے۔ یہ فی البدیہہ سوال آ پڑا۔ بات تو یہ زبانی کر بیٹھا تھا اب واپس لینی مشکل ہو گئی۔ ہندو پھر چلایا' یہ کر سکتے ہو تو کر کے دکھاؤ۔ انہوں نے کہا صبح

کر کے دکھادیں گے۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ مولوی صاحب نے ہندو مذہب کی بطالت بیان کرنے کے بعد تقریر ختم کی اور ڈیرے پر چلے آئے۔ اب دماغ میں یہی بات کہ صبح یہ لوگ آجائیں گے، میں کیا کروں گا؟ بڑا پریشان ہوا۔ دوسرے ساتھی بھی جلسہ گاہ سے واپس آگئے۔ انہیں کہنے لگا تم اپنی اپنی قیام گاہوں پر جاؤ، مجھے اکیلا رہنے دو۔ وہ چلے گئے۔ اس کے دل میں کئی قسم کے خیال آتے رہے۔ کبھی یہ سوچتا کہ دن چڑھنے سے پہلے گاڑی پر سوار ہو کر یہاں سے نکل جاؤں، کبھی کچھ خیال کبھی وسوسہ، ہر لحہ اپنی کمتری کا احساس اسے پریشان کر رہا تھا کہ پلّے ہے کچھ نہیں اور مردہ زندہ کرنے کا دعویٰ کر بیٹھا ہوں۔ اسی پریشانی کے عالم میں اٹھ کر اکبری مسجد میں جو حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے بیرونی دروازے کے پاس احاطے میں اکبر کے زمانے کی پرانی مسجد ہے آگیا۔ وضو کیا اور اللہ اللہ کرنے بیٹھ گیا۔ فکر میں نیند نہ آئے۔ بڑا پریشان کہ کیا کروں؟ اسی سوچ میں رات تقریباً بیت گئی۔ فجر کی اذان قریب تھی اور یہ بیٹھا اللہ اللہ کر رہا تھا کہ اچانک اندھیرے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ معلوم ہوئی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے پیچھے کوئی شخص باہر سے آیا ہے اور آ کھڑا ہوا ہے اور کہتا ہے مولوی! کس تردد میں ہو؟ کیا یہ بات ناممکن ہے یا تو نے کوئی غلط بیانی سے کام لیا ہے؟ اپنے اس کم تری کے احساس کو چھوڑ اور جا! جس قبر پر وہ تجھے لے جائیں وہاں چلے جانا اور ہاتھ اٹھا دینا۔ ہاتھ تم اٹھانا، کام میں کروں گا۔ مگر ہاں یہ شرط یاد رکھ کہ انہیں کہنا اگر میں اتنا بڑا یہ کام کر دوں تو تم کو اسلام قبول کرنا پڑے گا۔ اگر وہ یہ شرط مان لیں، بلکہ بہتر یہ ہے کہ لکھ کر وہ یہ شرط قبول کریں تو پھر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا۔ وہ لوگ یہ شرط مانیں گے نہیں اور تیرا دعویٰ قائم رہے گا۔

چنانچہ مولوی قطب الدین کے کان میں جب یہ الفاظ پڑے تو اسے تسکین ہوگئی۔ غور کیجئے کہ اس میں اپنی کمزوری کا کتنا اظہار پوشیدہ ہے۔ اس قسم کی چیزیں توفیق ایزدی کے ماتحت ہوتی ہیں۔

یہ بلندی! یہ انکسار!:۔

ایک دفعہ چودھری محمد شفیع (خلیفہء مجاز) نے مجھے خط لکھا کہ خواب میں دیکھا ہے کہ بیت اللہ میں ہوں۔ وہاں کا جو طریق ذکر و اذکار کا ہے وہ بھی جاری ہے۔ اسی کیفیت میں آپ

نے مجھے اشارہ فرمایا کہ دروازے کی طرف دیکھو! آپ کے حکم کے مطابق میں بیت اللہ کے دروازے کی طرف دیکھتا ہوں۔ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہیں' طبیعت میں بڑی مسرت پیدا ہوئی۔ تحریر فرمائیے کہ کیا میرے اس خواب کی کوئی تعبیر ہو سکتی ہے؟

طبیعت خوش ہوئی کہ باوجود ایک کام کی بلندی کے اپنے آپ کو پستی میں کھڑا کر کے پوچھتا ہے کہ کیا اس کی کوئی تعبیر ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انسان بلندی پر پہنچ کر پھر گمان کرے کہ میں پستی میں ہوں تو یہ بڑی بلندی کی بات ہوتی ہے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی دفعہ تجرید کے قدم پر حج کا ارادہ کیا تو اثنائے سفر ایک حبشن بی بی صاحبہ جو برقعہ پہنے ہوئے تھیں دفعتاً میرے سامنے آگئیں اور میری طرف تیز تیز نظروں سے دیکھ کر کہنے لگیں کہ اے جوان! تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا عجم سے۔ کہنے لگیں تمہارا ہی نام عبدالقادر ہے؟ میں نے عرض کی ہاں! فرمانے لگیں آج تم نے مجھے بڑا پریشان کیا اور کشمکش میں ڈالا۔ میں نے پوچھا وہ کیسے؟ فرمانے لگیں اس وقت میں ملک حبش میں تھی۔ مجھ کو مشاہدہ و کشف ہوا کہ غوثیت کی ایک خاص الخاص توجہ' انوار و تجلیات کی' رب العزت نے تیرے دل پر ڈالی ہے اور تجھ کو اس قدر دیا ہے کہ اور کسی کو جنہیں میں جانتی ہوں نہیں دیا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ اس نوجوان کو جس کی یہ حیثیت ہے اسے دیکھوں اور پہچانوں۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئے ہو۔ آپ نے فرمایا یہ ٹھیک ہے لیکن یہ کیا عجب مسئلہ ہے کہ وہ (بزرگ ہستی) جس پر رب العزت کا یہ احسان ہے کہ وہ پہلے سے ہی اس توجہ اور عنایتِ ربانی سے آشنا ہے۔ (اپنی بلندیٔ مراتب کو نظر انداز کر کے) مجھے امتیازی حیثیت سے ڈھونڈ رہی ہے۔

وقتی افعال

سجدۂ تعظیمی:-

مولانا مہر الدین صدر انجمن نعمانیہ لاہور نے پوچھا کہ سجدہ تعظیمی کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا: میں نے اس کے جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق کہیں نہیں پڑھا۔ متقدمین میں سے کسی کا اگر کوئی فعل وقتی طور پر کسی خاص کیفیت کے تحت ان سے سرزد ہوا ہو تو عوام کے لئے حجت یا جواز کا پہلو نہیں رکھتا۔

ایک دفعہ حضرت توکل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس چند آدمی آئے اور عرض کی کہ آپ لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ آپ نے کہا میں گمراہ نہیں کرتا بلکہ اللہ اللہ کی تعلیم دیتا ہوں۔ تم کیسے کہتے ہو کہ میں گمراہ کرتا ہوں؟ ان میں سے ایک کہنے لگا' فلاں دن آپ فلاں جگہ سے گذر رہے تھے' دس پندرہ آدمیوں کی ایک جماعت آپ کے سامنے آئی وہ آپ کو دیکھ کر سجدے میں گر گئے' آپ نے انہیں منع نہیں کیا۔ جائز ناجائز نہیں سمجھایا۔ فرمایا اچھا یہ بات ہے۔ اس لئے یہ بات مجھ سے منسوب کرتے ہو کہ میں سجدے کراتا ہوں۔ بات دراصل یہ نہیں۔ نہ میں نے کسی کو کہا ہے سجدہ کرو نہ کسی کے سجدہ میں گرنے کو میں نے جائز کہا وہ تو بات ہی کچھ اور تھی۔ میں جب گھر سے نکلا تو کسی اور کیفیت میں حضور علیہ السلام کی تشریف آوری ہوگئی۔ میں بھی حضور علیہ السلام کے ہمراہ ہولیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حرم شریف کے راستے گذر چلیں۔ ان لوگوں نے جو میرے ہمراہ تھے اور اس دن سجدے میں گر گئے تھے۔ حضور علیہ السلام کو دیکھا ہوا نہیں تھا۔ میں ان کے ساتھ تھا اور صرف میں ہی انہیں نظر آرہا تھا۔ جب ہم حرم شریف کے سامنے سے گذرے تو بیت اللہ چونکہ تجلی گاہِ ربانی ہے وہاں ہر وقت تجلیات کا ظہور ہوتا ہے میں بھی وہیں تھا اور گذر رہا تھا تو وہ سرور' وہ کیفیت مجھ پر بھی طاری تھی' تجلیات کے آگے سجدہ کر جانا اور گرنا چونکہ فطرت ہے اس لئے جب ان لوگوں نے تجلیات الٰہی کو دیکھا تو وہ بے اختیار سجدے میں گر گئے۔ مجھے کون سجدے کرتا ہے۔ انہوں نے تو تجلیات الٰہی کو وہ سجدے کئے تھے اس لئے وہ ایک دوسری کیفیت تھی۔

بذریعہ ارواح:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: معترضین نے حضرت توکل شاہ صاحبؒ کو کہا کہ ہم آپ سے چند اور سوال کرتے ہیں۔ آپ ان کا جواب دیں۔ فرمایا اچھا کہو۔ انہوں نے ایک آیت پیش کی۔ آپ کے پاس ایک لکڑی کی چوکی پڑی تھی' آپ نے اسے کھٹکھٹایا اور اس آیت کی تفسیر کرنی شروع کردی حتیٰ کہ وہ اتنی واضح ہوئی کہ سائل مطمئن ہوگئے۔ پھر انہوں نے کوئی نحو کا سوال کیا۔ آپ نے پھر تختی کھٹکھٹائی اور پھر جواب دینا شروع کردیا۔ وہ بڑے حیران ہوئے' اس لئے کہ وہ جانتے تھے کہ توکل شاہ پڑھے لکھے ہوئے نہیں ہیں' نہ معلوم یہ کیسے جواب دے رہے ہیں۔ انہوں نے پھر فلسفہ کا سوال کیا آپ نے پھر ویسے ہی

کیا اور جواب دینا شروع کر دیا۔ جب مطمئن ہو گئے تو انہوں نے کہا حضرت! آپ ظاہری علم سے ناواقف ہیں۔ اس طرح مدلل اور شافی جوابات آپ نے کیسے دیئے؟

آپ نے فرمایا: جوابات میں نے نہیں دیئے۔ تم نے جب سوال پوچھے تو میں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی کہ ان کی تسکین کے لئے کوئی آدمی بھیج دیں۔ تم نے پہلے قرآن کا مسئلہ پوچھا تھا' چنانچہ اس آیت کی تفسیر کے لئے حضرت امام رازی رحمتہ اللہ علیہ کی روح مبارک آ گئی۔ وہ بولتے تھے مجھے پتہ نہیں۔ اس کے بعد تم نے نحو کا مسئلہ پوچھا تو حضرت عبدالقادر جرجانی رحمتہ اللہ علیہ کی روح مبارک آ گئی۔ فلسفہ کا مسئلہ آیا تو میں نے پھر عرض کی تو حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کو حکم ہوا' ان کی روح مبارک آ گئی۔

تو مولانا! بزرگان دین کا اگر کوئی فعل کسی ایسی صورت سے ہو جس کا اطلاق وقتی طور پر کسی اور طرف ہوتا ہو تو اس سے جواز کا پہلو نہیں نکلتا۔ مراقبے' خواب یا مکاشفے کی کیفیت میں اگر کوئی حکم آ جائے تو اس کے متعلق وہ ذمہ دار ہے جس پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے مگر اس کا وہ فعل انکشافی عوام کے لئے حجت نہیں ہوتا۔ مثلاً کشف میں اسے کوئی کہتا ہے کہ تمہیں نماز معاف ہے اور وہ نماز چھوڑ دے تو عوام کے لئے یہ حجت نہیں۔ سجدہ تعظیمی کے متعلق جواز کی صورت میں نے کہیں نہیں پڑھی۔

رب بھی دکھا دیں گے:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضرت مولانا رومؒ ایک واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص حج کو جا رہا تھا راستے میں وہ ایک گاؤں میں ٹھہر گیا۔ اس نے پوچھا یہاں کوئی درویش صفت آدمی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں اس مکان میں رہتے ہیں۔ وہاں گیا۔ بزرگ نے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگا' مسافر ہوں حج کو جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا کس بنا پر حج کرنے جا رہے ہو؟ کہنے لگا میرے پاس دو سو روپے ہیں حج کا خرچ ہے۔ اس بزرگ نے فرمایا یہ دو سو روپے مجھے دے دو اور سات مرتبہ میری چارپائی کے گرد طواف کرو تمہارا حج کا مقصد پورا ہو جائے گا۔ یہ بات اسے پسند نہ آئی اور کہنے لگا میں تو بیت اللہ دیکھنا چاہتا ہوں۔ آپ نے کہا وہ بھی دکھا دیں گے اور رب بھی دکھا دیں گے۔ وہ خاموش ہو رہا۔ اخلاقاً بیٹھا رہا۔ رات وہیں گزاری' صبح اٹھا اور چل دیا۔ دو چار میل گیا ہو گا کہ راستے میں کسی ڈاکو نے دو چار مکے

رسید کئے اور روپیہ چھین لیا۔ اس کا روپے پر انحصار تھا اب آگے جانے کی طاقت نہ رہی کچھ روپئے جانے کا افسوس تھا۔ اسی حالت میں اسی بزرگ کے پاس لوٹ آیا۔ السلام علیکم! آپ نے فرمایا وعلیکم السلام! تم تو صبح حج کے لئے اجازت لے گئے تھے۔ اس نے واقعہ سنایا۔ فرمایا اب کیا صلاح ہے؟ کہنے لگا کچھ نہیں۔ فرمانے لگے یہی تو تجھے سکھانا تھا کہ غیر اللہ پر بھروسہ نہیں کیا کرتے۔ اسے دیکھنے جانا تھا تو میں اسے تیرے ساتھ کر دیتا اور وہاں جا کر اسے تو دیکھ لیتا۔ نہ تو نے میری بات مانی نہ خدا کی۔

تو مولانا! یہ باتیں ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہوتی ہیں جن کی ''نہ'' اور ''ہاں'' کرنے میں کوئی راز ہوتا ہے۔

شجر بیعت الرضوان :۔

اسی طرح ایک درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے بعد (اس درخت کی) وہ شان (یعنی اس کے نیچے) وہ بیعت رضوان (کی سعادت) وہ اس کے مدارج' اس کی وہ قبولیت اور وہ شان بلندی چونکہ نہ تھی اس لئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ درخت کٹوا دیا اس لئے کہ اس راز سے یا تو بیعت لینے والی ذات واقف تھی یا کٹوانے والے یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔

سوائی آنکھ :۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ اپنے شیخ کی نماز تہجد کے لئے گرم پانی کی خاطر آگ جلایا کرتے تھے۔ ایک دن اٹھے دیکھا کہ آگ گڑھے میں بجھ گئی ہے۔ گھبرائے کہ شیخ کے اٹھنے کا وقت ہے' آگ کی تلاش کے لئے باہر دوڑے۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک عورت آگ جلائے بیٹھی ہے۔ اس کے پاس پہنچے اور کہا آگ چاہتا ہوں۔ اس نے کہا اس آگ کی قیمت ایک آنکھ ہے دیتے ہو تو لے جاؤ ورنہ جاؤ۔ اگر اس وقت فریدؒ مقام تمیز میں کھڑا ہو جاتا تو فیل ہو جاتا۔ فریدؒ نے کہا کون سی آنکھ چاہتی ہو؟ اس نے کہا آگے آؤ! فرید آگے بڑھے۔ اس نے انگلی مار کر داہنی آنکھ نکال لی۔ فریدؒ نے آگ مٹی کے ٹھیکرے پر لی اور خانقاہ کو دوڑے۔ وہاں اسی گڑھے میں آگ رکھی' گھاس پھوس ڈالی اور وضو کا پانی گرم کر کے اپنا مطلب پورا کر لیا۔ حضرت شیخؒ اٹھے' تہجد

پڑھی، فجر کے بعد حضرت شیخ دوسرے مریدوں سے پوچھتے ہیں کہ فرید کہاں ہے؟ کسی نے کہا حضرت یہیں تھا۔ فرمایا اسے بلاؤ۔ حاضر ہوئے۔ پوچھا یہ آنکھ پر کپڑا کیوں رکھا ہوا ہے؟ عشق ہے، محبت ہے، شیخ کی اطاعت ہے۔ عرض کی ''قبلہ آنکھ آئی ہے'' یہ پنجابی کا محاورہ ہے جس کے معنی ہیں آنکھ دکھتی ہے۔ حضرت شیخ نے جواب سنا مسکرائے۔ فرمایا' کپڑا اتار دو ''آئی نہیں سوائی ہے'' اور میرا یہ نشان تیری نسل میں ہمیشہ قائم رہے گا۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ آنکھ نہ صرف صحیح وسلامت بلکہ پہلے سے سوا گنا ہوگئی۔ بابا فرید رحمتہ اللہ شکر گنج'' کی اولاد میں اس کرامت کا ظہور آج تک موجود ہے۔ اب ہر کوئی شخص حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کی سی یہ قوت تو نہیں رکھتا اور نہ ہی ان کا ہر ملنے والا حضرت بابا فرید رحمتہ اللہ کی سی جرات رکھتا ہے۔ جو شخص کوئی خصوصیت رکھتا ہو (اس کا تعلق اس کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے) مثلاً یہ شیشے کا گلاس ہے اس میں پانی ہے۔ ایک کہتا ہے اس میں جراثیم ہیں' دوسرا کہتا ہے شیشے کا گلاس ہے پانی صاف نظر آرہا ہے' جراثیم وغیرہ نہیں ہیں تم غلط کہتے ہو۔ تو یہ اختلاف نگاہ کا ہے۔ پہلے کی نگاہ پر خوردبین ہے' اسے کیڑے نظر آرہے ہیں۔ دوسرے کی آنکھ پر وہ آلہ نہیں اسے نظر نہیں آرہے۔ اب اس اختلاف کو ہر ایک پر کیوں ٹھونسا جائے؟

اس مقام پر حضور نے حسین شاہ انسپکٹر اور میاں وارث شاہؒ والا واقعہ جو کتاب ہذا کے صفحہ نمبر ۳۸ تا ۴۰ پر درج ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا:۔

انا الحق:۔

اسی طرح منصور حلاج کے واقعہ پر غور فرمایئے۔ منصور کو کس لئے سزا دی گئی؟ منصور نے کیا گناہ کیا تھا؟ یہی کہا تھا نا ''انا الحق''۔ اب اگر یہ سوچا جاتا کہ اس کے ''انا الحق'' کے جواب میں دوسرے لوگ نہیں دیکھ رہے' اس میں نہ دخل دیتے اور اگر اس کے دخل میں کوئی واسطہ رکھنا تھا تو اس سے پوچھتے کہ یہ کیا ہے؟ علماء نے فتویٰ دے دیا۔ منصور جو کچھ کہہ چکا تھا اس کے عوض میں جو اس کی تھوڑی سی ڈگری یا فنا کا مقام باقی تھا اور آواز قبل از وقت تھی' اس کو حل کرنے کے لئے جب تک وہ ہستی ءموہومہ سے مٹ نہ جاتا' اس مقام پر اس کے قول کی تصدیق نہیں ہوسکتی تھی۔

اہل طریقت کے نزدیک اس کا سبب یہ تھا' مثال کے طور پر بجلی ہے نا! اس کو کوئی ہاتھ

لگاتا ہے تو جو قوت بجلی میں ہے وہی دوسرے میں بھر دی جاتی ہے۔ اگر اسے کوئی چھڑانا چاہے تو تیسرے میں آجاتی ہے۔ چوتھا اگر تیسرے کی ٹانگ پکڑ کر کھینچنا چاہے تو چوتھے میں آجاتی ہے۔ اگر منصور کا قول قبل از وقت نہ ہوتا تو جس طرح منصور بولا تھا اسی طرح اسے سولی دینے والے بھی بولتے۔ جو ناچ منصور نے کیا وہی سارے کرتے اور تصدیق ہو جاتی کہ ''انا الحق'' یوں ہے۔ اس کا وہ فعل' اس کی ہستی ء موہومہ کا وہ منظر' اور اس کا ''انا الحق'' بجا ہوتا۔ اس لئے جب اسے سزا دی گئی اور اس کے خون کے جتنے قطرے نکلے تو لوگوں نے حضرت امام ابو یوسفؒ سے ان کا آکر ذکر کیا۔ یہ قاضی ء وقت تھے اور انہیں کے فتویٰ پر سزا دی گئی تھی۔ لوگوں نے آکر عرض کی کہ حضور منصور کو سولی دے دی گئی ہے مگر خون کے جتنے بھی قطرے نکلے' ہر قطرے پر ''اسم ذات'' لکھا تھا۔ فرمایا: اچھا! اسی وقت اپنی دوات جس سے فتویٰ تحریر کیا تھا پکڑی اور الٹ دی۔ اس کی سیاہی کے جتنے قطرے گرے اس ہر قطرے پر ''اسم ذات'' لکھا تھا۔

مولانا نے پوچھا ''انا الحق''؟

فرمایا: نہیں۔ ''اللہ''۔

حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے ان لوگوں کو فرمایا کہ اگر منصور حق پر تھا۔ تو میں بھی فتویٰ دینے کے معاملے میں حق پر تھا۔ یہ وہ سیاہی ہے جو قیامت کے دن شہیدوں کے خون کے برابر تولی جائے گی۔

تو مولانا! حق دونوں طرف ہوتا ہے مگر جب استعمال کرنے کی سمجھ ہو پھر مزا آتا ہے۔

میں اَلّہا:۔

اسی طرح حضرت فاضل دین بٹالوی رحمتہ اللہ علیہ کا قصہ مشہور ہے کہ لوگ ایک شخص کو ان کے پاس پکڑ کر لائے۔ پوچھا کیوں کیا بات ہے؟ کہنے لگے حضرت اس لئے لائے ہیں کہ یہ کہتا ہے ''میں اللہ'' ''میں اللہ'' یعنی وہی ''انا الحق'' والی بات۔ وہ فقیر پنجابی تھا۔ آپ نے اسے بٹھا دیا۔ لوگوں سے کہا یہ ٹھیک کہتا ہے۔ پنجابی میں ''اَلّہا'' کچے کو کہتے ہیں۔ یہ کہتا ہے میں کچا رہ گیا ہوں۔ لوگ چلے گئے۔ آپ نے اسے بٹھائے رکھا۔ اس پر توجہ فرمائی۔ جس مقام پر بے ضبطی کی وجہ سے اس درویش کی یہ کیفیت تھی وہ اس سے نکل گیا (پھر فقیر

سے) پوچھا بتاؤ اب کیا حال ہے؟ اس نے عرض کی ''مہربانی''! حضرت فاضل بٹالویؒ نے فرمایا کہ یہی مخمصہ منصور کو ہوا۔ اگر وہ میرے زمانے میں ہوتا تو میں اسے سولی نہ چڑھنے دیتا۔

تو مولانا! بات مقام اور محل کی ہے۔ کسی کو جرات ہو تو بات ہے۔ یہ لوگ کہانیاں تو اسلاف کی بیان کرتے ہیں مگر خود کچھ کرنے والے نہیں۔ اب اس قسم کے واقعات جو وقتی ہوتے ہیں، ہر شخص اس حال میں انہیں جائز یا لازم سمجھے، فرض اور واجب بنالے تو خیال فرمائیے کہ کیا ہر ایک میں یہ قوت ہے؟ آج کل بڑی مصیبت یہ ہے کہ حقیقت اور عرفان کی باتیں جو عملی طور پر حل ہوتی ہیں۔ یہ لوگ الفاظ میں حل کرنا چاہتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:

نگہ پیدا کر اے غافل! تجلی عین فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا
رقابت علم و عرفاں میں غلط بینی ہے منبر کی
کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا

سالک راہ ہوشیار

بیعت کی غرض:-

حاجی یوسف علی سہروردی نے عرض کی کہ ہمارے ورکشاپ میں دو تین نوجوان بیعت کے خواہاں ہیں اگر اجازت ہو تو پیش کردوں۔

فرمایا: کسی کو نیکی کی تلقین کرنا تو کوئی گناہ نہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ محض رسم پسندی مطلوب نہیں۔ مطلوب یہ ہے کہ جو نوجوان رب العزت کی رحمت سے اس میدان میں قدم رکھے اس کی حقیقی غرض یہ ہو کہ میں نے خدا کی پرستش خدا کے لئے کرنی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح تعلق قائم کرنا ہے اور اسی دھن میں وہ چلتا جائے۔ جو اس کے سامنے آئے اس کی وضاحت طلب کرتا رہے اگر محض رسم پسندی ہو تو پھر کسی کا بار کون اٹھائے؟

صرف و نحو کے قاعدے کے لحاظ سے بیعت حاصل مصدر ہے ''البیع کا''۔ البیع کے معنی ہیں کسی کے ہاتھ پر فروخت ہو جانا۔ ایسا فروخت ہونا کہ المرید لا یرید بنفسہ یعنی

مرید وہ ہے جو اپنا ارادہ نہ رکھتا ہو۔ آج کل پیری مریدی کا مسئلہ رسم بن کر رہ گیا ہے۔ ایک حافظ جہلم سے تین چار دفعہ بیعت کی غرض سے میرے پاس آیا تھا لیکن ملاقات نہ ہو سکی۔ اب یہ ڈاکٹر عبدالحمید قریشی سہروردی کا جہلم سے رقعہ لے کر جمعدار عبدالخالق (سہروردی) کے ہمراہ آیا ہے۔ میں نے اسے یہ بات سمجھائی ہے کہ حافظا! اگر ''رب رب'' کرنا ہے اس کٹھن راہ میں، اس میدان میں ہر مشکل برداشت کرنی ہے اور رب کی راہ میں صدق دل سے قدم اٹھانا ہے پھر تو ٹھیک ہے۔ اور اگر کل کو یہ کہنا ہے کہ عورت بھاگ گئی ہے، نوکری چلی گئی ہے، لڑکا مر گیا ہے، یعنی پیری مریدی کو اس معیار پر پرکھنا ہے تو پھر جان کو کیوں مصیبت میں ڈالتے ہو؟

اسی طرح کوئی نہ کوئی آتا رہتا ہے۔ پرسوں دو شخص آئے۔ ایک کو میں نے یہ بات سمجھائی کہ یہ ذوق جو تجھ میں کام کرتا ہے یہ تیرے ننھیال کا ورثہ ہے۔ یہ سہروردی سلسلے کی درویشی تمہاری ماں کے ساتھ آئی ہے۔ تمہارے ددھیال میں تو کوئی نہیں جانتا تھا۔ تمہارے لئے حکم ہے کہ نقشبندی سلسلے کی طرف توجہ کرو۔ دوسرے کو کہا کہ تیرے باپ دادا جتنے گزرے ہیں وہ سب چشتیہ حضرات کے ملنے والے ہیں، تو جو سبق پڑھتا ہے وہ چشتیہ سلسلے کا ہے لہٰذا اسی سلسلہ کی طرف توجہ کرو۔ بڑا حیران ہو کر کہنے لگا۔ حضرت یہ سو فیصد صحیح ہے اور ہم دونوں پر یہ بات واضح ہے لیکن ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ آپ کیوں راہنمائی نہیں فرماتے؟ میں نے کہا اس لئے کہ جب میرے پاس تمہارا کوئی حصہ ہی نہیں، جب میں نے تمہیں کچھ دینا ہی نہیں تو پھر کیوں کہوں کہ بیٹھ جاؤ۔ اس لئے اس کے پاس جاؤ جس کے پاس تمہارا حصہ ہے۔ میری اس بات سے وہ اتنا متاثر ہوئے کہ کہنے لگے کہ حضرت ہم نے عمر میں پہلی دفعہ یہ بات سنی ہے جو آپ نے فرمائی ہے۔ میں نے کہا کہ میاں مجھے پارٹی بازی کی ضرورت نہیں۔ مجھے تو چند ان نوجوانوں کی ضرورت ہے جو تہیہ کر کے مدینہ شریف کی طرف منہ کر کے چل پڑیں۔ نہ کسی کی تابعداری کی ضرورت ہے نہ کسی سے غرض ہے۔ بس اتنی ہی ضرورت ہے کہ چند وہ نوجوان رب اور رسول کا عشق رکھ کر چلنے والے مل جائیں جن کو منزل کی راہنمائی ہونے کے بعد یہ کہہ سکوں کہ تم سلسلے کا کام فلاں علاقے میں جا کر کرو اور تم فلاں علاقے میں، جس طرح سہروردی حضرات نے دین کی خدمت کی ہے اور ایسی کی ہے جس طرح کرنے کا حق ہے۔ دوسرے سلسلوں میں الا ماشاء اللہ اس کی مثال نہیں ملتی۔

راقم الحروف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا خاور صاحب! اگلے دن ایک بابا میرے پاس آیا۔ غالباً آپ موجود نہیں تھے یہاں سے نماز پڑھنے چلے گئے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگا میں آپ کی تعلیم کو اور آپ کی صحبت کو ان نوجوانوں کے چہروں سے دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ سارے نوجوان ایسے ہو جائیں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہاری دعا قبول کرے۔ جو نوجوان اس راہ پر چلنے کا تہیہ کر چکے ہیں وہ اپنی منزل مقصود پالیں تاکہ وہ جب بھی سلسلے کی خدمت کے لئے نکلیں تو دیکھنے والے ان کے چہروں سے اندازہ لگالیں کہ ہاں ان کا رب سے کوئی تعلق ہے۔ کہنے لگا ایسی تربیت۔ سبحان اللہ! جب سے بیٹھا ہوا ہوں حضور علیہ السلام کا اخلاق۔ ان کی محفل کا نقشہ' ان کی مجلس کی برکت اور وہ ہر رنگ میں یہاں دیکھ رہا ہوں۔ طبیعت بڑی خوش ہوئی ہے۔ میں نے کہا دعا کیا کریں۔

تو حاجی صاحب! اپنے کسی دوست کو پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ کسی کو کہنے کی ضرورت نہیں۔ انہیں کہہ دیں کہ دنیا کے جھگڑے اور جھمیلے ''جھونگا'' (فالتو اور مفت میں) ہوتے ہیں ان کی طرف توجہ نہ دو۔ ہاں! اس طرح اگر اس لائن میں چل پڑنا ہے تو بسم اللہ! بیعت کی غرض و غایت جو ہے وہ اور ہے۔ آج کل یہ جو چیز ہے کہ میں حاضر ہوا ہوں آپ مجھے بیعت کرلیں۔ دو دن کے بعد اور کسی کی تلاش شروع ہو جاتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ اگر کنویں میں کتا گر جائے تو خواہ جتنے مرضی ڈول نکالے جائیں کنواں پاک نہیں ہوگا تاوقتیکہ پہلے کتا باہر نہ نکالا جائے۔ اور اگر بیعت محض حیلہ ہو تو ایسی بیعت کا کیا فائدہ؟ یہ آج بھی ٹوٹی اور کل بھی ٹوٹی۔ اگر عورت مل گئی تو صحیح' ورنہ گئی۔ تو حاجی صاحب! یہ بڑا بوجھ ہے۔

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

بے دلیل :-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضرت امام رازی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے: خواب میں نزع کا وقت دیکھا۔ شیطان آ گیا۔ کہنے لگا تم نے خدا کی ہستی کے تین سو ساٹھ دلائل لکھے ہیں۔ اس نے ایک ایک سوال کیا۔ امام رازیؒ نے ایک ایک کا جواب دیا۔ مگر وہ پرانا لعنتی' نبیوں اور ولیوں سے برتا ہوا اس نے سب دلائل فیل کر دیئے اور کہنے لگا' اب بتا

تیرا وہ خدا کدھر ہے؟ امام رازیؒ جب آخری جواب بھی دے چکے تو مجبور ہو گئے۔ حضرت امامؒ لکھتے ہیں کہ خواب میں اس نزع کے عالم میں جب اس نے میرے تمام دلائل توڑ کر رکھ دیئے تو میں سخت پریشان ہو گیا۔ معاً میرے شیخ سامنے آ گئے اور فرمانے لگے بہت گھبرائے ہوئے ہو۔ اس کے ساتھ ماتھا لگانے کی ضرورت نہیں۔ یہ پرانا بد بخت ہے اسے چھوڑ دو اور کہو کہ میں خدا کو بے دلیل مانتا ہوں، میرے پاس ثبوت ہو نہ ہو خدا پھر بھی ہے۔ چنانچہ امام رازیؒ نے شیطان کو کہا کہ میں خدا کو مانتا ہوں اور بے دلیل مانتا ہوں۔ یہ جواب سن کر شیطان بھاگ کھڑا ہوا۔ جاتے جاتے کہنے لگا دعا دے اپنے پیر کو جس نے تیرا ایمان بچا دیا ہے ورنہ تیرے والا کام میں نے آج کر دیا تھا۔ چنانچہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ پیر پکڑنے کی اور کسی بات میں ضرورت ہو یا نہ ہو لیکن اس وقت کے لئے اشد ضرورت ہے کہ ابلیس سامنے ہو، نزع کا وقت ہو، جان پر طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں نازل ہوں، اس وقت پیر سامنے آ کر یہ کہے کہ اس بات کا یہ جواب ہے۔

لاحول ولا:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت معین الدین چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نجد کے پہاڑ کی ایک غار میں بیٹھا تھا۔ اندھیری رات تھی، غار میں بھی اندھیرا تھا۔ معاً غار روشن ہو گئی۔ ایک مرصع تخت نمودار ہوا۔ تخت پر سے ایک آواز آئی، معین الدین! ہم نے تمہیں ''تکلفات شرعیہ'' سے آزاد کر دیا ہے۔ یعنی نماز، روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ سے۔ آپ فرماتے ہیں میں بڑا حیران ہوا کہ یہ آواز حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو نہ آئی، حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ کو نہ آئی، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ حسن بصریؒ، یعنی کسی بھی بزرگ کو نہ آئی، میرے لئے کیا خاص احسان ہے کہ ''تکلفات شرعیہ'' معاف ہو گئے ہیں۔ میں نے اس آواز پر غور کیا۔ وہ آواز اس تخت سے آ رہی تھی۔ معاً میرے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ کا ہاتھ میرے کندھے پر پڑا۔ آپ سامنے ہو گئے اور فرمانے لگے: یقین کرنے کی ضرورت نہیں۔ ''لاحول'' کی کسوٹی تیرے پاس ہے، اس پر پرکھ لے۔ اگر یہ انوار الٰہی ہیں تو قائم رہیں گے اور اگر وسوسہ ہائے شیطانی ہیں تو غائب ہو جائیں گے۔ چنانچہ خواجہ غریب نوازؒ لکھتے ہیں کہ

میں نے ''لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم'' پڑھا۔ وہ تخت فوراً غائب ہوگیا اور غار تاریک ہوگئی۔

تو حاجی صاحب! بیعت کی ضرورت تو ان کاموں کے لئے ہے کہ ایسی مشکلات میں شیخ سامنے ہوجائے اور مشکلیں آسان کردے۔ باقی رہے دنیا کے جھمیلے تو یہ تو چلتے ہی رہتے ہیں۔

بیعت کا احسان:-

ڈاکٹر طفیل سہروردی نے عرض کی کہ آج کل تو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایسا بزرگ ہو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرادے پھر بیعت کریں گے۔ گویا اپنی بیعت کرنے کا بھی احسان جتاتے ہیں۔

فرمایا: آج کل کچھ نظریات ہی بدل گئے ہیں۔ یا وہ دن تھے کہ لوگوں کی ساری عمر رب کی تلاش اور حضور علیہ السلام کی زیارت کی تمنا میں صرف ہوگئی۔ اتنے سخت مجاہدے کئے کہ عقل حیران ہوجاتی ہے اور یا اب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر ضرورت ہے تو ہمیں مل لیں۔ کتنا بعد المشرقین ہے۔

اندر والا کتا:-

ڈاکٹر طفیل سہروردی نے عرض کی کہ قبلہ!

وادیٔ عشق بسے دور و دراز است ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

فرمایا: محض باتوں سے کیا فائدہ؟ یہ نفسانی تفریح ہوتی ہے۔ دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ جس کو اس پاکیزہ نگاہ سے دیکھ رہا ہے وہ ایسا ہے بھی یا نہیں؟ بسا اوقات بعض لوگ جب ایسے نظریے کے ماتحت تمنا کرتے ہیں تو پھر اپنی کشکول کی طرف بھی نگاہ اٹھ جاتی ہے کہ اس میں کچھ ان لوگوں کا حصہ بھی ہے یا نہیں؟ اور رب العزت کی بارگاہ میں عرض کی جاتی ہے کہ الٰہی! توفیق دے کہ ان لوگوں کی مدد کی جائے یا ان کے دل سے (میری اس بزرگی کا) خیال نکال دے۔

قرآن میں اصحاب کہف کا قصہ آتا ہے کہ وہ ظالم سلطنت سے نکلے۔ راستے میں ایک کتا مل گیا۔ وہ کتے سمیت سفر کرنے لگے۔ جس گاؤں سے گزرتے دوسرے کتے اس کتے کو دیکھ کر بھونکنے لگتے اور انہیں کاٹنے کو پڑتے۔ یہ لوگ تنگ آگئے اور کہنے لگے کہ یہ عجب تماشا

ہے۔ آخر گھبرا کر رب العزت کی بارگاہ میں عرض کی کہ الٰہی! یا تو اسے ہمارے ساتھ آنے کی توفیق دے یا اس کے دل سے ہماری محبت نکال دے تا کہ یہ واپس چلا جائے۔

تو ڈاکٹر صاحب! یہ مسئلہ ایسا نازک ہے کہ ہمارے اندر والا جو گتا ہے اسے دیکھ کر اس کے ہم جنسوں نے بھونکنا ضرور ہے۔ اس لئے یا تو اس کی خو خصلت بدلے اور یہ بندہ بنے' یا پھر اس کی محبت اس کے دل سے نکل جائے۔

بایں پیری:-

مختار علی سہروردی کے والد صاحب نے جو کافی ضعیف العمر تھے بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ اسی اثناء حضور کسی کام سے باہر تشریف لے گئے۔ واپسی پر سائل کے متعلق پوچھا مگر وہ جا چکے تھے۔

مختار صاحب کو فرمایا! انہیں بیعت کا اب احساس ہوا ہے۔ ایک مسافر گھر سے لیٹ چلے' منزل دور ہو' سورج غروب ہو رہا ہو' راستے کا خطرہ ہو' پھر وہ کبھی سورج کو دیکھتا ہے اور کبھی منزل کا تصور لا کر بھاگتا ہے۔ کبھی ساتھی کی تلاش کرتا ہے، کبھی تھک کر بیٹھ جاتا ہے اور گھبراتا ہے کہ جلدی منزل پر پہنچوں' مگر اس کا دیر سے چلنا اس کی پریشانی کا باعث بن جاتا ہے۔ میں ان کی حالت دیکھ کر غور کر رہا ہوں کہ ضعیفی آ گئی ہے، کمزور ہو گئے ہیں، اب فوری ہمت بھی نہیں اور روپے پیسے کی ظاہری طاقت بھی نہیں، اگلی منزل بھی دور ہے اور زندگی کا سورج غروب ہوتا نظر آ رہا ہے' سوائے گھبراہٹ کے کیا ہے؟ یہ لائن دشوار بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اس میں باقاعدہ اور پوری پابندی سے چلا جائے تو بفضلہٖ حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ زندگی کے مدوجزر کا پتہ نہیں ہوتا اس لئے وقت پر ہی ہمت کرنا اور وقت پر ہی چلنا اچھا ہوتا ہے۔ جو قدم چار دن بعد اٹھانا ہے بہتر ہے کہ وہ پہلے ہی اٹھا لیا جائے' اس کی کوشش مطلوب کے قریب کر دیتی ہے۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ بر آید ''فلاں نہ ماند''

قال را بگذار:-

ایک معمر شخص حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ میں ۱۹۱۰ء میں اجمیر شریف عرس پر گیا تھا۔

وہاں قوالی ہو رہی تھی۔ جب یہ مصرع قوالوں نے پڑھا:

''میں دوروں چل کے آیاں سانوں رنگ نہیں دیندا؟''

ایک فقیر اللہ کا بیٹھا تھا تڑپ اٹھا۔

فرمایا: اب بولنا بند کر دو۔ حال سے کام لو۔ اپنا کام کرو۔

قال را بگذار و مرد حال شو

جو گیا، جس نے پایا۔ نفع اسے (تمہیں کیا؟) ہمارے دادا جی مسجد میں جا رہے تھے راہ میں تماشا ہو رہا تھا۔ راستہ بند تھا وہ بھی وہیں کھڑے ہو گئے کہ دیکھوں کیا ہو رہا ہے؟ دو منٹ کھڑے ہو کر راستہ بنایا۔ ملنگ چلے گئے۔ معترض کی نگاہ بڑی تیز ہوتی ہے ایک واقف کار مل گئے۔ انہوں نے پوچھا حضرت یہ مسئلہ بتائیے کہ تماشا وغیرہ اگر دیکھیں تو گناہ تو نہیں ہوتا؟ آپ اس کی رمز تاڑ گئے کہ اس نے مجھے تماشا میں کھڑے دیکھ لیا ہے۔ اس معترض سے فرمانے لگے، بھائی قطب الدین! یہ کون آدمی نماز پڑھ رہا ہے؟ وہ کہنے لگا جناب! امام دین۔ کہنے لگے اچھی طرح دیکھ کہ میاں امام دین ہی ہے۔ وہ کہنے لگا ہاں حضرت امام دین ہی ہے۔ آپ نے فرمایا! جو نماز امام دین پڑھ رہا ہے اور تم نے اسے پڑھتے بھی دیکھا ہے کیا اس کا ثواب تمہیں بھی ملے گا؟ کہنے لگا نہیں حضرت! اس کا ثواب تو صرف پڑھنے والے کو ہی ملے گا۔ فرمانے لگے میں تو اس تماشے میں نہیں ناچتا تھا۔ وہاں تو کوئی اور ناچ رہا تھا۔ لہٰذا جو یہ کام کرتا تھا اسے ہی گناہ تھا۔

تو بات یہ ہے کہ یہ عمل کا جو میدان ہے اس میں ایسا وقت بھی آتا ہے جس وقت ساری کتاب عمل سامنے ہو جاتی ہے۔ سر سے پاؤں تک جب انسان کا مطالعہ ہو جاتا ہے اس وقت اگلے پوچھتے ہیں کہ اتنی لمبی عمر تم نے پائی۔ آذرا اپنا شیٹ رول دکھا کہ کیا کچھ کیا ہے؟

ماں کی سوکن:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا! بہلول دانا سیالکوٹی (کے سجادہ نشین) چن پیر صاحب بڑے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ ایک بھنگی ان کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کی لڑکی مسلمان ہو گئی تھی اور اس نے کسی مسلمان سے نکاح کر لیا تھا۔ وہ بھنگی ان کے پاس آیا کہنے لگا میری لڑکی واپس منگوا دیں۔ فرمانے لگے تم کون ہو؟

حضرتؒ نے بڑے سخت مجاہدے کئے تھے۔ نظر کمزور ہوگئی تھی۔ بھنگی نے کہا: میں عیسائی ہوں، میری لڑکی مسلمان ہوگئی ہے۔ عرض یہ ہے کہ وہ واپس چلی آئے تاکہ اپنی برادری میں اس کی شادی کردوں۔ میں (حضرت قبلہؒ) اس وقت چن پیر صاحب کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا مجھے فرمانے لگے نزدیک ہو جاؤ اور میری پیٹھ پر مکے مارو۔ میں آہستہ آہستہ مکے مار رہا تھا۔ مجھے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ ماں کی سوکن، بیٹی کی سہیلی، یہ کیا رشتہ ہے کہ مسلمانوں کے گھر سے نکال کر ''لا الہ'' چھڑا کر لڑکی اسے دلاؤں۔ بھنگی سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے: تیرے ساتھ رشتہ داری اور رسول کے ساتھ دشمنی۔ چلا جا یہاں سے! وہ اٹھ کر ذرا پیچھے دائیں طرف ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔ مجھے کہنے لگے کہ اسے کہو کہ یہاں سے چلا جائے۔ لڑکی نے نہیں آنا۔ اس نے اب اگلا جہاں پاک کرلیا ہے۔ پھر بھنگی کو کہا کہ اگر اسے ملنا چاہتا ہے تو جا تو بھی ''لا الہ'' پڑھ لے۔ میں نے کہا اب جاؤ اور کیا اجازت لینی ہے۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔

پردے میں کام:-

کچھ دیر بعد ایک اور نوجوان لڑکا وہاں آ گیا اور پیر صاحب کو کہنے لگا سرکار امر ہو تو اسے نکال لاؤں۔ مجھے فرمانے لگے اس بدبخت سے پوچھو کہ کوئی اور جگہ ہو تو تیرے ساتھ ہاں بھی کریں۔ وہ تو تیری ماسی لگتی ہے۔ کم بخت اپنی ماسی کو اغواء کرنا چاہتا ہے۔ وہ نوجوان شرمندہ ہو کر مجھے کہنے لگا'' حضرت! تو پھر چلا جاتا ہوں۔ میرا مطلب تھا کہ پردے میں کام ہو جائے گا۔ مگر ان کی نگاہیں بڑی دور تک جاتی ہیں۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بھائی! ان لوگوں کی توجہ سے مولیٰ کریم رحمت فرمائے۔ تلاش سچی ہو تو آدمی محروم نہیں رہتا۔

پہلے کتا نکالو:-

ملتان سے ایک صوفی منش بزرگ تشریف لائے اور عرض کی کہ آپ کا ایک پرانا مرید غوث العالمین حضرت ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر قیام پذیر ہے مزار شریف کے متولی اسے وہاں سے نکالنے کے درپے ہیں۔

فرمایا: پچھلے دنوں میں ملتان حاضر دربار ہوا تھا اپنے، اس دوست (مرید) سے میری بات چیت ہوئی تھی۔ میں نے اسے کہا کہ حضرت غوث العالمین رحمتہ اللہ علیہ برصغیر ہندو

پاکستان میں ہمارے سلسلے کے مورث اعلیٰ ہیں۔ ہم نے ان سے وہی چیز حاصل کرنی ہے جو ہمارے سلسلے سے تعلق رکھتی ہے۔ باقی دنیا کی جو چیزیں ہیں ان پر نظر نہ رکھو۔ درویشی درحقیقت اسباب پر چھیڑ خانی کا نام نہیں۔ چند دن ہوئے وہ میرے پاس یہاں بھی آیا تھا اور کہنے لگا حضرت میں سب کچھ چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے کہا یہ سب کچھ چھوڑنا تو بڑی بات ہے۔ تم حضرت غوث العالمینؒ کے دربار میں ہی پڑے رہو۔ تقسیم میں جو حصہ ملے گا اور جہاں کا حکم ہوگا وہاں پھر نوکری دینا' کیونکہ روٹی کمانا درویشی کا مقصود نہیں۔ اس مقام پر آپ نے وہ واقعہ جو صفحہ نمبر ۱۱۳ پر بہ عنوان ''دو خدا؟'' درج ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

درویشی کا مطلب اس سے لگاؤ ہے نہ کہ دنیا کو چھوڑ کر دنیا کے قبضے میں چلے جانا۔ تو ایسی باتیں بعض اوقات ہوتی ہیں۔ کتا کنویں میں گر جائے تو محض پانی نکالنے سے کنواں پاک نہیں ہوتا جب تک کہ پہلے کتا کنویں سے باہر نہ نکالا جائے۔

داغ:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ایک دفعہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک برہمن آیا۔ کہنے لگا آپ کو تو ''سلطان الہند'' کہتے ہیں مگر میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے دل پر ایک سیاہ داغ ہے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا: ہاں تو نے جو دیکھا ہے صحیح ہے' لیکن بیٹھو تمہیں ایک بات بتاؤں۔ تم نے رب کی یاد کا سبق جو پکایا ہے وہ خوب پکایا ہے۔ اس میں خوب جلا آگئی ہے مگر ایک منٹ کے لئے اس سبق کے ساتھ ''محمد الرسول اللہ'' کہہ کر پھر دیکھو۔ چنانچہ اس نے اسی طرح سبق پڑھا۔ فرمایا: اب دیکھو۔ اس نے اب جو توجہ کی تو داغ نظر نہ آیا۔ کہنے لگا حضرت اب وہ داغ نظر نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا وہ انکار رسالت کا داغ تھا جو اس آئینے سے (انگلی سے اپنے سینہ مبارک کی طرف اشارہ کیا) تمہیں نظر آتا تھا۔ تو اس شیشے سے وہ داغ دیکھ کر کہہ رہا تھا۔ اب ''محمد الرسول اللہ'' کہنے سے وہ داغ دھل گیا ہے۔

سائل کو فرمایا: تو یہ بڑے باریک باریک سے فریب ہیں جو بزرگان دین نے واضح فرمائے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ انسان دوسرے کی بجائے اپنا مطالعہ کرے کہ میں کیا ہوں؟ پھر کامیاب ہوتا ہے۔

سائل نے عرض کی حضرت! یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

فرمایا: ہاں! اولیاء اللہ جب تک اس کا ڈھب نہ سکھائیں انسان اپنا مطالعہ آپ نہیں کر سکتا۔

کلمہ تمجید پڑھا کر:۔

سائل نے پھر عرض کی کہ اکثر لوگ نفس کے جال میں پھنسے رہتے ہیں۔

فرمایا: ایک دفعہ حضرت غوث الاعظمؒ نے ایک جمعہ کو دوران وعظ فرمایا کہ اس وقت میری مجلس میں ایک شخص آ کر بیٹھا ہے جس نے دوپہر کا کھانا بیت المقدس میں کھایا ہے اور ظہر کی نماز میرے ساتھ پڑھ رہا ہے' لیکن میں اسے کہتا ہوں کہ اس بات کے سننے کے بعد وہ کلمہ تمجید پڑھا کرے۔ جمعہ کے بعد لوگوں نے پوچھا کہ حضور اس تلقین کا مطلب؟ آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ابدال وقت تھا' جب میں نے اس کی حقیقت کو بیان کیا تو اس کا نفس خوش ہوا تو میں نے اس شخص کو ہدایت کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ تیرے نفس کا کمال نہیں۔ تو کلمہ تمجید پڑھا کر تاکہ شیطانی وسوسہ نہ آ سکے۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ان لوگوں کے ساتھ اگر سلسلہ اور لگاؤ صحیح ہو جائے تو حقیقت یہ ہے کہ انسان ان بزرگوں کی دعاؤں اور توجہ سے بہت کچھ بن سکتا ہے۔

لبیک یا عبدی:۔

ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ زیارت کے لئے آیا ہوں میرے حق میں دعا فرمائیے۔

مسکراتے ہوئے فرمایا: کوئی ایک دعا میرے ذمے لگا دیجئے وہ میں مانگ دوں گا۔ رسمی دعا کا میں قائل نہیں۔ دعا کا مفہوم بھی بالکل عجیب ہے۔ وہ ذات ہمیشہ اپنی مخلوق کی سنتی آئی ہے اور کرم نوازی کرتی رہتی ہے۔ اسے پتہ ہے کہ میرے بندوں کا میرے سوا اور کوئی نہیں۔ اگر میں نہ سنوں تو اور کون سنے۔ اس لئے وہ ذات کرم نوازی کے ساتھ سنتی ہے۔ مانگنے کے لئے بڑا وسیع میدان ہے۔ اس لئے جو آپ کہیں گے وہ اس کے دربار میں عرض کر دوں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے کا ایک قصہ میں نے ایک کتاب میں پڑھا کہ کوئی بت پرست بت خانے میں بیٹھا بت کے آگے رات کو یہ دعا مانگ رہا تھا۔ "یا صنمی!

قبول حاجتی" اے میرے بت میری حاجت کو پورا کر۔ یہی پکارتا رہا کوئی آواز نہ آئی۔ نہ ہی آنی تھی۔ یہ پکارتے پکارتے اس کے منہ سے نکل گیا "یا صمدی! قبول حاجتی" ۔صمد کے معنی ہیں بے نیاز۔ غیب سے آواز آئی "لبیک یا عبدی" اے میرے بندے میں حاضر ہوں مانگ کیا مانگتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس بت پرست کی یہ کیفیت دیکھ کر بڑے متعجب ہوئے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ مولا کریم وہ تو بت کو پکارتا تھا۔ بھول کر اس کے منہ سے تیرا نام نکل گیا ہے تو نے اتنی جلدی اسے جواب دے دیا ہے۔ حکم ہوا ابراہیم جو تو نے کہا ہے ٹھیک ہے لیکن اتنی دیر وہ بت کو پکارتا رہا کوئی جواب نہ آیا میرا نام اس کے منہ سے خواہ کسی طرح نکل گیا اگر میں بھی چپ رہتا تو پھر مجھ میں اور بت میں کیا فرق ہے؟

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو اس بے نیاز نے اپنی مخلوق کی ہمیشہ سنی ہے اور ہمیشہ کرم نوازیاں کی ہیں، اس لئے ایک دعا میرے ذمے لگا دیں۔

نیکی کرنا مشکل :-

ایک مجلس میں فرمایا: وہ ایک ہوتا ہے نا کہ کسی کو کہا جائے کہ نیکی کر۔ اب ایسا وقت ہے کہ اگر بغیر کسی کے ساتھ کلام کرنے کے ایک بندہ خاموشی سے صراط مستقیم پر چلتا جائے، کسی کو نہ چھیڑے اس کو بھی نیکی نہیں کرنے دیتے۔ فتنہ تو یہ پیدا ہو گیا ہے کہ نیک کو بھی اس کی مرضی کے مطابق نیکی نہیں کرنے دیتے۔ بڑی بڑی باتیں سنتے ہیں۔ سوائے اس کی توفیق کے انسان بچ نہیں سکتا۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے ایک جگہ دیکھا کہ مسجد کے دروازے کے آگے شیطان کھڑا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑا ہے؟ کہنے لگا ایک آدمی مسجد کے اندر نماز پڑھ رہا ہے، اسے ورغلانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا پھر باہر کھڑے کیا سوچ رہے ہو؟ شیطان نے جواب دیا کہ میں اندر جانے سے ڈرتا ہوں اس لئے کہ اس کے پاس ایک آدمی لیٹا ہوا ہے جو عالم ہے۔ اگر میں نے اسے ورغلانے کی کوشش کی اور اس نے مسئلہ اس عالم سے پوچھ لیا تو میری محنت اکارت جائے گی۔

سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے سائل کو فرمایا:

آج کل ماحول اتنا تنگ ہو گیا ہے کہ خدا بچائے۔ اگلے دن کی بات ہے اپنے ایک

دوست (مرید) ہیں اس کے والد نے اسے کہا کہ بیٹا حقہ نہ پیا کر۔ اسے بچپن سے حقہ پینے کی عادت تھی۔ وہ سن کر چپ ہوگیا۔ باپ نے پھر کہا۔ اس نے کہا جی کوشش کروں گا۔ آہستہ آہستہ چھوڑ دوں گا۔ ایک دفعہ نہیں چھوڑ سکتا۔ دوسرے دن وہ لڑکا یہاں آیا' دوسرے دوستوں کے روبرو میں نے اسے یہ حدیث سنائی کہ ایک صحابی کہیں باہر سے آرہے تھے' راستے میں انہیں ایک اور صحابی ملے انہوں نے دیکھا کہ وہ صحابی جو سامنے سے آرہے ہیں ان کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی ہے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا' مصافحہ کیا تو کہا دوست! تم نے یہ انگوٹھی پہن رکھی ہے' کیا تم نے نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سونا مرد کے لئے حرام ہے؟

یہاں سے رخصت ہونے کے بعد اس لڑکے نے حقہ پینا چھوڑ دیا۔ اس کا باپ صرف اس بات پر اس سے ناراض ہوگیا کہ تم نے اپنے پیر کے کہنے پر حقہ چھوڑا ہے میرے کہنے کی پرواہ نہیں کی۔ بیٹے نے کہا کہ آپ کی بات تو پوری ہوگئی ہے نا؟

تو حضرت! اب نیکی کرنی بھی ایک مصیبت بن گئی ہے کہ بھئی فلاں بزرگ کے کہنے پر نیکی کیوں کی ہے' میرے کہنے پر کیوں نہیں کی؟

ڈانگ نال ٹنڈ:۔

سید ممتاز حسین سہروردی نے خانیوال کے ایک پیر بھائی کی پیر خانے کی طرف عدم رجوع کا ذکر کیا۔

فرمایا: ہمارا کام بازو پکڑنا ہے اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کے متعلق چودھری یوسف صاحب نے اسے ایک طویل خط لکھا تھا اور اس پر یہ بات واضح کی تھی کہ فقیر کا دروازہ ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ ہر کوئی بقدر استطاعت کسب فیض کرتا ہے اسے اپنی گزشتہ غلطیوں کا احساس کرنا چاہئے۔ گزشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط کے اصول پر عمل کرنا چاہئے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنا محاسبہ کرتا اس نے چودھری صاحب کے خط پر اظہار ناراضگی کیا۔ اگر برا منایا ہے تو اپنا ہی نقصان کیا ہے۔

مرد باید بگیرد اندر گوش گر نوشت است پند بر دیوار

اگر کوئی سمجھ دار آدمی اپنی راہنمائی کے لئے اپنے نقص کو محسوس نہیں کرتا تو وہ غلطی کرتا ہے۔ اصول یہ ہے کہ خوف احساس کا نام ہے' ایک آدمی سویا ہوا ہے اس کے سرہانے شیر

آ کر کھڑا ہو جائے یا اس کے بازو پر سانپ چڑھ جائے تو جب تک وہ سویا ہوگا اسے خوف نہیں آئے گا۔ اس لئے اگر وہ محسوس نہیں کرتا تو یہ اس کا اپنا نقصان ہے۔ جو دوست (مرید) اس اصول کے پابند ہیں کہ: ''یکے را گیرو دیگرے را دعوے کن'' اور جو کام انہیں بتایا جائے وہ کرتے رہیں اور اس دوران اپنی غرض کا نقشہ بھی بتاتے رہیں تو یہ بات پسند آتی ہے۔

شاہ صاحب! مانگنے کا بھی سلیقہ ہوتا ہے۔ ڈانگ نال ٹنڈ باندھی ہوئی اے۔ میں نہیں منگدا ٹنڈ منگدی اے۔

پوٹھوہار یہ راجہ بھیک مانگنے نکلے تو کہتا ہے ''راجے ہوراں نوں خیر پاؤ'' (راجہ صاحب کو خیرات دو) ایک دفعہ اندرون خانہ سے کسی مائی نے کہا فقیر اللہ کے! ہاتھ نہیں خالی۔ ڈانٹ کر کہنے لگا راجہ بھی نہیں کہتی اور خیر بھی نہیں دیتی۔

غور کیجیے اتنی بے حوصلگی سے دنیا کے حصول کا ثبوت دینا کہاں کی مصلحت اور دانائی ہے!

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

رب العزت کی مہربانی سے سب کو دیتا ہے۔ یہ سب اس کی رحمت کا صدقہ ہے جو بانٹا جا رہا ہے ہم نے اپنی طرف سے کیا دینا ہے۔

اس مقام پر حضرت قبلہؒ نے چودھری محمد شفیع سہروردی (خلیفہ مجاز) والا واقعہ جو صفحہ نمبر ۱۴۶ پر بعنوان ''یہ بلندی یہ انکسار'' ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا:

مار میں لذت:-

ایک جگہ چند درویش بیٹھے تھے ان میں سے ایک نے کہا محبت کی تعریف کرو۔ ایک نے کہا جو یار کہے وہ کرو۔ دوسرے نے کہا یار کی مرضی کے مطابق اپنے آپ کو بناؤ۔ تیسرے نے کہا محبت یہ ہے کہ اپنے ضمیر یا نفس کی تمنا کو چھوڑ دو اور یار کے ہو جاؤ۔ چوتھے نے کہا کہ یار کے ہر حکم پر قربان ہونے کے لئے تیار رہو:

حضرت عبداللہ بن سہل تستری رحمتہ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں تشریف رکھتے تھے۔

! سلیقہ مے کشی کا ہو تو کر لیتی ہے محفل میں نگاہِ لطف ساقی مفلسی کا اعتبار اب بھی (مولانا ظفر علی خانؒ)

فرمانے لگے یہ سب تعریفیں غلط ہیں۔ محبت یہ ہے کہ محبوب کی مار میں لذت آئے۔

رحمت کا صدقہ :۔

ایک صاحب نے اپنی کم تری کا اظہار کرتے ہوئے دعا کے لئے عرض کی۔

فرمایا: کمتری کا احساس کہ میں منزل سے دور ہوں درحقیقت منزل کی طرف تیز قدم اٹھواتا ہے کہ میں ٹھیک رستے پر جا رہا ہوں۔

جاؤ! اللہ برکت عطا فرمائے۔ سرکار دو عالم کی رحمت بڑی چیز ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ دنیا حضور علیہ السلام کا صدقہ کھا رہی ہے اور انہیں کے طفیل جلدی یا بدیر منزل مقصود مل جاتی ہے ورنہ اپنی تو نہ کوئی ہمت ہے نہ کوئی جرات۔ تلاش کا مسئلہ ہے' آدمی کا تو کام ہے کہ چلتا جائے اور نتیجے کو اس ذات حقیقی کے حوالے کر دے۔

محبوبے ندارند :۔

صوفی محمد نذیر غوری صاحب نے عرض کی کہ ہم داتا گنج بخشؒ کے مزار سے آ رہے ہیں۔ سبحان اللہ کیا اولوالعزم درویش ہیں' وہاں حاضر ہو کر دل کو خاص قسم کا سرور حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: جب آپ ایک بات کو تسلیم کرتے ہیں تو اس کے لوازمات کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ اگر آپ حضرت گنج بخشؒ کو بزرگ مانتے ہیں اور یہ کہ وہ اپنے زمانے میں بڑے اولوالعزم درویش گزرے ہیں تو اسی حد تک ان کی تعلیم، ان کا ادب اور ان کا احترام یہ بھی جائز ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سب کچھ جائز ہوتے ہوئے ہم گنج بخشؒ کے دربار پر کیوں جاتے ہیں؟ وہ غوث ہیں، قطب ہیں سب کچھ ہیں ان کی وفات کے ایک ہزار سال بعد بھی ان کے مزار پر جانے کا آخر کیا مقصد ہے؟ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں مزار پر آنے والوں کا گھاٹا ہے اور ہم اس کمی کو پورا کرتے ہیں۔ ان چیزوں سے جانے والے کا تعلق نہیں بلکہ یہ ہے کہ علی ہجویریؒ ایک بچہ پیدا ہوتا ہے آخر وہ اپنی زندگی میں داتا گنج بخشؒ کیسے بن گیا؟ ہم ان کے پاس اس لئے جاتے ہیں کہ جس طریقے سے آپ گنج بخش بنے ہیں' وہ راز ہمارے کان میں بھی بتا دیں تا کہ اس کے فیض سے ہم بھی خدا کے اتنے قریب ہو جائیں جتنے آپ ہیں۔ ان کے مزار کے ستونوں اور سہروں کو چومنے سے آخر ہمارا کیا تعلق یا مقصد ہے؟ تعلق یہ ہے کہ ان کی زندگی سے انسان وہ سبق حاصل کرے جس سے وہ رب العزت کے حضور

میں مقبول بن گئے ہیں تاکہ ان کے سمجھانے اور رب العزت کی مہربانی سے اور کوئی ''گنج بخش ثانی'' بن جائے' نہ اس لئے کہ وہ اپنا بناوٹی اسلام بنانے کی کوشش کرے اور اسے حق اور صراط مستقیم سمجھے۔ صراط مستقیم وہ ہے جس پر گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ عمل پیرا ہوئے۔ اس کی ترکیب سیکھو' کیونکہ اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔

آج ایک شخص آیا۔ وہ اجمیر شریف جا رہا تھا۔ کہنے لگا مجھے کوئی ہدایت فرمائیں۔ میں نے کہا وہاں جا کر نہایت باادب بیٹھنا اور دعا مانگنا کہ یا اللہ اس مقبول کے طفیل مسلمانوں پر رحم فرما!

ہم نیک ہیں یا بد ہیں آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے گو حال برا ہے

میرا اسلام عرض کرنا۔ کہنے لگا اور کوئی بات؟ میں نے اسے کہا اور کوئی بات اس لئے نہیں کہتا کہ ممکن ہے ان الفاظ میں تم وہ بات نہ کہہ سکو۔ عرض کرنا کہ پرتھوی راج کو جوتے مار کر نکالنے میں یہ کمال اور نہرو کو داخل کرنے میں یہ محبت۔ اس کے معنی؟ یہ نہرو بھی تو اس کا بھائی لگتا ہے۔ پرتھوی راج کے معاملہ میں یہ اصول کہ کافر کو تبلیغ کرنا' کفرستان میں اسلام لانا اور نہرو پر یہ ذرہ نوازی کہ وہ مسلمانوں کو تنگ کر رہا ہے اور کتوں کے ٹھیکرے پانی پلا رہا ہے' اس کے متعلق اس سے کوئی باز پرس ہی نہیں۔ مسلمانوں کے حق میں دعا فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اور وہ عزت کی زندگی بسر کر سکیں۔ اب یہ مجاہد کیا بنیں گے یہ تو روٹی کے ہو گئے ہیں۔ وہ راہ انہیں بتائیں جس راہ سے آپ اجمیر داخل ہوئے۔ اگر توفیق ہوئی تو یہ پیغام خواجہ غریب نواز ؒ کو دے دینا اور اگر پیغام کا جواب سننے کی توفیق عطا ہو گئی تو وہ بھی سنتے آنا۔ بڑی مشکل تو یہ آ گئی ہے کہ مسلمان صحیح مقصد پر زندہ رہنے کی تمنا نہیں رکھتا۔ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

شبے پیش خدا بگریستم زار — مسلماناں چرا زار ند و خوارند؟
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم — دلے دارند و محبوبے ندارند

حسن پسند:-

صوفی عبدالکریم سہروردی نے عرض کی کہ میں حضرت داتا گنج بخش ؒ کے مزار پر گیا تھا

وہاں ایک پٹھان عجیب سوز و گداز اور درد سے قرآن شریف پڑھ رہا تھا۔

فرمایا: حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ہر ایک کے ساتھ عجیب عجیب تعلق اور عجیب عجیب پیار ہے۔ عرصہ ہوا ایک شخص بڑے سوز و گداز اور خلوص سے وہاں قرآن پڑھا کرتا تھا۔ کئی سال وہاں بیٹھا قرآن پڑھتا رہا مگر جس مقصد کو ذہن میں لے کر گیا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔ ایک دفعہ ایک شخص آیا اس نے وہاں مزار شریف پر شور مچایا اور جس طرح اس کی عادت تھی اسی طرح عرض کیا۔ اس کا کام ہو گیا۔ حضرت داتا صاحبؒ سے کسی رب کے بندے نے پوچھا (یہ حضرت صاحب قبلہؒ خود تھے) کہ حضور یہ کیا راز ہے کہ ایک تو کئی سالوں سے عجز و انکسار کی تصویر بنا در دولت پر پڑا ہے اور قرآن کی تلاوت انتہائی خلوص اور سوز و گداز سے کر رہا ہے مگر ابھی تک محروم ہے' اس کے برعکس دوسرا اپنی عادت کے مطابق شور مچا کر ادھر حاضر ہوا اور ادھر اپنا کام کرا کر رخصت ہو گیا۔

(حضرت داتا صاحبؒ) فرمانے لگے: بات یہ ہے کہ یہ شخص قرآن بہت اچھا پڑھتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہیں بیٹھا یہ قرآن پڑھتا رہے اور ہم سنتے رہیں۔ اگر اس کا کام ہو گیا تو یہ چلا جائے گا۔

تو صوفی صاحب! اب اس پسندیدگی کا کیا علاج؟

تسبیح کا دانہ:-

بات اصل میں یہ ہے کہ بزرگوں کا تو کوئی فرق نہیں ہوتا۔ بابا فرید رحمتہ اللہ علیہ بہشتی دروازہ بنا گئے کہ جو اس راہ سے گزرے گا بہشتی ہو جائے گا۔ اب لوگ ہیں کہ گزرنے کی بھی تاویلیں' وہاں جانے کی بھی تاویلیں اور نتیجے کی بھی تاویلیں کرتے رہتے ہیں۔ اگر مان لیا جائے کہ ایک بزرگ کے بنائے ہوئے دروازے میں سے گزرنے والا بہشتی ہو جاتا ہے تو آخر اس کو ماننے میں کیا گناہ ہے؟ سوال یہ ہے کہ ایک بزرگ کے نقش قدم پر چلنے سے اگر آدمی جنتی ہو جاتا ہے تو اس کے دروازے میں سے گزرنے میں آخر کیا گھاٹا پڑتا ہے؟ زندگی کا صحیح نصب العین یہ ہونا چاہئے کہ مولیٰ کریم تیرے محبوب کے طفیل کروڑہا مخلوق تیری مقرب ہو گئی۔ جب اتنی لاتعداد مخلوق پر ایسی کرم فرمائی کی ہے تو ہم جیسے گنہگاروں پر بھی اپنی کرم نوازی فرما دے اور اپنے حبیب کے طفیل اس انعام یافتہ جماعت والوں میں مجھے بھی

کر دے تا کہ یہ بندۂ ناچیز بھی اس تسبیح کا ایک دانہ بن جائے۔ مگر اس طرف یہ لوگ نہیں جاتے بلکہ بناوٹ کی طرف بھاگتے ہیں۔

چرواہا بکریاں چراتا ہے بعض وہ ہوتی ہیں جو اس کی ہدایت کے مطابق عین راستے پر چلتی ہیں۔ بعض وہ ہوتی ہیں جو کبھی ادھر بھاگ کھڑی ہوتی ہیں، کبھی اس کھیتی میں منہ مارنا شروع کر دیتی ہیں اور کبھی بیری پر جا چڑھتی ہیں۔ وہ دو تین مرتبہ تو انہیں چھی چھی کر کے منع کرتا ہے مگر وہ بھیڑ یا بکری جو بار بار کھیتی میں منہ مارنے سے باز نہیں آتی تو چھڑی مار کر وہ اس کی ٹانگ توڑ دیتا ہے۔ پھر وہ سب سے پیچھے رہتی ہے، بھوکی بھی رہتی ہے اور مار بھی کھاتی ہے۔

اس لئے شیخ جو بتائے اس پر عمل کرو۔ اس میں اگر کوئی کوتاہی یا لغزش ہو جائے تو اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ مگر یہ بات کہ شیخ کو کہنا کہ فلاں کام بھی آپ کریں اور فلاں بھی آپ۔ یہ کون سا طریقہ ہے کہ ہر بوجھ شیخ پر ڈالا جائے آخر پیر کیوں کرے؟ رعایتی نمبر تو اسے ملتے ہیں جس نے کچھ نہ کچھ کیا ہوتا ہے اور کامیابی میں صرف تھوڑی سی کسر باقی رہتی ہو۔ جس طالب علم نے سارا سال پڑھا ہی نہیں وہ سفارش کرائے کہ مجھے ایسے ہی پاس کرا دیا جائے اور سفارش نہ مانی جائے تو فیل ہونے پر قصوروار کون ہے؟ ماسٹر یا طالب علم؟

بالغ:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: بزرگان دین نے جس وقت کسی کو بیعت کیا اسے سبق بتایا تو اس نے مجاہدہ کیا، ریاضت کی اور نتیجے سے بے نیاز ہو گیا۔ وہ بڑے مزے سے چل رہا ہے۔ جس وقت چلانے والا دیکھتا ہے کہ اب یہ اس قابل ہو گیا ہے کہ کسی اور کا بھلا کر سکے تو وہ اسے اجازت دے دیتا ہے کہ میاں لے یہ پگڑی۔ ''اللہ اللہ'' کر اور جو مخلوق تجھے اچھا سمجھے اس کی مدد کر۔ وہ بھی اپنی خلافتیں لے کر جس طرف شیخ کا حکم ہوا چلے گئے اور کام کرتے رہے۔ یہ تو کسی نے نہیں پوچھا کہ مجھے خلافت دو، یہ تو کسی نے نہیں پوچھا کہ مجھے پگڑی بندھاؤ!

نال شرابے رنگ مصلّی جے ہادی فرمائے
کیوں جو واقف کار حقیقی دھوکا مول نہ کھائے

اس لئے کہ پیر کو خبر ہے کہ یہ کس منزل پر ہے۔ کب اسے پگڑی پہنانی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ اس وقت اس منزل پر جا رہا ہے۔ بچہ چھوٹا ہو تو والدین جھولی میں اٹھائے پھرتے ہیں۔ ذرا بڑا ہوتا ہے تو انگلی پکڑاتے ہیں۔ جب اور بڑا ہوا تو انگلی چھڑا دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بغیر آسرے کے چلتا رہے۔ کچھ عرصہ اسی طور نگاہ میں رکھتے ہیں۔ جب بغیر آسرے اور نگہداشت کے جانے کے قابل ہو جاتا ہے تو پھر اس کے ساتھ نہیں جاتے۔ جب جوان ہو جاتا ہے اور اپنی روزی کمانے کے قابل سمجھتے ہیں تو کہتے ہیں جا میاں اب خود کما اور کھا۔ اسی طرح جب شیخ خرقہ خلافت دے کر اجازت مرحمت فرماتا ہے تو اس کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ اب یہ شیخ بننے کے قابل ہو گیا ہے۔

بزرگوں نے لکھا ہے کہ کشف و کرامت ایسے ہیں جیسے عورت کے لئے حیض و نفاس۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب کسی لڑکی کو پروان چڑھنے پر حیض و نفاس آئے تو یہ اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ لڑکی اب بالغ ہو گئی ہے اور کسی کا گھر بسانے کی اہل بن گئی ہے۔ وہ لڑکی سنِ بلوغت کو پہنچنے پر شور نہیں مچاتی یا یہ ڈھنڈورا نہیں پیٹتی کہ مجھے حیض آنا شروع ہو گیا ہے بلکہ والدین اس کی بلوغت پر خود ہی سمجھ جاتے ہیں۔ اسی طرح درویش پر برکت و کرامت کا ظہور ہونا اس بالغہ کی طرح ہے جسے حیض آنا شروع ہو گیا ہے۔ لہٰذا جب درویش سے ظہور کرامت ہونے لگے تو گویا وہ بالغ ہو جاتا ہے اور شیخ سمجھتا ہے کہ اب یہ کسی کا گھر آباد کر سکتا ہے۔ پھر وہ اسے خلافت عطا فرما دیتا ہے۔ اس لئے طالب کو چاہئے کہ اپنی دھن میں شیخ کے حکم پر سرنگوں اور بے چون و چرا چلتا جائے۔ استعداد بفضل ایزدی پیدا ہوتی جائے گی۔ سالک کو یہ پتہ ہے میں نے اس سے کیا کام لینا ہے۔ کسی کو کہا وہاں چلا۔ جا کسی کی ڈیوٹی کہیں لگا دی۔ شیخ کو بھی پتہ ہوتا ہے کہ اس نے خدمت کرنی ہے۔ اگر اس کی ڈیوٹی لگا دی تو یہ ٹھوک بجا کر خدمت کرے گا چنانچہ حضرت معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کو اجمیر بھیج دیا کہ جا پرتھوی راج سے ٹکر لے۔ پاس نہ کوئی توپ ہے نہ تفنگ۔ صرف ایک دل ہے کہ ''لا الہ'' سے روشن، ایک سینہ ہے جس میں خدا کے خوف کے سوا کسی کا خوف نہیں۔ دوسری طرف پرتھوی راج ہے، فوجوں کا مالک، راجپوتانے کا سرکردہ، بڑا بدمعاش، تمام راجوں سے چوٹی کا مہاراجہ۔ ادھر معین الدین رحمتہ اللہ علیہ۔ صرف خدا پر صحیح تقویٰ ہے۔ آخر نتیجہ یہی نکلا کہ پرتھوی راج کی حکومت معین الدین کے لوٹے مصلے سے ٹکرا کر تباہ ہو گئی۔ تو اس

لئے یہ طاقت پیدا کرنی چاہئے اور یہ دعا مانگنی چاہئے کہ اے باری تعالیٰ ان مقدس پاؤں کے طفیل ہم پر بھی کرم نوازی فرما۔ مریں تو تیرے محبوب کے کہلا کر مریں۔ جئیں تو تیرے محبوب کے دین کی خدمت کر سکیں۔ جس وقت اس سٹیج پر پہنچو اس طرح بننے کی کوشش کرو۔ ہوسکتا ہے کہ رحمت الٰہی موجزن ہو تو کسی بہت برے کو بھی اپنی آغوش میں لے لے۔

یہ بڑے نصیب کی بات ہے

حقیقت کی طرف:-

ایک مجلس میں فرمایا: مسلمان کے دل میں ذوق اور اسلام کا نور ہو تو خواہ وہ امارت کی کسی سٹیج پر کیوں نہ پہنچ جائے، اس میں یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ مجھے خدا کا ہونا چاہئے اور خدا میرا ہونا چاہئے۔ جن دنوں شیخ دین محمد گورنر سندھ تھے میں ان کے ساتھ ایک دفعہ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ سوال کرتے جاتے اور میں جواب دیتا رہا۔ انہوں نے مجھے دس منٹ کے لئے بلایا تھا مگر سوال و جواب میں اڑھائی گھنٹے لگ گئے۔ میرے جوابات پر وہ اتنے متاثر ہوئے کہ بے اختیار رو پڑے۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ کسی نہ کسی مقام پر مسلمان بالآخر اپنی حقیقت پر لوٹتا ہے اس کے بغیر اس کا چارہ ہی نہیں۔ یہ لوگ جو دنیاوی طور پر بڑے اور بلند مرتبہ ہوتے ہیں ان کے لئے بھی ایک خاص وقت ہوتا ہے جب یہ رب العزت کے حضور سر ڈال دیں، بغیر وضو کے جھک جائیں یا اس حقیقت کو احساس کی دنیا میں قبول کر لیں۔

حصہ ان کے پاس:-

راقم الحروف کے ایک نوجوان دفتری ساتھی حافظ محمد خالد تھے۔ اگرچہ داڑھی مونچھ صاف تھی مگر صوم وصلوٰۃ کے پابند بلکہ باقاعدہ تہجد گزار اور نہایت ہی کم گو اور کم آمیز تھے۔ حضرت صاحب قبلہؒ کا ذکر اکثر ان سے چھڑ جاتا۔ خاموشی اور تحمل سے سنتے رہتے۔ ایک دن کہنے لگے خاور صاحب! میرے والد سکول ٹیچر تھے۔ گھر کا ماحول دینی تھا۔ بچپن میں ہی قرآن حفظ کر لیا اور ہوش سنبھالتے ہی یہ معمول رہا ہے کہ کسی نہ کسی مسجد میں ہر سال قرآن سناتا ہوں۔ مرد کامل کی تلاش مدت سے جاری ہے مگر کہیں دل نہیں جمتا۔ آپ کی صحبت میں حضرت صاحب قبلہ کے ذکر سے ایک خاص قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے مگر ابھی تک

کشمکش میں ہوں۔ جب تک صحیح طور پر کوئی راہنمائی نہیں ہوتی کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کو جی نہیں چاہتا۔ میں نے کہا میاں! اس لائن میں اگر تمہارا حصہ ہوا تو اللہ تعالیٰ سبب پیدا فرمادے گا۔

تقریباً ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ ایک دن علی الصبح میرے مکان پر زور زور سے دستک ہوئی۔ باہر آیا دیکھا کہ حافظ خالد کھڑے ہیں۔ سانس پھولا ہوا ہے۔ کہنے لگے میں حسب معمول تہجد سے فارغ ہوکر مصلے پر بیٹھا قرآن کی منزل زبانی دہرا رہا تھا کہ اچانک میرے کمرے کی چھت کا ایک حصہ پھٹا اور آسمان سے نورانی شعاعیں جو سرچ لائٹ کو بھی ماند کرتی تھیں مصلے پر میرے عین سامنے پڑنا شروع ہوگئیں۔ مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی جو بیان میں نہیں آسکتی۔ انہیں نورانی شعاؤں میں ایک حسین وجمیل نورانی چہرہ (جس کی شباہت وخدوخال انہوں نے بیان کئے) نمودار ہوا۔ وہ بزرگ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ اسی سے ہاتف غیبی کی ایک پرجلال اور بھاری بھرکم آواز نے مجھے مخاطب فرمایا: ''حافظ خالد! تمہارا حصہ اس بزرگ کے پاس ہے'' اس کے فوراً بعد وہ نور غائب ہوگیا اور کمرے کی چھت اپنی اصل حالت پر آگئی۔ اگرچہ میں نے تمہارے پیرومرشد کی زیارت نہیں کی مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ جس بزرگ کی مجھے زیارت و بشارت ہوئی ہے وہ تمہارے پیرومرشد ہی ہیں۔ جس وقت سے یہ واقعہ ہوا ہے دل قابو میں نہیں۔ بصد مشکل فجر تک کا انتظار کیا اور نماز پڑھ کر بھاگم بھاگ تمہارے پاس پہنچا ہوں۔ مجھ میں اب ضبط کا یارا نہیں۔ خدا کے لئے فوراً مجھے حضرت صاحب قبلہؒ کی خدمت میں لے چلو۔

میں نے کہا بھلے آدمی اس وقت حضرت صاحب قبلہ اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہوں گے۔ ابھی آرام کرو۔ خیر ہم تقریباً آٹھ بجے قلعہ گوجر سنگھ پہنچے۔ حافظ صاحب نے بیٹھک میں داخل ہوتے ہی پہچان لیا اور دبی زبان میں کہا خاور صاحب! یہی وہ بزرگ تھے۔ میں حافظ صاحب کے ساتھ ہی حضرت قبلہؒ کے قریب بیٹھ گیا حضور میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور آہستہ سے مجھے فرمایا عصر کے وقت انہیں لے کر آنا چنانچہ حسب الحکم ہم دوبارہ عصر کے وقت حاضر خدمت ہوئے۔ حضور حافظ صاحب کو اپنی نشست گاہ کے پچھلے کمرے میں لے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد بیعت سے مشرف ہوکر حافظ صاحب بھی باہر آگئے۔ ان کے چہرے کا رنگ عجیب بہار دکھا رہا تھا۔ حافظ صاحب وہاں سے فارغ ہوکر اپنے گھر چلے

گئے۔ اگلے دن حافظ صاحب سے دفتر میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے بڑی گرم جوشی سے مجھے گلے لگا لیا اور میرے ماتھے پر بوسہ دیا۔ میں نے پوچھا بھئی! خیر تو ہے یہ کس خوشی کا اظہار ہے؟ کہنے لگے خاور صاحب مجھے میرا مدعا حاصل ہو گیا ہے۔ حضرت صاحب قبلہ نے سبق تلقین فرمانے کے بعد مجھے حکم دیا کہ آنکھیں بند کرلو۔ میں نے جونہی آنکھیں بند کیں ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ مدینہ منورہ میں موجود ہوں، گنبد خضرا سامنے ہے جہاں پر آسمان سے نورانی شعاعوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ گنبد خضرا کے عین وسط میں پھر حضرت صاحب قبلہؒ کا چہرہ مبارک میرے سامنے آیا۔ آپ میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔ وقت علی الصبح فجر کا تھا اور چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ خاور صاحب! مجھے اس ذات پاک کی قسم ہے جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ چڑیوں کے چہچہانے کی آواز میں نے ان گنہگار کانوں سے سنی ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہوگئی اور حضور نے مجھے آنکھیں کھول دینے کا حکم دیا۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو پھر میں نے قلعہ گوجر سنگھ میں حضرت صاحب قبلہؒ کے سامنے موجود پایا اور وقت وہی عصر کا تھا۔

پیر نہیں مردا:-

ایک دن ایک صاحب عمر تقریباً پینتالیس سال، گورا رنگ، لمبا قد، قمیض پتلون پہنے حاضر ہوئے اور حضرت قبلہؒ سے اپنا تعارف کرایا کہ مجھے محمد عالم خواجہ کہتے ہیں۔ ریلوے میں گارڈ ہوں۔ آج سے تقریباً بیس سال پیشتر یو پی بھارت میں غازی آباد سیکشن پر تعینات تھا۔ اسی زمانے میں بیعت ہوا تھا۔ تقریباً پندرہ سال ہوئے میرے پیر مر گئے ہوئے ہیں۔ سبق جو انہوں نے تلقین فرمایا تھا پڑھ رہا ہوں مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں آ گیا۔ کچھ دن ہوئے آپ کا ذکر خیر سنا۔ حاضر ہوا ہوں کہ رہنمائی فرمائیے کہ وہی سبق پڑھوں یا کوئی آپ ہی تلقین فرما دیں۔

حضور مسکرائے اور فرمایا! ''پیر نہیں مردا مرید ای مویا ہوندا اے'' (پیر نہیں مرتا بلکہ مرید ہی مرا ہوتا ہے) آپ کے پیر کامل ہیں۔ آپ وہی سبق پڑھتے ہوئے بہ مقصد لازم فی الذہن سویا کریں، انشاء اللہ تین راتوں کے اندر اندر آپ کے پیر و مرشد خود تشریف لا کر رہنمائی فرما دیں گے کہ کیا وہی پہلا سبق ہی جاری رکھا جائے یا کوئی اور؟ بعد اجازت خواجہ صاحب چلے گئے۔

غالباً دوسرا یا تیسرا دن تھا وہ حاضر خدمت ہوئے اور آتے ہی جھک کر بڑی عقیدت سے حضور کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کی۔ حضور! میرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔

پشت پر ہاتھ:-

راقم الحروف کی خوش دامن بیعت کی غرض سے حاضر ہوئیں۔ انہیں فرمایا: میرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں سے پوچھ لیا کرتا ہوں کہ اگر آپ کی کشکول میں اس طالب کا حصہ ہے تو اسے بٹھاؤں ورنہ اجازت دے دوں۔ متقدمین کا زمانہ لد چکا جب طالبان راہِ حق پچاس پچاس یا ساٹھ ساٹھ سال ایک درویش کی صحبت میں گزار دیتے اور مجاہدات و ریاضات کرتے رہتے' بالآخر حکم ہوتا کہ تمہارا حصہ یہاں نہیں فلاں جگہ ہے' وہاں چلے جاؤ۔ اب نہ اتنی عمریں ہیں اور نہ لوگوں میں اتنا ضبط و ہمت ہے۔

کچھ توقف کے بعد انہیں فرمایا: آپ کو گزشتہ چند دنوں میں تین مختلف خوابیں آئی ہیں جو بعینہ بیان کرنے کے بعد پوچھا یہ درست ہیں نا؟ ان خوابوں کے اسرار و رموز کا ظہور ابھی تک آپ پر نہیں ہوا اس کے متعلق بھی پوچھ لینے دیجئے۔

چنانچہ سائلہ واپس چلی گئیں ان کے جانے کے بعد راقم الحروف کو فرمایا: آپ کی خوش دامن خاصہ ذوق وشوق رکھتی ہیں۔ نیک ہیں' محنت بھی کی ہے مگر پشت پر چونکہ کسی کامل کا ہاتھ نہیں' اس لئے محنت کا ظہور نہیں ہوا۔ دوسرے یہ کہ ان میں ضبط نہیں' اپنی کیفیات دوسروں سے ذکر کر دیتی ہیں۔ بہر حال اللہ بہتر کرے گا۔[1]

طاؤس فقط رنگ

درویشی یا دکانداری:-

خان فضل الرحمٰن سہروردی نے عرض کی کہ بہت سے لوگوں کو بیعت کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوتا۔ وہ اسے دکانداری سمجھتے ہیں۔

فرمایا: دکان میں کچھ تو ہوتا ہے۔ دال ہوگی، نمک ہوگا، آٹے کی بوریاں رکھی ہوں گی۔ کوئی چیز تو دکان میں ہوگی۔ خالی تو نہ ہوگی۔ مصیبت تو یہ ہے کہ یہ **لوگ خالی جگہ** کا نام دکان رکھ

---

[1] دوسرے دن آپ نے انہیں بیعت سے مشرف فرمالیا۔

دیتے ہیں جہاں کچھ سودا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں ایک بزرگ تھے' حافظ نور احمد صاحب' سارا دن قرآن پڑھتے رہتے۔ صحت بہت اچھی تھی۔ آنکھوں کے حافظ نہیں تھے قرآن کے حافظ تھے۔ روز مسجد کے کنویں سے پانی نکالنا اور سبیل میں لوگوں کے وضو وغیرہ کے لئے پانی ڈالتے رہنا۔ یہ ان کا معمول تھا۔ وہیں ایک صاحب حاجی عبدالرحمٰن بھی تھے جو دکان کرتے تھے۔ ایک دفعہ حافظ صاحب مسجد کے کنویں سے پانی نکال کر سبیل میں ڈال رہے تھے' نیچے حاجی صاحب بیٹھے وضو کر رہے تھے۔ وہ بڑبڑانے لگے۔ حافظ صاحب پردیسی تھے۔ وہ خاموش سنتے رہے۔ حاجی صاحب گالیاں بکنے لگے اور پھر کہنے لگے اس نے قرآن کی بھی دکان بنا رکھی ہے۔ حافظ صاحب کہنے لگے حاجی صاحب! میرے اندر قرآن تو ہے جب ہی تو اسے دکان کہہ رہے ہو۔ کچھ سودا اندر موجود تو ہے نا؟ آپ لوگ یہ کرتے ہیں کہ جھوٹے زیور بنا کر بیچتے پھرتے ہیں۔ کھرے کو کھوٹا' کھوٹے کو کھرا۔ دکان تمہاری ہے یا ہماری؟ یہ چیز اگر دکان ہے تو اس میں کچھ تو ہے۔ اگر کچھ بھی نہ ہو تو یہ ایک گندم نما جو فروشی ہے اور نقصان دیتی ہے۔

دیکھئے دکان کا قصہ بتاؤں۔ ایک دکاندار صبح کو دکان صاف کرتا ہے۔ جھاڑو دیتا ہے، ڈبے وغیرہ جھاڑتا ہے، پھر وہ اللہ کا نام لے کر بیٹھ جاتا ہے۔ اسے یہ ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ خریدار کو بلانے کے لئے آدمی بھیجے۔ وہ کسی کو بلاتا تو نہیں۔ خریدار خود بخود آتے ہیں۔ انہیں پتہ ہوتا ہے کہ فلاں دکان پر فلاں سودا ہے۔ دکاندار شام تک کام کرتا ہے۔ اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ رات کو جب خریداری ختم ہو جاتی ہے تو وہ روکڑ دیکھتا ہے کہ کتنا سودا نقد گیا اور کتنا ادھار، کتنا بھول گیا ہوں جو روکڑ پر نہیں لکھ سکا۔ پھر وہ ایک ایک پائی کا حساب یاد کرتا ہے۔ اگر اس کی دکان کا یہ انجام ہو کہ صبح سے شام تک بیٹھا ہوا ہے اور دکان سات روپے روز پر نقصان میں جا رہی ہے۔ سودا زیادہ بیچا ہے اور پیسے کم آئے ہیں۔ یاد نہیں رہا کہ کسے کسے ادھار دیا جس دکان کا ہر روز یہ حال ہو۔ بتائیے وہ دکاندار مرے گا یا جیئے گا؟ اسے نفع ہو گا یا نقصان؟ حیرانگی ہوتی ہے ان لوگوں پر جن کی ظاہری شکل ماشاءاللہ شریعت کی ہوتی ہے مگر برتاؤ شریعت کے خلاف۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

چوں بخلوت :-

ایک دفعہ گاڑی کے سفر کے دوران کا ذکر ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لمبی داڑھی والا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی پشت والی سیٹ پر ایک اور درویش نما نوجوان بیٹھا تھا جو اپنے وقت اور معمول کے مطابق اٹھا اور اپنا وظیفہ پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ لمبی داڑھی والا بابا اس سے پوچھنے لگا: کیا پڑھ رہے ہو؟ اس نے کہا: کچھ پڑھنے کی عادت ہے۔ بابا کہنے لگا: تمہاری داڑھی چھوٹی ہے۔ دونوں طرف سے اتنی ہونی چاہئے اور لمبائی میں اتنی۔ نوجوان نے کہا بہت بہتر۔ اب یہ فوراً تو بڑھ نہیں سکتی انشاء اللہ بڑھانے کی کوشش کروں گا۔ وہ پھر اپنے اوراد و وظائف میں مشغول ہو گیا۔ دو منٹ بعد بابا پھر اس کے پیچھے پڑ گیا کہ یہ داڑھی چھوٹی ہے۔ میں بھی پاس بیٹھا تھا۔ میں نے اس بابے کو کہا کہ میاں یہ داڑھی جو تم ناپ ناپ کر بتا رہے ہو یہ تو صحیح ہے۔ بالوں کی بنی ہوئی ہے لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کبھی اپنے دل کو بھی ناپا ہے کہ اس کے اندر کیا ہے؟ غصہ تو نہ کرو گے؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا تمہاری چار بیٹیاں ہیں ان کے پیسے کھرے کرنے کی غرض سے تم ان کی شادی نہیں کر رہے۔ حالانکہ وہ بالغ ہیں۔ اپنے یتیم بھتیجوں کی زمین اور جائیداد اپنے ساتھ ملانے کے لئے در بدر پھر رہے ہو۔ اپنی بیوی کی جائیداد کو اپنے نام کرانے کے لئے فلاں پٹواری کو رشوت دے کر آ رہے ہو۔ تمہاری یہ لمبی داڑھی تمہیں کیا نفع دے گی؟ حضور علیہ السلام کے روبرو جب یہ نامہء اعمال پیش ہو گا جو شریعت کے خلاف ہے تو پھر کیا ہو گا؟ تمہیں کچھ شرم آنی چاہئے۔ کبھی دل کو بھی ناپا ہے کہ اس میں کتنی بے ایمانیاں پوشیدہ ہیں؟ کہنے لگا آپ مجھے جانتے ہیں؟ میں نے کہا چھوڑو اس بات کو کہ میں تمہیں جانتا ہوں یا نہیں یا ان باتوں کا مجھے کیسے علم ہوا؟ مجھے یہ بتاؤ کہ میری یہ باتیں صحیح ہیں یا نہیں؟ خواہ مخواہ اس غریب کے گلے کا ہار بن گئے ہو۔ اس کی داڑھی کے یہ چھوٹے بال پاک ہیں مگر تمہاری داڑھی کے لمبے بال اتنے پلید ہیں کہ انہیں دھویا نہیں جا سکتا۔ کیا بات ہے کیا فریب ہے۔

تو بعض وہ لوگ ہیں جو ظاہری شکل کے باوجود نماز پڑھتے ہیں۔ خوبصورت دکھائی دیتے ہیں مگر:

چوں بخلوت می روند آں کارِ دیگر می کنند

انسان کا ظاہر اور باطن ایک ہونا چاہئے۔ اگر اس کا ظاہر باطن کے خلاف ہے تو وہ ڈاکو ہے، فریبی ہے۔

کھوٹا سکہ:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: لوگ بڑی تیزی سے گمراہی کی طرف جا رہے ہیں۔ ایک شخص جو بظاہر بڑا نیک نظر آتا ہے، مطالعہ کے بعد پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی بدعمل ہے اور اس کا یہ روپ اصلی نہیں۔ بظاہر چمکدار دکھائی دینے والا سکہ پرکھنے پر کھوٹا نکلتا ہے۔ اصل صوفیا کا روپ جو شخص اختیار کرے گا اس کا دنیا سے کوئی تعلق یا دنیا داروں کے ساتھ اس کی ہم نوائی نہیں ہوتی۔ کل ایک شخص مجھے گاڑی میں ملا اس نے میرے ساتھ سرکھپائی کرنی چاہی کہ ہم فلاں جماعت کے آدمی ہیں ہم یہ کرتے ہیں، ہم وہ کرتے ہیں۔ میں سنتا رہا۔ جب وہ اس قسم کی باتیں کر چکا تو مجھے کہنے لگا، حضرت! مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ میں نے کہا صاحب! جھوٹ بولنا اگر عیب نہ ہوتا تو میں بھی یہ کہہ دیتا کہ مجھے بھی آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے لیکن جھوٹوں پر چونکہ اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ہے اس لئے سچی بات کرتا ہوں کہ مجھے خوشی نہیں ہوئی، باوجودیکہ جس کا آپ نے اظہار فرمایا ہے کہ میں ایک دینی جماعت کا سیکرٹری ہوں۔ دو حج کئے ہیں، شکل متشرع ہے، نمازی ہوں۔ مگر میں افسوس کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ اپنے متعلق بیان کیا ہے اس کا تعلق ظاہرداری سے ہے۔ میں نے کہا دیکھئے میرے ہاتھ میں شیشے کا گلاس ہے نا؟ کہنے لگا جی ہاں۔ میں نے کہا اس میں مفرح شربت پڑا ہوا ہے اگر اس کے باہر غلاظت مل دی جائے تو کیا کوئی شخص اسے پینے کی جرات کرے گا؟ کہنے لگا جی نہیں۔ میں نے کہا اگر اس گلاس میں پیشاب ہو اور اس کے باہر عرق یا عطر لگا دیں اور پھر گلاس کو خوب پالش کر دیں، پھر کوئی پینے کی کوشش کرے گا؟ کہنے لگا جی نہیں۔ میں نے کہا قرآن نے بتایا ہے کہ ایمان صحیح طور پر لاؤ اور ایمان لانے کے بعد عمل صالحہ کرو ورنہ صرف ایمان کسی کام نہیں آئے گا۔ کہنے لگا ٹھیک ہے۔ میں نے کہا تم ایک دینی جماعت کے رکن اعظم ہو مگر یہ بتاؤ کہ اگر تمہارے دل میں حضور علیہ السلام کی تعظیم نہیں، مولیٰ کریم کی عظمت نہیں تو بناوٹ نے یہ الفاظ جو تمہیں یاد کرائے ہیں کہ ''اجتماعی زندگی ہے تو'' اس نے کوئی لفظ استعمال کیا جو اس وقت میرے ذہن میں نہیں۔ خیر میں نے کہا تم یہ بات کہتے ہو کہ اجتماعی زندگی گزارنی چاہئے۔ انفرادی نہیں۔ یہ بات ٹھیک ہے لیکن کیا آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایک شخص اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے تو کیا آپ اس کے

ساتھ بھی اجتماعی زندگی گزاریں گے؟ ایک اللہ کے خلاف ہے۔ ایک اسلام کے خلاف ہے۔ ایک صحابہؓ کے خلاف اور ایک اہل بیعت کے خلاف ہے تو کیا ان سب کے ساتھ اجتماعی زندگی گزارنے کو تیار ہو یا گزارنی ہے؟ اور اگر گزارو گے تو یقیناً اسلام کے خلاف کرو گے۔ اب وہ چپ ہو گیا۔ میں نے کہا اجتماعی زندگی کا مطلب کتنوں کے ساتھ جوڑو گے؟ کتنوں کے ساتھ توڑو گے؟ اِنَّ الدین عند اللہ الاسلام' اسلام رسول کا اور رسول کے غلاموں کا ہے۔ اسلام کسی زید بکر کا نہیں۔ جس کسی سے بھی تمہارا اختلاف ہے کیا ان کے ساتھ بھی گزارو گے؟ کہنے لگا میں نے یہ بات سمجھ لی ہے پھر کسی وقت آپ کے پاس حاضر ہو کر بات کروں گا۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ تو بات یہ ہے کہ لوگوں نے حضور علیہ السلام کا تدبر' قرآن کا تدبر' قدرت کا تدبر چھوڑ دیا ہے اور اپنے تدبر سے کام لے رہے ہیں۔

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے' طاؤس فقط رنگ

خود فریبی:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: آج کل اگر کوئی شخص شریعت اور طریقت کی رو سے گرا ہوا ہے تو اسے بھی اپنے آپ پر ظن ہے کہ میں ولی ہوں، رہنما ہوں۔ کل گاڑی میں دوران سفر ایک شخص مجھے کہنے لگا فلاں کا درجہ قطب کا ہے۔ میں نے کہا وہ کیا ہوتا ہے؟ چھوٹے کاف سے یا بڑے قاف سے؟ وہ کہنے لگا: کہتے ہیں کہ بڑے قاف سے ہوتا ہے۔ میں نے کہا اس کے معنے؟ کوئی نشانی؟ کہنے لگا: یہ میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا تو پھر اس لفظ کو اپنے پلے باندھنے کا فائدہ؟ قدرتی بات ہے کہ ایک شخص یہ کہے کہ میں لوہار ہوں تو لوگ اسے کہتے ہیں کہ بھئی چاقو بنا دو، قینچی بنا دو وغیرہ وغیرہ۔ ایک کہتا ہے میں بڑھئی ہوں۔ لوگ کہتے ہیں چارپائی ٹوٹی ہوئی ہے' کرسی مرمت طلب ہے اسے بنا دو۔ گویا وہ اپنے بڑھئی ہونے کے دعوے میں پرکھا جاتا ہے۔ اسی طرح ایک کہتا ہے کہ میں موچی ہوں آپ اسے کہیں گے میرا جوتا پھٹ گیا ہے اسے تلے لگا دو' مرمت کر دو۔ غرض یہ کہ ہر مدعی اپنے دعوے میں پرکھا جاتا ہے مگر یہ جو درویشی کا میدان ہے اس میں جو شخص دھاری دار چادر اوڑھ لے' سر نیچا کر لے' آنکھیں بند کر لے اس کی ولایت پر شبہ اور گمان ہوتا ہے اور لوگ اس سے ڈرتے ہیں کہ اس کے اندر

کچھ اور نہ ہو۔ یہ میدان ایسا ہے کہ اس میں پرکھ نہیں رہی، اگر کسی نے جھجکتے جھجکتے عرض معروض کر دی کہ فلاں کام ہے اولاد نہیں ہوتی وہ اس کے جواب میں آخر کچھ نہ کچھ تو کہے گا۔ اگر اس کا کہنا سازگار آ گیا تو وہ اس کی کرامت بنجاتی ہے۔ آج تو اس شخص کی ضرورت ہے جو اس میدان میں اترے جس میں سلطان الہند چشتی اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اترے، داتا گنج بخش سید علی ہجویریؒ اور مجدد الف ثانی سرہندیؒ تشریف لائے اور کام کر کے دکھائے جو ان بزرگوں نے کر کے دکھایا۔ باتوں سے تو کام نہیں ہوتا۔ یا تو ایسے لوگ ابھی تک آئے نہیں اور اگر ہیں تو میدان میں نہیں اترے۔ اللہ کرے کہ:

مردے از غیب بیروں آید و کارے بکند

پرکھ:-

صوفی محمد نذیر سہروردی نے عرض کی کہ سرکار! آج کل ذہنیت ہی بدل گئی ہے۔

فرمایا: اس کا کوئی معیار نہیں، پرکھ نہیں، ہر چمکدار چیز سونا نہیں ہوتی۔

فضل الرحمٰن خان سہروردی نے عرض کی کہ قبلہ! کسوٹی اور پرکھ کی وضاحت فرما دیجئے۔

فرمایا: دیکھو دو لائنیں ہیں۔ ایک لائن تو یہ ہے کہ جس کے اعمال کو پرکھنا ہے اس کے اعمال کو دیکھا جائے کہ آیا یہ نبوت کی طرح ہیں۔ نبوت کے حکم کے مطابق ہیں۔ یہ تو اس کی پرکھ ہے، یہ مسلمانی کے قریب ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہے۔ گویا یہ تو اس شخص (پرکھنے والے) کے متعلق ہے کہ اس کی پرکھ کرے۔ ایک یہ ہے کہ جس چیز کا وہ شخص مدعی ہے اس لائن میں اسے پرکھا جائے اور وہ ہے ولایت۔ ولایت کے جو کام ہیں ان کاموں میں اسے پرکھا جائے۔ اس کے بعد پھر اس کی مخالفت یا موافقت کی جائے۔ اگر کوئی اپنے آپ میں یہ شبہ پاتا ہے کہ میری حیثیت کچھ نہیں۔ مثلاً میں سمجھتا ہوں کہ آپ لوگ مجھ پر نیک گمان رکھتے ہیں۔ اس نیک گمان میں میری ہر الٹی سیدھی بات پر ایمان رکھتے ہیں اس لئے کہ آپ مجھے نیک سمجھتے ہیں مگر میں سمجھتا ہوں کہ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھتے ہیں۔ یہ میں مثال دیتا ہوں۔ میرے پاس ایک شخص آتا ہے اور ولایت کا دعویٰ کرتا ہے۔ میں اسے کہتا ہوں کہ آپ ساکن ولایت ہیں میرا راز نہیں کھل رہا۔ آپ میری رہنمائی اور امداد کریں کہ میں ان گلیوں میں بھٹکنے کی بجائے سیدھے راستے پر چل سکوں۔ وہ مجھے کہتا ہے کہ دس

لاکھ مرتبہ قل شریف پڑھو، سو مرتبہ سورۃ مزمل پڑھو یا اور کوئی وظیفہ بتاتا ہے۔ اب اس کے اس وظیفہ بتانے یا قرآن کی سورتوں کو پڑھنے کی تلقین سے مجھے یہ پتہ چلے گا کہ یہ شخص دراصل مجھے میرے حال پر چھوڑ رہا ہے۔ یوں کہ تمہارے پاس دو چار نیکیوں کے چھکڑے ہو جائیں گے۔ یعنی ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں جو ہوئیں۔ اب آپ ہی بتایئے اس مدعی ءولایت نے میری کیا مدد کی؟ میں تو تب اس کی مدد کا مشکور ہوں گا جب وہ میری کمزوری کے پیش نظر مجھ پر توجہ کرے اور اس الجھن سے جہاں میں رکا یا پھنسا ہوا ہوں نکال دے اور کہے کہ میاں میری ولایت کی رسائی صرف یہاں تک ہے اب تم اس سے آگے چلنے کی کوشش خود کرو یا اپنے شیخ کی طرف رجوع کرو۔ اسی طرح چار دن ہوئے تین عورتیں اور چار مرد میرے پاس آئے ان میں سے ایک عورت نے اپنا قصہ بیان کرنا شروع کیا کہ میں نے بڑے وظیفے کئے ہیں اور بڑا مجاہدہ کیا ہے۔ میں نے کہا کیوں پڑھتی رہی ہے؟ کہنے لگی شوق ہے۔ میں نے کہا شوق سے پڑھنا اور پھر آج تک تیرے دل یا چہرے پر اتنا بھی اثر نظر نہیں آتا جتنا کہ آدمی ایک دفعہ بیٹھ کر درود شریف پڑھ لے۔ آخر یہ کیا کیا ہے؟ جو کچھ پڑھا ہے سب ضائع کیا ہے۔ ایسا پڑھنے کا کیا فائدہ؟ اس لئے کہ تُو تو اس پڑھنے سے ریاکاری اور بناوٹ بڑھا رہی ہے اور محض لوگوں کو جتانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے کہ میں یہ کرتی ہوں، میں وہ کرتی ہوں۔ اس طرح تو گویا تو نے جو پڑھا یا پڑھ رہی ہے سب رائیگاں گیا۔ اس کا خاوند جھٹ بول پڑا کہ حضور آپ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ یہ کسی وقت بھی اپنی بکواس بند نہیں کرتی۔ پاؤ بھر قرآن پڑھے تو کہتی ہے کہ سیپارہ پڑھا ہے۔ رات کو اگر کوئی بزرگ خواب میں دیکھ لے تو کہتی ہے کہ حضور علیہ السلام کی زیارت ہوئی ہے۔ میں نے اسے کہا کہ آپ کی بات صحیح ہے اس میں ضبط نہیں۔ خیر وہ اپنی غلطی اور ریاکاری کو مان گئی۔ میں نے اسے کہا بی بی مزے سے رات کو سوؤ عیش کرو۔ دنیا جہاں کے کام کرو اس لئے کہ جب اس صورت میں یہ عمل کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تو نہ کرو۔ کہنے لگی حضرت میں حج کو جا رہی ہوں۔ میں نے کہا پہلے مجھے یہ بتا کہ کیا وہ لمبے منہ والی زمانے بھر کی کٹنی بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہے؟ یاد رکھ کہ تو اپنی اس بناوٹ اور اس کی صحبت سے سخت نقصان اٹھائے گی۔ حج کے بعد بھی اگر تجھے کچھ فائدہ نہ ہوا تو پھر؟ اس کے بعد اس عورت کا خاوند، بھائی اور پڑوسی مجھ سے باتیں کرتے رہے۔ میں نے کہا تم اسے کیا سمجھتے ہو؟ تم مجھے یہ بتاؤ کہ ایک آدمی حج

کر کے اپنے آپ کو حاجی کیوں لکھتا ہے؟ اگر یہ ضروری ہے تو نماز پڑھنے والا نماز پڑھ کر نمازی لکھے۔ زکوٰۃ دینے والا زکوتی کہلائے۔ آخر حج میں کیا خصوصیت ہے کہ اسے بدنام کیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص یہ چاہتا ہے کہ مجھے حاجی بلایا جائے یا لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو نیک عمل کے اجر کا دنیا میں لینے کا ارادہ کرے ہم اسے دے دیتے ہیں مگر اس کا اجر اگر وہ قیامت میں مانگے گا تو ہم اسے نہیں دیں گے کیونکہ جب اس نے اس نیکی کا اجر دنیا میں طلب کر لیا ہے تو پھر آخرت میں اس نیکی کا عوض کوئی نہیں۔

تو بات یہ ہے کہ ایک تو ہمیشہ مقدم چیز یہ رکھو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ جتنا "اللہ اللہ" کرو وظیفہ پڑھو یہ سمجھو کہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ جہاں سے چلا تھا وہیں ہوں۔ یعنی نیکی کر اور دریا میں ڈال، یہ تکبر کا مقام نہیں کہ لوگوں کو جتاتے پھرو کہ میں نے یہ کیا ہے میں نے وہ کیا ہے۔ اگر تم لوگوں کو کہو کہ میں نیک ہوں تو کیا اس طرح تمہیں کوئی کراؤن لگ جائے گا؟[1] اس لئے نفس کو کہو کہ ابھی تو تو نے کچھ نہیں کیا بلکہ جتنا آگے بڑھا ہے اس سے دس قدم پیچھے کو گیا ہے۔ جو بھی نیک عمل کرو اس پر گمان نہ کرو کہ یہ میرا عمل ہے کیونکہ یہ تو منظور کرنے والے پر منحصر ہے۔ فرض کرو کہ وہ یہ کہہ دے کہ یہ میری شان کے شایان نہیں تو پھر؟ دوسرے یہ کہ جوں جوں آپ وظیفہ یا ورد کرتے جائیں گے۔ بفضل تعالیٰ اس قسم کا نور اور اس قسم کی نورانیت آپ میں پیدا ہوگی کہ آپ سمجھ سکیں گے کہ زید کیا ہے اور بکر کیا ہے؟

مجذوبیّت

مجذوب کا رنگ:-

بمقام چمن مولوی غلام رسول سہروردی نے عرض کی کہ مجھے کسی نے بتایا تھا کہ مجذوب کے پیچھے درود شریف نہ پڑھنا چاہئے وہ غضب ناک ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے ایک ننگ دھڑنگ مجذوب کو دیکھا۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اگر یہ میرے پاس آئے تو میں اسے ایک روپیہ دوں۔ میری جیب میں اس وقت ایک ہی روپیہ تھا۔ میں نے درود شریف پڑھا تو وہ تیر کی طرح میری طرف آیا اور کہنے لگا ایک روپیہ دو۔ میں نے وہ روپیہ اسے دے دیا۔

---

[1] سودا گری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے — او بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے (اقبال)

فرمایا: یہ صحیح ہے۔ مجذوب چونکہ ایک ہی خیال کا حامل ہوتا ہے ایک ہی طرف اس کا دھیان ہوتا ہے' اس کا مطمح نظر ایک ہی ہوتا ہے۔ تکلفات شرعیہ سے باہر ہو جاتا ہے ان کی کیفیت جو بھی ان کے لئے ہو وہ صحیح ہوتی ہے۔ سالک چونکہ تمام تعلقات شرعیہ اور دنیا رکھتا ہے اس لئے اس کے ذمے تمام خدمتیں لگ جاتی ہیں۔ صوفیا نے لکھا ہے کہ سالک کے مقابلہ میں مجذوب کی بیعت جائز نہیں کیونکہ اُس میں تصفیہ نہیں۔ عورت کی بیعت جائز نہیں۔ نادان بچے اور قبر کی بیعت جائز نہیں۔ یہ چار بیعتیں سالک کے مقابلے میں جائز نہیں لیکن مجذوب باوجود اس کے کہ وہ مجذوب ہے اگر کسی کو ظاہری یا باطنی نفع پہنچانا چاہے تو رب العزت کی طرف سے اسے قوت حاصل ہوتی ہے کہ وہ اس کو جسے رب کی طرف سے حکم ہو نفع پہنچا سکتا ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

احسان نہ جتا:۔

مولانا جامیؒ نے ایک کتاب میں لکھا ہے قیاز شہر میں ایک مجذوب مائی صاحبہ رہتی تھیں۔ وہ فوت ہوگئیں۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جس مقام پر وہ فوت ہوئیں کفن کے لئے وہاں کپڑا دستیاب نہ ہو سکا۔ لوگ بڑے پریشان ہوئے۔ اتفاق سے ایک درویش آ گیا اس نے یہ حال سنا تو کہنے لگا میری کملی لے لو اور اس میں مائی صاحبہ کو دفن کر دو۔ چنانچہ غسل دے کر اس فقیر کی کملی میں لپیٹ کر دفن کر دیا گیا۔ جب انہیں دفنا کر لوگ واپس ہونے لگے تو وہ درویش سرا ہے کسی کے ساتھ بات کرنے لگا کہ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ میں وقت پر یہاں پہنچ گیا اور میری کملی مائی صاحبہ کے کام آ گئی اگر میں نہ آتا تو کتنی تکلیف ہوتی۔ درویش نے ابھی یہ کلمات کہے ہی تھے کہ لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ مائی صاحبہ کی قبر پھٹی' وہ کملی اتار کر باہر دے ماری اور کہا میں اب قبر میں آ گئی ہوں۔ اب مجھے پردے کی ضرورت نہیں رہی۔ تُو معاف کر اور مجھ پر احسان نہ جتا۔

سائل کو فرمایا یہ جو مجذوب لوگ ہوتے ہیں ان کے تعلق الٰہی کا مسئلہ بہت زیادہ صحیح ہوتا ہے۔ حتی کہ اس میں اپنے آپ کو فنا کر دیتے ہیں۔ اس کیفیت یا وقت میں اگر کوئی بات منہ سے نکال دیں تو ان کی آواز رب کی آواز ہوتی ہے۔ میں نے بے شمار مجذوب دیکھے ہیں اور ان کی یہ کیفیتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے پاس پوری توجہ سے آگے نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ بے نیاز ہوتے ہیں۔

نہ دوستی نہ دشمنی:-

اسی طرح سیالکوٹ میں ایک مجذوب ہوتا تھا۔ عام لوگ اسے ہندو سمجھتے' ہندو اسے رادھا کرشن کہا کرتے۔ گندی سی کملی اوڑھے ایک مندر کے سامنے بیٹھا ہوتا تھا۔ کوئی آدمی جائے تو بات چیت نہ کرتا۔ کوئی پوری حلوہ رکھتا یہ نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔ وہ پوری حلوہ کتے اٹھا کر لے جاتے۔ جس دن فوت ہونے لگا ہندوؤں کا ایک لڑکا بڑا خوبصورت' لمبا اونچا جوان' کتابیں ہمراہ۔ سوٹ پہنے کالج جا رہا تھا۔ بابا رادھا کشن سڑک پر بیٹھا تھا۔ اس لڑکے کو دیکھ کر کہنے لگا یہاں کھڑا ہو جا۔ کتابیں رکھ دے اور کپڑے اتار دے۔ لڑکے نے کتابیں رکھ دیں کپڑے اتار دیئے۔ بابا کہنے لگا دیکھو یہاں بیٹھو۔ یہ کملی اوڑھ لو۔ آج سے ہماری گدی پر ہماری جگہ یہاں بیٹھنا ہوگا' ہم جاتے ہیں۔ یہ کہا کملی اس پر ڈالی اور خود جان دے دی۔ وہ لڑکا فوراً اسی وقت مجذوب ہو گیا اور وہی کیفیت اس پر وارد ہو گئی۔ پاس ہی اس کے کپڑے اور کتابیں پڑی تھیں' لوگوں نے اس کے گھر والوں کو اطلاع دی' وہ آئے مگر اس لڑکے نے بھلا اب کہاں جانا تھا۔ آج تک وہاں سے نہیں اٹھا۔

حسینوں سے فقط صاحب سلامت دور کی اچھی
نہ ان کی دوستی اچھی نہ ان کی دشمنی اچھی

اس لئے کہ انہیں پرواہ نہیں ہوتی۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھنا کہ اس کے ماں باپ یا بیوی بچے روئیں گے۔ بس اپنے رنگ میں رنگا اللہ اللہ خیر صلا۔

مسند ارشاد

زاغ:-

مولوی غلام رسول سہروردی نے عرض کی کہ مولانا فقیر اللہ شکار پوریؒ بڑے صاحب تصنیف اور پائے کے درویش گزرے ہیں مگر ان کی اولاد دنیا دار ہے۔ انہوں نے خود ساختہ پیری مریدی کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ گویا:

میراث میں آئی ہے انہیں مسند ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

فرمایا:

بندۂ عشق شدی ترکِ نسب کن جامی
کاندریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

عشق کے معاملے میں تو کسی زید بکر کی بحث نہیں ہوتی۔ جو کمائی کرے گا' محنت کرے گا اور مجاہدہ کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنا اجر پائے گا۔ جو نہیں کرتا اور ویسے ہی دعوے کرے کہ فلاں کی اولاد ہوں تو اس کا دعویٰ عمل کے لحاظ سے غلط ہوگا۔ خاندان اور نسلیں اسی طرح تباہ ہوئیں کہ انہوں نے اس چیز کو چھوڑ دیا۔ اب یہ سمجھنے کی بات ہے کہ کیا میرا آپ حضرات سے کوئی رشتہ ہے؟ کوئی خاندانی تعلق؟ کوئی نسبی تعلق؟ کچھ نہیں۔ آخر یہ کیا ہے کہ مجھے آپ ایک پلنگ پر بٹھائیں۔ عزت کریں اور خود تکلیف میں ہوں' نیچے بیٹھیں۔ اس کا سبب صرف ''لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ'' کا تعلق ہے۔ اگر یہ تعلق صحیح ہو جائے تو ہر وہ شخص جو ''لا الہ'' کی راہ مجھ سے پوچھتا ہے وہ خود اس قابل ہو جاتا ہے کہ لوگ اس سے پوچھیں۔ اگر توحید اور رسالت کا تعلق ہے تو پھر درویش کی اولاد کو یہ سوچنا چاہئے کہ درویش کے اثر سے خلق خدا ہمیں چارپائیاں دیتی ہے۔ کھلاتی پلاتی ہے ادب کرتی ہے۔ یہ چیزیں تو درویش سے ہم نے جائیداد یا وراثت میں لے لیں مگر اللہ کا نام میراث میں نہ لیا جو درویشی کا اصل بنیادی پتھر ہے۔ اسی وجہ سے درویشوں کے خاندان تباہ ہوئے۔

اس کے انعام تو ہیں عام شہیدی سب پر
تجھ سے کیا ضد تھی جو تو بھی کسی قابل ہوتا

ایسی صورت میں یہ ضرورت ہوتی ہے کہ اگر ہمارے باپ دادا مقبول تھے اور کوئی صفت ان میں تھی تو وہ قبولیت جو اصل امتیازی نشان ہے اسے پکڑیں۔

آں عزمِ بلند آور آں سوزِ جگر آور
شمشیرِ پدر خواہی بازوئے پدر آور

اگر محض ان کا نام لے کر بھیک مانگنی ہے تو پھر بھیک ہی بھیک ہے۔ ایک آدھ نسل میں تو کوئی بھیک دے گا پھر نہ بھیک ہوگی نہ نسل۔

بلہے دا بلہا:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: سیالکوٹ میں ایک سید تھے بہلول دانا۔ ان کی گدی اسی نام سے چلی آتی ہے۔ وہاں سخت مجاہدہ، سخت ریاضت ہے۔ بڑے پیر صاحب جو تھے ان کا اسم گرامی غالباً شریف حسین تھا مگر عام لوگ انہیں ''چن پیر'' کہتے تھے۔ ان کے مجاہدے کا یہ عالم تھا کہ ہر روز بمشکل تمام مجاہدے کی حالت میں بس کلی کر لی۔ بھوک پیاس کی شدت سے جب معاملہ حد سے زیادہ گزر جاتا تو ایک آدھ گھونٹ چائے کا پی لیتے۔ ان کا بیٹا باقر علی شاہ بڑا خوبصورت، موٹی موٹی آنکھیں، داڑھی منڈھی ہوئی۔ بلا مبالغہ سارے شہر میں حسین ترین، تنومند، وجیہہ، متناسب الاعضاء نوجوان تھا۔ گھوڑے پالنے کی اسے عادت تھی۔ نیزہ بازی، گھوڑا سواری کا شوقین۔ کبھی گانے کا شوق چرایا تو بازار کی رہنے والیوں کے پاس جانا شروع کر دیا۔ غرضیکہ یہ سب کچھ کیا۔ لوگ طعن کرتے تھے کہ دیکھو پیروں کا لڑکا اور یہ لچھن؟ اللہ کی قدرت دیکھئے کہ شاہ صاحب کا آخری وقت آ گیا۔ ان کی عادت تھی کہ چارپائی پر لیٹے لیٹے باتیں کرتے تھے۔ فرمانے لگے میرا وقت آ گیا ہے۔ اپنے خادم محمد علی کو آواز دی کہ باقر شاہ کو بلاؤ۔ وہ آ گیا تو اس کا بازو پکڑ کر اگلی طرف منہ موڑ کر فرمانے لگے۔ سرکار محی الدین! اس کا جو حصہ ہے اسے دے دیجیے۔ اتنی عرض کی اور مسکرائے۔ باقر شاہ کو فرمانے لگے او باقر شاہ سن! اگلے گھر منظوری ہو گئی ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ اپنا وارث چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اس گدی کو ساری عمر داغ نہ لگانا۔ یاد رکھ کہ اگر تو نے داغ لگایا تو نسل ختم ہو جائے گی۔ وہ کہنے لگا: بابا جی! میں اس پر پہرہ دوں گا۔ فرمانے لگے اچھا ''السلام علیکم! خدا حافظ!'' یہ الفاظ اِدھر کہے اور اُدھر دوسری طرف اتنا کہا کہ اگر میری حاضری کی ضرورت ہے تو آ جاؤں۔ دوسری طرف کی آواز کا کسی کو کیا پتہ؟ بس اپنے سبق میں مستغرق ہو کر واصل بحق ہو گئے۔ باقر شاہ آج تک صحن سے اندر گھر میں اپنی بیوی کے پاس نہیں گیا۔ وہیں دھونی رمالی۔ سبحان اللہ! یہ جوانی کا عالم۔ ڈنٹر پیلے اس کا سب کچھ چھڑا کر گویا شیر پنجرے میں ڈال کر رکھ دیا۔ وہی درویشی، وہی مجاہدہ! آج لوگ اسی طرح عقیدت مندی کے ساتھ اس کے پاس جاتے ہیں جس طرح حضرت بہلول دانا یا چن پیر شاہ صاحبؒ کے پاس جاتے تھے۔ اگر باقر شاہ پہلی عادات و خصائل پر مخلوق کے دروازوں

پر ٹکریں مارتا رہتا تو یقیناً ختم ہو جاتا۔ لہٰذا ضرورت اسی بات کی ہے کہ بزرگوں کی اولاد کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہی چلنا چاہئے۔ وہ پنجابی میں کہتے ہیں نا:

''پلیے دا بلہا نہ ہووے تے متھے تے پھلی تے ہووے

یعنی اگر باپ کے برابر نہیں تو کم از کم کچھ نہ کچھ امتیازی نشان تو ہونا چاہئے۔ دراصل فقیری کسی کی وراثت نہیں۔ بلال حبشیؓ کے ایک قطرہ خون پر ہزاروں ابولہب جیسے قریشی قربان کئے جاسکتے ہیں' اس لئے کہ وہ چیز جو حضرت بلال حبشیؓ میں ہے دوسرے کفار قریشیوں میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں۔ یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ و انثی و جعلنکم شعوباً و قبائل لتعارفوہ. (۴۹:۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا یعنی تمہارے گروہ جماعتیں قومیں خاندان گوتھیں بنائیں۔ اس لئے کہ بلانے کے وقت تم پہچانے جاؤ۔ اگر کوئی یہ کہے قطب دین بزازیا، ارائیں، کشمیری تو گویا پہچاننے میں آسانی ہوگی کیونکہ ایک نام کے اگر دس آدمی اس شہر میں ہوں تو ان کی پہچان کے لئے یہ خاندان قبیلے بنائے۔ اس لئے نہیں بنائے کہ تم ایک دوسرے پر فوقیت حاصل کرو۔ فوقیت کا مسئلہ صرف یہ ہے کہ تم میں قابل تکریم صرف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ متقی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو تقویٰ، تکریم طہارت یہ چیزیں ہیں جو انسان کو سربلند کرتی ہیں۔ اگر یہ نہیں تو پھر انسان ایسے ہے جیسے ایک عام آدمی ہے یا بھنگی ہے اور اگر اس میں کوئی امتیازی نشان ہے تو وہ رب العزت کی اطاعت کا ہے اسی اطاعت سے انسان بلند ہوتا ہے اور جو بھی اس راہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نوازتا ہے۔

کتنا ثواب؟:-

ایک مجلس میں فرمایا: حضرت قبلہ باباجیؒ (میاں غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی تحصیل و ضلع گجرات) کا ایک قریبی عزیز کل رات مجھے یہاں پوچھنے کے لئے آیا کہ آپ باباجیؒ کے عرس کی تاریخ سے ایک دن پہلے حیات گڑھ آئیں گے یا ایک دن بعد؟

بات اصل میں یہ ہے کہ مزار شریف پر انہوں نے ایک نئی جدت پیدا کر دی ہے۔ اس دفعہ انہوں نے وہاں پر رنڈیوں کا ناچ، میلے اور کھیل کود کا اہتمام کیا ہے اور ہمیں دبی زبان

میں کہلا بھیجا ہے کہ آپ وہاں ان تاریخوں میں عرس نہ کریں کیونکہ ہم اپنی منشا کے مطابق عرس منا رہے ہیں۔

خیال فرمائیے کہ ایک طرف صوفیوں کا اکٹھ ہوگا اور دوسری طرف جہلا کا۔ کوئی شرم کوئی حیا؟ صاحب مزار ایک اولی العزم درویش اور شریعت کا احساس رکھنے والا اور اولاد؟ معاذ اللہ! کوئی ان سے پوچھے کہ نیک بختو! مزار شریف پر رنڈیاں نچوانے کا صاحب مزار کو کتنے نفلوں یا حجوں کا ثواب ہوگا اور اس کی روح ان خرافات سے کیا خوش ہوگی؟

بابا جیؒ کے اس عزیز کے ساتھ ایک آدمی اور بھی تھا۔ کہنے لگا حضرت! گاؤں کے لوگ اور دوسرے بضد ہیں کہ ہم ایسا ہی کریں گے لہٰذا میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ مہربانی فرما کر ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

میں نے کہا بھئی ہمیں معاف کرو! ہم خلاف شریعت بات میں تعاون کرنے سے قاصر ہیں۔

عامل اور عملیات

موکل جنات:-

ایک صاحب نے پوچھا یہ موکل فرشتے کیا ہوتے ہیں؟ لوگ عملیات سے روپیہ حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا: فرشتے تو میں نے موکل نہیں دیکھے۔ جنات میں سے موکل ہوتے ہیں۔ لوگ فرشتوں کا نام محض برکت کے لئے لیتے ہیں۔ فرشتے وہ مخلوق ہیں جو عالم سفلی کے عمل میں نہیں آتے۔ شیطانی مخلوق اس عمل میں آتی ہے۔

لکھنو میں ایک صاحب قاضی القضاۃ کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے نیک آدمی تھے۔ ان کے متعلق یہ مشہور تھا کہ انہیں کوئی وظیفہ یاد ہے۔ جس سے دست غیب سے انہیں ملتا ہے۔ تن تنہا تھے بیوی بچہ نہ تھا۔ صبح انہوں نے بالا خانے سے نیچے بیٹھک میں اترنا ایک صندوقچی پڑی ہے۔ چابی اس کے اندر ہے۔ سائل آیا صندوقچی میں ہاتھ ڈالا اور نوٹ دے دیا۔ لنگر جاری تھا۔ لانگری آیا۔ حضرت مرچیں دال وغیرہ لانی ہیں اتنے سو روپے دے دیں۔ انہوں نے صندوقچی میں ہاتھ ڈالنا اور مٹھی بھر کر روپے دے دینے۔ گنتے بھی نہیں

تھے۔ دن بھر یہی شغل رہتا تھا۔ کسی نے رپورٹ کردی کہ یہ نوٹ بناتے ہیں۔ پولیس متعین ہوگئی۔ قاضی صاحب نیچے آئے اور چابی بالارادہ صندوقچی کے پاس چھوڑ دی۔ اپنے معمولات سے فارغ ہوکر خود اوپر چلے گئے۔ کھوجی اور خفیہ پولیس جو آئی تھی انہوں نے چابی لگا کر صندوقچی کو کھولا۔ دیکھا تو وہ خالی تھی۔ رات بھر انہوں نے حفاظت کی اور نگرانی رکھی کہ شاید رات کو نوٹ بناتے ہوں گے۔ وہ بھی ثابت نہ ہوا۔ صبح حسب معمول قاضی صاحب نیچے اترے اسی طرح چابی نکالی اور وہ سلسلہ اسی طرح جاری کردیا۔ جب تک زندہ رہے ان کا وہ لنگر جاری رہا۔ جب فوت ہوگئے تو یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔

اسی طرح لائل پور میں ایک سائیں لسوڑی شاہ تھے۔ بڑے امیرانہ ٹھاٹھ کے مالک ریشمی کپڑے پہنتے۔ طلائی تکیئے وغیرہ ہوتے۔ ان کا کام بھی اسی طرح چلتا تھا۔

گھاٹے کا سودا:۔

اسی طرح بعض لوگوں نے ایسے عملیات کئے ہیں اور ان سے نفع اٹھایا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ یاد رکھو قرآن میں آتا ہے خدا کی آیتوں کو کم قیمت پر مت بیچو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے قرآن کے پڑھنے سے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔ ''الم'' ایک حرف نہیں بلکہ تین ہیں۔ الف۔ لام۔ میم۔ تو جو کوئی ''الم'' پڑھتا ہے اسے تیس نیکیاں ملیں۔ اب اندازہ لگائیے کہ ایک بار سورہ یٰسین پڑھنے سے ایک آدمی کو کتنی نیکیاں ملیں۔ اس کا اجر اگر وہ اللہ تعالیٰ سے لے تو بے شمار اجر کا مالک ہوگا لیکن ایک شخص تمہیں کہتا ہے کہ دن میں چالیس مرتبہ یٰسین پڑھو۔ مصلّے کے نیچے پانچ روپے ملیں گے۔ اب نجات کے لئے پڑھی ہوئی ایک بار یٰسین کے پڑھنے سے حاصل کردہ نیکیوں کا پانچ روپے سے موازنہ کرو (ارشاد باری تعالیٰ ہے) کسی نیکی کے عوض اگر کوئی شخص دنیا میں اس کا اجر لینا چاہے تو ہم اسے دے دیتے ہیں لیکن وہ یاد رکھے کہ اس نیکی کے عوض قیامت میں ہمارے پاس اس کا حصہ نہیں ہوگا۔ یہ سودا سراسر خسارے کا ہے۔

رقم غائب:۔

سائل نے عرض کی بعض اوقات عامل لوگ نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔

فرمایا: میرے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا مجھے ہم زاد کا علم بتائیں۔ میرے عمل میں

ایک ہم زاد تھا۔ مگر ایک واقعہ ہوا جس سے وہ نکل گیا ہے اب پریشان ہوں۔ میں نے پوچھا کیوں کر؟ کہنے لگا میں روپے کا مطالبہ کرتا تھا وہ لے آتا۔ خرچ اخراجات کے بعد جو بچ جاتا اسے بینک میں جمع کرا دیتا۔ جب بینک میں کافی روپیہ جمع ہو گیا تو خیال آیا کہ حج کروں۔ میں نے حج کی تیاری کی۔ وہ ہم زاد مجھ سے پوچھنے لگا آپ کس صورت سے جائیں گے؟ میں نے کہا جس طرح عام لوگ جاتے ہیں۔ کہنے لگا اگر میں ہی چھوڑ آؤں تو۔ میں نے کہا یہ تو پھر بہت اچھا ہے۔ وہ میرے سامنے بیٹھ گیا۔ میں اس کے کندھوں پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ مجھے زمین کے اوپر سے لے کر چلتا وہ زمین کے نیچے سے لے کر چلا۔ اس کیفیت کا یہ اثر کہ میری جسمیت بھی گم ہو گئی۔ یعنی جسم اتنا لطیف ہو گیا کہ زمین سے گزرنا دشوار نہ رہا۔ چند منٹ کے بعد کہنے لگا اتریئے۔ چنانچہ میں اترا۔ وہاں سے شہر کے اندر جو جانا چاہا تو آگے ایک نہایت ہی بزرگ صورت میرے سامنے آئے۔ فرمانے لگے۔ یہیں کھڑے رہو تمہارے ساتھ ایک خبیث چیز ہے وہ شیطان ہے۔ جب تک اسے اپنے عمل سے آزاد نہیں کر دیتے حضور علیہ السلام نے تمہارا داخلہ یہاں بند کر دیا ہے۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ مدینہ منورہ پہنچ گیا ہوں۔ اب حضور علیہ السلام کو کیوں چھوڑوں۔ چنانچہ میں نے ہم زاد کو آزاد کر دیا۔ میں کچھ عرصہ مدینہ طیبہ رہا۔ اس کے بعد حج کو گیا۔ حج کے بعد واپس اپنے وطن اور گھر آ گیا۔ کیفیت یہ تھی کہ رقم ساری خرچ ہو چکی تھی حتیٰ کہ کھانے پینے کی بھی کوئی چیز نہ بچی چنانچہ سوچا کہ بینک سے رقم نکال لوں۔ بینک گیا تو معلوم ہوا کہ وہاں سارا روپیہ وصول تھا۔ اس وقت کے بعد سے اتنا تنگ ہوں کہ کوئی حد نہیں۔ اب پھر چاہتا ہوں کہ وہ ہم زاد قابو میں آ جائے۔

میں نے اسے کہا کہ میں نے یہ ڈھنگ نہیں سیکھا۔ نہ ہم زاد دیکھا ہے تم کسی اور طرف رجوع کرو۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

عامل ختم:-

ایک دفعہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ جنات کا عامل تھا۔ فقیر حسین اس کا نام تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک جن کے مریض کے پاس بغرض علاج گیا۔ اپنے عمل سے اس نے اس جن کو جلا دیا۔ مریض اس وقت اچھا ہو گیا۔ جن کے جو عزیز تھے انہوں نے بدلہ لینے کی

کوشش کی مگر وہ عامل پاک رہتا۔ وظیفہ کرتا رہتا۔ ان کے قابو نہ آیا۔ ایک دفعہ کہیں رفع حاجت کے لئے گیا تو پانی نہ ملا۔ جنات نے اسے وہیں مار ڈالا۔

گورنر کی کتیا:۔

اسی طرح کالا شاہ کاکو کے ایک چودھری زمیندار ہیں۔ ان کی زمینوں میں ایک عامل کی قبر ہے اس پر کوئی جن رہتے ہیں۔ اس چودھری نے اپنی زمین سے وہ قبر اکھاڑ دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جنات طیش میں آ گئے۔ باہر سے اگر سو بوری گندم آ رہی ہے تو گھر پہنچتے پہنچتے ستر بوری رہ گئی۔ اسی طرح اور جنس بھی باہر باہر ہی غائب ہو جاتی۔ کبھی اس کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے۔ کبھی گوبر پھینک دیتے۔ قلعہ میاں سنگھ میں ایک مولوی غلام رسول ہوئے ہیں۔ ان کے پوتے محمد صادق جنات کا عمل کرتے تھے۔ چودھری نے انہیں بلایا۔ وہ آ گئے۔ جس دن وہ عامل آیا اس کے دوسرے دن چودھری کی لڑکی کھانا کھانے بیٹھی تو پشت میں درد ہوئی۔ اتنی شدید کہ ناقابل برداشت۔ عامل نے بڑی کوشش کی مگر کچھ فرق نہ پڑا۔ تکلیف بڑھتی گئی حتیٰ کہ ایک گھنٹے کے اندر وہ لڑکی فوت ہو گئی۔ گھر والوں نے لڑکی کو کفن دفن کے لئے چارپائی پر ڈال دیا۔ اتفاق سے وہاں دو چارپائیاں پڑی تھیں۔ جب نہلانے کے لئے لڑکی سے کپڑا اٹھایا۔ اس کی لاش دیکھی تو بہت بڑا سر، بہت لمبے بازو، لاش تقریباً سولہ فٹ لمبی تھی۔ وہ ڈر گئے کہ یہ کیا ہوا۔ عامل کہنے لگا کہ جن کسی اور کی لاش ڈال گئے ہیں لڑکی کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بہت بڑا گڑھا کھودا اور اس لاش کو وہاں دفن کر دیا۔

رات کو وہ عامل میرے پاس آیا اور کہا حضرت یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں نے اسے کہا کہ میں عامل نہیں ہوں۔ کہنے لگا صرف یہ پتہ کرنا ہے کہ وہ لاش اسی لڑکی کی تھی یا کسی اور کی؟ میں نے کہا اچھا پتہ کرتے ہیں اللہ بہتر کرے۔ رات کو جب میں نے معلوم کیا تو اس جن قوم کے سرغنہ کو میرے روبرو پیش کر دیا گیا۔ وہ سامنے آیا۔ اس نے کہا حضرت! وہ لاش واقعی اس لڑکی کی نہیں تھی۔ لڑکی کی لاش کو ہم اٹھا کر لے گئے ہیں اور پھینک دی ہے۔ جب تک یہ لوگ ہم سے اچھا سلوک نہیں کریں گے ہم ان سے ایسا ہی کرتے رہیں گے۔ میں نے اس سردار سے پوچھا کہ کسی طرح صلح بھی ہو سکتی ہے؟ وہ کہنے لگا حضرت! ایک جان اور مارنی ہے اس کے بعد پھر کوئی نقصان نہ کریں گے۔ پھر یہ نہ ہمیں چھیڑیں اور نہ ہم انہیں چھیڑیں گے۔ اور ہاں

چودھری نے اپنی زمین سے جو قبر مٹادی ہے اسے دوبارہ بنا دے۔ میں نے اس جنوں کے سرغنہ کو کہا جان سے نہ مارو کوئی اور چیز لے لو۔ کہنے لگا نہیں۔ میں نے پوچھا کیا مارو گے؟ کہنے لگا بچہ۔ میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگا گھوڑی۔ میں نے کہا نہیں۔ خیر اسی طرح کئی جانوروں کے متعلق کہتا رہا مگر میں انکار کرتا رہا۔ آخر کہنے لگا اچھا حضرت! کتیا مار دیتے ہیں۔ میں نے سمجھا رکھوالی کے لئے رکھی ہوئی معمولی کتیا ہوگی۔ اس لئے اسے کہہ دیا' اچھا مار لو لیکن آئندہ تکلیف نہ دینا۔ وہ ''اچھا جی'' کہہ کر چلا گیا اور ساتھ کہہ گیا کہ عامل سے بھی بدلہ لیں گے۔

صبح ہوئی تو وہ عامل میرے پاس آیا کہ حضرت رات کو وہ کتیا مار گئے ہیں۔ اس کے بعد ان سے صلح ہے۔ کہنے لگا وہ کتیا تین ہزار روپے کی تھی۔ گورنر بہادر پنجاب ماؤنٹ مورینسی صاحب نے آب وہوا تبدیل کرنے کے لئے چودھری صاحب کے پاس بھیجی ہوئی تھی۔ میں نے کہا بھئی میں تو خوش تھا کہ معمولی سی کتیا مر گئی اور چودھری سے صلح ہوگئی۔ خیر اب تو مر چکی ہے۔ آئندہ کے لئے چودھری کی جان چھوٹی۔ عامل کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔ اسے بھی ختم کر دیا۔

تو گویا یہ عامل لوگ کھاتے کماتے بھی ہیں اور نقصان بھی اٹھاتے ہیں۔ جتنے بھی عملیات ہیں ان سب میں خطرات بھی پوشیدہ ہیں اور منافع کی نسبت نقصان اور گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔

جنات کا اثر

ایک صاحب نے عرض کی کیا جنات انسان میں حلول کرتے ہیں یا کوئی اور صورت ہوتی ہے؟ کیونکہ مجھے حلول کی سمجھ نہیں آئی۔

فرمایا: حلول نہیں ہوتا بلکہ جنات کے اثر سے جو شخص متاثر ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہوتی ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے بیان فرمایا ہے کہ قیامت کے دن سود خور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ایسے حاضر ہوں گے جیسے شیطان کے اثر سے انسان مخبوط الحواس ہو جاتا ہے۔ گویا حلول نہیں ہوتا بلکہ ایک قسم کی دماغی گرفت ہوتی ہے جسے مریض محسوس کرتا ہے۔

قوالی میں حال

ایک صاحب نے قوالی کی محفل میں حال آجانے کے متعلق پوچھا۔

فرمایا: لوگ محفل قوالی میں اس وقت حال میں آتے ہیں جب مجلس پر کنٹرول نہ ہو۔ اگر کوئی رب کا بندہ میر مجلس ہو تو وہ سامعین کو حال میں آنے نہیں دیتا اور جہاں جہاں وہ ہوں انہیں وہیں باندھے رکھتا ہے۔ ایک دفعہ دین محمدی پریس والوں کے ہاں قوالی کا اہتمام تھا۔ طبلے سرنگی والوں اور قوالوں نے جتنا زور کہ وہ لگا سکتے تھے لگایا مگر کوئی بات نہ بنی۔[1] دوسری دفعہ کوئی اور تقریب تھی اور ساتھ ہی محفل قوالی کا بھی اہتمام تھا۔ مجھے بھی انہوں نے بلایا۔ اس دفعہ انہوں نے ایک اور کو میر مجلس بنا کر بٹھا دیا۔ قوالی شروع ہوئی اور ہاؤ ہو کی دہائی مچی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ تو سامعین کو اور کچھ گانے والوں کو نقصان پہنچا۔ حال میں آنے والے لڑکوں کی وہ طبعی چیز نہ تھی بلکہ اختیاری تھی اس لئے نہ نتیجہ نہ کچھ۔ اس مجلس میں ملک بسا[2] بھی موجود تھے۔ کچھ دیر تو وہ ضبط کئے بیٹھے رہے آخر ان سے نہ رہا گیا۔ غصے میں آ گئے اور ڈانٹ کر کہا بیڑا غرق ہو تمہارا کیوں مجلس کو خراب کرتے ہو؟ مگر وہاں کوئی تصرف ہوتا تو کوئی بات بنتی۔

اہل تصوف نے قوالی کے متعلق مسئلہ لکھا ہے کہ مکان، زمان اور اخوان تین شرطیں ہوں تو پھر قوالی سنو اور وہ بھی بغیر مزامیر کے۔ مکان ایک ہو جہاں غیر کوئی نہ ہو، وقت ایسا ہو کہ تم متحد ہو کر اس طرف رجوع کر کے شیخ کی طرف بیٹھو اور کوئی خیال نہ آئے۔ تمام پیر بھائی ہوں اور ان میں دوسری نسبت کا درویش نہ ہو۔ ساز نہ ہو، گانے والے یونہی بغیر ساز کے گائیں۔ گانے والوں میں امرد نہ ہو اور عورت نہ ہو۔ پاکیزہ فضا اور پاکیزہ ماحول پیدا کرنے کی اس لئے ضرورت ہے تاکہ سننے والے اپنی جگہ پوری شرطوں سے سنیں اور ان کی روحانی پرواز شیخ کی توجہ سے ایک ہو۔

بیعت کے متعلق

بیعت القبور:-

ایک صاحب نے عرض کی سنا ہے اگر کوئی شخص شام کی نماز کے بعد دو رکعت نفل حضرت غوث الاعظمؒ کے نام پر پڑھے تو وہ اسے براہ راست مرید کر لیتے ہیں۔

---

[1] کسی کو حال نہ آیا چونکہ حضرت صاحب قبلہؒ میر مجلس تھے۔

[2] ملک بسا قادریؒ ساکن محلہ ککے زیاں اندرون دہلی دروازہ لاہور)

فرمایا: کشف و کرامت کے مسئلے عوام کے لئے حجت نہیں ہوتے۔ اگر کوئی اس طریقے سے حضرت غوث الاعظم رحمتہ اللہ علیہ کا مرید ہونا چاہتا ہے تو وہ پڑھے لیکن اس کا فیض راوی ہی بتا سکتا ہے۔ ویسے مسئلہ یہ ہے کہ کسی بچے یا مجذوب کی بیعت، کسی عورت یا قبر کی بیعت معتبر نہیں۔ اگر کوئی شخص عالم ارواح میں ایسا اعتقاد رکھے تو اس کا پہلا مقام یہ ہے کہ اگر قبر کی بیعت جائز ہوتی تو روضہء اقدس حضور علیہ السلام کی بیعت زیادہ مستحق و معتبر ہوتی۔

بیعت مستورات:-

ایک محفل میں فرمایا: ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا بعض لوگ عورت کے بیعت ہونے کو جائز نہیں سمجھتے۔ میں نے اسے کہا جب قرآن میں ان کی بیعت کا حکم موجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ ان علما کی بات کو سچا سمجھیں۔ آپ کے پاس اس کے خلاف کوئی دلیل ہے تو بتائیں۔ ایک چیز غلط العام صحیح ہو جائے تو الگ بات ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر عورتیں دوسری جگہ غیر محرموں کے پاس جا سکتی ہیں تو خدا کی تلاش کے لئے کیوں نہیں جا سکتیں۔ وہ کہنے لگا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ عورتوں کو باہر نہیں نکلنا چاہئے۔ میں نے کہا کیا تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ مستورات کی بیعت کے متعلق جو آیت ہے وہ حدیث اس سے پہلے کی ہے یا بعد کی؟ کیا وہ حدیث اس آیت بیعت کی ناسخ ہو سکتی ہے؟ وہ کوئی معقول جواب نہ دے سکا۔ میں نے اسے کہا اپنے کسی مولوی سے کہو کہ اس کا جواب لکھ کر دے۔

بیعت توڑنا:-

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا مرید بیعت توڑ سکتا ہے؟

فرمایا: خاوند اگر چاہے تو وہ عورت کا نکاح توڑ سکتا ہے مگر عورت نکاح نہیں توڑ سکتی [1]

---

[1] یعنی جس طرح طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں اسی طرح کوئی مرید اپنے پیر کی بیعت نہیں توڑ سکتا۔ ہاں اگر پیر کامل چاہے تو وہ مرید کو آزاد کر سکتا ہے۔

مُفسّرِ حقیقت

رویت و معرفت

صوفی فضل الرحمٰن سہروردی نے پوچھا ''رویت باری تعالیٰ'' اور ''معرفت باری تعالیٰ'' میں کیا فرق ہے؟

فرمایا: وہ عمل ہے اور یہ علم ہے۔ رویت عمل ہے۔ عرفان جو ہے وہ علم ہے۔ جس چیز کو دیکھ رہا ہے (اس مقام پر ماچس ہاتھ میں لیتے ہوئے فرمایا) مثلاً یہ ڈبی ہے اسے دیکھ رہا ہے۔ یہ ''رویت'' ہے اور جس غرض کے لئے اس کی حیثیت ہے' اس پر عبور حاصل کرنا ''عرفان'' ہے۔ مثلاً اس کی حقیقت یہ ہے اور یہ اس کی شان ہے۔ اس لئے رب العزت نے یہ فرمایا کہ لا تدرکہ الابصار۔ تمہاری آنکھیں اس کی درک نہیں کر سکتیں۔ درک کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ جس طرح اوپر دیکھ رہے ہیں' اسی طرح نیچے' باہر اور اندر دیکھنا۔ یعنی من کل الوجہ۔ بیک وقت ہر طرف سے دیکھنا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہاری آنکھیں اسے درک نہیں کر سکتیں اس لئے کہ وہ محیط الکل ہے۔ اور جو محیط ہے مرکز اس کے لئے کبھی قابو نہیں پا سکتا۔ مرکز محیط پر غالب نہیں آ سکتا۔ جو چیز محاط ہے وہ محیط پر غالب نہیں۔ جو چیز اس کے اندر ہے وہ ڈبی کو باہر سے نہیں دیکھ سکتی۔ ساتھ ہی یہ فرما دیا۔ وھو یدرک الابصار۔ اس کی ذات تمہاری آنکھوں کو درک کر سکتی ہے کیونکہ وہ محیط ہے۔ تم اس کے اندر ہو۔

تو یہ ہے کیفیت مرکز کی اور دائرے کی۔ مرکز یعنی اندر۔ اس کے اوپر دائرے کا چکر ہوتا ہے۔ مرکز قیامت تک دائرے پر محیط نہیں ہو سکتا' اس لئے کہ جسے تم دیکھ رہے ہو اسے تم

درک نہیں کر سکتے وہ تمہیں درک کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ تم احاطے کے اندر ہو اور وہ احاطے کے باہر۔ یہی ایک چیز ہے جو ''وحدت الوجود'' کے مسئلے میں وحدت الوجود کی تمام شقوں کو توڑ جاتی ہے۔ اس لئے کہ جسے تم یہ کہتے ہو کہ اس مجموعے کا نام ہے' وہ تو ارشاد فرماتا ہے کہ وہ تمہارے احاطے سے باہر ہے کہ جس میں تم ہو۔ جو چیز محاط ہے وہ فانی ہے اور محیط باقی ہے۔ اس کی ذات محاط کی طرح نہیں' ہر مخلوق کو خالق کا نظریہ دے کر اس پر چسپاں کرنا یہ ایک فاش غلطی ہے کہ جسے تم یہ سمجھ رہے ہو۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ مخلوق جو فنا ہو جائے گی اس کے ساتھ خالق بھی فنا ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔ اس لئے جن لوگوں نے یہ نظریات بیان کئے ہیں وہ مثالی طور پر کرتے ہیں۔ کہنے کو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ برف پانی ہے مگر ہم پانی کا ایک چھینٹا دوسرے پر پھینکیں تو وہ اسے اتنا نقصان نہیں دے گا' جتنا برف کا ایک ڈھیلا۔ حالانکہ ہے وہ بھی پانی مگر اس کی نوعیت بدل گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جنات ناری ہیں ان کو بھی سزا جہنم کی ہوگی۔ آگ کو اگر آگ کی سزا دی جائے تو کیا اس کے لئے وہ محسوس کن ہے یا غیر محسوس کن؟ یہ ایک نظریہ قائم ہو گیا ہے کہ اگر جنات کو نافرمانی کے عوض دوزخ میں ڈالا گیا تو شبہ ہوتا ہے کہ آگ' آگ کو کیا نقصان دے گی۔ مگر ہم اگر اس کے متعلق یہ غور کریں کہ انسان کس چیز کا بنا ہے؟

فضل الرحمٰن صاحب نے عرض کی کہ مٹی کا۔

فرمایا: اگر اسے مٹی کا ڈھیلا مارا جائے تو؟

فضل صاحب نے کہا بڑا نقصان پہنچاتا ہے۔

فرمایا: اسے چوٹ لگے گی۔ محسوس ہوگی' اس لئے کہ دوسرے لوازمات کا احساس اس کے اندر ہے۔ یہاں انگلی میں سوئی چبھو دو۔ خون نکلے گا، خون منجمد نہ ہوگا سیال ہوگا۔ اسے کوئی چیز دھکیل کر باہر نکال رہی ہے۔ گویا ہوا کا دباؤ بھی ہے۔ گویا خون' پانی' ہوا۔ اب ہیں تو یہ مٹی کے اجزا لیکن وہ احساسات کا مرکب جو آپ کے اندر ہے' وہ آپ کو محسوس کرا دے گا کہ ہوں تو میں مٹی کا مگر وہ ''احساسی قوتیں'' محسوس کرائیں گی کہ درد ہوئی ہے۔ اسی طرح جنات محض آگ کے نہیں' ان میں بھی دوسری طاقتیں ملی ہوئی ہیں۔ اس لئے ان احساسات کا ان میں ہونا' اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں بھی آگ میں تکلیف ہوگی۔

آپ ایک عام چیز کو دیکھئے۔ گھڑے مٹکے یا مشکیزے میں پانی آپ پر رکھ دیا جائے تو

آپ اس کا بوجھ محسوس کرتے ہیں نا؟

فضل الرحمٰن صاحب نے کہا: جی ہاں!

فرمایا: اگر آپ کو سمندر میں ڈال دیا جائے۔ ہزار ہا ٹن پانی آپ پر ہے، مگر آپ بوجھ محسوس نہیں کرتے، اس لئے کہ وہ محض پانی نہیں۔ اس میں دوسری قوتیں بھی ہیں جو اسے اٹھائے رکھتی ہیں۔ لیکن جب اس پانی کو مقید کر دیں گے تو وہ بوجھ بن جائے گا۔

فضل صاحب نے کہا: ہر چیز اپنے اپنے وجود میں ایک احساس رکھتی ہے۔

فرمایا: ہوا ہر جگہ ہے، مگر ہم اس کا بوجھ محسوس نہیں کرتے۔ اسی ہوا کو کسی آلے سے سائیکل کی ٹیوب میں بند کر دیں، انجن میں بند کر دیں وہ بوجھ بن جائے گا۔ اسی طرح یہ گیس ہوتی ہے نا! اسے کھلا چھوڑ دیں، میلوں میں پھیل جائے گی۔ کوئی بوجھ نہیں۔ مگر کسی نلکی میں بند کر دو تو وہ بھی اٹھائیس سیر ہو جائے گی، ویسے کچھ نہیں۔ تو گویا ہر چیز جب احساس اور شعور کی حد سے باہر ہوتی ہے تو وہ بے وزن ہوتی ہے۔

فضل صاحب نے کہا: سائنس دان کہتے ہیں کہ چاروں طرف پانی ہے اس لئے وزن محسوس نہیں ہوتا۔

فرمایا: اس کا چاروں طرف ہونا اس کے لئے وزن ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ اس کے اندر جو ہوا ہے، بجلی ہے "او کصیب من السماء فیه ظلمت" و رعد و برق۔ (۱۹:۲) آسمان پر جب بادل آتے ہیں تو کیا ہوتا ہے؟ اس میں اندھیرا، گرج، بجلی ہوتی ہے۔ ہر پانی جہاں ہے اس میں یہ تینوں چیزیں ہوتی ہیں، خواہ وہ گڑھے میں ہو یا ہوا کے دوش پر ہو۔ اس میں اندھیرا بھی ہے، بجلی بھی ہے، گرج بھی ہے۔ ایک ڈونگا پانی بھر کر اوپر سے ڈالئے وہ آواز پیدا کرے گا۔ اس میں بجلی ہے، سوال یہ ہے کہ وہ بجلی اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے۔ اسے نکالنے کے لئے کسی طریقہ کار کو اختیار کرنا پڑے گا۔ مثلاً یہ بجلی کی صندوقچی ہے۔ یہ ایک طریقے کا نام ہے۔ بجلی بذاتہ ایک ذات ہے۔ فلسفیوں نے جہاں جا کر ٹھوکر کھائی ہے، جہاں ان کا دماغ آگے نہیں جاتا، وہ انکار کر جاتے ہیں، حالانکہ قدرت نے گنجائش رکھی ہے۔

تفکر و تدبر:۔

ایک مجلس میں فرمایا: قرآن میں بار بار آتا ہے کہ تمہیں دل دیا گیا ہے، کان دیئے گئے

ہیں، دماغ دیا گیا ہے، آنکھیں دی گئی ہیں، ہاتھ پاؤں دیئے گئے ہیں پھر کیوں تفکر نہیں کرتے؟ تفکر کرو، تدبر کرو، کائنات کی صناعیوں پر غور کرو، رب العزت کی قدرتوں پر غور کرو اس لئے کہ یہ جتنی کائنات ہے یہ مولیٰ کریم کی ہستی کے نشانات ہیں۔

کیا مزے کی بات ہے قرآن کہتا ہے۔ الذی خلق سبع سموات طباقا. ما تری فی خلق الرحمن من تفوت فارجع صرھل تری من فطورہ ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسا وھو حسیرہ. (۶۷:۳ تا ۴)

وہ ذات باری تعالیٰ ہے جس نے آسمان ایک کے اوپر دوسرا بنایا، کیا رحمٰن کی تخلیق میں تمہیں کوئی فرق نظر آتا ہے؟ آنکھ اٹھا کر دیکھ، کیا کوئی رخنہ نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ نگاہ اٹھا کے دیکھ۔ مگر تیری نگاہ درماندہ ہو کر ناکام واپس لوٹ آئے گی۔ کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ آسمان کہیں سے پھٹ گیا ہو، کہیں سے ٹیڑھا ہو گیا ہو، کہیں اس کے ٹوٹنے سے کوئی دراڑ پیدا ہو گیا ہو۔ جب سے بنا ہے ویسا ہی ہے اگر اتنی بڑی چیز کو دیکھ کر ہماری عقل ٹکرا کر واپس آتی ہے ہم اس کی تحقیق نہیں کر سکتے کہ رب العزت کے قبضہ میں جب سے دنیا بنی ہے ویسی کی ویسی ہے اور اس وقت تک رہے گی جب تک آخر رب العزت اسے فنا نہیں کریں گے۔

افلا ینظرون الی الابل کیف خلقت. والی السماء کیف رفعت و الی الجبال کیف نصبت والی الارض کیف سطحت. (۸۸:۲۷ تا ۲۰)

کیا اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ کیسا بنایا گیا اور آسمان کو دیکھ کہ ہم نے اسے کیسے بلند رکھا اور پہاڑوں کو کیسے قائم کیا؟ زمین پر دھیان دو کہ کیسے بچھائی گئی۔ یعنی یہ جو چیزیں بیان فرمائی ہیں ان کے حسن تخلیق پر غور کرو تا کہ اس حسن صناعی میں صانع کی قدرتیں اور صفات تم پر آشکار ہوں۔ وہ سراسر جاہل ہیں جو خدا کے وجود کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ ان چیزوں کا پیدا کرنے والا ہی کوئی نہیں۔ رب العزت نے قرآن میں ہر چیز کو بالوضاحت بیان فرما دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اگر مطالعہ اور تفکر کی توفیق عطا فرمائے جبھی انسان سمجھ سکتا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا ثبوت

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ایک دفعہ ایک منکر خدا سے میں نے پوچھا کہ

تمہارے باپ کا نام کیا ہے؟ وہ کہنے لگا احمد بخش۔ میں نے اسے کہا اس کا کوئی ثبوت؟ وہ کہنے لگا کہ میری ماں کہتی ہے۔ میں نے کہا کہ بڑی حیرانگی کی بات ہے کہ ان گنت مخلوق خدا کو مانتی ہے مگر تم اسے نہیں مانتے۔ اس کے برعکس اپنے باپ کے ثبوت میں صرف اپنی ماں پر اعتبار کرتے ہو کہ اس کے بیان کے مطابق تمہارا باپ احمد بخش ہے' حالانکہ تمہاری ماں سے' اللہ تعالیٰ معاف فرمائے' زنا کا امکان بھی ہوسکتا ہے۔ وہ خاموش ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا: حضرت میں اب خدا کے وجود پر اعتراض اور اس سے انکار نہیں کرتا۔

حاضرین میں سے گل حسین کو مخاطب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: یہ اختلاف درحقیقت نگاہ کا اختلاف ہے۔ حضور علیہ السلام کو مکہ کا ایک کافر آکر کہتا ہے کہ تو نے خاندان کو بدنام کردیا ہے۔ تو نے بتوں کی توہین کی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ صدقت۔ اس کے بعد ایک عاشق آتا ہے وہ عرض کرتا ہے یارسول اللہ! آپ اللہ کے نور ہیں ہم آپ کی روشنی میں سفر کرتے ہیں۔ آپ جیسا نہ کوئی ہے نہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں صدقت. دوسرے صحابہ کرامؓ جو اس وقت حاضر خدمت تھے انہوں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ سرکار! پہلا شخص آیا اور بکواس کر گیا تو آپ نے اسے بھی فرمایا ٹھیک ہے اور جو بعد میں آیا اس کے بیان پر بھی یہی فرمایا کہ ٹھیک ہے (اس کی کیا وجہ ہے؟)

حضور علیہ السلام نے فرمایا میں انوار الٰہی کا آئینہ ہوں۔ اس نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ اس کی اپنی نگاہ کا قصور ہوا نا؟

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایم اے کے دو طالب علم ایک مرتبہ گاڑی میں سفر کر رہے تھے۔ وہ بھی سیالکوٹ جا رہے تھے اور میں بھی۔ ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو کہنے لگا "خدا نہیں ہے" دوسرے نے کہا "خدا ہے" دونوں اپنے اپنے دلائل دیتے رہے جب سنبڑیال کا سٹیشن آیا تو وہ جو خدا کا منکر تھا گاڑی سے اترنے کے لئے اٹھا اور مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا: کیوں جی خدا ہے یا نہیں؟

میں نے اسے کہا بڑا بے وقت سوال کیا ہے جب کہ تم جا رہے ہو وقت کم ہے۔ ہاں! اتنا بتائے دیتا ہوں کہ اگر خدا نہیں ہے تو تم انکار کس کا کرتے ہو؟ جو چیز ہے ہی نہیں اس کے انکار کے کیا معنی؟ وہ لاجواب ہوگیا۔ کہنے لگا حضرت! یہی بات اگر آپ پہلے بتا دیتے تو کم

ازکم ہم دونوں اتنی سرکھپائی تو نہ کرتے۔ میں نے کہا برخوردار! تمہارا ذوق پاکیزہ ہے۔ کسی بات پر بحث کرنا اگرچہ کسی بلندی کو انکار کی نگاہ سے ہی دیکھا جائے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس بلندی کا اعتراف تو ہے نا؟ جتنی اوپر نگاہ ڈالے گا اسی بلندی کے ساتھ وہ دوڑے گا اور ایک مقام پر جا کر یا تھک کر، وہ منکر کی حیثیت اختیار کر لے گا یا پھر اقرار کی راہ!۔

خیر! وہ گاڑی سے نہایت جلدی میں پلیٹ فارم پر اترنے لگا تو اچانک اس کا ہاتھ ہینڈل سے چھوٹ گیا اور وہ گاڑی اور پلیٹ فارم کے درمیان ایسا گرا کہ اس کی دونوں ٹانگیں ٹوٹ گئیں۔ اس وقت اس کی زبان سے بے اختیار نکلا "ہائے اللہ!"۔ خیال فرمایئے کہ گاڑی میں تو خدا سے انکار کر رہا تھا مگر جب تکلیف پہنچی تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارا۔

تو معلوم ہوا کہ کسی مشکل کے وقت، کسی نادیدہ طاقت کی طرف، انسان کے ہاتھ خود بخود اٹھ جاتے ہیں۔

وحدت الوجود

ایک مجلس میں شیخ سراج الدین سہروردی سے استفسار فرمایا کہ کیا آپ نے کسی کتاب میں رب العزت کی ذات کے متعلق "وحدت الوجود" کا مسئلہ پڑھا ہے؟

شیخ صاحب نے عرض کی "نہیں حضور"۔

فرمایا: میں ایک کتاب "جمال الٰہی" لکھ رہا ہوں جس میں اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ یہ جو مقام ہے اس کے متعلق لوگوں نے جتنے قصے کہانیاں لکھی ہیں وہ عملی رنگ میں الفاظ میں کی ہیں، مگر اس کی سمجھ اسے ہوتی ہے جو ان مقامات پر عبور رکھتا ہو۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے "انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی" یا اور الفاظ، کہ میں "خدا ہوں"، انہیں کس مقام پر یہ بولنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس مقام پر جس مقام پر وہ اپنی ذات سے فنا ہو جاتے ہیں اور ذات باری تعالیٰ کی صفات ان پر وارد ہوتی ہیں۔ وہ اس مقام پر جہاں سے وہ گذر رہے ہیں اگر ضبط نہ ہو تو وہی بولی بول جاتے ہیں۔ یعنی صفات کریمی گزرتے ہوئے۔ کہیں "انا الکریم" (وغیرہم) تمام صفاتِ الٰہی سے درویش کو گزرنا ہوتا ہے۔ یہ معاملاتِ ناسوتی جتنے ہیں جب تک ان سے نہ گزرے (درویش کی تکمیل نہیں ہوتی) یہ صفات ذات سے متعلق ہیں مگر جب (ان کا) ظہور ہوتا ہے یا کسی مخلوق پر وارد ہوتی

ہیں اور مخلوق چونکہ فانی ۔ ہے اس لئے ان صفات میں جو بولی بولے گا فانی ہوگا۔ قرآن میں لفظ ''رب'' کو مختلف معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔

(۱) حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک مقام پر جیل کے ساتھیوں سے سوال کیا۔ یصاحبی السجن ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار ۔(۲۹:۱۲) اے میرے قید خانہ کے ساتھیو! کیا جدا جدا رب اچھے یا ایک اللہ! جو سب پر غالب ہے۔

(۲) دوسرے مقام پر فرمایا: یصاحبی السجن اما احدکما فیسقی ربہ' خمرا (۴۱:۱۲) یعنی اے قید خانے کے ساتھیو! تم میں ایک تو اپنے رب یعنی بادشاہ کو شراب پلائے گا۔

(۳) ایک مقام پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا: فاذھب انت و ربک فقاتلا انا ھٰھنا قٰعِدُون. (۲۴:۵) تم جاؤ اور تمہارا رب' دونوں لڑتے رہو' ہم یہیں آرام کریں گے۔

اللہ سمیع ہے' بصیر ہے۔ تم سمیع اور بصیر نہیں؟ کوئی چیز سنتے ہو' دیکھتے ہو مگر تمہاری سماعت اور بصارت عطائی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔

ان اللہ رؤف'' باالعباد ۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر (رؤف) ہے۔ یعنی اپنے آپ کو رؤف فرمایا اور رسول کو بھی رؤف۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز'' علیہ ماعنتم حریص'' علیکم باالمومنین رؤف الرحیم ۔(۱۲۸:۹) اپنے آپ کو بھی عزیز فرمایا رسول کو بھی عزیز۔ اسی طرح دوسری جگہ اپنے آپ کو بھی علیم اور رسول کو بھی علیم فرمایا۔ تو یہ جو صفات ہیں' ہر صفت میں بندے کو گزرنا ہوتا ہے اور درویش پر وہ صفت وارد ہوتی ہے' اس حقیقی سماعت' بصارت' علم اور اس حقیقی رافت و رحمت سے۔

قرآن میں آتا ہے: رب نے فرمایا: اگر اللہ نے اور رسول نے ان کو غنی نہ کیا ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ اگر ان کو اللہ اور رسول نے فلاں چیز نہ دی ہوتی تو ایسے ہوتے' وہاں ''اِیتا'' اور ''عطا'' یعنی ''دینے میں'' اور ''بخشش'' میں جو نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی ہے' وہی رسول کی طرف کی ہے۔

ما اغنیٰ و رسولکم ۔تو غنی کر دینا' وہی صفت رسول کی طرف کی ہے۔تو معلوم ہوا کہ فرق صرف اتنا ہے کہ سرکار اور بندے کی صفات جو رب کی صفات سے گزرے گا اور ذات تک پہنچے گا اس پر صفات کا ورود عطائی ہے۔ آنی۔ ساعتی اور لمحی ہے۔ رب پر ابدی ہے' دوامی ہے اور ذاتی ہے۔ اب جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کائنات کے مجموعے کا نام رب ہے تو یہ ان کا اپنا خیال ہے۔

اس مسئلہ میں بحث کے لئے ایک شخص میرے پاس آیا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ کیا ہے؟ یہ انگلی ہے' یہ سر ہے' یہ کندھا ہے' یہ آنکھیں ہیں' یہ ناک ہے' یہ بازو ہیں' یہ ٹانگیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ اور اس شخص کا نام ''چراغ دین'' ہے۔ مجھے یہ سمجھا کہ جسے ہم چراغ دین یا آدم کہتے ہیں وہ کہاں ہے؟ کہنے لگا بات تو صحیح ہے۔ میں نے کہا اگر سارے مجموعے کا نام چراغ دین ہے اور اس کے جسم سے ناک' سر' بازو یا ٹانگ جو چیز بھی کٹ جائے وہ تو فانی ہے۔ کیا ذات کے لئے یہ فنا ہے؟ کیا اس کے لئے فانی ہونا ممکن ہے؟ کہنے لگا نہیں۔ میں نے کہا: تو پھر اس مجموعے کا نام کیا ہوا؟ اگر اس مجموعے کا نام رب ہے تو اس کے حصے کا کیا نام ہے؟ یہ ''ہمہ اوست'' کی آواز غلط ہے۔ ''ہمہ از اوست'' صحیح ہے یعنی یہ سب کچھ اسی سے ہے' اسی نے بنایا ہے۔ اسی نے طاقتیں بخشیں' یہ اس سے ہے۔ یہ وہ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ محی الدین ابن عربی کی کتاب اور مثنوی مولانا روم جو قریشی بک ایجنسی کی طبع شدہ تھی لے آیا۔ میں نے اسے کہا یہ باتیں تیری عقل سے بالا ہیں۔ انہیں تو نہ علم سے ثابت کر سکتا ہے نہ عقل سے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: خدا کی ذات اور صفات کی قوتوں کو سپرد کر دینا یہ گویا گمراہی ہے۔ اگر خالق و مخلوق والا تصور ''وحدت الوجود'' مان لیا جائے تو پھر خالق و مخلوق میں فرق ہی کیا رہ جاتا ہے؟ جتنی کتابیں آئی ہیں وہ تمام تر اس بات کو واضح کرنے کے لئے آئی ہیں کہ خالق اور ہے اور مخلوق اور۔ اگر خدائی کے مجموعے کا نام خدا رکھ دیا جائے تو یہ گمراہی ہے۔

توحید:۔

میرے مرشد کامل حضرت قبلہ بابا جی میاں غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی رحمتہ اللہ علیہ نے توحید کی وضاحت یوں فرمائی ہے کہ:

عقلی اور نقلی دلائل سے رب العزت جل وعلیٰ شانہ کو ایک جاننا یا شہود اشیاء اور وجودات سے ذات واجب الوجود کی یکتائی کا اقرار کرنا' توحید عملی ہے' اور توحید ذات یہ ہے کہ کثرت میں وحدت نظر آئے۔ اہل اللہ اپنے وجود کے ادراک کی ایسی نفی کرنے کو ''توحید حقیقی'' کہتے ہیں کہ ہستیء حق کے سامنے تعینات کی ہستی مفقود اور نابود ہو جائے اور فنا کے بعد حضرت احدیت کا وہ قرب واتصال نصیب ہو جس کو حیات ابدی اور بقائے سرمدی کہتے ہیں۔ فی زمانہ وہ لوگ ''موحد'' کہلاتے ہیں جن کا حقائقِ توحید سے قطعاً کوئی تعلق نہیں' بلکہ وہ لوگ مسئلہ توحید باری تعالیٰ سے بالکل نا آشنا ہیں۔ حقائق توحید کا انکشاف موحد کی نیاز مندی سے ہوتا ہے۔ سچا موحد وہ ہے جس کا آخر اول کی طرف عود کر آئے اور ایسا ہو جیسے ہونے سے پہلے تھا۔ توحید کا علم پا لینے والا موجودات کی یاد کو دل سے محو کر دیتا ہے اور خود خدائے واحد کے ساتھ منفرد رہ جاتا ہے۔ اس کیفیت سے جن کو بندے کے خدا ہونے کا شبہ ہو جاتا ہے اور وہ یہ عقیدہ رکھنے لگتا ہے کہ بندہ ہی خدا ہے' وہ ایک ایسے مخمصے میں گرفتار ہے جس سے جہالت کی وادی قریب ہے۔ اسلام نے مسئلہ توحید کو بڑا بلند مقام دیا ہے مگر افسوس نادانوں نے اس کو بازیچہء اطفال سمجھ کر یوں عمل کیا کہ الفاظ ہی کے ذخیرہ میں الجھنا اور عقل کی بھول بھلیوں میں گرفتار ہو کر کلام کرنا' موحد کی شانِ امتیازی قرار دے دی۔

مسئلہ ''وحدت الوجود'' پر متقدمین نے جتنی بحث کی ہے وہ ایسی ہے جسے نا تمام کہنا چاہئے۔ جو نظریہ ایک نے قائم کیا اسے دوسرے نے توڑ دیا۔ اسی طرح سائنسی اور فلسفیانہ نظریات ہیں۔ کسی نے کہا: زمین گول ہے۔ ستارے ٹوٹتے ہیں۔ کسی نے کوئی نظریہ قائم کیا اور کسی نے کچھ اور۔ یہ ایسی چیزیں یا نظریات ہیں کہ بعض اوقات آنے والے لوگوں کی تحقیق یا نظریات سابقہ تحقیق ونظریات کو توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح مسئلہ ''وحدت الوجود'' کے متعلق جو کچھ لکھا ہے' ہیر پھیر کر اس طرف آتے ہیں کہ یہ تمام کائنات ایک مجموعے کا نام ہے اور اس کائنات کے مجموعے کا نام رب ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ اتنا بودا ہے کہ اگر کوئی دلیل پیش کرے تو اسے کسی طرح ثابت نہیں کیا جا سکتا' اس لئے کہ ان کا یہی نظریہ کہ کائنات کے مجموعے کا نام رب ہے' وحدت الوجود کی تمام شقوں کو توڑ کر رکھ دیتا ہے۔ اس لئے کہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ وہ تمہارے احاطے سے باہر ہے۔

ذات وصفات:-

چودھری علی احمد سہروردی نے چند مسائل کی تشریح کے لئے ایک رقعہ پیش کیا جسے ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا:

یاد رکھو انسان جس وقت بھی کسی بات کی ٹوہ میں نکلتا ہے تو وہ اپنی دماغی تحقیق کے ماتحت نکلتا ہے۔ اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ صحیح ہے' اس لئے کہ یہ جو مسئلہ ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے متعلق ہے' یہ ایسا مسئلہ ہے کہ شنید پر جتنی بحث ہے اس کا کوئی ثبوت نہیں' اس لئے کہ دید تو ہے نہیں۔ اگر ہے تو وہ لیس کمثلہ شئی (۱۱:۴۲) ہے۔ اس کی کوئی مثال نہیں' اس لئے انسان صحیح معنوں میں اس نتیجہ پر نہیں پہنچتا کہ یہ مسائل صحیح مطالب کے لحاظ سے کیا ہیں؟ کئی لوگوں نے اسے دیکھا ہے' یہ نہیں کہ لوگوں نے اسے نہیں دیکھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا دیکھا ہے؟ دوسرے کو کیا بتائے کہ کیا دیکھا ہے؟ بے مثلی حائل ہوتی ہے۔ گویا دیکھنے کے باوجود بھی دیکھنے والا نہیں بتا سکتا کہ کیا دیکھا ہے اور کیسے دیکھا ہے؟ کیونکہ عوام الناس مثل سے سمجھنے کے عادی ہیں۔ اس کی ذات بے مثل ہے۔ اگر کہیں کہ نور ہے تو وہ کیا چیز ہے؟ یعنی جیسے دھوپ۔ اب یہ مثال تو ہے' مگر حقیقت سے بہت دور۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

آپ نے اس رقعے میں پہلا لفظ جو استعمال کیا ہے وہ ''سوچ بچار'' ہے جسے ''تفکر'' کہتے ہیں۔ تفکر سے جو مراد ہے وہ ذات کے متعلق نہیں۔ ذات کے متعلق تفکر سے منع فرمایا گیا ہے۔ صفات پر تفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ تفکر چونکہ ذات پر نہیں اور نہ ہی کر سکتا ہے اور یہی حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ اس لئے جو دعوت دی گئی ہے وہ ذات پر تفکر کی دعوت نہیں۔

احد اور واحد میں فرق:-

دوسری بات آپ نے ''ھو اللہ احد'' کی وضاحت چاہی ہے۔ احد کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ہندسہ جس کے پہلے کچھ نہ ہو۔ چونکہ رب العزت کی ذات احد ہے اور اس لئے احد ہے کہ اس کے پہلے کچھ نہیں' وہ ازلی ابدی ہے۔ وہی ابتداء ہے وہی انتہا ہے وہی اول ہے وہی آخر' تو جس صورت میں اسے احد مانتے ہیں تو احد کے معاملے میں رب کی ذات ہے جس کے پہلے کچھ نہیں اور جس کے بعد کچھ نہ ہو اسے کہتے ہیں ایسا احد جو یکتا ہے۔ اگر ہم قرآن میں یا

اسماء الحسنیٰ میں واحد مانیں، تو واحد وہ ہوتا ہے جو اکیلا ہو۔ لیکن اس کا ظہور، اس کی صفات سے کسی دوسرے کی شراکتِ معنوی کے لحاظ سے ممکن ہو۔ مثلاً رب العزت کریم ہے۔ رسول علیہ السلام بھی کریم ہیں۔

کفار کے سرداروں کے متعلق قرآن میں آتا ہے: روز قیامت دوزخ میں جب عذاب دیا جائے گا انہیں کہے گا ذق انک انت العزیز الکریم۔ (۴۴:۴۹) (مزہ چکھ! تو بڑا عزت والا سردار بنتا ہے) گویا وہ لوگ جو ہیں ان سے یہ خطاب ہو سکتا ہے۔ جس طرح سمیع ہونے کی اسی مشابہت کہ رب سنتا ہے۔ انسان بھی سنتا ہے اور حیوان بھی۔ مگر ان کے سننے کی نوعیت اور ہے۔ رب العزت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کی سماعت کے لئے کان ہو۔ یعنی اس کے سننے کے لئے مشابہت تامہ ضروری نہیں۔ یہ ہے کہ سنتا ہے، کلام کرتا ہے مگر اس کے لئے ضروری نہیں کہ دیکھنے کے لئے آنکھیں ہی ہوں۔ تو یہ صفات ہیں۔ اگر الفاظ میں معنوی مشابہت پائی جائے تو یہ ممکن ہے۔ اس موقع پر ہم اسے واحد کہیں گے۔ مثلاً فلاں آدمی کا پتہ لو کہ ہے۔ وہ کہے کہ اکیلا ہی ہے۔ گویا اس نے کہا ہے کہ وہ ''واحد'' ہے یعنی اس کا واحد ہونا اس کے اکیلا ہونے کے معنوں میں ثابت ہوتا ہے مگر توحید کے معنوں میں نہیں۔ اس لئے ''احد'' کے واضح اور عام فہم معنی یہ ہیں کہ جس کے پہلے کچھ نہ ہو۔

اللہ الصمد:۔

تیسرے نمبر پر جو آپ نے ذکر کیا ہے۔ ''اللہ الصمد''۔ تو صمد کے معنے آپ نے پاک لئے ہیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔ صمد کے معنے ہیں وہ ذات جس کو کسی کی نیاز مندی نہ ہو۔ یعنی وہ ہر قسم کی خوشامد، مدد، لگاؤ اور محتاجی وغیرہ ان تمام چیزوں سے بے نیاز ہو۔ کیونکہ جو ہستی صوری یا معنوی لحاظ سے کسی پہلو پر دوسرے کی محتاج ہو، دوسرے سے لگاؤ رکھے، دوسرے سے خوفزدہ ہو، دوسرے کی نیاز مندی کا اعتراف کرے وہ خدا نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ''صمد'' کے معنی بے نیاز ہوتے ہیں۔ گویا ہر طرح بڑی ہو اور بلند و بالا ہو۔

لوحِ محفوظ

سائل (چودھری علی احمد سہروردی) نے پوچھا کہ ''لوحِ محفوظ'' کیا چیز ہے؟ افلاطون کہتا ہے کہ خارج میں جو چیز ہے اس کا وجود دراصل موجود ہے۔

فرمایا: یہ کسی وجود کا تذکرہ ہے لیکن لوحِ محفوظ کسی عدم کا تذکرہ بیان کرتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس کی شکل کہاں محفوظ ہے اور وہ کیا شے ہے جس میں ہر شے محفوظ ہے۔ اس کا یہ نام کیا ہے؟ اس سے قبل ایک اور چیز کو ماننا پڑتا ہے کہ لوحِ محفوظ پر جو علم محفوظ ہے وہ کسی آلے سے لکھا گیا ہے اور اس آلے کا نام ''قلم'' ہے۔ قلم کو ارشاد ہوتا ہے لکھ! وہ رب العزت کے علوم لامتناہیہ کو لکھنا شروع کر دیتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے ان علوم لامتناہیہ کا علم تھا۔ اگر قلم کے سامنے لکھانے والا بولتا گیا تو وہ لکھتی گئی ہے' پھر اس چیز کے منافی ہوگا کہ قول اس کا ''ظن'' ہے' آواز نہیں۔

چودھری صاحب نے عرض کی کہ قرآن میں آتا ہے'' آواز دیتے ہیں''۔'' دل میں ڈالتے ہیں' یا وحی کرتے ہیں''۔

فرمایا: پہلی دو صورتیں عوام سے تعلق رکھتی ہیں' اور وحی کا تعلق انبیاء سے ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آواز آئی۔ آواز کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا عمل اس کے باوجود بھی اسے نہ سمجھ سکا۔ پھر یہ کہو کہ انبیاء نے آواز وحی کی سنی۔ رب کی نہیں سنی۔ یہ چیز یاد رکھو کہ قرآن میں آتا ہے۔

واذ استسقیٰ مُوسیٰ لِقومه فقلنا الضرب بعصاک الحجر. (۲:۶۰)

جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا کہ پتھر پر عصا کو مار۔'' کہا'' جو ہے قول ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات وہ ہے جس سے بلاواسطہ کلام ہوا ہے۔ وہاں وحی کی ضرورت نہیں۔ اب سوال یہ ہے'' ہم نے کہا''۔ کہنا کسی آواز کا محتاج ہے؟ یہی تو ایک چیز ہے جو غور طلب ہے۔ اس علمِ الٰہی کے کچھ ارشادات ہوتے ہیں جو اس کے اور اس کے مقبولوں کے درمیان ''اصطلاحات'' ہوتی ہیں۔ جس وقت رب العزت کسی کو نبوت عطا فرماتے ہیں تو کیا اسے آواز سے کہتے ہیں کہ تجھے نبی بنایا؟ آواز سے مراد لحن نہیں۔ چپ میں بھی ایک صدا ہے اور اس کی اصطلاحیں معین ہیں۔ مثال کے طور پر ایک شخص پشاور میں ہے اور ایک لاہور میں۔ پشاور والا لاہور والے سے ٹیلیگراف سسٹم کی گڑگٹ کی چند دھڑکنوں پر بات کرتا ہے۔ ہر دو ان اصطلاحوں سے واقف ہیں۔ آواز آرہی ہے لیکن اس میں A. B. C. D نہیں۔ A. B. C کے ارشادات اور مطالب کا مفہوم اس گڑگٹ میں آرہا ہے۔ اس مفہوم کو وصول کرنے والا اتنا باخبر ہے کہ وہ گڑگٹ میں پوشیدہ اشارات کو

ABC کا جامہ اپنی زبان میں خود پہنا رہا ہے اور وہ آواز ایسی ہے کہ فریقین میں اشارات معین ہیں۔ مثلاً میں آپ کو کہتا ہوں چودھری صاحب ''ہاں وہ بتاؤ'' آپ کہتے ہیں ''جی ٹھیک ہے'' گویا ہم میں ایک راز ہے' خواہ پچاس آدمی بیٹھے ہوں لیکن کسی کو کیا سمجھ آئی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ وحی مجھ پر زیادہ سخت ہوتی تھی جس کی آواز گھنٹی کی سی ہوتی تھی۔ اس سے میری کیفیت یہ ہوتی تھی کہ میری ہڈیاں کڑکڑاتی تھیں۔

خیال فرمایئے وہ کیا چیز تھی؟ وہ جتنا بوجھ طبیعت پر پڑ رہا تھا اس حکم اور مفہوم کا بوجھ تھا جو آ رہا تھا۔ آواز کا نہیں۔ جس وقت ٹیلیگراف والا پیغام لیتا ہے تو وہ اس طرح لیتا ہے کہ اس کی دھڑکنوں کو مفہوم کا جامہ پہناتا ہے۔ اب اگر آپ یہ کہیں کہ جس آواز سے نازل ہوئی اسی میں تار دو تو آپ نہ سمجھ سکیں گے۔

قرآن میں آتا ہے۔

وانہ' لتنزیل من رب العلمین. نزل به الروح الامین. علیٰ قلبک لتکون من المنذرین. بلسانٍ عربیٍ مبین. (۲۶:۱۹۲تا۱۹۵)

اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے اسے روح الامین لے کر اترا۔ تمہارے دل پر' کہ تم ڈر سناؤ روشن عربی زبان میں۔

گویا قرآن جو نازل کیا ہے وہ حضور علیہ السلام کے دل پر نازل کیا ہے۔ دل پر الفاظ نازل نہیں ہوتے مفہوم نازل ہوتا ہے۔ اب آگے لینے والا عبرانی زبان کا مالک تھا تو زبور عبرانی میں ہوگئی۔ لینے والا یونانی زبان کا تھا تو رات یونانی ہوگئی۔ لینے والا عربی زبان کا تھا قرآن عربی میں ہوگیا۔

انا انزلنه قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون. (۱۲:۳)

ہم نے قرآن کو عربی میں نازل فرمایا تاکہ تم عقل کرو۔

لیکن وہ عربی زبان میں جو قرآن آیا وہ انہ' لقول رسولٍ کریم (۶۹:۴۰) ہے کیونکہ لینے والے کی زبان عربی ہے۔ وہ جو ''بات'' ہے وہ اس کی آواز نہیں' اس کا مفہوم ہے۔ خیر یہ تو دوسرا مسئلہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ قلم نے لکھا۔ اس کا وجود کب بنا؟ لوح پر اس نے کیا لکھا؟ کیونکر لکھا؟ جو کچھ لکھا اس کا علم اسے کس طرح تھا؟ لوح پر تمام علوم الٰہیہ قلم نے لکھے۔ اس سے پتہ چلتا

ہے کہ اتنا علم قلم کو بھی تھا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ ''قلم'' کیا چیز ہے؟ ان علوم کا منبع کیا ہے؟ لوح پر کیسے چلی؟ علوم الٰہیہ اس نے کیسے لکھے؟ وہ لکڑی کی تھی، لوہے کی تھی، تانبے کی تھی، سونے کی تھی یا شیشے کی تھی؟ کس چیز کی قلم تھی؟ یہ چیزیں جو ہیں ان پر غور کی ضرورت ہے کہ مولیٰ کریم اور حضور علیہ السلام کی رحمت سے کسی اللہ کے بندے پر انکشاف اور شرح صدر ہو جائے۔ رومی نے لکھا ہے کہ ''لوحِ محفوظ'' اولیاء کے سامنے ہے۔ اس نے کیوں نہیں بتایا کہ لوحِ محفوظ کیا ہے؟

لوحِ محفوظ تو آدم کی پیدائش سے اَن گنت سال قبل تھی۔ جس چیز کا ذکر ہے، اس کا وجود بھی ہے۔ اور جس کا وجود ہے اس کا مقام بھی ہے۔

حروفِ مقطّعات

کچھ توقف کے بعد فرمایا: قرآن کے متعلق آتا ہے کہ ہم نے اسے سہل بنایا، لیکن حروف مقطعات کی کوئی تفسیر نہیں۔ جس چیز کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمانا چاہا اسے مولیٰ کریم کے امر سے واضح فرما دیا۔ بعض مفسرین نے ''الم'' کی تاویل کی ہے کہ ''ا'' سے مراد اللہ ''ل'' سے مراد جبرئیل اور ''م'' سے مراد محمدؐ ہیں۔ اللہ جل علیٰ شانہ کی طرف سے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نزولِ قرآن ہوا۔ جن لوگوں نے باریکی سے کام لیا انہوں نے لکھا ہے: الف کا ابجد کے لحاظ سے ایک عدد، اللہ کی طرف سے، ل سے مراد جبرئیل، ل کے تیس عدد یعنی تیس سیپارے۔ م کے چالیس عدد یعنی چالیس سال کی عمر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا۔ اب یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا مطلب یہی ہے، مگر تاویل و تفکّر ہے۔

کشفِ ساق

کچھ توقف کے بعد فرمایا: قرآن اور حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کو چالیس سال دنیا دار قبروں سے نکل کر خاموش کھڑے رہیں گے۔ کوئی راہ نہ ملے گی۔ پسینے میں غرق ہوں گے۔ اس کے بعد آواز آئے گی۔ اچانک رب العزت ''کشفِ ساق'' فرمائیں گے۔ یعنی اپنی پنڈلی کھولیں گے۔ قرآن میں آتا ہے۔ یوم یکشف عن ساقٍ ویدعون الی السجود فلا

یستطیعون (۶۸ : ۴۲) ۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پنڈلی ننگی فرمائیں گے اور مخلوق کو سجدہ کی دعوت دی جائے گی۔ منافقین اور کفار کی پشتیں تختوں کی طرح سخت ہو جائیں گی۔ پھر وہ سجدہ نہ کر سکیں گے کیونکہ دنیا میں انہوں نے سجدہ نہ کیا۔ چنانچہ انہیں دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا۔ مسلمان اہل اللہ جو دنیا میں سجدے کرتے رہے وہ فوراً سجدے میں گر جائیں گے۔ ذات باری تعالیٰ کا وجود اور جسم نہیں۔ یہاں پنڈلی سے کیا مراد ہے؟ میں نے اس کا بڑا مطالعہ کیا ہے اور تحقیق کی ہے کہ کشفِ ساق کا مفہوم کیا ہے کہ پنڈلی کھولی جائے گی۔ چنانچہ میں نے اپنی تصنیف ''جمال الٰہی'' میں یہ مسئلہ ایک مستقل باب کی صورت میں لکھا ہے [1] قرآن کریم کی تفسیروں میں بحث طلب واقعات آتے ہیں مگر اکثر مفسرین ''واللہ اعلم'' کہہ کر گذر جاتے ہیں۔ کشفِ ساق کی تفسیر میں بھی یونہی بات کر کے گذر گئے ہیں۔ اس پر بحث نہیں کی کہ کشفِ ساق کیا ہے؟ کیسے ہوگی؟ تو ان چیزوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ میاں تفسیر لکھنے جو بیٹھے ہو تو قرآن کا منشا تو واضح کر دو۔ اگر نہیں کر سکتے تو پھر اپنے آپکو زحمت میں کیوں ڈالتے ہو؟

کُرسی

سائل کو فرمایا: اس کے بعد آپ کا جواب طلب مسئلہ ''کرسی'' ہے۔ کرسی درحقیقت ایک قوت ہے، ایک طاقت کا مفہوم ہے۔ اس کے لفظی معنی ہیں کراسی۔ کرس، کراس۔

چودھری صاحب نے قطع کلامی کرتے ہوئے کہا کہ اس چار پہلو والی چیز کو کہتے ہیں یعنی (+)

فرمایا: ایک ٹرین جب سٹیشن پر کھڑی ہو جائے اور دوسری کو وہاں سے گزارنا مقصود ہو تو کہتے ہیں ٹرین کا ''کراس ہے''، یعنی جہاں چند لائنوں، ٹرینوں یا ان کے نظام کے ملنے کا تعلق ہے۔ گویا مقامِ اتصال ہے۔ اسی لئے عام کرسی کو بھی اسی لئے کرسی کہا جاتا ہے کہ اس میں مختلف لکڑیوں کا اتصال ہے۔ لیکن آپ کے سوال کردہ مقام پر کرسی کا مفہوم حکومت کا ہے۔

---

[1] بحوالہ ''جمال الٰہی'' صفحہ ۱۵۲، ۱۵۳ ''کشف ساق'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نورِ عظیم ظاہر فرمائے گا جس سے سب سجدے میں گر جائیں گے۔ قیامت کے روز یہی کشفِ ساق کی گھڑی سب سے سخت اور شدید ترین و ہولناک ہوگی۔ عوفی کی روایت کے مطابق آخرت میں داخل ہونا، سخت معاملہ کھلنا اور اعمال کا ظاہر ہونا، کشفِ ساق ہے۔ زمخشری نے کہا ہے کہ ساق کھلنا سختی، کار کے واسطے مثل ہو گیا۔ جمہور سلف کے نزدیک بھی کشفِ ساق شدت و صعوبت امر سے عبارت ہے جو یوم قیامت حساب و جزا کیلئے پیش آئے گی۔

یہ جس طرح وہ ہے نا' جسے ہم کہتے ہیں کہ جب حکومت آرڈر کرتی ہے' یا گورنر کہتا ہے میری حکومت یہ کرتی ہے۔ میرا نظام' میرا منشا وغیرہ ان سب سے کیا مراد ہے؟ یہ کہ جس کرسی سے میں حکم کر رہا ہوں اس سے مراد میری قوت ہے۔ اب گورنر کے اختیار گورنری کے ہیں مگر آپ کہتے ہیں کہ یہ اختیارات اسی وقت تک ہیں جب تک وہ اس کرسی پر ہے۔ گویا وہ کرسی خواہ لکڑی کی ہو' خواہ سونے کی' فرش ہو یا قالین' ہر وہ مقام جہاں سے اس کی قوت کا اظہار ہو رہا ہے وہ کرسی ہے۔ کرسی بجائے خود کوئی معین شے یا مخلوق نہیں۔

مواد یا مادہ

سائل نے عرض کی کہ مادے کے متعلق بھی بیان فرما دیجئے۔

فرمایا: مواد جو چیز ہے کوئی بھی ہو' وہ مخلوق ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی بنیاد رب العزت کے علم میں ہے ورنہ رب العزت مواد کا محتاج نہیں۔ مواد کا مسئلہ محض مخلوق کو سمجھانے کے لئے ہے۔ اگر مولا کریم چاہتے تو آدم کو بغیر مٹی کے پیدا کر دیتے' بغیر پانی کے پیدا کر دیتے' اس کا وہ نقشہ سامنے آ کر ''کُن'' کا مورد بن جاتا۔ مگر کائنات کو جس عالم سے واسطہ پڑنا تھا وہ عالم اسباب تھا۔ اس لئے جب اس میں مادہ موجود نہ ہوتا' انسان بجائے خود کسی مقام پر ''کُن'' کہنے کا حامل نہیں' اس لئے ہر چیز کا مادہ خود پیدا فرمایا۔ اس لئے جو مخلوق ہم پیدا کر رہے ہیں یہ مادے کی محتاج ہے۔ روٹی اگر اس نے کھائی ہے وہ بھی مادہ ہے' پانی پیا ہے وہ بھی مادہ ہے' کپڑا پہنا ہے وہ بھی مادہ ہے۔ اس لئے کائنات جو ہے وہ اس شے سے متعلق ہے۔ لہٰذا خود قدرت رکھنے کے باوجود مولیٰ کریم نے مادہ سے پیدا کیا۔ لوگوں کو اس معاملہ میں غلطی لگی۔ انہوں نے کہا مادہ بھی قدیم ہے۔ جنہوں نے یہ سمجھا کہ مادہ بھی قدیم ہے انہیں یہ پتہ نہیں چلا کہ مادہ کب سے ہے؟

انما امرہ اذ اراد شیئاً ان یقول لہ' کُن فیکون. (۳۶:۸۲)

وہ مادہ ہی تو ہے جس کے لئے ''کُن'' کہا گیا۔ پھر مادے کے لئے ''کُن'' کہا گیا۔ مادے کا اتنا سا ٹکڑا لے کر گھوڑا بنایا۔ مرغ و ماہی بنائے گویا جس قدر مخلوق اور اٹھارہ ہزار عالم بنے اسی ''کُن'' کا نتیجہ ہیں جو اس مادے پر کہی گئی۔

روح اور جسم

کچھ توقف کے بعد سائل کے اگلے سوال کے متعلق فرمایا: میں نے ایک کتاب دیکھی۔ مصنف نے ایک جگہ لکھا تھا۔

ویسئلونک عن الروح. قل الروح من امر ربی. (۸۵:۱۷)

''روح کے متعلق آپ سے سوال کرتے ہیں' آپ فرمادیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ایک چیز ہے'' لہٰذا اس پر بحث نہیں کرنی چاہئے۔ یہ اڑھائی صورتیں لکھ کر مصنف نے بحث ختم کردی۔

چودھری علی احمد سہروردی نے عرض کی حکیم ابوالفتح نے ایک نوٹ لکھا ہے کہ امر ربی سے مراد ایتھر ہے۔ روحی جسم کو ایتھر میں پیدا کیا' ایسا مادہ جسے آگ نہیں جلا سکتی۔ نیز یہ کہ اولیاء اللہ کی روحیں حساس ہوجائیں گی۔ ان میں دنیا والوں کے سارے حسیات موجود ہوں گے اور یہ کہ رُوحی ایسے جسم ہیں جنہیں موت نہیں آتی' انہیں مداومت حاصل ہے۔

فرمایا: اس کے یہ معنی ہوئے کہ ہر بندے کی روح ایک جیسی نہیں۔ نیز سوال یہ ہے کہ اس عذاب کی نوعیت جو تھی اس سے روح متاثر ہوگی بھی یا نہیں؟

سائل (چودھری علی احمد) نے عرض کی ''نہیں جی'' صرف جسم متاثر ہوگا۔

فرمایا: کمال کا مفہوم کیا ہے؟ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے روح ہر لحظہ نامکمل ہے۔ مدارج کا فرق عمل کی وجہ سے ہے' روح کی وجہ سے نہیں۔ مثال کے طور پر ایک کے پاس سو روپیہ ہے مگر سفر وہ تھرڈ کلاس میں کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ کرائے کی کمی کی وجہ سے کر رہا ہے۔ دوسرا ہے اس کے پاس بھی سو روپیہ ہے' وہ فرسٹ کلاس میں سفر کرتا ہے۔ تو گویا یہ فرق عمل کی وجہ سے ہے۔ انسان' روح اور جسم کا مرکب ہے۔ جب تک روح قائم ہے یہ نیکی پر بھی قادر ہے اور بدی پر بھی۔

چودھری صاحب نے عرض کی قبلہ! وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ انسان ریشم کے کیڑے کی طرح ہے۔ جسم خول ہے۔ جس طرح کیڑا ریشم بنا کر اسے چھوڑ جاتا ہے' اسی طرح روح بھی جسم کو چھوڑ جاتی ہے۔

فرمایا: جس چیز کو ہمارا شعور صحیح محسوس نہیں کرسکتا اس کی مثال پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

جس وقت تمام گناہوں اور نیکیوں کا حساب کتاب ہوگا یا جمع کی جائیں گی' اسے اس وجود کا فعل نہیں سمجھا جائے گا۔ جب تک جسم میں روح موجود نہیں۔ انسان اس وقت چوری نہیں کر سکتا' جب تک جسم میں روح موجود نہیں۔ کوئی نیکی یا بدی نہیں کر سکتا جب تک اس میں روح کی مشارکت نہ ہو۔ اس کی عمر کی ایک ڈگری ہے کہ یہ انجن اتنا عرصہ چلے گا۔ پھر روح جسم سے علیحدہ ہو جائے گی۔ اب سوال یہ ہے کہ قبر میں' پانی میں' عالم برزخ میں جو سوالیہ کیفیت ہے وہ کس کے متعلق ہے؟ وہ روح کے متعلق ہے؟ کیا وہ اس کے جسم کے متعلق نہیں؟

سائل نے عرض کی صرف روح کے متعلق ہے۔

فرمایا: یہ غلط ہے۔ وجود کے ساتھ اس کا تعلق ہوگا۔ جبھی تو اسے مسرت یا تکلیف کا احساس ہوگا ورنہ روح کو کیا ہوگا۔ یہ ناخن ہے' اسے اتار کر پانی میں ڈالو' آگ میں ڈالو چونکہ اس کے ساتھ روحانی کنکشن نہیں رہا اس لئے اسے احساس نہیں ہوگا۔ اگر اس میں روح ہو تو محسوس کرے گا۔ اسی طرح جو اعضا کٹ گئے' بال قینچی سے کتروائے ان میں روح کی حیثیت نہیں رہی۔ جلا دو' پھینک دو مگر اس کی کارکردگی میں اس کا جواب نہیں۔ حدیث میں آتا ہے۔ ''روح قبض کی جاتی ہے''۔ جیسے ہم یہ کہتے ہیں کہ اس پر موت طاری ہوگئی۔ مرنے والے کو پتہ ہوتا ہے کہ فلاں رو رہا ہے' یہ میرا مکان ہے' یہ گھوڑا ہے وغیرہ وغیرہ۔ پھر جب ہم اسے نہلاتے ہیں تو وہ کہتا ہے مجھے آہستہ ہاتھ لگائیں' میں نے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ غرضیکہ اس میں تکلیف کا احساس ہوتا ہے' اور روح کا ''اتصالِ معنوی'' سارے جسم میں قائم ہے حالانکہ ہم اسے مردہ سمجھتے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے جب اسے لے چلتے ہیں تو اگر اسے گھر والوں سے محبت ہے' تو جنازہ اٹھاتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ تم مجھے کہاں لئے جاتے ہو؟ اگر اسے اپنا مقام بہتر دکھائی دیتا ہے اور اپنی معلومات کی بنا پر جنت دکھائی دی ہے تو کہتا ہے کہ جلدی لے چلو! حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے اس کی آواز جنوں اور انسانوں کے سوا ساری کائنات سنتی ہے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے سائل کو فرمایا: اس بات پر رہو کہ روح کی شمولیت سے جسم نے گناہ کئے ہیں۔ جس وقت قیدی کو سزا دی جاتی ہے تو کپڑے اتار دیئے جاتے ہیں۔ روح نے اس جسم کی شمولیت سے گناہ کیا۔ اب جب اس کا بدلہ لے گا تو یہی جسم لے گا۔ تم کہتے ہو ہم اسے جلا دیں گے تو پھر اسے کوئی عذاب نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ وقت یاد کرو جب تم کچھ نہیں تھے' ہم نے تمہیں پیدا کر دیا۔ تمہارا کوئی حصہ ہڈی وغیرہ اب بھی اکٹھا

کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ جسم یا وجود عذاب وثواب کا بدلہ حاصل کرے گا۔ مثال کے طور پر دو چور مل کر چوری کرتے ہیں۔ دونوں پر فرد جرم لگتا ہے۔ یہ کیا مطلب کہ ایک کو کہا جائے کہ تو جا کام کر اور دوسرے کو سزا دے دی جائے۔ سزا ملے گی تو دونوں کو ملے گی۔ انصاف یہی کہتا ہے۔ اگر مجاہدہ کیا تو جنت کے انعامات اور مشاہدہ دونوں کو ملے گا۔ فرض کرو کہ یہ انعام دونوں (یعنی جسم اور روح کو) نہ ملے، تو پھر جنت میں کون گیا؟ آدمی جب بنایا گیا تو یہ جسم ہی بنایا گیا تھا نا؟

برزخ

کچھ توقف کے بعد فرمایا: یہ جو عالم برزخ کی کیفیت ہے، یہ عجیب راز ہے۔ نہ اگلوں سے تعلق، نہ پچھلوں سے واسطہ۔ یہ حجاب کی زندگی ہے۔ اس میں جنت بھی ہے جہنم بھی ہے۔ سزا جزا مل رہی ہے، طرح طرح کی باتیں ہیں، لیکن وہ راز نہ پچھلوں پر کھل رہا ہے نہ اگلوں پر تاوقتیکہ یہ زمانہ نہ گزر رے۔ تمام کائنات اس حجاب میں ہے۔ وہاں ایک علیحدہ نظام قائم ہے۔

احکام خداوندی میں آخرت کی پہلی منزل برزخ یا قبر ہے۔ ''برزخ'' عربی لفظ ہے جو مرکب ہے۔ ''زخ'' اور ''بر'' سے، جس کے معنی پردہ کے ہیں۔ یعنی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ اخروی کے درمیان کا یہ زمانہ بطور پردہ کے حائل رہے گا۔ گویا طریق کسبِ اعمال ختم ہو گیا اور انسان ایک مخفی حالت میں پڑ گیا۔ یہ اس لئے نہیں سنتے کہ ان کے سننے سے ان کے ایمان بالغیب میں فرق آجائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ روح بھی اس کے ساتھ ہے، چونکہ اس کے بغیر یہ پکار نہیں سکتا۔ قبر میں گیا وہاں یہ پوچھا جاتا ہے۔ من ربک؟ من نبیک؟ ما دینک؟ اور ما تقول فی حق فی ھذا رجل ''اے دنیا سے آنے والے بتا! تیرا رب کون ہے؟ تیرا نبی کون ہے؟ تیرا دین کیا ہے اور یہ جو تیرے پاس کھڑے ہیں ان کے متعلق تو کیا کہتا ہے؟'' اب دو صورتیں ہوں گی، اگر دنیا میں اس کا تعلق حضور علیہ السلام سے ہو گیا ہے تو وہ کہے گا ہذا محمد الرسول اللہ اور اگر تعلق نہیں ہوا تو انکار کر دے گا۔ اس صورت میں لازمی طور پر اس کا نتیجہ اس کے حق میں برا ہو گا۔ امام غزالیؒ نے لکھا ہے کہ اس وقت قبر والے کو یعنی مرنے والے کو قبر میں پورا شعور ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ یہ جانتا ہے کہ میں نے کس عقیدے پر وفات پائی؟۔

عالم برزخ کو یوں سمجھو جیسے کیس بننے اور فیصلہ صادر ہونے سے پہلے درمیانی وقفہ

''حوالات'' ہے۔ میت کو ہر لحظہ احساس ہوتا ہے اور وہ ''اتصال معنوی'' قائم ہے۔ اس مصنف نے یہ چیز جو پیدا کی ہے کہ یہ وجود اور روح بھی فنا ہو جاتے ہیں۔ روح کی جگہ ایک اور چیز ایتھر ڈالی گئی ہے جو مدارج طے کرے گی وہ غلط بیان کرتا ہے۔ وہ مدارج کیوں طے کرے گی؟ جس شے کو ''تکلفات شرعیہ'' میں لا کر تمام قوتیں عطا کرنی ہوں پھر اس کی تکمیل کے کیا معنی؟ وہ خود مکمل ہے، مکمل کر کے بھیجی گئی ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ اعمال کا بدلہ اس کی بنیادی چیز اس کے وجود کے ساتھ ہے۔

چودھری صاحب نے عرض کی مصنف لکھتا ہے اسے مداومت نہیں؟

فرمایا: اسے مداومت ہے۔ تم نے ایک ثواب کا کام کیا ہے اور اس وجود سے کیا ہے۔ تم اس کا بدلہ رب العزت سے لیتے ہونا؟ اس کی جزا تمہیں جنت ملے گی۔ جنت میں جزا کی نوعیت جو ہے وہ حور و غلمان اور جنت کے ثمرات، جنت کے لطائف، یہ چیزیں ہیں نا؟ انہیں حاصل کرنے کے لئے اس جسم نے مجاہدے اور مشقتیں کی ہیں۔ ہر ممکن تکلیف برداشت کی ہے۔

چودھری صاحب نے عرض کی یہ روح تو جسم کا لباس ہے۔

فرمایا یہ غلط ہے۔ یوں سمجھو ایک بندہ انجن میں آگ جلاتا ہے۔ جب تک بھاپ پیدا نہیں ہوتی انجن نہیں چل سکتا۔ سٹیم یا بھاپ بنے اور خارج ہو جائے تو بھی انجن نہیں چلتا سٹیم بند ہو تو پھر انجن متحرک ہوگا۔

چودھری صاحب نے کہا یہ تو اس کا جزو نہیں۔

فرمایا: روح جسم کا جزو ہے۔ یہ وہ غلط کہتا ہے کہ روح جسم کا جزو نہیں۔ قرآن کریم نے انسان کے لئے تین مقام بیان فرمائے ہیں۔ (۱) دنیا (۲) برزخ (۳) دار القرار اور ہر مقام کے لئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اس سے مخصوص ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا میں روحانی جہان کی باتوں کو سمجھنے کے لئے ایک عجیب قدرت کی چیز ہمیں عنایت فرمائی ہے اور وہ نیند ہے۔ روح کو اپنے جسم سے دو قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ (۱) ادراک و احساس (۲) تدبیر و تغذیہ۔ نیند وہ عالم ہے کہ جس میں ہمارے تمام آلات، ادراک و احساس اس دنیا سے بے خبر ہو کر اپنے گرد و پیش کی مادی دنیا سے یکسر بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ تاہم روح کا تعلق جسم سے باقی رہتا ہے اور وہ اس حالت میں بھی جسم کی مادی زندگی اور نشو و نما کی تدبیروں، اعضائے رئیسہ کی غذا رسانی اور دورانِ خون میں مصروف رہتی ہے۔

اسی روحی تعلق کا نام ''تدبیری تعلق'' ہے۔

نیند اور موت میں فرق صرف یہ ہے کہ نیند کی حالت میں جسم سے روح کا ''تدبیری تعلق'' باقی رہتا ہے اس لئے جسم باقی اور زندہ رہتا ہے' لیکن موت کی حالت میں روح کا جسم سے ''تدبیری تعلق'' بھی اٹھ جاتا ہے' اس لئے جسم کے اجزا کچھ دنوں میں منتشر ہو جاتے ہیں۔

برزخ کی زندگی جس میں روح جسم سے الگ ہو جاتی ہے' روح کی ایک گہری اور طویل نیند کے مشابہ ہے۔ خواب میں لذت والم کی کیفیت یوں معلوم ہوتی ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو اس کے ادراک واحساس کے آلات عارضی طور پر بے خبر ہو جاتے ہیں' مگر اس کے ادراک کی تمثیلی یا ذہنی دنیا اس کے سامنے بالکل اسی مادی دنیا کی طرح متشکل ہو جاتی ہے۔ جس طرح بیداری والی لذت و تکلیف خواب میں معدوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خواب والی نعمت اور تکلیف' بیداری میں رخصت ہو جاتی ہے' چونکہ عالم برزخ کی مثال بھی خواب کی طرح ہے۔ اس میں روح کو اس کے اعمال کے موافق تمثیلی سزا جزا دی جائے گی۔

حضرت امام غزالیؒ لکھتے ہیں کہ موت کے معنی فقط ''تغیر حال'' ہے اور روح جسم سے مفارقت کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ اس کو یا تو عذاب دیا جاتا ہے یا ثواب اور جسم سے مفارقت کے معنی جسم سے نکل جانے کے باعث جسم سے تصرف کا منقطع ہو جانا ہے کیونکہ اعضا روح کے لئے بمنزلہ آلات کے ہیں۔

حیاتِ شہداؑ

چودھری صاحب نے عرض کی کہ شہیدوں کی زندگی کے متعلق بھی وضاحت فرما دیجیے۔

فرمایا: شہداؑ کا جو مسئلہ ہے وہ بذاتہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہوتے ہیں۔ اگر ان کا یہ جسم فنا ہو جائے تو اس جسم کی شہادت پانا اور مدارج شہادت سے واقف ہونا وہ تو پھر اس کی تکلیف کے منافی ہوگا۔ لازمی ہوگا کہ یہی پائے' اسے ہی اجر ملے اور اسی جسم کو ثواب ملے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ صحابیہ حضرت اسما بنت تمیسؓ کے گھر حضورؐ تشریف فرما تھے۔ بیٹھے بیٹھے آپ نے فرمایا ''وعلیکم السلام''۔ پھر فرمایا ''وعلیکم السلام''۔ پھر فرمایا ''وعلیکم السلام''۔ یعنی تین مرتبہ ''وعلیکم السلام'' فرمایا۔ بی بی صاحبہ نے عرض کی: یارسول اللہ! یہ وعلیکم السلام تو السلام علیکم کا جواب ہے لیکن میں دیکھتی ہوں کہ السلام علیکم کہنے والے تو یہاں سے کوئی نہیں

گزرے۔ آپ نے کس کے سلام کا جواب دیا ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت جبرئیلؑ گزرے ہیں' انہوں نے سلام کیا ہے اور میں نے اس کا جواب دیا ہے۔ ان کے بعد حضرت میکائیلؑ گزرے ہیں اور ان کے سلام کا جواب دیا ہے اور ان کے بعد جعفر طیارؓ گزرے ہیں جو شہدائے موتہ سے ہیں۔ انہوں نے سلام کیا ہے' اس کا جواب دیا ہے۔ وہ قرآن میں جو ارشاد ہے کہ شہدا زندہ ہیں اور اپنے خدا کے نزدیک رزق دیئے جاتے ہیں۔ کھاتے پیتے ہیں۔ کھانا پینا جو ہے محض روح کے لئے نہیں بلکہ کھانے پینے کا تعلق جسمانیت سے ہے۔ روح تو نہیں کھاتی۔ جسم کے جو اعضاء ہیں یہ روح کے آلات ہیں۔ جب تک روح ان میں جاری ہے یہ بولتے بھی ہیں' حرکت بھی کرتے ہیں۔ جب روح نکل جاتی ہے تو یہ اعضا بے حس ہیں' کالعدم شے ہیں' پھر جب انہیں وہ طاقت عطا کی جائے' مدارج عطا فرمائے جائیں تو پھر وہ کام کرتے ہیں۔ اس لئے شہدا کا جو مسئلہ ہے وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔

سائل نے عرض کی کہ خواہ وہ جسم قبر میں ہوں؟

فرمایا: قبر میں وہ جسم نہیں گلتا' مٹی اسے نہیں کھاتی۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دس بندے ایسے ہیں جن کے اجسام زمین پر حرام ہیں۔ آپ کو یہ علم ہے کہ چند سال ہوئے ایک دفعہ اخبار میں آیا تھا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور ایک صحابی نے حکومت کو کہا کہ دریائے فرات کا پانی اور اس کی نمی ہمیں تنگ کرتی ہے' ہمیں یہاں سے نکال کر کہیں دوسری جگہ دفن کر دو۔ عرب، ایران، مصر اور یورپ کی تمام سلطنتوں کے نمائندے اس اعلان کے مطابق وہاں حاضر ہوئے۔ جب ان کے مزارات کو کھودا گیا تو بعینہ ان بزرگوں کے وجود نکلے۔ انہیں وہاں سے نکال کر دوسری جگہ دفن کر دیا گیا۔ یہ اب دورِ حاضر کی بات ہے۔ ان کے وجود کو مٹی نہیں کھاتی۔

دوبارہ غسل:-

مرزا غلام حسین سہروردی نے عرض کی کہ دوبارہ غسل دینا ضروری ہوتا ہے؟

فرمایا: غسل دینا کوئی ضروری نہیں۔ ہاں دھول دھپہ پڑا ہو۔ کفن کچا ہو یا جل گیا ہو تو اسے بدل دو۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ بہرام گور یعنی تیمور گورگان کربلا گیا۔ کہنے لگا میں سید الشہداء کی زیارت کرنا چاہتا ہوں لہٰذا قبر اکھاڑتا ہوں۔ لوگوں نے اسے کہا دنیائے

اسلام کو اپنا دشمن نہ بنا۔ کہنے لگا میں شہید کی زندگی دیکھنا چاہتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ سید الشہداؑ کے علاوہ بہتر (۷۲) اور بھی تو یہاں لیٹے ہوئے ہیں ان کے کسی مزار کو اکھیڑ کر دیکھ لے۔ چنانچہ اس نے ایک قبر اکھیڑی۔ اتفاق سے وہ قبر سید الشہداؑ کے غلام کی نکل آئی۔ اللہ اکبر! وہ شیر لیٹا ہوا تھا۔ روایتوں میں آیا ہے کہ جب وہ شہید ہوئے تو شہادت کے بعد بھی ان کا خون بند نہ ہوا' چنانچہ سید الشہداؑ نے اپنا رومال جو سرکار کے پاس تھا ان کے بازو پر باندھ دیا جس سے خون فوراً بند ہو گیا۔ تیمور گورگان نے جب اس شہید کے بازو پر سید الشہداؑ کا وہ رومال بندھا ہوا دیکھا تو سوچا کہ آج سے ۱۲، ۱۳ (بارہ تیرہ) سو سال قبل حضور کے ہاتھوں کا باندھا ہوا رومال ہے اسے بطور تبرک ہی لے لوں۔ چنانچہ اس نے آگے بڑھ کر رومال کھولا۔ رومال کا کھولنا تھا کہ خون پھر جاری ہو گیا۔ اس نے کافی حیلے کئے' روئی رکھی' جو بھی اس وقت خون بند کرنے کا سامان ہو سکتا تھا کیا' مگر خون بند نہ ہوا۔ لوگوں نے کہا یہ خون سوائے اس رومال کے بند نہیں ہوگا' لہٰذا اسے باندھ دو۔ چنانچہ جونہی رومال باندھا گیا خون فوراً بند ہو گیا۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ دس (۱۰) آدمیوں کے اجسام زمین پر حرام ہیں۔ میں نے اپنی تصنیف ''موعظۃ المتقین'' میں بالتصریح اس کا ذکر کیا ہے۔ اسلامی سرحد کی حفاظت کرنے والے۔ للہ اذان کہنے والا۔ شہید وغیرہ وغیرہ۔

لباس محشر

صوفی محمد نذیر غوری سہروردی نے پوچھا کیا محشر میں سب ننگے اٹھیں گے؟

فرمایا: ہاں ننگے ہی اٹھیں گے۔ تکلیف تو بجائے خود تکلیف ہے کیونکہ مقام محشر لمبی معیاد ہے۔ ہر ایک کی نگاہ اوپر ہوگی اس لئے کوئی کسی کو نہ دیکھے گا۔ ہر ایک کا نامہ اعمال اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ جو بخشش یافتہ ہوگا اس کے دائیں ہاتھ میں' جو گنہگار ہوگا اس کے بائیں ہاتھ میں اور وہ نامہ اعمال بھی خود بخود ان کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔ وہ دل میں ارادہ ہی نہیں لائیں گے۔ اس لئے لباس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لباس اگلی منزل میں یعنی جنت میں جنتیوں کو ملیں گے اور دوزخیوں کو دوزخ میں۔ وہ بیک لباس ہوں گے۔

صوفی نذیر نے پھر عرض کی کہ لباس کی تعریف کیا ہے؟

فرمایا: یہ کہ وہ نہایت لطیف ہوگا' جس کا بوجھ نہ ہوگا۔ گویا ایک ایسے ملبوس کی صورت

جیسے انسان کو کوئی لباس پہنا دے جو بڑا ہلکا ہو اور اس کے ساتھ اس کا جسم ڈھکا ہوا ہو اور محفوظ بھی ہو۔ اس قسم کے لباس جنتیوں کو جنت میں ملیں گے اس میں انہیں تکلیف نہیں ہوگی۔ وہ لباس قابل تبدیل نہیں ہوں گے۔ جنت میں گرمی یا سردی نہیں ہوگی۔ ایسی جگہ جہاں کسی کو کوئی تکلیف نہ ہوگی وہ جنت ہے۔

بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد

فوت شدہ کنواریاں

صوفی نذیر صاحب نے پھر سوال کیا کہ جو کنواری لڑکیاں جوانی میں فوت ہو جاتی ہیں ان کی حیثیت کیا ہوگی؟

فرمایا: اس حالت میں اٹھیں گی جس حالت میں جنت کی حوریں ہوں گی، بشرطیکہ ان کے ذمے گناہ نہیں اور معصوم ہوں۔ ہر معصوم کا ٹھکانہ جنت ہے۔ جو خدانخواستہ معصوم نہیں، اللہ محفوظ رکھے۔ توبہ قبول فرمائے، انہیں اتنا عرصہ تکلیف میں رہنا ہوگا جتنا عرصہ گناہ کا عذاب اللہ تعالیٰ کے قانون میں ہوگا۔ ہر گنہگار جو مسلمان ہے اگر اس کے ذمہ گناہ ہوں بھی تو اتنا عرصہ اسے عذاب کی تکلیف ہوگی۔ اس کے بعد اسے جنتی بنا دیا جائے گا چونکہ مسلمان جو اہلِ ایمان ہیں وہ جہنم میں ابدی طور پر نہیں رہ سکتے۔ کفار کے لئے جہنم ابدی طور پر ہے۔ آگے اللہ بہتر جانتا ہے۔

نذیر صاحب نے پوچھا کیا ان لڑکیوں کو جنت میں حوروں کی طرح مرد ملیں گے؟

فرمایا: جنت کا نفع سب کو پہنچے گا، اس کی نوعیت تو نہیں بدلتی۔ ایک عورت یہاں بادشاہ کے گھر ہے تو وہ بادشاہت کا نفع اٹھا رہی ہے۔ گو سلطنت میں حکم احکام اس کے خاوند کا چلتا ہے۔ جنت میں جتنی عورتیں جائیں گی ان کے مرتبے کے مطابق انہیں وہاں مرد ملیں گے جس طرح حوروں کو مرد ملیں گے۔ نوعیت وہی ہوگی۔

نذیر صاحب نے عرض کی کہ محشر کو سب ننگے اٹھیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھنے کا وہاں احساس ہی نہیں ہوگا؟

فرمایا: نہیں بلکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ ہی نہیں سکیں گے۔ ان کا دیکھنا اس چیز کے فرق کو نکال دیتا ہے، جیسے اس جہان میں ایک آدمی غیر جنس کے ساتھ چارپائی پر لیٹا ہو، اس کے

آخری سانس ہوں' اس کے سامنے کوئی نوجوان لڑکی سونے چاندی سے لاد کر کھڑی کر دو اور کہو کہ یہ سب تیرے لئے ہے۔ لیکن وہ کہے گا مجھے کیا؟ میری جان نکل رہی ہے۔ اس لئے جس وقت تمام کائنات' تمام دنیا اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے' عذاب میں گرفتار ہو' کڑکتی دھوپ پڑ رہی ہو' سارا لاہور باہر نکال کر کھڑا کر دو' اس وقت کسے احساس ہوگا کہ وہ کسی عورت کی طرف دیکھے۔ کوئی نہیں دیکھے گا۔ بیت اللہ شریف میں حج کے لئے جو لوگ جاتے ہیں ان کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنا اپنا نامہء اعمال سامنے ہوتا ہے تو رب العزت کے حضور حاضر ہو کر کوئی حجر اسود پکڑ کر' کوئی کعبتہ اللہ کا غلاف تھام کر روتے ہیں۔ اس وقت غیر محرم عورتیں بھی ساتھ طواف کر رہی ہوتی ہیں۔ ہر ایک کے سامنے اپنا نامہء اعمال' کمزوریاں' گناہ اور لغزشیں سامنے ہوتی ہیں۔ کسی کو یہ پتہ بھی نہیں ہوتا کہ میرے ساتھ کون عورت ہے جو طواف کر رہی ہے؟ کون ہے جو حجر اسود کو بوسہ دے رہی ہے؟ ہر عورت' ہر مرد اپنے خیال کے ماتحت حجر اسود اور غلاف کعبہ سے چمٹا ہوتا ہے۔ جب دنیا میں یہ حالت ہے تو روز محشر جو پچاس ہزار سال کا ایک دن ہوگا' سورج سوا نیزے پر ہوگا' دنیا پسینے میں غرق ہوگی' اس وقت کسے اس بات کی ہوش ہوگی؟ یہ تو بد دماغی کا احساس ہے جو یہاں پر سوچا جا رہا ہے۔ الامان۔ الامان۔ الحفیظ۔

☆☆☆☆☆

تعبیرِ خواب

رویائے صادقہ

خواب کا مقصد:۔

فضل الرحمٰن سہروردی نے پوچھا! کیا خواب کے ذریعے کسی چیز کی آگاہی کا مقصد ہوتا ہے؟

فرمایا: اس کا خاص مقصد ہے۔ مثلاً کوئی مصیبت کسی ملک پر آنی ہے' ایک درویش کو اس کی آگاہی ہو جاتی ہے۔ وہ ان لوگوں کو آگاہ کر دیتا ہے جنہیں بچ جانا ہوتا ہے' اسے خواب آجاتا ہے کہ یہ ہوگا اور ہم بچ جائیں گے۔ اس لئے قبل از وقت آگاہی اس مصیبت کا عمل جب سامنے آئے گا تو دیکھنے والا اپنی جگہ محفوظ و مطمئن رہتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام پر یہ ثابت نہیں کہ ان پر کوئی کتاب نازل ہوئی ہے۔ بعض انبیاء کا خوابوں کے علم پر ہی انحصار ہے۔ سورۂ یوسف میں خواب سے ہی سارا قصہ شروع ہوتا ہے۔ بعض انبیاء پر حقائق صحائف سے شروع ہوئے اور بعض پر کتب سماوی کے ذریعے سے نئی شریعت۔ ہر نیک درجہ، جس وقت بھی اس کی ابتداء ہوتی ہے' وہ سچے خوابوں سے ہوتی ہے تاکہ اسے ساتھ ساتھ اپنی منزل کی نشان دہی ہوتی رہے اور دیکھتے دیکھتے وہ اس منزل پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کے خواب تصدیق کر جاتے ہیں۔ قرآن میں آتا ہے۔

لقد صدق الله رسوله الرويا بالحق لتدخلن المسجد الحرام ان شاء الله آمنين محلقين رؤسكم و مقصرين لا تخافون. (۴۸:۲۷) مکہ فتح ہونے سے پہلے حضور علیہ السلام کو خواب آیا۔ اللہ نے اس خواب کو سچا کر دیا جو رسول نے دیکھ لیا کہ

مکہ فتح ہونے پر ایک وقت آئے گا جب ہم پُر امن طور پر سر منڈھاتے مکے میں داخل ہوں گے۔ اس لئے جب ان بلند مقاصد کو کوئی آگاہی ہونی ہو تو وہ سچے خوابوں سے ہوتی ہے۔

حقائق بذریعہ خواب:-

حاجی یوسف علی سہروردی نے پوچھا کہ جو حقائق بذریعہ کتب سماوی اور بذریعہ خواب آئیں کیا وہ ایک درجہ کے ہوتے ہیں؟

فرمایا: ایک درجہ اس صورت میں ہوتا ہے جب خواب نبی کا ہو ورنہ جس خواب کے ساتھ صداقت نبوت کا تعلق نہیں اس میں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ بدل جائے اس میں کوئی کسر آجائے اس لئے انبیاء کے خواب بمنزلہ وحی ہوتے ہیں۔ وہ غلط نہیں ہوتے ان میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا۔ عوام کے بمنزلہ وحی نہیں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے وہ کبھی غلط بھی ہو جاتے ہیں۔

علم نبوت کا معجزہ:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: تعبیر خواب علم نبوت کا معجزہ ہے۔ وہ علم الٰہی جب تک بیان کرنے والے پر صحیح طور پر وارد نہ ہو بیان کرنے والوں کو سمجھ نہیں آسکتی۔ حضرت یوسف علیہ السلام آٹھ سال کی عمر میں باپ کی گود میں بیٹھے عرض کرتے ہیں۔

اذ قال یوسف لابیہ یابت انی رایت احد عشر کوکباً وّالشمس والقمر رایتھم لی سٰجدین. (۴:۱۲)

یوسف نے اپنے باپ سے کہا کہ اے میرے باپ میں نے گیارہ ستارے سورج اور چاند دیکھے ہیں جو مجھے سجدہ کرتے ہیں۔ باپ کی نگاہ میں تمام وہ مراحل اور منازل تکالیف اور مصیبتیں جو یوسف علیہ السلام پر گزرنی ہیں وہ ان کی نگاہ میں گزر گئیں۔ چنانچہ واقعات پر اجمالی اشارہ فرماتے ہوئے تعبیر بیان کرتے ہیں کہ اے میرے بیٹے! خواب کی تعبیر تو بعد میں بیان کروں گا مگر تمہیں یہ کہتا ہوں کہ اس خواب کو اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا۔ کیوں؟ اس لئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نبی ہیں اور یوسف علیہ السلام ابھی بچے۔ انہیں پتہ نہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں اس لئے ذکر نہ کرنا کہ تیرے بھائی تجھے کسی فریب کسی مخمصے کسی مکر اور کسی مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں۔ ان کا یہ فعل عارضی طور پر ان سے ہی

منسوب ہوگا لیکن حقیقتاً وہ شیطان کی طرف سے ہوگا جو انسان کا ظاہر دشمن ہے۔ وہ تمہارے بھائیوں کے کان میں پھونکے گا کہ یوسف تمہیں ذلیل کرنا چاہتا ہے اور خود بڑا بننا چاہتا ہے اس لئے وہ تیرے خلاف ہو جائیں گے۔ گویا یہ پہلے تاکید فرما دی کہ یہ بچہ کمسن ہے، محبت میں بھائیوں سے ذکر نہ کرے۔ یہاں یہ یاد رہے کہ یہ واقعات چونکہ وقوع پذیر ہونے ہیں اور مقامِ سجود آنا ہے، اس خواب پر عمل ہونا ہے، لہٰذا حضرت یعقوب علیہ السلام اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ وہ یہ بات سمجھانے کے بعد تعبیر بیان فرماتے ہیں۔

وکذالک یجتبیک ربُّکَ ۔ کہ بیٹا! اسی طرح ہوگا جیسے کہ تو نے دیکھا ہے۔ تیرا رب تجھے ممتاز کرے گا، چن لے گا اور چننے کے بعد ویعلمک من تاویل الاحادیث و یُتمّ نعمتہ، علیک. (۲:۱۲) تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم عطا فرمائے گا۔ تیرا یہ معجزہ ہوگا کہ تو اللہ تعالیٰ کے علم کے تحت خوابوں کی تعبیر بیان کرے۔

سبحان اللہ! یہ علم نبوت ہے۔ یعنی تعبیر میں نتیجے کے طور پر جتنے درمیانی مراحل، جتنی مصیبتیں خواب کا نتیجہ نکلنے تک آنی ہیں وہ حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے بیان فرماتے ہیں اور تعبیر بعد میں۔ گویا آپ نے خواب سن کر ہر طرف اس کی تعبیر کا علم وسیع کر دیا۔ اب دیکھئے کہ علمِ نبوت ایک طرف ہے۔ خواب کے ماتحت یوسف علیہ السلام پر آنے والے مصائب سامنے آ گئے ہیں۔ ایک طرف تو خواب کا انجام سامنے آ گیا ہے اور دوسری طرف ایک ایسی بات آ گئی ہے جو بظاہر خواب میں نہیں۔ خواب میں تو اتنا ہی ہے کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند سجدہ کرتے دیکھے ہیں۔ لیکن اس چیز کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو واضح کیا کہ تجھے تعبیر خواب کا علم دیا جائے گا۔ تجھے نبوت ملے گی۔ تجھے بادشاہت ملے گی مگر تجھ پر مصیبتیں بھی آئیں گی۔ اس خواب میں سے تعبیر خواب کا یہ علم کہاں سے نکلا؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جو بیان فرمایا وہ یہ تھا کہ تو تارے چاند سورج دیکھتا ہے کہ تجھے سجدہ کرتے ہیں لیکن تجھے یہ یاد رہے کہ ان کے ماتحت تعبیر خواب کا علم دیا جائے گا اس لئے کہ جو خواب تُو نے دیکھا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ چاند تارے اگر ہوں تو سورج نہیں ہوتا۔ اگر سورج ہو تو چاند تارے نہیں ہوتے۔ تم نے چونکہ بیک وقت یہ سب دیکھے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ تجھ پر یہ رحمت فرمائے گا کہ رات کے قصے تجھ پر ایسے وارد ہوں گے جیسے دن کی روشنی میں سب کچھ نظر آتا ہے۔ اب یہ علم نبوت ہی ہے نا؟ عام لوگ اس کا ترجمہ پتہ نہیں کیا کرتے؟

یہ الہامی نکات ہیں الہام سے بیان ہو سکتے ہیں۔ عقل سے نہیں۔ علم نجوم کی رو سے قمر مُخبرِ آسمانی ہے۔ سارا نظام فلکی درباری ہیں اور شمس بادشاہ ہے۔ گویا یہ نتیجتاً سلطنت سے وابستہ ہیں۔ ان کی موجودگی بیک وقت نہیں ہوتی۔

قرآن حکیم کا اسلوبِ بیان بڑا قابل تعریف ہے کہ وہ کسی مقام پر غیر ضروری چیزوں کا ذکر نہیں فرماتا۔ جہاں اس کی ضرورت ہے وہاں بیان فرماتا ہے۔ اس لئے پہلے مقام پر "کذالک" ہی فرمادیا۔ یعنی اسی طرح اور ایسے ہی ہوگا اور پھر جب تعبیر خواب کا وقت آتا ہے تو وہاں "ھذا" کہہ کر اس کا تذکرہ کر دیا جاتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان کرنے سے نہ رہ سکے تو گویا اب اپنے سفر میں پڑ چکے ہیں۔ سورہ یوسف شروع سے لے کر آخر تک خوابوں کا قصہ ہے۔ قرآن حکیم نے جو خوابیں بیان فرمائی ہیں ان میں پہلا خواب حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے۔ دوسرا عزیز مصر کا اور پھر قیدیوں کے خواب۔

گفتہ ءاو گفتہ اللہ:-

شاہ مصر کو خواب آیا کہ سات دبلی گائیں' سات موٹی گائیں کھا گئی ہیں اور سات سوکھے سٹے سات بڑے موٹے سٹوں کو کھا گئے ہیں۔ شاہ مصر نے اراکین سلطنت کو یہ خواب اور اس کی تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا بادشاہ سلامت بات یہ ہے کہ خواب اکثر خیال ہی ہوتے ہیں' یہ خواب ایسا نہیں جس کی کوئی تعبیر ہو۔ یہ تبخیر معدہ ہے۔ بادشاہ کو تسکین نہ ہوئی۔ ادھر یوسف علیہ السلام اپنے خواب کی تعبیر کی پاداش میں گرفتار ہیں۔ ایک قیدی نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیاں ہیں اور اسے چیل اور کوے لئے جاتے ہیں۔ دوسرے نے کہا مجھے خواب آیا ہے کہ میں بادشاہ کو شراب پلا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ جو بادشاہ کو شراب پلا رہا ہے وہ اپنے منصب پر پھر بحال ہو جائے گا اور بادشاہ کی ساقی گری کرے گا۔ دوسرا جس کے سر سے کوے اور چیلیں روٹیاں لے جا رہی ہیں اسے پھانسی کی سزا ہوگی اور اس کا دماغ اور بھیجہ چیل اور کوے کھا جائیں گے۔ جب انہوں نے یہ تعبیر سنی تو کہنے لگے کہ ہمیں تو کوئی خواب نہیں آیا یہ تو ہم نے ویسے ہی پوچھا تھا۔ آپ نے فرمایا تمہیں یہی خوابیں آئی ہیں اور وہی ہوگا جیسا کہ میں نے کہا ہے۔

قضی الامر الذی فیه تستفتین. (۴۱:۱۲) چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا یعنی ایک کو پھانسی کی سزا ملی اور دوسرا اپنے منصب پر بحال ہو کر شاہ کا ساقی گر اور مصاحب بنا۔

از تقربِ شاہاں حذر:-

یہاں ایک مسئلہ غور طلب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص کو جسے اپنے منصب ساقی گری کی بحالی کا حکم ملا تو اسے رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب موقع ملے تو یہ بات بادشاہ کے گوش گزار کر دینا کہ یوسف ایک اجنبی اور پردیسی آدمی ہے اور بلاوجہ گرفتار ہے۔ اس کے حال پر وہ غور کرے۔ اللہ اکبر! از تقربِ شاہاں حذر باید کرد کہ گاہے بہ سلامے رنجند و گاہے بہ دشنامے خلعت دہند۔

حضرت یوسفؑ کا نبی اور نبی زادہ ہونے کی حیثیت سے غلام کو یہ کہنا کہ بادشاہِ وقت کے پاس میری سفارش کرے۔ رب العزت کو اتنا ناگوار گزرا کہ حضرت یوسفؑ کو مزید پانچ سال جیل میں گزارنے پڑے، وہ یوں کہ اس شخص کو منصب کی بحالی کے بعد یہ بات ہی ذہن سے اتر گئی کہ حضرت نے اسے بادشاہ کو اپنی بے گناہی کے ظاہر کرنے کے متعلق کہا تھا۔ وہ شخص اسی طرح پانچ سال ساقی گری کرتا رہا تا آنکہ بادشاہ کو وہ خواب آیا جس کا اوپر ذکر کیا ہے اور اس نے جب درباریوں سے اس خواب کا ذکر کیا تو یہ شخص اس وقت بادشاہ کو شراب پلا رہا تھا اور اسے حضرت یوسفؑ کا پیغام یاد آ گیا۔ جب درباریوں نے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو اس شخص نے بادشاہ کو کہا کہ جیل میں ایک شخص یوسف نامی ہے جو خوابوں کی تعبیر بیان کرتا ہے اور جو بیان کرتا ہے وہی ہوتا ہے۔ آپ اس خواب کی تعبیر اس سے پوچھیں۔ بادشاہ کو یہ بات دل لگی۔ اس نے حکم دیا کہ یوسف کو دربار میں طلب کیا جائے اور وہ میرے خواب کی تعبیر بیان کرے۔

چنانچہ جب حضرت یوسفؑ کو بادشاہ کا حکم ملا تو فرمانے لگے کہ خواب کی تعبیر بیان کرنا تو الگ چیز ہے، مجھ پر چونکہ تہمت لگی ہے اور نبی کی زندگی بڑی پاکیزہ زندگی ہوتی ہے۔ اگر میں جیل سے باہر نکلا تو لوگ کہیں گے کہ یوسف نے اپنے اس عیب پر پردہ ڈال دیا ہے اور اب بادشاہ کا مصاحب بن گیا ہے لہٰذا دنیا اس کے عیب کو چھپا گئی ہے، یہ داغدار ہے۔ اس لئے میں خواب کی تعبیر کے لئے اس وقت تک آنے کے لئے تیار نہیں جب تک میرے کیس کا

فیصلہ نہ ہو جائے کہ میں جھوٹا تھا یا سچا۔ چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ مصر والوں کو حاضر کرو اور زلیخا کو بھی پیش کرو اور ان عورتوں کو بھی جنہوں نے دعوت کھائی تھی' تا کہ وہ بیان کریں کہ یوسف کے جرم کی حقیقت کیا تھی؟ چنانچہ جب سب حاضر ہوئے تو بادشاہ نے زلیخا سے پوچھا کہ بتا یوسف کون ہے؟ اس کی زندگی کے حالات پر روشنی ڈال تمہارے گھر وہ کیوں رہا۔ اس پر جو تہمت تو نے لگائی تھی اس کی حقیقت کیا ہے؟ زلیخا نے بیان کیا کہ میں عزیز مصر کی بیوی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یوسف پاک باز انسان تھا۔ اس میں کچھ گناہ کا شائبہ نہیں تھا بلکہ میں نے ہی اسے اپنے نفس کے لئے چاہا مگر وہ رضامند نہ ہوا۔ وہ حسین ترین انسان ہے میں نے چاہا کہ وہ مجھ سے وصال کرے مگر وہ نہ مانا۔ لہٰذا مجھے رنج ہوا اور میں نے اسے قید کرا دیا کہ شاید جیل کی تکلیفیں دیکھ کر ہی میری بات مان جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سچا تھا اور میں جھوٹی۔ وہ پاک خیال تھا میں ناپاک خیال۔ یوسف نبی ہے، نبی زادہ ہے، اس پر گناہ نہیں' یہ سب میرا ہی گناہ ہے۔ دوسری عورتوں نے بھی یہی کہا کہ وہ فرشتہ ہے۔ اتنا خوبصورت اور پاک باز انسان ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔ شہر کے دیگر لوگوں نے بھی آپ کی پاکبازی اور حسن بے پناہ کی تصدیق کی۔ چنانچہ بادشاہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرمان بھیجا کہ ہم نے معاملہ کی پوری تحقیق کر لی ہے' حقیقت یہی ہے کہ تم سچے ہو اور زلیخا جھوٹی لہٰذا تمہاری بریت کا ثبوت فراہم ہونے پر ہم تمہاری رہائی کا حکم تحریر کرتے ہیں اور تمہیں دربار میں طلب فرماتے ہیں۔ خیال فرمائیے نبی کے دامن کو رب العزت نے اس طرح پاک کیا اور یوسف علیہ السلام کو جو تہمت کا اندیشہ تھا وہ ختم ہو گیا۔

فوڈ کنٹرولر:۔

چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام جب دربار میں تشریف لائے تو خواب بیان ہوئی۔ آپ نے فرمایا سات سال بے شمار اناج پیدا ہو گا اسے کنٹرول کیا جائے اور اناج جمع کیا جائے۔ سات سال گزر جانے کے بعد سات سال سخت قحط پڑے گا۔ اس دوران ایک دانہ بھی نہ ملے گا۔ یہ چودہ سال کی منزل ہے۔ پہلے سات سالوں میں جمع شدہ اناج اگلے سات سالوں میں اگر تقسیم کیا جائے گا تو خدا کی مخلوق بچے گی ورنہ بھوک کا شکار ہو جائے گی۔ بادشاہ نے کہا کہ چودہ سال کا کنٹرول تو بہت لمبا عرصہ اور دشوار کام ہے کون ہے جو ایسا

کرے گا؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میں نیک بھی ہوں اور امین بھی، لہٰذا یہ کام میرے سپرد کر دیا جائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام فوڈ کنٹرولر کی حیثیت سے تخت مصر پر آئے، تو گویا یہ چیز تھی جو قرآن نے ذکر فرمائی۔ اس وقت سمجھ آئی کہ بادشاہ کے خواب کی یہ حیثیت ہے۔ ہر خواب یہ حیثیت نہیں رکھتا کہ ہر آدمی سمجھ سکے۔

خواب در خواب:-

سورہ یوسف خواب در خواب ہے۔ وہاں خواب یوسف علیہ السلام نے دیکھی، نتیجتاً زلیخا کے گھر پہنچے۔ پھر قیدیوں نے دیکھیں اور بادشاہ نے دیکھی۔ القصہ جب آپ امین بنے، کنٹرولر مقرر ہوئے تو بادشاہ مر گیا۔ اس کے بعد عزیز مصر بھی مر گیا اور تخت کی باگ ڈور حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ آ گئی۔ جب اناج جمع کیا گیا تو کنعان سے آپ کے بھائی بھی اناج لینے آ گئے۔ اس دوران آپ نے بن یامین کو اپنی تحویل میں رکھا اور دوسرے بھائیوں کو چھوڑ دیا۔ ذرا غور فرمائیے۔ باپ بھی نبی ہے اسے بھی پوری اطلاع ہے۔ اس نے بن یامین کو کیوں بھیج دیا۔ یہ راز کھلا کہ میں تمہارا بھائی ہوں اور بن یامین چھوٹا بھائی۔ دوسرے بڑے بھائی جب واپس حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچتے ہیں تو گویا اب وہ وقت آ گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تخت مصر پر بیٹھے ہیں، کنعان کا قافلہ آ جاتا ہے جس میں باپ، خالہ دوسرے بھائی اور ان کے بال بچے بھی ہیں۔ مصریوں کے دربار میں سجدۂ تعظیمی کی رسم جائز تھی، اس لئے دربار میں حاضر ہونے پر حسب دستور قافلہ سجدے میں گر جاتا ہے۔ جونہی وہ سجدے میں گرتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام پکار اٹھتے ہیں اے میرے باپ! یہ ہے میرے اس خواب کی تعبیر جو میں نے آج سے چالیس سال پہلے آٹھ سال کی عمر میں دیکھا تھا۔ گویا حضرت یوسف علیہ السلام کو چونکہ تخت مصر کی باگ ڈور عطا ہونی تھی اس لئے انہیں ان تمام ضروری مقامات سے جو ایک حکمران کے لئے ضروری ہوتے ہیں گزارا گیا۔ سمجھایا گیا کہ بھائی بے مہر ہوتے ہیں۔ مصائب آتے ہیں۔ غلامی کیا چیز ہے۔ باپ کی جدائی کیا ہوتی ہے۔ محبّ محبوب کو بیچ دیتا ہے۔ شاہی محلات میں کیا ہوتا ہے، جیل میں کیا ہوتا ہے اور دنیا میں قحط کے دنوں میں اناج پر کنٹرول کس طرح کیا جاتا ہے۔ جب ان تمام منازل سے گزار دیا تو پھر حکومت عطا فرما دی۔

متفرق خوابیں

خواب میں حکم:-

ایک صاحب نے پوچھا کہ خواب میں اگر کوئی بزرگ کوئی حکم دے تو کیا اس کی تعمیل جائز ہے؟

فرمایا: اگر وہ حکم شریعت کی حدود کے اندر ہو تو قابل تعمیل ہے ورنہ جائز نہیں۔ خواب میں صرف ایک ہی ذات ہے جس کی شکل شیطان نہیں بن سکتا اور وہ ہے حضور علیہ السلام کی ذاتِ اقدس۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

من رانی فی المنام فقد رانی لان الشیطن لا تمثّل بی۔

یعنی جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے فی الحقیقت مجھے ہی دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل میں نہیں آسکتا۔

باقی جتنے لباس ہیں ان سب میں اس کا آنا ممکن ہے اس لئے یہاں یہ شرط لگانی پڑے گی کہ خواب میں جو حکم بزرگ سے ملا ہے اگر وہ دائرہ شریعت میں ہے تو تعمیل جائز ہے ورنہ نہیں۔

صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک اصطلاح ہے۔ فنا فی الشیخ یعنی مرید اتنی ترقی کر جائے کہ اس کے تمام اعضا و اطوار اس کے احوال، اس کی شکل و صورت، تقویٰ و طہارت، سب کچھ شیخ کی طرح ہو جائے۔ ایسی صورت میں بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ اگر شیخ ایسے ارادت مند کو خواب میں کچھ ارشاد کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس حکم کی تعمیل کرے۔

قبر دیکھنا:-

سیالکوٹ سے حضور کے ایک عزیز آئے ہوئے تھے، انہوں نے یہ خواب بیان کی کہ ایک قبر دیکھی ہے اور اس پر ''غلام محمد'' لکھا ہے۔

فرمایا: الحمد للہ! بچہ صالح پیدا ہوگا اور حضرت قبلہ بابا جی غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی کی نیکیوں اور پاکیزگیوں کا حامل ہوگا۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا:

ایک دفعہ بھائی عبدالعزیز صاحب آئے ان کے ہاں پہلا بچہ ہونے والا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ میں نے خواب میں قبر دیکھی ہے اور اس پر ''سلطان محمود'' لکھا ہے۔ وہ قبر پھٹ رہی ہے۔ اس میں ایک آواز آتی ہے کہ مرجان اور نیلی ٹاکی اس مسئلے کے لئے مفید ہیں۔ میں قبر پھٹتی دیکھتا ہوں تو فکر مند ہو جاتا ہوں' چنانچہ مجھے اندیشہ ہے کہ کوئی عزیز نہ مر جائے کیونکہ عام طور پر قبر سے لوگ یہی مفہوم لیتے ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ بھائی صاحب! یہ بات نہیں۔ مجھے یہ بتائیے کہ آپ کی اہلیہ کو حمل کی وجہ سے کوئی تکلیف تو نہیں؟ انہوں نے کہا کہ سات ماہ کا حمل ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ بچہ خارج نہیں ہوتا۔ کپڑے کا نیلا ٹکڑا لے کر اس میں مرجان باندھ کر حاملہ کی ناف پر اسے باندھ دیں۔ بچہ پیدا ہونے پر اس کا نام ''سلطان محمود'' رکھیں۔ چنانچہ حسب ہدایت انہوں نے ایسا ہی کیا۔ بفضل ایزدی حاملہ کا جاری خون بند ہو گیا اور ٹھیک نو ماہ کے بعد بچہ صحیح سلامت پیدا ہو گیا۔

فاختہ اُڑنے کو:-

اسی طرح امرتسر کا رہنے والا ایک شاعر آیا۔ شادؔ تخلص کرتا تھا' مجھ سے کہنے لگا کہ ایک خواب کی تعبیر بتائیں۔ خواب میں' میں نے دیکھا ہے کہ گھر میں بیٹھا ہوں' ایک فاختہ پکڑی ہوئی ہے۔ وہ اڑنے کی کوشش کرتی ہے اور اِدھر اُدھر دیکھتی ہے۔ میں نے پوچھا پہلی بیوی کیا ہوئی؟ کہنے لگا وہ تو مر گئی ہے۔ اب کسی دوسری سے اَٹا سٹا لگایا ہے۔ میں نے پوچھا کیا اسے گھر میں ڈال رکھا ہے؟ کہنے لگا جی۔ میں نے کہا تو وہ کہیں چلی گئی ہے جا اور جا کر اپنا گھر سنبھال۔ چنانچہ وہ فوراً اٹھ کر چلا گیا۔ چند دنوں کے بعد پھر حاضر ہوا کہنے لگا کہ حضرت واقعی وہ چلی گئی تھی۔ حد ہو گئی ہے اب کیا کروں؟ میں نے کہا کیا کرنا ہے اب کوئی اور ڈھونڈ لیکھ۔

خواب میں علاج:-

ایک صاحب نے عرض کی کہ حضور خواب میں میری دادی جی آئی تھیں انہوں نے میری بیماری کا علاج مکھن بتایا ہے۔

فرمایا: خواب میں جو کوئی علاج بتائے عموماً وہ فائدہ مند ہوتا ہے۔

پاخانہ نکلنا:-

سید نثار سہروردی نے عرض کی حضور رات میں نے خواب دیکھا ہے کہ میرا پاخانہ نکل گیا ہے۔

فرمایا: تعبیر خواب کا تعلق علم باطن سے ہے۔ یہ علم الٰہی کا راز ہے جو ہر شخص کو عطا نہیں ہوتا۔ اس کا صحیح علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ چونکہ اس کا ظہور اور عمل انبیاء کے معجزات میں داخل ہے اس لئے جب تک خواب کا صحیح علم حاصل نہ ہو خواب کی تعبیر بیان نہیں کرنی چاہئے۔ بعض اوقات میں دوستوں کو ان کے خوابوں کی تعبیریں لکھتا ہوں تو وہ بہت حیران ہوتے ہیں کہ ہم اپنے خیال میں کیا سمجھتے تھے اور تعبیر کیا نکلی۔ علم الٰہی ایک بڑا خزانہ ہے اللہ تعالیٰ جسے توفیق عطا فرمائے۔

خواب کا علم رب العزت نے ایسا رکھا ہے جس کا تمام معاملہ پوشیدہ ہوتا ہے اور عمل میں وارد ہو جاتا ہے۔ آپ سوئے ہوئے ہیں جب کہ انسان کو ہوش نہیں ہوتا تو عمل وارد ہو جاتا ہے۔ ایک عجیب فلم ہے جو چلتی رہتی ہے اور انسان خواب میں ایسے ایسے واقعات معلوم کر لیتا ہے جو اس کے ذہن میں نہیں ہوتے۔ سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

خواب میں پاخانے کا نکل جانا اس امر کی دلیل ہے کہ کچھ مال ہاتھ سے نکل جائے گا۔

الٹی سیدھی لکیریں:-

مختار علی سہروردی نے عرض کی کہ مجھے خواب میں اسماعیل سہروردی نے جناب کا ایک خط دیا ہے۔

حضور نے پوچھا اس پر کیا لکھا تھا؟

مختار صاحب نے عرض کی کہ الٹی سیدھی لکیریں سی تھیں جنہیں میں سمجھ نہیں سکا۔

فرمایا: کوئی ایسی انکشافی کیفیت سامنے آئے گی جو اس انکشافی کیفیت کو کھول دے گی۔ جو چیز اس وقت سمجھ میں نہیں آ رہی وہ سمجھ میں آ جائے گی۔

خواب کنیز کا نہیں:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ملکہ زبیدہ ہارون رشید کی بیوی تھی۔ ایک دفعہ اسے خواب آیا۔ اس نے دیکھا کہ دنیا بھر کے مرد اور نر، چرند اور پرند یعنی اونٹ ہاتھی گھوڑے شیر وغیرہ مجھ سے مجامعت کرتے ہیں۔ وہ بڑی پریشان ہوئی اور خواب سے اٹھ بیٹھی۔ اپنی خاص معتمد کنیز کو

بلایا اور بتایا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے۔ تم حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جاؤ اور ان سے عرض کرو کہ مجھے یہ خواب آیا ہے۔ اپنا نام لینا یہ نہ کہنا کہ ملکہ کو خواب آیا ہے۔ چنانچہ کنیز حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کی کہ حضرت مجھے یہ خواب آیا ہے۔ اس کی کیا تعبیر ہو سکتی ہے؟ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہنے لگی کنیز ہوں۔ فرمایا سچ کہتی ہو کہ یہ خواب تو نے دیکھا ہے؟ وہ خاموش ہو گئی۔ آپ نے فرمایا تجھے یہ خواب نہیں آ سکتا اس کا نام لو جسے یہ خواب آیا ہے؟

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا اللہ اکبر! ان لوگوں کے علم و عمل کی بلندی دیکھئے کہ فرمایا یہ خواب لونڈی کو نہیں آ سکتا۔ جسے آیا ہے اس کا نام لو تا کہ پھر دیکھا جائے کہ کیا اسے بھی یہ خواب آ سکتا ہے یا نہیں؟ لونڈی واپس چلی گئی اور ملکہ کو جا کر عرض کی کہ حضرت امام صاحب نے یہ فرمایا ہے اور نام پوچھا ہے۔ بتایئے اب میں کیا کہوں؟ ملکہ بھی تعجب میں پڑ گئی کہ نہ جانے اس خواب کا انجام کیا ہے؟ کہنے لگی کہ جاؤ میرا اسلام عرض کرو اور بتا دو کہ یہ خواب ملکہ زبیدہ کو آیا ہے۔ کنیز حضرت امام اعظمؒ کی خدمت میں پھر حاضر ہوئی اور عرض کی حضرت! درحقیقت یہ خواب مجھے نہیں بلکہ ملکہ زبیدہ کو آیا ہے۔ فرمانے لگے ہاں اسے آ سکتا ہے۔ اسے کہنا کہ تیرے ہاتھ سے کوئی ایسا کام ہو گا جس سے دنیا کا ہر ذی روح نفع اٹھائے گا۔

چنانچہ اس خواب کی تعبیر یہ ہے کہ ''نہر زبیدہ'' بنی اور اس دن سے آج تک دنیا اس سے فائدہ اٹھا رہی ہے' انسان بھی اور ہر قسم کے جانور اور پرندے بھی۔ خیال فرمایئے کہ خواب کیا ہے اور اس کی تعبیر کیا ہے؟ اسی لئے منع فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی خواب آئے تو اسے کسی ایسے غلط گو آدمی سے بیان نہ کرو جو یوں ہی یکڑ مارے (بے تکی ہانکے)۔

خواب کا علم عجیب ہے بشرطیکہ کوئی سمجھ کر بیان کرے۔ جو نہ سمجھ سکے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ خاموش رہے' کیونکہ غلط بیانی سے خواب دیکھنے والے کے دماغ میں غلط چیز بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے جب تک پورا وثوق نہ ہو تعبیر خواب بیان نہیں کرنی چاہئے۔

☆☆☆☆☆

عالمِ بے بدل

محمدؐ نہ ہوتے خدائی نہ ہوتی

اولیّتِ خلق:-

مولانا مہرالدین صدر مدرستہ النعمانیہ لاہور نے سوال کیا کہ حدیث شریف:

اول ما خلق الله تعالی نوری. (اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو چیز پیدا فرمائی وہ میرا نور ہے) سے کون سی اولیّت مراد ہے؟

فرمایا: اس اولیت سے مراد تمام مخلوق کی اولیت ہے اور حضور علیہ السلام کا نور ساری مخلوق کے خلق ہونے سے پہلے آپ کا مخلوق ہونا مراد ہے۔ اس سے خالق کی اولیت مراد نہیں اور نہ اس صورت سے ماننا مراد ہے جس طرح بعض علماء ''ہمہ اوست'' کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ یعنی حضورؐ کا اول ہونا مراد ہے اور وہ ساری مخلوق سے پہلے مراد ہے۔ وہ خالق الکل کی اولیت مراد نہیں چونکہ حضورؐ مخلوق ہیں۔

عرفان:-

مولانا نے پوچھا کیا انسان کے علاوہ دوسری مخلوق کو بھی ایسا ہی عرفان الٰہی حاصل ہے جیسا کہ انسان کو؟

فرمایا: انسان کو اپنی بلندیٔ مراتب کے لحاظ سے انکشاف اور عرفانِ تام حاصل ہے۔ باقی مخلوق کو وہ عرفانِ تام حاصل نہیں۔

نُور اولین :-

راقم الحروف کے حاضر ہونے سے پیشتر حکیم محمد مودود سہروردی سے حضور محو گفتگو تھے۔ جب میں مجلس میں پہنچا تو قبلہ فرما رہے تھے :-

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فلاں چیز میرے نور سے پیدا ہوئی۔ وہ اولیت جس قدر ہے یہاں اس سے بحث نہیں۔ یہاں اس نوعیت کی اولیت سے بحث ہے جس کو حضور علیہ السلام کے مقابلے میں کھڑا ہونے کا موقع مل سکتا ہے اور وہ انسان ہے۔ اس لئے انسان کی پیدائش کی اتنی اولیت پیچھے ہو سکتی ہے یہ تخیل ہے۔ اگر ایک انسان غور کرے تو اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی ہے۔ اگر اس سے پہلے ہے تو آدم تک پہنچ جائے گا وہی ابوالبشر ہے اب ابوالبشر سے قبل ایک وہ نور موجود ہے جس کی خاطر اول بشر پیدا کیا جا رہا ہے۔

واذ قال ربک لا ملئکته اِنّی جاعل" فی الارض خلیفه۔ (۲:۳۰)

اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین پر خلیفہ پیدا کرنا چاہتا ہوں تو پیدا کرنے والے کی نگاہ میں اس نور کو فروغ دینا ہے۔ جو اول ما خلق اللّٰہ تعالیٰ نوری میں ہے۔ معترضین نے یعنی فرشتوں نے جب سنا تو انہوں نے کہا کہ آپ کا منشا عبادت کرانے کا ہے۔ نحن نسبح بحمدک و نقدس لک. (۲:۳۰)

ہم تھوڑے ہیں تیری عبادت کرنے کو۔

قال انی اعلم مالا تعلمون. (۲:۳۰)

رب العزت نے فرمایا یہ تو ایک بات تھی جو ہم نے کہہ دی ورنہ اس کی پیدائش کا راز جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

اب پتہ چلا کہ جو انسان سے قبل اولیت رکھتے تھے وہ بھی اس نور کے راز سے ناواقف تھے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے نفی فرما دی۔

فضیلت آدم :-

سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: پھر جب آدم پیدا ہوئے تو رب العزت نے معترضین یعنی فرشتوں کو فرمایا کہ یہ جو تم نے آدم کی شان میں اپنے آپ کو ترجیحاً پیش کیا ہے ہم اس میں ثابت کریں گے کہ ہم نے خلیفہ کو کیا بنایا ہے؟ اور تم کیا سمجھے ہو؟

غور فرمایئے کہ رب العزت نے ''خلیفہ'' کا لفظ ارشاد فرمایا ہے۔ خلیفہ اسے کہتے ہیں جو بڑے کے ماتحت ہو اور اس کی پوری نیابت کا حکم رکھتا ہو۔ ساری کائنات سے زیادہ رب کا عطا کردہ علم انسان کو دیا گیا۔ اتنا علم کوئی کائنات نہ رکھتی تھی۔ اب جب کہ آدم کا سلسلہء (تخلیق) بن گیا تو فرمایا: علم آدم الاسماء کلھا. (۳۱:۲)

جب تمام علوم آدم میں بھر چکے اور اس کی یہ ڈگری ثابت ہو چکی تو فرشتوں کو بلایا اور فرمایا: آدم کے تمام پہلوؤں کو تو رہنے دو صرف ایک پہلو کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

انبئونی باسماء ھٰؤ لاء. (۳۱:۲)

یہ جو کائنات کی چیزیں تمہارے گرد و پیش ہیں' بتاؤ کہ یہ کیا ہیں؟ ان کے نام بتاؤ۔ خیال فرمایئے کہ فرشتے جو لکھو کھہا سال پہلے پیدا ہو چکے ہیں اور یہ اشیا ان کے گرد و پیش ہیں وہ ان سے ناواقف ہیں' آدم آج پیدا ہوتا ہے اسے حکم ہوتا ہے تو بتا۔ آدم میں جو علم الٰہی خلافت کی حیثیت سے رکھا گیا آدم اس سے واقف تھا۔

قالو سبحانک لاعلم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم. (۳۲:۲)

عرض کی کہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں جتنا کہ تو نے ہمیں بتایا ہے۔ تیری ذات پاک ہے بیشک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

(گویا) فی الوقت انہوں نے اپنا عجز ظاہر کر دیا۔ پھر (اللہ تعالیٰ نے) آدم سے فرمایا:

یا آدم انبئھم باسماء ھم. (۳۳:۲)

اب آپ بتائیں کہ یہ کیا ہیں؟ آدم نے جب سب چیزوں کے نام بتا دیئے تو فرمایا:

قال الم اقل لکم انی اعلم غیب السموات والارض و اعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون. (۳۳:۲)

میں نہ کہتا تھا جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ یہ وہی آدم ہے جس کی پیدائش پر تم معترض ہوئے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آدم کا علم کائنات پر حاوی ہے۔ ذات بابرکات پر اتنا حاوی ہے جتنا کہ اپنی پہچان کے لئے اس نے عطا فرمایا ہے۔ اس لئے فرشتوں سے فرمایا کہ اسے سجدہ کرو تا کہ تمہیں اپنی خامی کا احساس ہو۔ چنانچہ سب سجدے میں گر گئے۔

اس مقام پر حضرت قبلہؒ نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بعض وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شیطان کو زیادہ علم ہے۔ وہ ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔ ہر ایک بات کرتا ہے ہر شرارت کرتا ہے۔ کہتے ہیں نا؟ ان سے پوچھا جائے وہاں اسے کیا چیز مانع تھی کہ آدم کے مقابلے میں نہ بول سکا' اس وقت اس کا علم کہاں تھا؟ تو معلوم ہوا کہ علم کے مقابلے میں یہ بھی آدم سے کمزور ہے۔ آخر بات کیا بتاتا۔ جب پوچھا گیا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا۔

فسجدو الا ابلیس ابیٰ و ستکبر و کان من الکافرین. (۲:۳۴)

گویا کفر تو آدم کے تعظیمی سجدے سے انکار کا نام ہے۔ اگر انکار کیا جائے تو یہ کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا شیطان نے سجدہ نہیں کیا۔ ہم نے پوچھا کیوں نہیں کیا؟

خیال فرمائیے کہ شیطان یہاں علم کا سوال نہیں لایا بلکہ تخلیق کا سوال لایا۔ کہتا ہے یہ مٹی ہے' کیچڑ ہے۔ میں آگ کا بنا ہوا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے کہ یہ کمین اور میں راجپوت رانگھڑ (یعنی اپنے آپ کو تخلیق میں آدم سے بہتر سمجھا) غور طلب بات ہے کہ اگر کچہری سے کوئی مذکوری سمن لے کر آجائے۔ آپ اسے کہیں جاؤ تم کون ہو اور ساتھ دو دھپے بھی لگا دیں۔ وہ واپس جا کر عدالت میں کہتا ہے کہ مجھے حکیم صاحب نے مارا ہے۔ عدالت وارنٹ کے ذریعے طلب کرتی ہے اور کہتی ہے یہ مذکوری کی توہین نہیں بلکہ عدالت کی توہین ہے۔ لہٰذا رب العزت نے فرمایا یہ آدم کے سجدے سے انکار' آدم کی توہین نہیں تھی یہ ہمارا حکم تھا۔ گویا ہمارے حکم کی توہین تھی اس لئے تو لعنتی ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ چیزیں ہیں' ان کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس مقام تک رسائی نہ ہو اسے وہیں کا وہیں چھوڑ دیں کیونکہ بعض مقامات پر بولنا نقصان دیتا ہے۔

معصومیّتِ آدم:-

بمقام چمن سید گل حسین نے سوال کیا کہ پیغمبر کی معصومیت کے متعلق قرآن میں ارشاد ہے اس کی عام تعریف کیا ہے؟ اگر حضرت آدم سے گناہ سرزد نہیں ہوا تو پھر ان سے جو خطا ہوئی اسے کیا کہیں گے؟

فرمایا: حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں۔ ان پر کسی شریعت کے احکام نازل نہیں

ہوئے۔ بعض نے اختلاف کیا ہے کہ وہ نبی ہیں یا نہیں؟ پہلی بات یہ ہے کہ نبی سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ نبی فطری اور پیدائشی طور پر نبی ہوتا ہے اور ''معصوم عن الخطأ'' ہوتا ہے۔ آنے والی جماعت یعنی اولیاء کرام پر اگر کوئی رب العزت کا یہی انعام ہو تو وہ ہیں ''محفوظ عن الخطا'' محفوظ کے لئے گناہ کا امکان ہوتا ہے مگر معصوم سے گناہ کا بھی امکان نہیں۔ نبوت ایسی پاکیزگی کی مقتضی ہے کہ وہ پاک ہوتی ہے۔ چونکہ اگر اس کا کوئی بھی پہلو لغزش میں آجائے تو وہ امت کے لئے لغزش کا باعث بن جاتا ہے۔ باقی رہا دوسرا سوال کہ آدمؑ کا نبی ہونا مانا جائے تو نبی ہوتے ہوئے ان سے لغزش کیوں ہوئی؟ قرآن میں آتا ہے کہ ہم نے آدم کو جب پیدا کیا اور ساتھ اس کی بیوی کو بنایا۔

یا آدم اسکن انت وزوجک الجنته فکلا من حیث شئتما ولا تقربا هذه الشجرة فتکونا من الظالمین. (۷:۱۹)

اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو۔ جنت میں جہاں سے چاہو اس کی نعمتیں کھاؤ لیکن یہ یاد رکھو کہ یہ جو درخت ہے اس کے قریب نہ جانا۔ اگر جاؤ گے تو اپنے آپ پر ظلم کرو گے۔ تو یہ وہ ظلم نہیں جو عام ظلم ہے۔ یہ قصہ کہہ کر حضرت آدمؑ کو جنت میں چھوڑ دیا گیا۔ اب یہ سوال کہ ان دونوں میاں بیوی کو شیطان نے کس طرح بہکایا؟ قرآن میں آتا ہے:

فوسوس لهما الشیطن لیبدی لهما ماوری عنهما من سوٰاتهما وقال ما نهٰکما ربکما عن هذه الشجرة الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخٰلدین وقاسمهما انی لکما لمن النصحین. (۷:۲۰ تا ۲۱)

شیطان نے ان کے دلوں میں ایسا وسوسہ ڈالا کہ ان پر شرم کی چیزیں کھول دے جو ان سے چھپی تھیں اور ان سے کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے اس درخت سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے کہ جنت میں رہو اور کبھی نہ مرو اور اس نے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔ گویا اس نے دونوں کے سامنے رب العزت کے جلال کی قسم کھائی اور یہ کہا کہ میں تمہیں ہمیشگی کے ملک کے لئے ایک ایسی الگ بات بتاتا ہوں کہ تمہیں اس لئے اس درخت سے منع فرمایا گیا ہے کہ تم ہمیشہ جنت میں نہ رہو۔ اب آدم کے سامنے دو چیزیں ہیں۔ ایک یہ کہ شیطان کا رب العزت کے جلال کی قسم کھانا جو آدمؑ پر ایسے چھا گئی کہ آدمؑ کو اعتبار کرتے ہی بنی۔ دوم یہ کہ وہ درخت جنت میں

ایک نہیں۔ اس قسم کے اور بھی ہیں۔ اب آدم کا یہ اجتہاد کہ مجھے خاص اس درخت سے منع کیا گیا ہے۔ اس نوع کے سارے درختوں سے تو منع نہیں کیا گیا۔ وہ ایک کی طرف اشارہ تھا' جنس کی طرف اشارہ نہ تھا۔ اب اگر رب العزت کے جلال کی قسم بھی نہ مانوں تو رب العزت پرسش فرمائیں گے' چنانچہ اس اجتہادی رنگ اور قسم کے پیش نظر درخت کا پھل چکھ لیا۔

قرآن میں ایک دوسری جگہ آتا ہے کہ وہ جو حکم ہم نے آدم کو دیا تھا وہ بات آدم کے ذہن سے نکل گئی تھی اور ہم نے اس درخت کا پھل کھانے میں آدم کا ارادہ نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ بات آدم کے دماغ سے اتر گئی جب شیطان نے قسم کھائی۔ اب سوال یہ باقی رہتا ہے کہ کیا آدمؑ نے وہ فعل بالارادہ کیا؟ جواب ہوگا نہیں۔ کیونکہ رب العزت نے فرمادیا کہ اس درخت کا پھل کھانے میں ہم نے آدم کا ارادہ نہیں دیکھا تو گویا آدم علیہ السلام بری ہوگئے اور نبوت کے ہوتے ہوئے آدمؑ پر جو اعتراض وارد ہوتا تھا اس سے رب العزت نے انہیں بری فرمادیا۔

آدم اور حوا کی وجہ تسمیہ:۔

سائل نے عرض کی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نام ''آدم'' اور حضرت اماں حوا علیہ السلام کا یہ نام ''حوا'' کیسے رکھا گیا؟

فرمایا: آدم علیہ السلام کا نام اس لئے آدم تھا کہ وہ ایک قوم اور ایک نوعیت کی مخلوق کا بنیادی پتھر تھا۔ آدمیت' انسانیت اور بشریت چونکہ آدم سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس کا نام آدم رکھا گیا کہ وہ جنوں' فرشتوں اور باقی کی مخلوق سے نئی مخلوق تھا۔ اس کا نام ہی چونکہ آدمی تھا اس لئے اس کا نام آدم رکھا گیا۔ چنانچہ اس نئی مخلوق کا نام بندہ بھی ہے' انس بھی ہے' ناس بھی ہے' بشر بھی ہے' انسان بھی ہے' عبد بھی ہے اور عبدہ' بھی ہے گویا ساتوں نام اس ایک مخلوق کے ہیں مگر صحیح درجہ آدم ہے' باقی کے مراتب اس کے اعمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہر انسان عبد نہیں ہوسکتا' ہر ناس انسان نہیں ہوسکتا' ہر بشر آدم نہیں ہوسکتا اور ہر آدم عبد نہیں ہوسکتا۔ یہ درجات انسان کو آدم سے ناس، بشر، عبد وغیرہ اس کے اعمال کا فرق ہیں۔

آدم کی پیدائش مردہ اجزا مٹی پانی ہوا وغیرہ اربعہ عناصر سے فرمائی گئی اور اس طرح کا پہلے کوئی وجود نہ تھا لہٰذا یہ ایک جنس کا بنیادی پتھر قرار دیا گیا' جڑ قرار دی گئی اور اس کا نام آدم

رکھا گیا۔ حوا کا نام حوا کیوں ہے؟ اس لئے کہ حوا کا مادہ ''حی'' سے ہے۔ ''یا حیّ'' حوا کے معنے ہیں ''زندہ سے پیدا کی گئی'' یعنی جس وقت آدمؑ کا بت بنایا گیا اور اس کے بت میں ''ونفخت فیہ من روحی'' (۲۹:۱۵) رب العزت نے روح پھونکی تو آدم کے جسد خاکی میں خون، ہوا اور پانی کی لہریں دوڑ گئیں حتیٰ کہ آدم انسان کی شکل میں بنا دیا گیا۔ آدم تنہا اداس رہنے لگا، کائنات میں کوئی واقف نہیں، آشنا نہیں، تعلق دار نہیں، جن وہ بھی غیر، فرشتے بھی غیر، باقی کائنات شجر حجر زمین وغیرہ سے کوئی نسبت نہیں چنانچہ رب العزت نے آدم علیہ السلام پر نیند طاری کر دی تا کہ کچھ سکون اختیار کرے۔ یہ پہلی نیند ہے۔ اس سے پہلے نیند کا مادہ نہیں تھا۔ جب نیند پیدا کی تو خوابیدہ حالت میں اس کے دل کے پاس بائیں پسلی سے حوا بنانے کے لئے مادہ لیا گیا تا کہ جب یہ بیدار ہو تو اس کی پریشانی اور اداسی اطمینان میں بدل جائے مزید برآں منشائے ایزدی نسل انسانی بڑھانے کا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام جب محو خواب تھے تو دریں اثناء دل کے ساتھ کی بائیں پسلی سے حوا کو بنا سنوار کر اسے پیدا فرما دیا گیا۔ ادھر خواب میں حضرت آدم علیہ السلام ذات باری تعالیٰ کا دیدار کرتے ہیں۔ اس طرح ان کی تسکین کا یہ سامان مہیا کر دیا گیا اور دوسری طرف جب بیدار ہوتے ہیں تو تسکین کا ظاہری سامان یہ پیدا فرما دیا کہ سوئے ہوئے ان کا آپریشن کر کے حوا پیدا فرما دی۔ جب حضرت آدمؑ بیدار ہوئے تو رونے لگے۔ پوچھا گیا کہ کیوں روتے ہو؟ عرض کی کہ رب العزت! خواب میں تو سامنے تھا میں تیری ذات کا دیدار کر رہا تھا مگر جاگنے سے وہ نقشہ بدل گیا اس لئے روتا ہوں۔ حکم ہوا کہ اگر اس حالت میں ملنا پسند کرتے ہو تو اچھا!

وجعلنا الیل لباساہ وجعلنا النہار معاشا. (۷۸:۱۰ تا ۱۱)

رات ہم نے بنائی ہے پردہ تا کہ تو رات کو ہمارے ساتھ اپنی محبت کا ثبوت دیتے ہوئے دیدار کرے اور دن بنایا کہ دن کو کام کرے۔ خواب کی حالت میں تجھے دیدار ہوا کرے گا۔

خواب جو چیز ہے اس شے کا فرع ہے کہ خواب میں ذات باری کو دیکھنے کی یہ جڑھ بندھی (اصل قائم ہوئی) ہمیشہ اصول ہے کہ کسی ولی کو عرفان الٰہی حاصل ہو، کسی نبی پر راز الٰہی فاش ہو تو اس کی پہلی بنیاد رویائے صادقہ ہوتی ہیں۔ جب سچی خوابیں آئیں تو پھر پتہ چلتا ہے کہ میرا مستقبل میرے مولیٰ کے قریب ہو رہا ہے اور میں اسے پا رہا ہوں۔ انہیں خوابوں میں

سے حضرت یوسف علیہ السلام کا بھی خواب تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی خواب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کا خواب ہی تو آیا تھا۔ گویا نبوت کی تمام کیفیتوں کی ابتداء سچے خوابوں سے ہوتی ہے۔ اس لئے حضرت آدم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہیں خواب میں ملیں گے۔ پھر حکم ہوا ذرا پیچھے دیکھ! آپ نے دیکھا تو ایک نہایت خوبصورت مجسمہ سامنے پایا۔ رب العزت نے فرمایا یہ تیری تسکین کے لئے پیدا کی ہے تاکہ تو اس سے انس پکڑے۔ یہ تیری جنس ہے۔ اب حضرت آدم کو جنس کا پتہ نہ چلے کہ یہ کیا ہے؟ میں کیا ہوں؟

اس مقام پر راقم الحروف کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھنا خاور صاحب! آدمؑ کو بتا دیا مگر وہ اپنی شکل نہیں دیکھ رہا۔ کس چیز سے شکل نظر آتی؟ آدمؑ کو یہ فرمایا گیا یہ تیری جنس ہے مگر اس کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ میری جنس ہے' اس لئے کہ اس نے اس سے پہلے اپنی شکل نہیں دیکھی۔ یہ اصولِ فطرت ہے کہ سوائے انسان کی آنکھ کے کسی جاندار کی آنکھ میں سامنے کا عکس پیدا نہیں ہوتا۔ آدم کو بتایا گیا کہ اگر اپنی جنس کو سمجھنا چاہتے ہو تو اپنی شکل حوا کی آنکھ کی جھلی میں دیکھو۔ چنانچہ آدم نے اپنی شکل جب (آنکھ کی جھلی میں) دیکھی تو قدرت نے جذبہء بشری جو پیدا کر رکھا تھا اس نے دونوں کو ایک دوسرے سے مانوس کر دیا اور آدمؑ کو سمجھ آ گئی کہ یہ جوڑا میرے لئے ہی بنایا گیا ہے اس وقت اس (دوسری جنس) کا نام ''حوا'' رکھا یعنی وہ جنس جو کسی زندہ جنس سے پیدا کی گئی۔

اقسام مخلوق:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: گویا مخلوق کی پہلی حیثیت یہ ہے کہ محض مردہ اشیاء سے پیدا کرنا اور وہ حضرت آدمؑ تھے۔ دوسری صورت حوا کا زندہ خاکہ لینا' وہ اپنی بنیاد میں سے پیدا کیا جانا بغیر ماں کے۔ تیسری حیثیت عام مخلوق کی پیدائش یعنی ماں باپ سمیت اور چوتھی تخلیق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کہ بغیر باپ کے ہیں۔ تو گویا مخلوق کی یہ چار قسمیں ہوئیں نا؟ مخلوق کی یہ چاروں قسمیں رب العزت جب چاہے ظہور فرما سکتا ہے۔ اب ''امربیل'' کو ہی لیجیے۔ یہ عام مشہور بوٹی ہے۔ نہ باپ نہ ماں نہ جڑ نہ تنا۔ یونہی درختوں پر پیدا ہو جاتی ہے اور سویّوں کی طرح بڑھتی جاتی ہے۔ نہ زمین سے خوراک لیتی ہے اور نہ اس کے تنے کا پتہ ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ میں نے کوہ مری میں ایک بیل دیکھی کڑاہ اور ٹہنی کی شکل کی

یعنی گلابی رنگ کا کڑا سا تھ بوٹا جس کا ٹہنی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا' وہ گھومتا بھی تھا اوپر اس کے پتے اور نیچے جڑیں تھیں اور اسی ٹہنی کے گرد پیدا کیا گیا۔ سرسبز ہے بلکہ رنگ (Ring) کی طرح اس کی صورت ہے۔ اسی طرح ایک چھوٹا سا مخملی کیڑا دیکھا جیسے مخمل کا لباس پہنا ہو' رات کو پتھروں پر چلتا تھا۔ اس کے آگے سبز رنگ کی لائٹ پڑ رہی تھی جس طرح انجن کے آگے روشنی والا شیشہ لگا ہوا ہوتا ہے' اتنی عمدہ لائٹ کہ اس میں وہ راستہ دیکھتا جاتا تھا۔

ابن مریم

نزولِ حضرت عیسیٰؑ :-

بمقام چمن مرزا نجف علی نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں روشنی ڈالئے۔

فرمایا: قرآن کے سیاق وسباق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سے ازل میں میثاق یا عہد لیا گیا تھا۔ وَاذ اَخَذَ ربک من بنی آدم من ظھورھم و ذُرِّیّتھم و اشھدھم علی انفسھم الست بربکم. قالو بلیٰ شھدنا. ان تقولو یوم القیمتہ انا کُنّا عن ھذا غٰفلین۔ اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں خود ان پر گواہ کیا۔ کہا میں تمہارا رب نہیں؟ تو سب بولے کیوں نہیں' ہم اپنے اوپر گواہ ہوئے اور ہم نے تیری ربوبیت اور وحدانیت کا اقرار کیا۔ یہ شاہد کرنا اس لئے ہے کہ کہیں قیامت کو کہو کہ ہمیں خبر نہ تھی۔ یعنی ہمیں کوئی تنبیہ نہیں کی گئی تھی۔ ان آیات سے مراد دوسری باتوں کے علاوہ اشارہ ہے۔ کنت نبیا آدم بین الماء والطین.

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضورؐ اول میں پیدا ہوئے اور آخر میں ظہور فرمایا تو معلوم ہوا کہ انبیاء کی درمیانی جماعت جو آئی ہے ان میں سے کوئی اس معاہدہ کو پورا نہ کرے تو پھر معاہدہ نعوذ باللہ لغو ٹھہرے گا۔ اس لئے ضرورت ہے کہ حضورؐ کے تشریف لانے سے اس معاہدے کی تکمیل ہو اور تصدیق ہو۔ قاعدہ یہ رہا ہے کہ ایک نبی مبشر ہوتا ہے۔ اپنی نبوت کا اعلان کرتا ہے اور اپنے پہلے نبی کی تصدیق کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام جس قدر نبی ہوئے وہ پہلوں کی تصدیق کرتے رہے اور اعلان کرتے رہے کہ میرے بعد فلاں نبی آئے گا۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح علیہ السلام آگئے۔ انہوں نے تبلیغ کا کام کیا

مگران کے زمانے میں یہودیوں نے انہیں قتل کرنا چاہا۔ قرآن نے اس کا دفیعہ کیا ہے کہ یہودیوں نے مسیحؑ کو قتل نہیں کیا بلکہ مولیٰ کریم نے انہیں اوپر اٹھالیا۔ اس کی غرض وغایت یہ معلوم ہوتی ہے کہ مسیحؑ زندہ ہیں۔ حضور علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے' آپ نے تبلیغ کا کام کیا' ضرورت اس امر کی ہے کہ حضورؐ کی تبلیغ کی تصدیق کریں' اس ضرورت کے لئے وہ زندہ اٹھائے گئے تا کہ دوبارہ آئیں اور حضورؐ کی تصدیق کریں۔

مسیحؑ کے متعلق قرآن میں آتا ہے کہ وہ قیامت کے نشانوں کے ایک نشان ہیں۔ تو مسیحؑ اور قیامت کے درمیان رسول اللہ تشریف لائے۔ اب سوال یہ ہے کہ تمام امت نے چودہ سو سال حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد کا انتظار کیا ہے' اب دیر ہوگئی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف نہیں لائے' لیکن دیر ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ انسان اپنا نظریہ ہی بدل لے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا انتظار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ضرور آئیں گے۔ اب اگر کوئی شخص مسیحؑ کا نام رکھ کر' ان کا لبادہ اوڑھ کر اعلان کرے کہ میں مسیح ہوں تو اس کا ایک نشان تو یہ ہے کہ مسیح وہ ہے جو مسیح پہلے متعارف ہے' جسے ''مسیح موعود''، ''مسیح ابن مریم'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے وہ مسیح جب آئے گا تو وہ اپنی انہیں صفات کے ساتھ ہوگا۔ اس کا وقتِ معیّن رب العزت کے علم میں ہے کہ وہ کب آئے گا؟ وہ ضرور آئے گا اور قرآن کے اس معاہدے کی تصدیق کرے گا لہٰذا اس کی موت کی کوئی تفصیل یا اجمالی معلومات نہیں ہوتیں اور ایک عرصہ سے دنیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے قریب تھی وہ اس بات پر متفق رہی ہے کہ مسیحؑ آئے گا۔ امت کا اجماع ثابت کرتا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔

نشانی:۔

سائل نے پوچھا ان کی نشانی کیا ہوگی؟

فرمایا: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے وقت میں نازل ہوں گے تو جامع مسجد دمشق کے مشرقی سفید مینار پر اتریں گے۔ پھر اپنا تبلیغی کام کریں گے۔ یہ ایک عجیب بات ہے کہ حضور علیہ السلام جامع مسجد دمشق کا مشرقی سفید مینار فرما رہے ہیں جبکہ ابھی دمشق میں اسلام نہیں پہنچا تھا۔ ہارون رشید کے زمانے میں جب یہ جامع مسجد دمشق میں بنی اس کے ایک مینار کے نیچے ایک یہودی آتش باز رہتا تھا۔ اچانک ایک روز اس کے بارود کو آگ لگ گئی

جس سے سخت دھماکہ ہوا اور وہ مینار گر گیا۔ آتش باز سخت خوف زدہ ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت ہے مجھے تکلیف دیں گے چنانچہ اس نے مسلمانوں سے کہا کہ میں اس سے بہتر مینار بنوا دیتا ہوں۔ مسلمان مان گئے کہ ہاں بنوا دو۔ حسن اتفاق کہیے یا کرشمہ قدرت کہ اس نے سنگ سرخ کی بجائے سنگ مرمر کا مینار بنوا دیا۔ وقت گزر گیا' خلیفہ دورے پر آیا اس نے کہا یہ کیا؟ ساری مسجد تو سنگ سرخ کی بنی ہوئی ہے مگر یہ ایک مشرقی مینار سفید سنگ مرمر کا ہے۔ لوگوں نے تمام واقعہ گوش گزار کیا۔ خلیفہ نے فرمایا یہودی کا روپیہ مسجد پر نہیں لگ سکتا۔ اس کی رقم شاہی خزانہ سے واپس کر دی جائے۔ چنانچہ یہودی کو اس کا روپیہ واپس کر دیا گیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ مسجد کی خوبصورتی اور حسن تعمیر کو برقرار رکھنے کے لئے سفید مشرقی مینار شہید کر کے اس کی بجائے شاہی خزانے سے سرخ مینار تعمیر کرایا جائے' چنانچہ مسودہ پیش ہوا تو علماء نے حدیث پیش کی کہ سفید مشرقی مینار پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا[1] لہٰذا اب جب کہ یہ حضور علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق بن گیا ہے تو اسے یونہی رہنے دیا جائے۔ تو گویا اس قسم کے نشانات مسلمانوں کو (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے انتظار پر مجبور کرتے ہیں۔

ولادت حضرت عیسیٰ :-

سائل نے عرض کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے متعلق بھی روشنی ڈالئے۔

فرمایا: حضرت مریم علیہ السلام کی ماں نے حضرت مریم کی پیدائش سے پہلے یہ منت مانی کہ الٰہی میرے پیٹ میں جو کچھ ہے اسے میں دین کی خدمت کے لئے آزاد کرتی ہوں' اسے قبول فرما۔ جب پیدائش ہوئی تو اولاد نرینہ کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی۔ یہ حضرت مریم علیہ السلام تھیں۔ چنانچہ حضرت مریمؑ کی والدہ حنہ نے جو حضرت عمران کی بیوی تھیں' عرض کی: اے میرے رب یہ تو میں نے لڑکی جنی۔ میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں

---

[1] حدیث میں آتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میری امت پر خلیفہ ہو کر نازل ہوں گے۔ صلیب توڑیں گے۔ خنازیر کو قتل کریں گے۔ چالیس سال رہیں گے' نکاح فرمائیں گے' اولاد ہوگی پھر آپ کا وصال ہوگا۔ وہ امت کیسے ہلاک ہو سکتی ہے؟ جس کے اول میں ہوں' آخر میں عیسیٰؑ اور وسط میں میرے اہل بیت میں سے مہدی علیہ السلام۔

راندے ہوئے شیطان کے شر سے۔

جب حضرت مریمؑ جوان ہوئیں تو ایک دن نہانے کے لئے اپنے کمرے میں گئیں۔ وہاں وہ ناموس اعظم فرشتہ نظر آیا۔ اس نے کہا میں اس لئے آیا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ حضرت مریمؑ نے فرمایا میں رب العزت کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں۔ اگر چہ تو متقی معلوم ہوتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اگر حضرت مریم علیہ السلام اس سے، پہلے سے شناسا ہوتیں تو یہ نہ فرماتیں اور اس کی حاضری پر متعجب نہ ہوتیں۔ فرشتے نے کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ حضرت مریم علیہ السلام نے کہا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مجھے تو کسی بشر نے آج تک نہ چھوا ہے اور نہ ہی میں نے بغاوت الٰہی کی ہے۔ گویا نکاح اور زنا دونوں کی نفی کردی (۱۹:۱۶ تا ۲۰) یہ الفاظ بھی ثابت کرتے ہیں کہ مریمؑ اس شخص سے شناسا نہ تھی چنانچہ یہ امر الٰہی، روح اللہ مریم کی امانت میں دی گئی۔ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا (۶۶:۱۲) چنانچہ وہ روح پھونکی گئی۔ یہ اس لئے فرمایا کہ جب مادے سے پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کا ذریعہ فرج ہے، جب کسی کرامت یا معجزے کے ذریعے پیدا کرنا مقصود ہو تو اس کا نزول سانس کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد قرآن نے ''حملتہ'' (۱۹:۲۲) کا لفظ فرمایا وہ اس لئے کہ مسیح علیہ السلام کا زمانہ ایسا نہیں جو مریم سے ناواقفیت رکھتا ہو۔ حمل ہر لحظہ بڑھ رہا ہے اور مریمؑ محسوس کرتی ہے کہ وہ حاملہ ہے۔ جب مریمؑ نے اپنی پاکیزگی کا پہلے اعتراف کیا ہے اور روح الامین کے آنے کو بوجھل محسوس کیا ہے تو معلوم ہوا کہ مریمؑ کا نہ نکاح تھا اور نہ انہوں نے بغاوت الٰہی کی ہے۔ مریمؑ نے کہا قوم طعن کرے گی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ بچہ خود معترضین کے سوالوں کا جواب دے گا۔ چنانچہ جب تمام لوگوں نے مریمؑ کے تعلق غیر کا اعتراض کیا تو مریمؑ نے کچھ نہ کہا اور بچے کی طرف اشارہ کیا۔ جواب میں مسیح علیہ السلام ہی بولے۔ ایسی صورت میں یہ بھی معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ بد اصلوں کو یہ مدارج عطا نہیں ہوتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مریمؑ پاک تھیں اور بچہ ''روح اللہ'' بھی پاک تھا۔ تمام انبیاء کی ولادت ثابت کرتی ہے کہ ان کی ولادت صفا ہے زنا سے نہیں چنانچہ حضور علیہ السلام نے بھی اس پر فخر فرمایا ہے کہ ان کے آباؤ اجداد میں سے کسی نے زنا نہیں کیا۔ ولادت کے لئے ہر وہ پیدائش جو ماں کے ذریعہ سے ہو اس کے لئے ''حملتہ'' شرط ہے۔ آدم کے لئے یہ نہیں کہا گیا۔ فرد کی جب ماں سے نسبت کی جائے گی تو ''حملتہ''

شرط ہوگی۔ یعنی جب تک حاملہ نہ ہوگی وہ جنے گی کیا؟ آپ اس بات کا خیال فرمائیے کہ کیا ہوا کا کوئی بوجھ آپ محسوس کرتے ہیں؟ اگر اس ہوا کو آپ لوہے کی ایک نلکی میں بند کر دیں تو اس کا بوجھ معلوم ہوگا۔ ہر اس شے کے لئے جس کا بوجھ ہے خواہ وہ لطیف ہو یا کثیف حمل کی صورت ہوگی۔ مادہ منویہ حمل کی حالت میں عورت کے رحم میں ہوتا ہے اور وہ بھی حمل کی صورت میں۔ اگر مادہ منویہ کے بغیر ہو تو وہ بھی حمل کی صورت میں قرار پائے گا اس لئے حملتہ کے معنی یہ نہیں کہ نعوذ باللہ حضرت مریمؑ نے بغاوت الٰہی کی ہے۔ اگر نعوذ باللہ یہ کہا جائے تو حضرت مسیح علیہ السلام نبی ثابت نہیں ہو سکتے۔

عبد دیگر عبدہٗ دیگر:۔

سورہ مریم میں آتا ہے: قال انی عبداللہ (۱۹:۳۰) فرمایا ''میں ہوں اللہ کا بندہ''۔ عبداللہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ اسے دوسرے آدمیوں کی طرح سمجھا جائے بلکہ عوام کے لئے از راہ موانست ہے۔ یہ اس لئے کہ مریمؑ کوئی فرشتہ نہیں، وہ تمہاری طرح انسان ہے۔ بندے کی نسبت از راہِ بندگی ہے از راہ وجود نہیں۔ جبریلؑ کا نزول اور ان کی دربار رسالتؐ میں حاضری انسانی شکل میں ہوتی تھی۔ کوئی بھی ایسا نہیں جس نے بتایا ہو کہ میں نے جبریلؑ کو اصل شکل میں دیکھا ہے۔ وہ جب ذکر کرتے ہیں ''اللہ کا بندہ'' کہتے ہیں۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے متعلق یہ جو قرآن میں آتا ہے کہ ہم نے بندے کو سیر کرائی، وہاں بندے سے مراد یہی جسد عنصری ہے۔ اس لئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ معراج روحانی ہے کیا وہ عبد کے معنی روح کرتے ہیں؟

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: کوئی شخص جب نئے نظریے کو اپنانا چاہے گا تو یہ ضروری ہوگا کہ وہ پہلے نظریے پر اعتراض کرے گا، اس لئے معترضین کے اعتراضات پر نہ جائیے یہ بے معنی چیزیں ہیں:

موجودہ انجیل:۔

ملک عبدالرحمٰن (دین محمدی پریس لاہور) نے عرض کی کہ ایک پادری نے انجیل کا نسخہ نہایت عمدہ غیر ملکی کاغذ پر سندھی زبان میں ہم سے چھپوایا ہے جس کی جلد بھی نہایت عمدہ تیار کروائی ہے۔ خیال ہے کہ تبلیغ کے لئے یہ مفت تقسیم ہوگی۔

فرمایا: موجودہ انجیل قطعاً صحیح نہیں۔ کُل چار انجیلیں ہیں۔ متی، لوقا، یوحنا اور برنباس۔ خیال فرمائیں کہ مسیح پر ایک انجیل نازل ہوئی۔ مسیحؑ نے ایک ہی انجیل لوگوں کو سنائی، سننے والوں نے اگر اس کے چار حصے کر دیئے تو بھی صحیح نہیں۔ اگر چاروں آدمی ایک ہی انجیل کو نوٹ کرتے تو اس کی عبارت ایک ہوتی۔ اصل بات یہ ہے کہ جو انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی وہ ان میں سے ایک بھی نہیں۔ یوحنا کی وہ ہے کہ جو کلمات اس نے مسیح کی زبان سے سنے۔ اس نے وہ اپنی زبان میں بیان کئے۔ متی کی وہ ہے جو اس نے سن کر اپنی زبان میں بیان کئے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ تو گویا یہ چار مختلف روایتیں ہیں جنہوں نے اسے انجیل کہا۔ جس طرح قرآن اور حدیث میں فرق ہے، یعنی حدیث کو قرآن نہیں کہا جا سکتا اسی طرح ان چار روایتوں کو انجیل نہیں کہا جا سکتا۔ اصل انجیل برنباس ہے۔

حضور علیہ السلام کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتوں سے بعض اس طرح پائی گئی ہیں۔ مثلاً۔

(۱) انجیل یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ میں ہے آپ نے فرمایا ''اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا ہمیشگی کا سردار بخشے یعنی سچائی کی وہ روح جس کو دنیا حاصل نہیں کر سکتی''۔

(۲) آیت ۳۰ میں ہے ''وہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں''۔

(۳) انجیل برنباس فصل ۹۶، صفحہ ۱۴۴ میں ہے ''پس کاہن نے کہا کہ موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہے کہ ہمارا اللہ عنقریب ہمارے پاس ایک مسیحا بھیجے گا جو ہمیں اللہ کے ارادے کی خبر دینے آئے گا اور دنیا کے لئے راحت کا پیغام لائے گا۔ اس لئے تو بتا کیا تو وہی اللہ کا مسیحا ہے؟ تو یسوع نے جواب دیا کہ حق یہ ہے کہ اللہ نے ایسا ہی وعدہ کیا ہے مگر میں وہ نہیں ہوں، وہ مجھ سے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور مجھ سے بعد کو آئے گا''۔

(۴) پھر اسی انجیل برنباس فصل ۹۷ صفحہ ۱۴۶ میں ہے ''باوجود اس کے کہ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کا بھی مستحق نہیں ہوں، میں نے خدا کی طرف سے نعمت اور رحمت کے طور پر یہ رتبہ پایا ہے کہ اس کو دیکھوں اور اس کا زمانہ پاؤں''۔

زبور باب ۱۶ آیت ۳۵ میں ہے کہ ''میں تم کو پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ میرے

بعد آتا ہے مجھ سے قوی تر ہے۔ وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا''۔

ایسے ہی انجیل متی باب ۳ میں ہے۔

اصل انجیل برناباس میں ہے جو آج کل ناپید ہے۔ اس مقام پر آپ نے عارضی طور پر انجیل برناباس پانے کا واقعہ جو صفحہ نمبر ۲۲ پر درج ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا: میں اس نسخہ کو حاصل کرنے کی کوشش میں ہوں تاکہ اس میں سے ان اقتباسات کو یکجا کرلیا جائے جن میں حضور علیہ السلام کے متعلق بشارات موجود ہیں۔[1]

اصحاب کہف

چودھری شاہ محمد سہروردی نے پوچھا کیا اصحاب کہف ابھی تک سوئے ہوئے ہیں؟

فرمایا: ان کا سونا اس وقت تک تھا جب تک اس خواب سے اٹھ کر (اپنے ایک ساتھی کو) سودا لینے بھیجا۔ وہ میعاد اور اصحاب کہف کا بیداری میں آنا اس وقت ختم ہوگیا تھا۔ پھر عام زندگی شروع ہوگئی۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ عزیز علیہ السلام ایک دفعہ ایک اجڑی ہوئی بستی سے گزرے۔ خیال کیا اللہ اسے کیسے آباد کرے گا؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ہم نے اس پر موت طاری کردی۔ اس مدت میں وہ بستی آباد ہوگئی۔ دکان، مکان، سڑکیں، تجارت، نہریں وغیرہ سب جاری ہوگئیں۔ بیدار ہوئے تو بڑا تعجب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کم لبثت تو کتنا عرصہ یہاں ٹھہرا؟ جواب دیا دن یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں۔ فرمایا تو تو یہاں سو سال پڑا رہا ہے۔ اپنے انگوروں اور کھانے کی چیزوں کو جو تو نے درخت کی کوکھ میں رکھی تھیں دیکھ! ہم نے انہیں خراب نہیں ہونے دیا۔ اپنے گدھے کو دیکھ اس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں۔ اس لئے یہ واقعات جو ہیں اس وقت تک ہیں جب اصحاب کہف اس بے ہوشی سے اٹھ بیٹھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ بقایا ساری زندگی قیامت تک پڑے رہے۔ اصحاب کہف کا اس وقت کا نقشہ کھینچا ہے کہ اس طرح لیٹے تھے کہ سورج آگے پیچھے ہوکر گزر جاتا تھا۔ ان کے چہروں پر سورج کی شعاعیں نہ پڑتی تھیں۔ ایسے واقعات صرف عبرت کے لئے ہوتے ہیں انہیں دوام نہیں ہوتا۔

---

[1] حضرت قبلہؒ نے اپنی تصنیف ''جمال رسول'' میں بعنوان ''مبشرات'' اس موضوع پر کافی وضاحت فرمادی ہے۔

خیر البشر

انسان کامل :-

بمقام چمن سید گل حسین نے سوال کیا کہ ''سورۃ الاحزاب'' میں کون سا انسان مراد ہے؟

فرمایا: اس میں جو انسان (۳۳:۷۲) بتایا گیا ہے وہ ہے جس کے پاس حکم ربی ہے اور وہ اس انسان سے بالاتر ہے جس کا یہاں ذکر ہو رہا ہے (لامحالہ) کوئی اور ہوگا۔

سائل نے عرض کی کہ پیغمبر اسلام ہوں گے؟

فرمایا: ہاں! علم الٰہی کے جس قدر امورات اور واقعات ظہور پذیر ہونے والے ہیں ان کی بالاتر ذمہ داری اور فہم وادراک سوائے حضور علیہ السلام کے اور کسی کے لئے نہیں، کیونکہ قرآن کی حامل انہیں کی ذات ہے۔ اس کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل جسے حاصل ہو۔ یعنی رب کی طرف سے جو سرکار دو عالم کو ودیعت ہوا ہے وہ سرکار دو عالم کے طفیل ہے۔ جسے تقسیم کریں۔ ما کان ما یکون کی سب سے عالم اول حضور علیہ اسلام کی ذات ہے اور اس صورت میں یہی کہنا پڑتا ہے کیونکہ قرآن کا ابتدائی تعلق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس لئے جو کچھ ہے اس کا علم انہیں ہے اور تعلق بھی انہیں سے ہے۔

براۃ العین :-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: اگلے دن ایک جگہ ہم بیٹھے تھے تو ایک صاحب نے کہا یہ جو قرآن میں آتا ہے کہ جب روز حشر امتوں اور انبیا کے مابین جھگڑا ہوگا تو ہم جھگڑے پر آپ (حضور علیہ السلام) کو گواہ کریں گے۔ وہ صاحب کہنے لگے اس گواہی کی اصل کیا ہے؟ کیونکر ہوگی؟ میں نے کہا بھائی! گواہی وہی معتبر ہوتی ہے جو براۃ العین ہو۔ آنکھوں دیکھی ہو۔ حضور علیہ السلام کا سب سے پہلے ہونا اور سب کے بعد میں ظہور فرمانا کہ آپ علم باری تعالیٰ کا رب العزت کے دریچے میں بیٹھ کر مطالعہ فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے کہا ہو سکتا ہے میں نے اسے کہا میاں اس پر غور کرو:

الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل۔ (۱۰۵:۱)

اے محبوب! کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا کیا؟

یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی پیدائش سے باون دن پہلے کا ہے۔ جہاں الم تر باون دن پہلے وارد ہوسکتا ہے وہ (مبارک ہستی جسے اس کی دنیا میں ظاہری تشریف آوری سے پہلے مخاطب کیا جارہا ہے) اس سے پہلے بھی ہوسکتا ہے۔ کیا اس سے مراد سنا سنایا علم ہے؟ نعوذ باللہ! خدا کو بے وقوف بناتے ہیں۔ الم تسمع یعنی کیا آپ نے نہیں سنا؟ کیوں نہیں فرمایا جس سے سیاق وسباق ظاہر کرتا کہ سنی سنائی بات ہے۔ تو یہاں الم تر سے مراد ہے۔ کہ یہ تیری دید اور رویت میں وقوع پذیر ہوئے اور تیری گواہی میں ہوئے۔ اس شخص نے بڑا تعجب کیا۔ کہنے لگا میں نے گواہی کو آج سمجھا ہے ورنہ اب تک یہی سمجھتے رہے کہ پہلی امتوں سے سنی سنائی باتوں پر سرکار دو عالمؐ کو علم ہوا۔ میں نے اسے کہا یاد رکھو "العلم دانستن" ہے۔ "العلم خواندن" نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام عالم کون ومکان ہیں۔ "العلم دانستن" کے معنوں میں ہیں۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو یہ مغالطے لگ جاتے ہیں اللہ معاف فرمائے۔

نور اور بشر:-

سائل نے عرض کی کہ حضور علیہ السلام کی حقیقت نوری وبشری پر بھی روشنی ڈالئے۔

فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ نور ہر حالت میں نور ہے۔ میں قرآن سے ایک دلیل پیش کرتا ہوں۔ بارہویں پارے میں آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے آئے۔ قالو سلما. قال سلم. (۱۱:۶۹) آپ نے انہیں بیٹھنے کے لئے فرمایا۔ وہ بیٹھ گئے' آپ نے ان کے سامنے بھنا ہوا گوشت رکھ دیا۔ تو معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں انسان سمجھ رہے ہیں۔ مہمانوں نے جب گوشت نہ کھایا تو آپ کو خوف ہوا اور پوچھا کہ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ فرشتوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم تیرے خدا کے بھیجے ہوئے قاصد ہیں۔ ہم اس لئے آئے ہیں کہ تجھے ایک بیٹے کی خوشخبری دیں جس کا نام اسحاق ہوگا اور ایک پوتے کی جس کا نام یعقوب ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہ السلام بھی پس پردہ کھڑی تھیں۔ وہ ہنسنے لگیں اور کہنے لگیں کہ میں بانجھ ہوچکی ہوں اور میرے شوہر مجھ سے بھی زیادہ بوڑھے ہوچکے ہیں۔ اس وقت بی بی صاحبہ کی عمر نوے سال سے زیادہ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی۔ فرشتوں نے کہا کیا تم اللہ کے اس کام پر تعجب کرتی ہو؟

یہاں قصہ بیان کرنا مقصود نہیں، بتانا یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملائکہء نوری، جامہء بشریت میں آئے۔ اسی طرح جب حضرت لوط علیہ السلام کا زمانہ آیا تو آپ کے پاس بھی فرشتے خوبصورت لونڈوں کی شکل میں گئے۔ اس وقت آپ کی قوم کے لوگ آپ کے پاس دوڑتے ہوئے آئے اور کہا کہ تمہیں ہمارے مطلب کا پتہ ہے؟ آپ نے انہیں کہا میرے مہمانوں کو تنگ نہ کرو، نکاح میں میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ ہمیں لڑکیوں سے رغبت نہیں۔ آپ نے کہا اے کاش مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا۔ تو فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ فکر نہ کریں ہم اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ ہم لباس بشری میں آئے ہیں کہ آپ کی قوم کے ان لوگوں کا امتحان لیں اور ان کے گناہ پر حجت قائم کر کے انہیں سزا دیں۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت قبلہؒ نے فرمایا: اس لئے حضور علیہ السلام دنیا کی ضرورت کے لئے اگر نور کی حیثیت سے ''لباسِ بشری'' میں تشریف لائے تو یہ کون سی مشکل ہے؟

انشراح صدر:-

سائل نے عرض کی انشراح صدر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

فرمایا: بشریت کے مسئلہ کے لئے تاکہ امتیازی صورت پیدا ہو جائے۔ بشری لوازمات کی صورتِ حال کا تصفیہ ہو جائے اور باطنی طور پر دیکھنے والوں کو ثابت ہو جائے کہ بشریت کی آلائش جو حضور علیہ السلام میں تھی وہ نکال دی گئی ہے۔ اس کا بظاہر کوئی خاص مقصد تو نہ تھا۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام ان صفات سے پہلے ہی پاک تھے۔ بشریت کی پیدائش میں خاکی عنصر کا تعلق ہے اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انا بشر'' مثلکم۔ گویا ''بشر'' مثلکم'' کی جو بشریت ہے وہ انشراح صدر سے صاف کر دی گئی۔

معراج شریف

سائل نے پھر عرض کی کہ مسئلہ معراج کی بھی وضاحت فرما دیجئے کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔ بعض اسے روحانی سیر کہتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے بہ جسم ظاہری تشریف لے

جانے کے منکر ہیں۔

فرمایا: انکار نافہمی اور کور باطنی کا نتیجہ ہے۔ جو قلوب نور ایمان سے روشن ہیں وہ آج بھی بغیر تصدیق صادق نہیں رہ سکتے۔ زمانہ حاضرہ کے بعض اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ دراصل معراج نبوی ایک اعلیٰ درجہ کا کشف تھا جو بیداری کے معنوں میں آجانا حقیقتاً ہوسکتا ہے اور ایسے کشف کی حالت میں انسان ایک ملکی جسم کے ساتھ اپنے نفس ناطقہ کے حسب استعداد آسمانوں کی سیر کرسکتا ہے۔ پس چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ناطقہ کی استعداد نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی اس لئے وہ اپنی سیر و معراج میں عرش اعظم تک پہنچ گئے۔ دراصل یہ سیر انکشافی تھی جو بیداری کے مشابہ ہوسکتی ہے بلکہ اس کو ایک قسم کی بیداری سمجھنا چاہئے۔ اس کا نام خواب نہیں رکھا جاسکتا مگر یہ سیر اس جسم کثیف کے ساتھ بھی نہ تھی۔ یہی تحقیق علامہ شبلی نعمانی مصنف ''سیرت النبی'' کی ہے۔ اسی طرح دیگر اہل تحقیق نے بھی صحت عقائد سے دور رہ کر وہ صریح ٹھوکریں کھائی ہیں کہ جن کی حد نہیں۔ ان کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی معراج چونتیس ہوئے ہیں۔ ان روحانی معراجوں میں تو کفار بھی معترض نہ ہوئے' اس معراج میں کوئی خاص بات تھی کہ کفار مخالفت کرنے لگ گئے اور دعویٰ معراج کو حیطہء بشریت سے محال جان کر تکذیب کے درپے ہوگئے۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب یا کسی ادنیٰ درجہ کے کشف کو ظاہر نہیں فرمارہے تھے ورنہ کافروں کو جھٹلانے کی ضرورت نہ ہوتی۔ علامہ شبلی نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہیں وہ خوابی اور روحانی ہے۔ اس پر وہ جو دلائل دیتے ہیں وہ تین طرح کے ہیں۔

(۱) ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ معراج کی رات حضور علیہ السلام کا جسم گم نہیں ہوا۔

(۲) ایک روایت میں آتا ہے کہ معراج روحانی تھا جسمانی نہ تھا۔ وہ بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۳) صحابہؓ سے ایک کوئی شخص ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ براق کو اگر وہ جسمانی طور پر براق تھا تو اسے بیت المقدس میں حلقہء پتھر سے باندھا گیا۔ میں نے ان تینوں کا جواب اپنی تصنیفات ''سیاح لامکاں'' اور ''جمال رسول'' میں تفصیل سے دیا ہے کہ۔

(۴) بعض لوگوں کو معراج جسمانی میں جس حدیث حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے دھوکا ہوا وہ یہ ہے۔ (ترجمہ) ابن حمید نے ہم سے بیان کیا ان سے سلمہ نے سلمہ سے محمد بن اسحاق نے انہوں نے کہا کہ حضرت ابوبکر کے خاندان کے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک گم نہیں کیا گیا بلکہ آپؐ نے روح مبارک کے ساتھ عروج فرمایا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کی مانند روایت فرماتے ہیں۔

غور فرمایئے اس روایت سے بھی معراج جسمانی کا اختلاف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس سلسلہ میں محمد بن اسحٰق اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درمیان کوئی نامعلوم الاسم راوی ہے یعنی خاندان ابوبکر رضی اللہ عنہا کا ایک شخص جس کا نام ونشان ہی مذکور نہیں۔ اس لئے یہ بھی پایہ صحت سے فروتر ہے۔ مزید برآں مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث آئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقد حضور سے سات سال کی عمر میں یعنی معراج جسدی سے دو برس قبل مکہ معظمہ میں شوال کے مہینے میں ہوا اور جب آپ کی عمر مبارک نو سال تک پہنچی تو رخصتی ہوئی۔ یعنی نکاح کے دو برس بعد آپ رخصت ہو کر حرم سرائے نبوت تشریف لائیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مہینہ میں آپ اپنے گھر سے رخصت ہو کر حضور علیہ السلام کے ہاں آئیں وہی مہینہ معراج کا تھا۔ چونکہ حرم سرائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی آمد کی صحیح تاریخ مذکور نہیں اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ معراج سے کتنے دن قبل یا بعد تشریف لائیں۔ ہاں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ معراج شریف کے بعد تشریف لائیں کیونکہ اگر آپ معراج شریف سے پہلے تشریف لے آئی ہوتیں تو حضور علیہ السلام معراج کی شب ام ہانی کے مکان میں آرام فرمانہ ہوتے۔ (بحوالہ مدارج النبوت)

(۲) واقعہ معراج ہجرت سے ایک سال قبل کا ہے اس وقت مسلمانوں کی اس قدر کثرت نہ تھی بلکہ تھوڑی تعداد میں موجود تھے۔ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جن کا قول منکرین معراج جسمانی اپنے دلائل میں پیش کرتے ہیں اس وقت ایمان نہ لائے تھے۔ وہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایمان لائے تھے۔ ان کی جس روایت کی بنا

پر حضور علیہ السلام کی معراج روحانی یا رویائے صادقہ کہا جاتا ہے وہ یہ ہے۔

محمد بن اسحاق سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔ حالانکہ متفقہ طور پر محدثین کے نزدیک یہ روایت قابل قبول نہیں کیونکہ یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا اور نہ ہی انہوں نے حضرت معاویہؓ کا زمانہ پایا۔

(۳) ترمذی شریف میں جو حدیث آئی ہے اس میں سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول موجود ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے لیلۃ المعراج میں براق کو بیت المقدس کے حلقہ سے باندھا تھا ان کا قول غلط ہے۔ کیا براق آپ کا مطیع نہ تھا جو آپ کو اس کو باندھنے کی ضرورت پڑی؟ اس کو تو اللہ تعالیٰ نے آپ کا مسخر فرما دیا تھا۔ پس حضرت حذیفہؓ کے اس قول سے صاف ظاہر ہے کہ انہیں تمام مسئلہ معراج میں نہیں بلکہ صرف براق کے پتھر سے باندھنے یا نہ باندھنے میں اختلاف تھا۔ اسی طرح معترضین نے معراج جسمانی کے سلسلہ میں جو بھی دلائل لکھے ہیں وہ قطعیت دلالت نہیں رکھتے۔ ایک جگہ پر سر سید احمد خان نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھی اور دلیل یہ دی کہ جسم کثیف کا صعود الی السما محال ہے جیسے مٹی کا ڈھیلا اوپر پھینکا جائے تو وہ اپنی اصل کثیف ہونے کے باعث زمین ہی کی جانب واپس آجاتا ہے۔

ان اعتراضات کا جواب یہ ہے۔

(۱) یہ کہنا کہ جسم کثیف کا صعود الی السما محال ہے اگر غور کیا جائے تو یہی دلیل معراج شریف جسمانی کا ثبوت پہنچاتی ہے۔ اس لئے کہ جو مٹی کا ڈھیلا پھینکا جاتا ہے وہ اوپر کی طرف جاتا تو ضرور ہے اور کبھی یہ نہیں ہوا کہ اوپر پھینکنے پر کشش ثقل کے باعث ہاتھ سے نکلتے ہی زمین پر گر جائے۔ رہی یہ بات کہ وہ اوپر جا کر فوراً واپس ہوتا ہے، بہت دیر ٹھہرتا نہیں، تو ہم کب کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام آسمانوں پر ہی ٹھہر کر رہ گئے بلکہ آپ تو اتنا طویل سفر کر کے اتنی جلدی تشریف لائے کہ ابھی حجرے کے دروازے کی زنجیر بھی ہل رہی تھی۔ اب رہی ڈھیلے کی بلندی، تو اس کا انحصار پھینکنے والے کی طاقت پر ہے۔ ایک چھوٹے بچے کے مقابلے میں ایک نوجوان

تنومند' ڈھیلا پھینکے گا تو وہ زیادہ دور جائے گا۔ غلیل کے ذریعے ڈھیلا اس سے بھی بلند جائے گا۔ بندوق سے نکلی ہوئی گولی اور زیادہ تیز رفتاری سے اور بلند تر جائے گی اور یہاں تو حضور علیہ السلام کو عرش معلیٰ پر پہنچانے والی ذات خداوند تھی۔

(۲) یہ کہنا کہ جسم عنصری کا قلیل مدت میں بیت المقدس اور عرش پر جانا اور وہاں دیگر مشاہدات محال ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ ایسے جسم عنصری کا جس کی عنصریت اپنی لطافت کے لحاظ سے روحانیت سے بھی بڑھ کر ہو قطعاً محال نہیں۔

(۳) عصر حاضر میں سینکڑوں ہوائی جہاز باوجود کثیف الاصل ہونے کے بمعہ سینکڑوں انسانوں کے محو پرواز ہیں۔

(۴) یہ کہنا کہ قرآن شریف میں اس واقعہ کے ظہور میں لیلاً کا لفظ آیا ہے لہٰذا رات کا تذکرہ خواب کا واقعہ ہونے کی دلالت کرتا ہے' حالانکہ قرآن حکیم میں کئی ایسے واقعات متعدد مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں جن کی لفظ ''لیل'' سے تعین کی گئی ہے۔

(۵) یہ کہنا کہ واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے حضور علیہ السلام کے قیام کا اندازہ کئی سالوں کی مدت کا بنتا ہے' پھر اتنی دیر آپ کا بستر کس طرح گرم رہا اور زنجیر حجرہ کیونکہ متحرک رہی' حالانکہ فی زمانہ ایجادات کے ذریعہ کسی چیز کو تا دیر گرم یا ٹھنڈا رکھنا امر محال نہیں اسی طرح کلاک یا ٹائم پیس کئی سال تک حرکت میں رہ سکتے ہیں۔

تو شاہ صاحب! اس قسم کے اعتراضات ذاتی اختلافات کا مجموعہ ہوتے ہیں اور بعض باتیں محض تخیل کی بنا پر ہوتی ہیں۔ یہ لوگ ایسا مغالطہ کھاتے ہیں کہ پھر اس کی اصلاح نہیں کرتے خواہ حقیقت سامنے آجائے۔ کئی آدمی واقعہ معراج سن کر مرتد ہو گئے' بہتوں نے انکار کیا۔ قابل تعجب یہ ہے کہ معراج کا واقعہ اگر خوابی ہے تو خواب ابوجہل اور ابولہب کو بھی آسکتا ہے۔ انکار تو جبھی کیا گیا تھا کہ حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ میں جسم کے ساتھ گیا اور واپس آیا تھا۔ خواب تو ہر شخص کو آسکتا ہے۔ منکرین نے مشکل اس لئے سمجھا کہ انہوں نے سید الانبیاء کے جسم اطہر کو اپنے جیسا سمجھا۔ مغالطہ صرف اتنا ہے کہ ہم چونکہ فلاں کام نہیں کر سکتے اس لئے حضور علیہ السلام بھی نہیں کر سکتے۔ اگر وہ حضور علیہ السلام کو پہچانتے تو انکار نہ کرتے اور جب تک صحیح طور پر آپ کو پہچانا نہ جائے ایمان کامل نہیں ہوتا۔

مدارج وقوّت

ایک مجلس میں فرمایا: پچھلے دنوں کراچی میں ایک شخص نے سوال کیا کہ اولیاء کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ ان کے درجات میں کتنی بلندی ہوتی ہے؟

میں نے حاضرین کو اولیاء اللہ کے مدارج سمجھائے۔ اس کے بعد یہ بتایا کہ جتنے متقدمین اولی العزم لوگ گزرے ہیں ان سب کا تعلق اس سلسلے سے رہا ہے کہ بزرگان خدا کی تعلیم کے مطابق اللہ کو یاد کیا جائے۔ کچھ واقعات بیان کئے۔ ان میں ایک یہ بات بیان کی کہ اولیاء کا درجہ بعض اوقات اتنا بلند سمجھا جاتا ہے کہ براہ راست ان کا تعلق رب العزت سے ہو جاتا ہے۔ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

اَنّیٰ لکِ ھذا؟:-

قرآن میں آتا ہے کہ حضرت مریمؑ کی ماں نے دعا مانگی۔ رب انی نذرت لک مافِی بَطنی محرراً فتقبل منی. (۳:۳۵) ''الٰہی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں اسے تیرے نام کے لئے وقف کرتی ہوں۔ تو قبول فرما۔ اس معاہدے کے بعد لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام مریم رکھا گیا۔

حضرت مریم علیہ السلام جب تھوڑی سی ہوش سنبھال کر شعور کے میدان میں قدم رکھنے لگیں تو آپ کی ماں نے انہیں کلیسا پر وقف کر دیا۔ وہاں بہت سے لوگ موجود تھے، ہر ایک نے یہ تمنا کی کہ یہ لڑکی وقف ہو کر وقف کی صورت میں ہمیں مل جائے۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس طرح کسی کو نہ ملے بلکہ اپنی اپنی لکھنے کی قلموں کو دریا میں ڈالو، جس کا قلم الٹے پانی اوپر کو آجائے وہ مریمؑ کا ذمہ دار ہو۔ چنانچہ حضرت زکریا علیہ السلام کا قلم الٹے پانی چڑھا اور حضرت مریمؑ کی سپردگی حضرت زکریاؑ کو تفویض ہوئی۔ وہ اس کے ذمہ دار بن گئے۔ ایک دن حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریمؑ کو کلیسا کے ایک کمرے میں بند کیا۔ وہ اندر کھیلتی رہیں اور خود باہر کام کو چلے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت مریمؑ کے سامنے کچھ پھل پڑے ہیں، باہر سے تالا لگا ہوا ہے، اندر کوئی آدمی نہیں آسکتا، میں اسے فروٹ دیکر نہیں گیا۔ یہ پھلوں کے ساتھ کھیل رہی ہے۔ بیٹھی کچھ کھا رہی ہے۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرت زکریا علیہ السلام جب اندر آئے تو پوچھا:

یا مریم انی لک ھذا. (۳:۳۷) اے مریم یہ فروٹ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اللہ اکبر! نابالغ بچی اور وہ انکشاف جو اس کی فطرت میں داخل تھا۔

قالت ھو من عِنداللہ. (۳:۳۷) کہنے لگی: یہ فروٹ اللہ کی طرف سے آیا ہے اللہ مجھے دیتا ہے میں کھاتی ہوں۔

ھنالک دعا:-

چنانچہ حضرت مریم علیہ السلام کی اس شان کو جب حضرت زکریا علیہ السلام نے دیکھا۔ اللہ اکبر! ولی کے دروازے کو یہ شرف حاصل ہے۔ ھنالک دعا ذکریا رَبُّہ' جب دیکھا کہ حضرت مریمؑ پر اتنی رحمت مولیٰ ہے تو گرجے (ہیکل) تک جانے کی بھی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ وہیں حضرت مریمؑ کے دروازے پر اسی جگہ حضرت ذکریا علیہ السلام نے دعا مانگی کہ الٰہی تیری یہ برکت ہے' تیرا یہ فضل و کرم ہے' تو مریم کو فروٹ عطا کر سکتا ہے تو مجھے بھی ایک پھل کی ضرورت ہے۔

رب ھب لی من لدنک ذریتہً طیبتہ انک سمیع الدعا. (۳:۳۸)

تو مجھے بغیر وارث کے نہ چھوڑ۔ تو بہتر وارث عطا کرنے والا ہے۔ مجھے بھی ایک وارث عطا فرما۔ گویا حضرت مریمؑ کی جگہ کو اتنا مقدس سمجھا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام نے بحیثیت نبی ہونے کے گرجا جا کر دعا نہیں مانگی۔ قرآن کہتا ہے۔ ھنالک دعا ذکریا مریم کی حقیقت کو سمجھتے ہوئے وہیں اسی مقام پر دعا مانگی۔ ارشاد ہوا:

یا ذکریا انا نبشّرک بغلٰمِ اسمہ یحییٰ لم نجعل لہ' من قبل سمیا. (۱۹:۷) اے ذکریا! تم نے دعا مانگی ہے۔ ایک ایسی پاکیزہ جگہ پر کھڑے ہو کر' ہم تجھے ایک بیٹا عطا کرتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہوگا اور یہ بھی تجھے بتا دیں کہ آج تک ساری دنیا میں ہم نے کسی کا نام یحییٰ نہیں رکھا۔ یعنی ایک تیرے ہی بیٹے کا یہ انوکھا نام ہوگا۔

تو اولیاء اللہ کی جگہوں پر ان کے مقام پر بھی یہ برکتیں ہوتی ہیں کہ وہاں کھڑے ہو کر اگر دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے اور ان لوگوں کا علم انبیاء کے طفیل، ان کی دعوت سے ان کی تعلیم اور اعلیٰ تربیت سے اتنا وسیع ہوتا ہے کہ اگر اسے دیکھا جائے تو خدا کی زمین، پہاڑ، خدا کی کائنات ان کے سامنے ایک دسترخوان کی طرح ہوتی ہے۔

رائی کا دانہ:-

حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ ''نظرت الی بلاد اللہ جمعیا کخردلۃ علی حکم اتصالی'' یعنی میں رب العزت کی تمام سلطنت کو اور تمام ممالک الٰہیہ کو مجموعی طور پر اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر باریک رائی کا دانہ۔ اس علم کا اندازہ لگائیے کہ خدا کی ساری کائنات کو میں اس طرح دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پر رائی کا دانہ پڑا ہو۔ تو اب یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ کائنات الٰہی' مملکت الٰہیہ رائی کے دانے کی طرح دیکھنے والے کی نظر میں ہے۔ تو یہ خود دیکھنے والا کائنات الٰہی میں کہاں ہے؟ تو یاد رکھو کہ جو مرکز ہے وہ خود دائرے میں ہے' وہ دائرے کو محیط نہیں ہوسکتا۔ اور اگر دائرے میں نہیں، مملکت الٰہی میں نہیں تو پھر کہاں ہے؟ تو اس کے متعلق یہ ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب اللہ کا بندہ' اللہ کی عبادت کرنے کے بعد اس درجے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس پر خدا کی صفات وارد ہو جاتی ہیں تو اس میں کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ میں اس کا منہ بن جاتا ہوں جس سے وہ بولتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں۔ گویا جو کچھ وہ کرتا ہے وہ میری طاقتوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جو کچھ اس سے وارد ہوتا ہے وہ میری قوت ہوتا ہے۔

ید اللہ:-

قرآن میں آتا ہے جب جنگ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار پر ایک ریت کی مٹھی پھینکی تو جس کو بھی ایک ذرہ لگا ہاتھی' گھوڑا' اونٹ' وہ مرتے چلے گئے اور میدان فتح ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ خود اس کے متعلق فرماتا ہے کہ اے محبوب جنگ بدر میں وہ جو ریت کی مٹھی تو نے پھینکی تھی وہ ترا ہاتھ نہیں تھا میرا ہاتھ تھا۔ تو جب خدا کی قوتیں اس کے بندے میں کام کرتی ہیں تو بندے کے تمام اعضا میں وہی جلوہ فرما ہوتا ہے اس لئے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مملکت الٰہیہ کو میں اس طرح دیکھتا ہوں جس طرح رائی کا دانہ ہو ہاتھ میں' تو اس کا مطلب ہے کہ وہ رب کے پردے میں کائنات کا مطالعہ کرتا ہے۔ کائنات کے باہر کوئی چیز ہے تو وہ رب ہی ہے۔

تخت حاضر:-

اسی طرح جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: کوئی ہے جو ملکہ سبا کا تخت لائے؟ ملکہ سبا ملنے کے لئے آرہی ہے۔ آپ نے درباریوں کی طرف دیکھا جنوں میں سے ایک نے کہا میں دربار برخواست ہونے سے پہلے تخت کو حاضر کر دیتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کے قول کو باور ہی نہیں کیا۔ قال الذی عندہ' علم من الکتاب ایک ولی اللہ آصف بن برخیا دربار میں حاضر تھا جسے کتاب کا علم تھا۔ اس نے عرض کی اگر اس جن کا قول قابل قبول نہیں تو مجھے حکم ہو' میں آنکھ جھپکنے سے پیشتر تخت حاضر کر دیتا ہوں۔ ملاحظہ ہو اولیاء اللہ کی طاقت۔ ہے کوئی اندازہ؟

اُس نے یہ نہیں پوچھا سبا کہاں ہے؟ اس کا سرنامہ کیا ہے؟ تخت کہاں پڑا ہے؟ کتنا وزنی ہے؟ کسی میدان میں ہے یا محل کے اندر کس سمت یا طرف ہے؟ یا یہ کہ دو چار جن دے دیجیے کہ جلدی لا دوں۔ گویا یہ سب کچھ نہ کہا۔ نہ پوچھا۔ اس لئے کہ خدا کی زمین اس طرح سامنے ہے۔ کہ کہتا ہے آپ آنکھ جھپکیں اس سے پہلے میں تخت سامنے حاضر کر دیتا ہوں۔ دنیا کی کوئی مادی طاقت اس علم اور ان درجات کی پہلی سیڑھی بھی نہیں چڑھی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آنکھ جھپکنے کے بعد جب دیکھا تو تخت سامنے پڑا تھا۔ سلیمان علیہ السلام چونکہ اللہ کے نبی ہیں' تخت لانے والے کا شکریہ ادا نہیں کرتے بلکہ فرماتے ہیں۔ ھذا من فضل ربی. (۲۷:۴۰) یہ میرے مولیٰ کا فضل ہے جس نے اتنی طاقتیں میرے غلام کو عطا فرمائی ہیں۔ خیال فرمایئے: جس کے ادنیٰ غلاموں کی طاقت یہ ہو' اس قادر مطلق کی طاقت کا کیا کہنا! یہ باتیں صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے کے بعد ہی سمجھ میں آسکتی ہیں کہ بندہ کیا ہے؟ اور اللہ نے اسے کیا پیدا فرمایا ہے؟

انا عبدہ رسول اللہ

ایک مجلس میں فرمایا حضور علیہ السلام کا ایک عمومی رنگ لے لیں۔ حضورؐ کی ایک ذات گرامی ہے اور ساری کائنات کا نبی۔ اس بلندی کا خیال کیجیے۔ فرمایا میں جنوں' فرشتوں' پتھروں' پہاڑوں' سمندروں' انسانوں' پانی کے قطروں' ریت کے ذروں' ساری کائنات کا نبی ہوں' حتیٰ کہ خدا کا نبی ہوں۔ سبحان اللہ! کتنی بلندی ہے۔ اتنی قوت والی ذات' با اختیار ذات

جس کے اشارے پر نظام فلکی شق ہو رہا ہے، جس کے اشارے پر پتھر تیر رہے ہیں، درخت جڑوں سے اکھڑ رہے ہیں، ڈوبا ہوا سورج واپس آ رہا ہے۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھے آرام فرما رہے تھے حضرت علیؓ کی نماز عصر قضا ہو گئی، جس کی وجہ سے وہ پریشان ہو گئے۔ اسی دوران حضور علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا کہ حضرت علیؓ پریشان ہیں۔ پوچھا اے علی! پریشان کیوں ہو؟ عرض کی حضور آرام فرما رہے تھے، آپکو بے آرام کرنا نہ چاہتا تھا۔ نماز عصر قضا ہو گئی ہے۔ میں نے سوچا اگر بیدار کروں تو محبوب کو تکلیف ہو گی، نہیں کرتا تو فرض خدا جاتا ہے۔ اس بات پر پریشان تھا کہ کس کو ترجیح دوں؟ دل سے فتویٰ پوچھا۔ دل نے آواز دی، یہ تردد کی بات نہیں۔ یہ اسلام، یہ روزہ، یہ نماز، یہ حج، یہ زکوٰۃ جو کچھ ہے یہ اسی کا ہے جو مرے زانو پر سر دھر کر سویا ہوا ہے۔ یہ راضی تو رب راضی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: اس بات پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ محمد الرسول اللہ کا وہ ہاتھ ہے کہ جس میں رحمت کے خزانوں کی چابیاں ہیں۔ جب کبھی اٹھے ہیں خالی نہیں آئے۔ دعا فرمائی اے اللہ! علی نے نماز پڑھنی ہے۔ سورج کو پیچھے لوٹا دے تا کہ علی نماز پڑھ لے۔ حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا تھا کہ سورج عصر کے وقت پر آ جاتا ہے اور پھر نماز پڑھی جاتی ہے۔ خیال فرمائیے، وہ رسولؐ جس نے نظام فلکی میں ہلچل مچا دی۔ اضطراب پیدا کر دیا، نظام کائنات سے پورے تصرف سے کام لیا۔ تحت الثریٰ تک اختیارات سے کام لیا۔ اتنے اختیارات کے مالک رسول کے ہوتے ہوئے پھر ہم ذلیل ہوں؟ کیا سرکار کہیں چلے گئے ہیں؟

کچھ توقف کے بعد فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ہستی کا خدا ہونے کا چیلنج مانتے ہیں جو یہ کہتا ہے میں خدا ہوں، یعنی نمرود۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسے فرماتے ہیں کہ میرا خدا تو مشرق سے سورج نکالتا ہے اگر تجھے خدائی کا دعویٰ ہے تو تو مغرب سے نکال کر دکھا۔ وہ کافر نمرود بھونچکا ہو کر رہ جاتا ہے کہ کیا جواب دوں۔ غور فرمائیے اس ضمن میں ایک انگریز ڈاکٹر سپرنگر لکھتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں نمرود کے لئے خدائی دعویٰ کی جو دلیل پیش کی جاتی ہے، یہاں حضور علیہ السلام کے ہاں اسے پورا کر دیا جاتا ہے۔ یعنی سورج لوٹا دیا جاتا ہے لیکن پھر بھی خدائی کا دعویٰ نہیں۔ ساری کائنات ان کے اشارے پر رقص کرتی ہے، مگر جس وقت خالق اور مخلوق کے متعلق بات ہوتی ہے تو کہتے ہیں "انا عبدہ رسول اللہ"۔

طعام میں برکت :-

بمقام چمن محمد غیاث سہروردی نے عرض کی کہ پندرہ آدمیوں کا کھانا پکوایا تھا۔ اتفاق سے چالیس آدمی کھانے میں شریک ہو گئے مگر پھر بھی کھانا اسی طرح بچا رہا۔ یہ سب حضور کی برکت ہے۔

فرمایا: سرکار دو عالمؐ کی دعوت ہے۔ برکت ہی برکت ہے۔ غزوۂ خندق کا واقعہ ہے مسلمان مدینہ منورہ کے گرداگرد خندق کھود رہے تھے تاکہ کفار اندر نہ آسکیں۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کی یارسول اللہ خندق میں ایک پتھر آگیا ہے وہ اٹھایا نہیں جاتا۔ حضورؐ خود تشریف لے گئے اور اس پتھر پر اتنی زور سے کدال ماری کہ وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ آپ خندق سے باہر نکلے پسینہ پسینہ تھے۔ زمین پر لیٹ گئے۔ حضرت جابرؓ حضور علیہ السلام کو دبانے بیٹھ گئے تو دیکھا کہ حضورؐ کے پیٹ مبارک پر پتھر بندھا ہے۔ عرض کی یارسول اللہ پیٹ بڑا سخت ہے۔ فرمایا پتھر باندھا ہوا ہے اس لئے کہ پیٹ کی کمزوری کو محسوس نہ کیا جائے۔ کئی دنوں سے میں نے کھانا نہیں کھایا۔ حضرت جابرؓ نے عرض کی یارسول اللہ میں آپ کی دعوت کرتا ہوں۔ آج دوپہر میرے ہاں کھانا کھائیں۔ اجازت ہو تو میں گھر جاؤں اور وہاں حضورؐ کا انتظار کروں۔ حضور علیہ السلام نے اجازت عطا فرمادی۔ حضرت جابرؓ گھر تشریف لے گئے اور جا کر ایک بکری کا بچہ حلال کیا۔ بیوی سے پوچھا آٹا ہے؟ انہوں نے کہا ایک ٹوپہ جو ہیں۔ کہنے لگے بس ٹھیک ہے انہیں پیسو اور روٹی پکاؤ' آج رسول اللہ کی دعوت ہے۔ بکری کا بچہ ذبح کر کے ٹکڑے بنا جاتا ہوں اسے پکا ڈالو۔ حضرت جابرؓ یہ انتظام کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی یارسول اللہ کھانے کا انتظام کر آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ حضرت جابرؓ یہ عرض کر کے خندق کی طرف جانے لگے تو حضور علیہ السلام نے اعلانِ عام فرمادیا کہ بہادرو! ڈٹ کر کام کرو! اس کام کے بعد آج تمہاری دعوت جابرؓ کے ہاں ہے۔ حضرت جابرؓ بڑے پریشان ہوئے کہ چودہ سو آدمی ہیں کھانا کیسے پورا ہوگا؟ پھر سوچا جس نے اعلان کیا ہے اسے بھی تو آخر پتہ ہی ہے خود ہی پورا کریں گے۔ دوپہر کا وقت ہوا۔ کھدائی سے فارغ ہوئے تو آگے آگے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور پیچھے پیچھے چودہ سو آدمی۔ حضرت جابرؓ کے گھر کی طرف چل پڑے۔ حضرت جابرؓ سر جھکائے جا رہے تھے۔

عرض کی یارسول اللہ ایک ٹوپہ جو اور بکری کا ایک چھوٹا سا بچہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے اعلانِ عام فرما دیا ہے۔ آپ نے حضرت جابرؓ کو فرمایا کہ چلو! حضرت جابرؓ کے ہاں جتنے آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی وہ اندر بیٹھ گئے اور باقی باہر۔ حکم ہوا جابرؓ! یہ لو میری چادر! اسے روٹیوں اور ہانڈی پر ڈال دو اور چمچے کے ساتھ ہانڈی سے سالن نکالتے جاؤ۔ چادر کے نیچے سے ہی روٹیاں نکالتے جاؤ اور کھانا کھلانا شروع کر دو۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں' سامنے روٹی رکھی ہوئی ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آ گئے اور عرض کی یارسول اللہ اس وقت تک کھانا شروع نہ کیجئے جب تک جابر کے دونوں بچے بھی شریک طعام نہیں ہوتے۔

ذبح بچے زندہ:۔

حضور علیہ السلام نے حضرت جابرؓ سے پوچھا بچے کہاں ہیں؟ عرض کی یارسول اللہ باہر ہوں گے۔ فرمایا انہیں لے آؤ۔ حضرت جابرؓ بیوی کے پاس آئے اور بچوں کے متعلق پوچھا۔ بیوی نے کہا یہ قصہ نہ چھیڑیئے ورنہ حضور علیہ السلام کی طبیعت کو ملال ہوگا۔ کہنے لگے پھر بھی کہو تو سہی کہ بات کیا ہے؟ کہنے لگیں چھوٹے بچے نے بڑے بھائی سے پوچھا کہ ابا نے بکری کو کس طرح حلال کیا ہے؟ بڑے نے چھوٹے بھائی کو زمین پر لٹا دیا اور اس کی گردن پر چھری پھیر دی کہ یوں۔ جب وہ ذبح ہو گیا تو اس کے مرنے کے بعد اسے سخت خوف پیدا ہوا کہ میں یہ کیا کر بیٹھا ہوں۔ اسی دہشت اور خوف میں وہ چھری سمیت باہر کی طرف بھاگا' بھاگتے ہوئے پاؤں پھسل گیا۔ چھری پیٹ میں دھنس گئی اور وہ بھی وہیں ڈھیر ہو گیا۔ دونوں کی لاشیں اندر کمرے میں پڑی ہیں۔ میں روئی بھی نہیں تا کہ اس حادثے کا اثر حضور علیہ السلام کی طبیعت پر نہ ہو (خیال فرمایئے) کتنا جذبہ تھا۔ کتنی قوت ایمانی تھی کہ دونوں لخت جگر اندر مرے پڑے ہیں مگر حضور علیہ السلام کا اتنا پاس ہے کہ وہ بھوکے واپس نہ چلے جائیں۔ آنسو تک نہیں بہایا۔ کیا ایمان ہے اس عظیم عورت کا۔ سبحان اللہ! حضرت جابرؓ نے کہا اب کیا کیا جائے؟ ذکر کرنے کے بغیر اب چارہ نہیں کیونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے ہیں اور رسول اللہ کو رب العزت کی طرف سے حکم ہوا ہے کہ جب تک جابر کے بچے شریک نہ ہوں کھانا شروع نہ کیا جائے چنانچہ حضور علیہ السلام کھانا تناول نہیں فرما رہے۔ بیوی نے کہا اگر اللہ کی مرضی ہے تو لاشیں لے جاؤ۔ ادھر حضرت جبرائیلؑ نے راز کھول دیا

تھا۔ چونکہ رب العزت کا حکم تھا کہ بچے کھانا ساتھ کھائیں حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی دونوں بچے زندہ ہو گئے حکم فرمایا انہیں کھانا دو اور وہ لوگ اپنی قوت ایمانی کا مول بھی پا گئے۔ بات تو صرف اتنی تھی کہ جابرؓ کو یہ دعوت مہنگی نہ پڑے۔ حضرت جابرؓ اس کے متعلق روایت کرتے ہیں: مجھے قسم ہے جب چودہ سو آدمی کھانا کھا چکے تو ہانڈی اسی طرح جوش مار رہی تھی اور چنگیر میں اتنی ہی روٹیاں موجود تھیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی یا رسول اللہ! کھانا بچ گیا ہے۔ فرمایا کوئی رہ تو نہیں گیا؟ اس کے بعد اہل خانہ کو حکم فرمایا کہ تم لوگ بھی کھالو۔

ذبح بکری زندہ:-

جب وہ بھی کھا کر فارغ ہو گئے تو سرکار دو عالمؐ نے فرمایا جتنی ہڈیاں ہیں اکٹھی کر کے ایک پیالے میں ڈال کر لے آؤ! چنانچہ حضرت جابرؓ ہڈیاں اکٹھی کر کے لے آئے اور حضور علیہ السلام کے سامنے پیش کر دیں۔ آپ نے ان پر دست مبارک رکھا اور فرمایا قم باذنی حضرت جابرؓ فرماتے ہیں میں دیکھ رہا ہوں کہ ادھر حضور علیہ السلام نے قم باذنی فرمایا ادھر وہ بکری کا بچہ کان جھاڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

کھجوروں میں برکت:-

اسی طرح ایک مقام پر حضور چند صحابہ کبارؓ کے ہمراہ تھے۔ لوگوں کو بھوک نے تنگ کیا۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ کیا کچھ کھانے کی چیز ہے؟ انہوں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں توشہ دان میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے پاس لاؤ' پھر آپ نے اس میں ہاتھ ڈالا اور ایک مٹھی نکالی اور اس کو پھیلا دیا۔ برکت کی دعا مانگی۔ پھر فرمایا کہ دس مردوں کو بلاؤ' وہ کھا گئے۔ جب سیر ہو گئے تو اور دس طلب فرمائے۔ حتیٰ کہ تمام لشکر کو کھلایا اور سب کے سب سیر ہو گئے۔ پھر مجھے فرمایا جو تو لایا تھا اس کو لے اور اپنے ہاتھ کو ڈال کر نکال لیا کرنا۔ اس توشہ دان کو اٹھانا اور الٹنا نہیں۔ یہ واقعہ میں نے اپنی تصنیف ''سیاح الامکان'' میں لکھا ہے۔ وہ صحابی کہتے ہیں ہمیں موج ہو گئی' نہ آٹا خریدنا پڑتا نہ کچھ' جس کسی کو جب بھی بھوک لگتی اس تھیلے میں ہاتھ ڈال کر کھجوریں نکال لیتا اور خوب سیر ہو کر کھا لیتا۔ حضور علیہ السلام کی حیات ظاہری کا زمانہ گزرا' پھر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کی

خلافتوں کے دور گزرے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت تک وہ میرے پاس رہا جب فتنہ برپا ہوا اور ان کی شہادت ہوئی تو اس ہنگامے میں وہ تھیلی کہیں ضائع ہوگئی۔

پتھروں کا گریہ:۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ایک دفعہ حضور علیہ السلام صحابہ کے ہمراہ کسی جنگل میں تشریف لے گئے۔ پانی کی ضرورت پڑی۔ صحابہؓ نے ہر چند تلاش کی نہ ملا۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا: سامنے پہاڑ پر اس بڑے پتھر کو کہو کہ محمد رسول اللہ فرماتے ہیں کہ پانی دو۔ قاصد وہاں پتھر کے پاس گیا اور یہی پیغام دیا۔ پتھر نے عرض کی حضور علیہ السلام نے بجا ارشاد فرمایا ہے۔ ہمارے پاس پانی کا کافی ذخیرہ موجود تھا۔ جب سے یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ فاتقو النار التی وقودھا الناس والحجارۃ. (۲:۲۴) اس آتش دوزخ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے اس دن سے خوف کے مارے رو رو کر ہم نے وہ پانی خشک کر دیا ہے کہ نہ معلوم وہ ایندھن ہم ہی ہوں؟

علمِ غیب

ذاتی نہیں عطائی:۔

جمعدار عبدالخالق سہروردی نے عرض کی کہ ایک صاحب مجھ سے بحث کرنے لگے کہ حضور علیہ السلام کو علم غیب نہیں۔

فرمایا: ان لوگوں کو یہ پتہ نہیں کہ غیب کسے کہتے ہیں؟ آپ علم غیب کی تعریف کریں۔

جمعدار صاحب نے کہا جو چیز دکھائی نہ دیتی ہو۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سب کچھ اپنے ہاتھ سے بنایا ہے اس سے کیا غیب ہے؟ وہ کاہے کا عالم الغیب ہے؟ چلو رسولؐ بھی نہ سہی، غیب کا انہیں پتہ ہی نہیں لیکن غیب کی تعریف جو آپ نے کی ہے اس کی بنا پر معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو غیب نہیں۔ یہ جو قرآن میں ہے کہ عالم الغیب والشہادۃ اس کے کیا معنی کرو گے؟ یہی نا کہ اللہ غیب کا جاننے والا ہے حالانکہ اس سے کچھ بھی غیب نہیں۔ پھر وہ کاہے کا عالم الغیب ہے؟ جب اس پر سب کچھ ظاہر ہے تو پھر اسے عالم الغیب کیوں مانا جاتا ہے۔

جمعدار صاحب نے جواب دیا اس لئے کہ جو ہم نہیں جانتے وہ جانتا ہے۔

فرمایا: اگر اس کا عالم الغیب ہونے کا دعویٰ ہمارے مقابلے میں ہے تو غلط ہے ورنہ اس کی نوعیت بتاؤ جس وجہ سے اسے عالم الغیب مانیں گے اس علم کا ان میں پایا جانا ماننا پڑے گا۔ غیب وہ چیز ہے جو حواسِ ظاہری و باطنی کے ادراک سے خارج ہو۔ علم غیب کی تقسیم دو طرح پر ہے۔ اول حقیقی یا استقلالی یا ذاتی، دوسرا اضافی یا وہبی یا تعلیمی۔ پہلی قسم کا علم غیب جو بلا کسی وسیلہ یا ذریعہ کے ہے بالاستقلال ذاتی ہے اور وہ خاص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور دوسرا علم غیب جو اضافی یا وہبی یا تعلیمی ہے وہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔ مبادی پر کوئی ملک مقرب و نبی و مرسل مطلع نہیں البتہ غیب کے نور حق پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض احباب کو مطلع فرمایا ہے جس کے علوم میں سے ایک لوح کا علم بھی ہے اور یہ غیب اضافی ہے۔ علمائے اہل سنت والجماعت حضور علیہ السلام کے لئے نہ جمیع غیوب لامتناہیہ کا علم ثابت کرتے ہیں اور نہ جملہ معلومات الٰہیہ کا۔ حضور علیہ السلام کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی مساوات نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کا علم متناہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا غیر متناہی۔

سورہ جن میں آتا ہے۔ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہٖ احد الا من ارتضی من رسول (۷۲: ۲۲ تا ۲۷) یعنی غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔ یعنی ہم جسے چاہیں رسولوں میں سے غیب عطا کرتے ہیں۔ اس مقام پر حضرت قبلہؒ نے ایک کاغذ ہاتھ میں لے کر حاضرین کو فرمایا: یہ کاغذ ہے اس میں سے اگر کسی کو کچھ عطا کیا جائے تو وہ کاغذ ہی ہوگا نا؟ اس لئے رب العزت جو یہ فرماتے ہیں کہ ہم رسولوں میں سے جسے چاہیں غیب دیتے ہیں تو معلوم ہوا کہ غیب کے علم سے جسے دیا جائے گا غیب ہی دیا جائے گا۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مرے گا؟ کوئی نہیں جانتا کل کیا ہوگا؟ کوئی نہیں جانتا رحموں میں کیا ہے؟ کوئی نہیں جانتا قیامت کب آئے گی؟

لاش یہاں سے:۔

لیکن جنگ بدر کے موقع پر حضور علیہ السلام میدان جنگ کا ایک دن قبل معائنہ فرماتے ہیں۔ یہاں میمنہ ہوگا، میسرہ ایسے ہوگا۔ وہاں کھڑے کھڑے اپنی چھڑی سے اشارہ فرماتے

ہیں یہاں سے کل ابوجہل کی لاش اٹھے گی۔ یہاں سے عتبہ بن ربیعہ کی' یہاں سے فلاں کی اور یہاں سے فلاں کی۔ تو معلوم ہوا کہ کل کا بھی پتا تھا کہ کیا ہوگا اور یہ بھی پتا ہے کہ ان لکیروں پر کس کس نے مرنا ہے۔ بتایئے یہ کیا ہے؟ یہ غیب ہے یا حاضر؟ مرنے والے تو ابھی مکے میں بیٹھے روٹیاں کھا رہے ہیں۔ انہیں تو پتہ بھی نہیں کہ جنگ میں آنا بھی ہے یا نہیں۔ حضور علیہ السلام ان کی لاشوں کے اٹھنے کے نشان دے رہے ہیں۔ مرنے والا لکیر سے اگر ایک فٹ بھی پرے مرے تو نعوذ باللہ نبی کا ارشاد غلط ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس نے وہیں مرنا ہے جہاں نشان لگا دیا گیا ہے۔ سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: معترضین کو کہنا تھا کہ وہ وحی بتاؤ یا وہ آیت پڑھو کہ یہاں سے ابوجہل کی لاش اٹھے گی۔ اگر بتایا ہی گیا ہے تو قرآن میں وہ آیت ہوگی۔ اگر قرآن میں نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی اختیارات تھے۔ دفعہ ۱۴۴ ہے جب چاہیں لگا دیں۔ ڈپٹی کمشنر ہر وقت جیب میں دفعہ ۱۴۴ کے اختیارات لئے پھرتا ہے۔ جب چاہے' جہاں چاہے لگا دے۔

محدثین اور محققین کا یہ مسئلہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے معجزات غیر منحصر ہیں جن کی کوئی حد نہیں۔ بعض حضور نے ظاہر فرما دیئے۔ بعض اولیاء اللہ کی کرامات کی صورت میں ظاہر ہوتے رہیں گے۔ ریڈیو کسی کو بنا لیا۔ آواز نبی کی ہے۔ جو کرامت آج ظاہر ہو رہی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا بقایا ہے۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

مارا گیا ہے:-

علم یہ ہے کہ خسرو پرویز' ایران کے بادشاہ کو پتہ چلا کہ کوئی شخص ہے جس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ حکم دیا کہ اسے گرفتار کر کے میرے روبرو پیش کرو۔ پولیس چل پڑی۔ یمن پہنچے' وہاں سے مدد لی۔ مکہ پہنچے' ایران سے پیدل چل کر مکہ پہنچنے میں دو چار ماہ لگے۔ گرفتاری کے لئے حضور علیہ السلام کے سامنے آئے۔ پوچھا محمدؐ آپ کا نام ہے؟ آپ نے ہی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ حضور علیہ السلام نے فرمایا: ہاں! وہ کہنے لگے ہم آپ کی گرفتاری کے لئے آئے ہیں۔ خسرو پرویز نے حکم دیا ہے کہ آپ کو اس کے روبرو پیش کریں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف دیکھ کر فرمایا: ایران کے خسرو پرویز کا ذکر کرتے ہو؟ وہ تو آج رات اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔

تو جمعدار صاحب! العلم خواندن نہیں ہوتا العلم دانستن ہوتا ہے۔ اس طرح جاننا' مثلاً ایک ڈاکٹر کو جب علم بتایا جاتا ہے اور وہ ڈگری حاصل کر لیتا ہے تو اسے اس کے استعمال کا پورا اختیار دیا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے مریضوں کو مارنے کا بھی اختیار ہے۔ اس لئے کہ اسے علم کلی ہے اور اختیار حاصل ہے۔ وہی علاج اگر اور (غیر مستند) کرے اور اس سے مریض مر جائے تو پولیس گرفتار کر لیتی ہے۔ اس لئے یہ لوگ جو حضور علیہ السلام کے علم غیب پر حرف گیری کرتے ہیں بے تکی باتیں کرتے ہیں۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

علمِ کُلّی :-

اگلے دن ایک شخص آیا اور کہنے لگا آپ حضور علیہ السلام کے علم کو کُلّی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بھی علم کلی ہے۔ رسول اللہ کا علم غیب یا دوسرا علم ہم ''کلی'' کیسے مان لیں؟ میں نے کہا افسوس کہ تم کلی کے معنی ہی نہیں سمجھتے۔ کہنے لگا تو آپ سمجھا دیں۔ میں نے کہا کلی وہ علم ہے جس کی کوئی حد ہو۔ جہاں وہ ختم ہو تو کہیں گے وہ کلی ہے۔ چنانچہ جس کی حد ہو وہ حضور کا علم ہے اور جس کی حد نہیں وہ رب العزت کا علم ہے یعنی لامتناہی۔ مثلاً یہ کل مکان یہ کل قلعہ گوجر سنگھ اور فلاں سے فلاں جگہ تک کل لاہور۔ اس لئے ہر وہ چیز جس کی حد ہے وہ کلی ہے۔ ''محدود علم'' چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے لہٰذا وہ ''کلی'' ہے۔ رب العزت کا علم ''لامحدود'' ہے وہ کلی نہیں۔ قرآن کہتا ہے میں کتاب ہوں۔ تبیاناً لِکل شئی (۱۶ : ۸۹) بیان کرنا جس کا تمام اشیاء کے لئے۔ قرآن اس کی کل ہے' اس کے علم کی حد بیان کرتا ہے اور کہتا ہے میں اس کل کا دعویدار ہوں اور اسے بیان کرتا ہوں۔ تو معلوم ہوا کہ جتنا قرآن بیان کرتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ہے' قرآن کے دعوے کے مطابق۔ اگر قرآن مدعی ہے کہ ہر چیز کا کل بیان کرتا ہوں تو اتنا ''کلی علم'' تو قرآن کے ذریعے سے حضور علیہ السلام تک پہنچا اور وہ شب معراج کے اسرار و رموز جو پہنچے وہ اس کے علاوہ ہیں۔

''نہج البلاغۃ'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں مجھے جبریل سے زیادہ علم ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بڑا دعویٰ کیا ہے۔ جبرئیل علیہ السلام تو بڑی پرانی ہستی ہے۔ ایک طرف خدا سے اور دوسری طرف تمام انبیاء سے برتا۔ جو اول سے آخر تک سب سے برتا اس سے زیادہ علم آپ کا (حضرت علیؓ کا) کیسے

ہوا؟

فرمایا: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اس لئے کہ جتنا علم جبرئیل کو اول سے آخر تک کا ہے وہ تو قرآن میں ہے لیکن وہ رازہائے پوشیدہ جو شب معراج میں حضور علیہ السلام پر کھلے وہ سرکار دو عالمؐ نے مجھ سے بیان فرمائے جبرئیل پر ظاہر نہیں فرمائے۔

تبیاناً لکُلّ شَئّی (۸۹:۱۶):-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ایک دفعہ گاڑی میں دو شخص حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق بحث کرنے لگے۔ میں نے کہا بات سنو قرآن تبیاناً لکل شئی ہے۔ اس کے معنی کرو۔ کہنے لگے قرآن ہر چیز کو بیان کرتا ہے۔ میں نے کہا قرآن ہر شے کو بیان کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہر شے کا علم قرآن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ معراج کی وہ اخفا معلومات مزید برآں ہیں۔ اگر قرآن تبیاناً لکل شئی نہیں۔ اگر نعوذ باللہ یہ کہا جائے کہ نہیں، تو ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو سمجھا ہی نہیں اور یہ کفر ہے۔ اگر حضور علیہ السلام نے سمجھا ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضور علیہ السلام تبیاناً لکل شئی ہیں۔

غور فرمایئے کہ حضور علیہ السلام ہجرت کے موقع پر مدینہ پہنچے تو مدینے کے لوگ آپ کے استقبال کے لئے باہر آئے۔ ہر ایک نے اونٹنی کی مہار پکڑی کہ حضور علیہ السلام میرے ہاں ٹھہریں، مجھے سرفرازی بخشیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میری اونٹنی "مامور من اللہ" ہے وہ جانتی ہے کہ اس نے کہاں بیٹھنا ہے؟ خیال فرمایئے جس کی اونٹنی کو اتنا علم ہے کہ کہاں جانا ہے اس کے اپنے علم کا اندازہ ہو سکتا ہے؟

سامنے ایک شخص کھڑا تھا۔ فرمایا اس کو بلاؤ۔ وہ آیا اس سے حضور علیہ السلام نے فرمایا سالہا سال سے تمہارے خاندان میں میرے نام تبع حمیری شاہ یمن کی ایک بند چٹھی چلی آرہی ہے لاؤ وہ کہاں ہے؟

تو یہ علم ہے، یہ معلومات ہیں، کیا کہا جائے کہ حضور علیہ السلام کو کس نے بتایا؟ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے خود علم سکھائے۔

(ملکہ سبا کے واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا) ہدہد ڈیڑھ تولہ کا پرندہ ہے۔ ملکہ سبا کا پتہ

دریافت کر کے آتا ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میں ہدہد کو نہیں دیکھ رہا وہ سیٹ پر حاضر نہیں۔ اگر وہ اپنی غیر حاضری کی معقول وجہ بیان نہیں کرتا تو اسے قتل کر دوں گا۔ اتنے عرصے میں ہدہد آ گیا اور عرض کی حضور! میں آ گیا ہوں۔ اڑتا اڑتا ایسی جگہ چلا گیا تھا جس کا آپ کو علم نہیں۔ خیال فرمایئے۔ گویا تمام چرند و پرند میں ڈیڑھ تولہ کا پرندہ ذرا سے علم کی بنا پر نبی کے سامنے یہ کہنے کی جرات کرتا ہے کہ میں ایسی جگہ چلا گیا تھا جس کا آپ کو علم نہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے فرمایا اپنے قول کی تو آپ تصدیق کر اور میرا یہ رقعہ وہاں لے جا۔ تو خیر علم جسے بھی ہے اسے جتنا ہے وہ اس پر ناز کرے' لیکن یہ علم کہ مقدرات' معلومات جس حد تک متناہیہ ہوں ان کے لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہے اور انبیاء کرام کو علم ہے جتنا کسی کو رب العزت نے عطا فرمایا۔ اس لئے انسان انکار اس چیز کا کرے جس چیز کی اس کے پاس دلیل ہو۔ جب دلیل نہ ہو' اپنا علم اتنا نہ ہو اور اس علمِ لامتناہی کا اندازہ نہ لگا سکے تو پھر انکار' اقرار کیسا؟

کیوں لڑ رہے ہو؟:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: لاہور کی ایک مشہور جامع مسجد کے خطیب نے کسی وعظ میں کہا کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام مسجد نبوی سے باہر نکلے تو دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیوں لڑ رہے ہو؟ اگر انہیں علم غیب ہوتا تو یہ کیوں پوچھتے کہ کیوں لڑ رہے ہو؟ میرے دوستوں میں سے حاجی مراتب علی نے وہ جمعہ وہیں پڑھا تھا۔ وعظ سننے کے بعد وہ میرے پاس آئے اور بتایا کہ مولوی صاحب نے حضور علیہ السلام کے علم غیب کی نفی میں یہ دلیل دی ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ مولوی صاحب کو جا کر کہیں کہ یہ آپ کا اجتہاد ہے اور اپنے خیال کے مطابق یہ تاویل کی ہے۔ اگر ''کیوں'' سے مراد ہر جگہ یہ ہے ''علم نہ ہونا''، تو حدیث میں آتا ہے۔ اللہ کے فرشتوں کی ایک جماعت ہے جو دنیا میں آتی ہے۔ وہ لوگوں کو دیکھتی ہے کہیں زانی' کہیں شرابی' کہیں ڈھول ڈھمکے' کہیں وعظ' وہ جس وقت دنیا کی سیر کر کے واپس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں پایا؟ وہ بتاتے ہیں کہ ہم ایک جگہ گئے' وہاں لوگوں کو روزے کا اہتمام کرتے پایا۔ پھر دوسری جگہ ایک محفل دیکھی جہاں تیرا اور تیرے محبوب کا ذکر ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے

ہیں۔ اے فرشتو! گواہ رہو کہ ان مجلس والوں کو میں نے بخش دیا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں رب العزت بعض راہ گیر بھی وہاں کھڑے ہو گئے تھے۔ فرمایا وہ لوگ جو ان مجلس والوں کے جلیس تھے انہیں بھی بخش دیا۔ تو گویا مولوی صاحب کی تاویل کے مطابق تو اس حدیث سے بھی یہ نتیجہ نکلا کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ بھی پوچھ گچھ سے کام چلاتا ہے۔ چنانچہ حاجی صاحب وہاں گئے اور مولوی صاحب کو یہ حدیث سنائی کہ آپ کے بیان کے مطابق تو اس سے اللہ تعالیٰ کے علم غیب کی بھی نفی ہوتی ہے۔ میں قلعہ گوجر سنگھ گیا تھا۔ میرے پیر و مرشد (حضرت قبلہ سید قلندر علی سہروردی صاحب) نے مجھے یہ حدیث بتائی ہے۔ وہ جواب خاک دیتا۔ حاجی کو کہنے لگا تم لوگ بڑے مردود ہو علماء کی لڑائی کراتے ہو۔ جاؤ اس کا کوئی جواب نہیں۔ حاجی واپس چلا آیا۔ میں نے کہا جواب کیا دیتا۔ یہ لوگ من گھڑت باتیں کرتے ہیں۔ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو یاد رکھو بعض چیزیں جو ایسی بیان میں آتی ہیں ان کا مطلب علم غیب کی نفی نہیں ہوتا۔

کیا ہے؟ کتنی دیر؟:-

اس مقام پر حضرت قبلہ کے بھتیجے سید عبدالرؤف ہاشمی نے عرض کی کہ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا عصا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں کیا ہے؟

فرمایا: ہاں! اسی طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو یہاں کتنی دیر پڑا رہا؟ جواب دیا دن کا کچھ حصہ۔ رب العزت نے فرمایا تو یہاں سو سال پڑا رہا ہے۔ گویا پتہ تو تھا۔ پہلے اس لئے پوچھا تا کہ عزیز علیہ السلام کو تحقیق ہو جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کی دلیل ہے۔ اسی طرح کیا اللہ تعالیٰ کو کرام الکاتبین کی ضرورت ہے؟ حدیث میں آتا ہے قیامت کے دن امتوں اور نبیوں میں جھگڑا ہو گا اور اے محبوب ہم تجھے گواہ گزاریں گے۔ غور کیجیے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو پتہ نہیں کہ انبیاء کرام دنیا میں بغرض تبلیغ گئے ہیں یا نہیں؟ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ بے تحقیق باتیں کرتے ہیں۔

ایمان کے دانے:-

سید عبدالرؤف نے عرض کی نہ جانے انہیں رسول سے کیا بیر ہے؟

فرمایا: ایمان نہیں اور کیا۔ ایک عورت کو اس کے خاوند نے مارا۔ اس کی سہیلی نے اسے پوچھا کہ اس نے تمہیں کیوں مارا ہے؟ کہنے لگی دال پکائی ہے۔ ہانڈی میں سب کچھ ڈالا ہے صرف دال کے دو دانے ڈالنا بھول گئی ہوں۔ بس اتنی سی بات پر اس نے پٹائی کر ڈالی۔ سہیلی کہنے لگی تو پھر کیا تو نے اپنا سر پکایا ہے؟

حضرت قبلہؒ نے مسکراتے ہوئے حاضرین سے فرمایا: تو یہی بات ہے کہ اور تو ان میں سب کچھ ہے صرف ایمان کے دو دانے نہیں ہیں۔

قیام اول:-

لال خان سہروردی نے پوچھا حضور علیہ السلام مدینہ میں سب سے پہلے کس کے ہاں ٹھہرے اور آپ کی اونٹنی کس جگہ بیٹھی تھی؟

فرمایا یہ بڑا عجیب واقعہ ہے۔ یمن کا ایک بادشاہ تھا۔ تبع حمیری۔ اسلام کے ظہور سے نو سو سال پیشتر سب سے پہلا غلاف کعبہ اسی نے چڑھایا تھا۔ وہ مکہ معظمہ آتا ہے اور منتظر رہتا ہے کہ اہل مکہ میرے پاس سلام کے لئے حاضر ہوں اور میری مہمانی کریں مگر کوئی نہ آیا۔ خدام جو ساتھ تھے ان کی بہر حال خدمت تواضع کرتا رہا اور ان سے کہنے لگا مجھے اتنے دن ہو گئے ہیں مگر ملنے کے لئے کوئی نہیں آیا۔ مکے والوں سے کسی نے اس کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا مکے والے خدا کے ہمسایہ ہیں اور بیت اللہ کے محافظ' خدا کا ان کے ساتھ تعلق ہے۔ بیت اللہ کے آگے نبی جھکتے رہے ہیں۔ تبع حمیری کیا حیثیت رکھتا ہے؟ وہ بڑا غصے میں آیا اور سوچا کہ کعبہ ڈھا دوں۔ اسی وقت رات کو اس کے جسم پر چھالے نکلنے شروع ہو گئے۔ کعبہ گرانے کی بات بھول گئی چونکہ اپنی جان پر آ بنی تھی۔ تکلیف اور جلن سے سخت پریشان ہوا۔ اس کے ہمراہ کئی دانا اور حکیم تھے انہوں نے کہا بادشاہ سلامت اس خیالِ خام کو ترک کیجیے' معافی مانگئے' اللہ تعالیٰ شفا بخشے گا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ معافی مانگی کہ اے اللہ اس بے ادبی سے معاف فرما۔ رب العزت نے معافی فرما دی۔ اٹھ کر غسل کیا اور عقیدتاً کعبۃ اللہ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا۔ بعد زیارت واپس یمن چل پڑا۔ کچھ دنوں بعد مدینہ طیبہ پہنچا مصاحبین سے پوچھا یہ کون سا شہر ہے؟ انہوں نے بتایا مدینہ طیبہ۔ کہنے لگا کتابوں میں آیا ہے کہ نبی آخر الزمان ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائیں گے' اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو حضورؐ پر

ایمان لاؤں گا۔ اگر زندہ نہ رہا تو تم میں سے جو کوئی ہو وہ حضورؐ سے عرض کرے کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ ان میں سے چند ایک نے عرض کی کہ ہمیں یہاں رہنے کی اجازت فرمایئے۔ تبع حمیری نے انہیں وہیں رہائش پذیر ہونے کی اجازت دے دی اور خود آگے روانہ ہونے سے پہلے ان میں سے ایک شخص کو ایک چٹھی لکھ کر دی کہ اسے حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔ جو کوئی حضورؐ کا زمانہ نہ پائے وہ اپنی موت کے وقت یہ بند چٹھی اپنی نسل میں دیتا جائے تا آنکہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کر دی جائے' وہ چٹھی نسلاً بعد نسلاً چلی آئی حتیٰ کہ اس خاندان میں حضرت ایوب انصاریؓ تک پہنچی۔

مامور من اللہ:-

اب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی طرف آؤ۔ حضور علیہ السلام مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں۔ تمام لوگوں نے تمنا کی کہ حضور علیہ السلام ہمارے ہاں قیام فرمایئے۔ ہر مدنی کی یہی تمنا تھی کہ میں سرکار دو عالم کی اونٹنی کی مہار پکڑ کر اپنے گھر لے جاؤں۔ حضورؐ علیہ السلام نے فرمایا اصرار نہ کرو' اونٹنی کی مہار چھوڑ دو' یہ "مامور من اللہ" ہے اور جانتی ہے کہ اسے کہاں جانا ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا۔ خیال فرمایئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کو علم غیب نہیں ہوتا۔ خیر! وہ جا کر ایک جگہ جہاں آج کل مسجد قبا ہے' اس کے صحن میں ایک چھوٹا برآمدہ بنا ہوا ہے جو عین صحن کے وسط میں ہے' اس مقام پر آ کر بیٹھ گئی۔ چودہ سو سال ہو گئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی اونٹنی جہاں بیٹھی تھی اس جگہ کا کھوج عاشقین نے ضائع نہیں ہونے دیا۔

چٹھی لا:-

چنانچہ حضور علیہ السلام اس مقام پر اونٹنی سے اترے۔ سامنے نگاہ دوڑائی۔ ایک شخص کھڑا تھا۔ قریب کھڑے لوگوں کو اس شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس شخص کو بلاؤ اور کہو کہ تیرے پاس تبع حمیری کی جو چٹھی ہے وہ لا۔ وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ تھے۔ انہوں نے وہ چٹھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی۔ حضور علیہ السلام اس کے مکان پر تشریف لے گئے اور وہاں قیام فرمایا۔ یہ بڑے معتبر اولوالعزم صحابی تھے اس لئے کہ مدینہ طیبہ میں حضور علیہ السلام کی سب سے پہلے خدمت کا شرف انہیں حاصل ہوا۔ سب صحابہ کبارؓ حضرت ابو

ایوب انصاریؓ کی بڑی عزت واحترام کرتے تھے۔ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو یہ علم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رب کی طرف سے ہے اور انہیں پتہ ہے کہ نو سو سال پیشتر ان کے نام کی چٹھی فلاں شخص کے گھر پڑی ہے اور جس کے پاس وہ امانت ہے اس نے اعلان بھی نہیں کیا تھا۔ اب یہ کون سا علم ہے؟

دفن کڑے:۔

اسی طرح جنگ احزاب کا ایک واقعہ ہے کہ دولڑکے اس جنگ میں غلام ہو کر آئے۔ حضورؐ نے انہیں فرمایا جذیہ ادا کر دو اور جا کر آزادی کی سانس لو۔ انہوں نے عرض کی حضور! ہمارے پاس کچھ نہیں۔ فرمایا گھر جا کر بھیج دینا۔ کہنے لگے حضور گھر میں بھی کچھ نہیں۔ فرمایا جھوٹ بولتے ہو؟ کیا یہ صحیح ہے کہ تمہارے گھر میں بھی کچھ نہیں؟ انہوں نے پھر کہا حضور کچھ نہیں۔ فرمایا: تمہاری بوڑھی ماں نے تمہاری جنگ پر روانگی سے پیشتر دو سونے کے کڑے تمہیں بتا کر مکان کے فلاں کونے میں دفن کئے تھے اور کہا تھا کہ تمہاری واپسی سے پہلے میری موت واقع ہوگئی تو گھر آ کر یہاں سے نکال لینا تا کہ خرچ اخراجات کی تکلیف نہ ہو۔ لڑکوں نے عرض کی بجا ہے حضور! ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں چونکہ اس بات کا علم سوائے ہم دونوں بھائیوں اور ہماری ماں کے کسی اور کو نہ تھا۔

انجینئر واٹر سپلائی:۔

اسی طرح ایک مشہور بات ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں ہدہد (ایک پرندہ) انجینئر تھا۔ یہ واٹر سپلائی کے محکمے کا انچارج تھا۔ جس وقت فوج کہیں جاتی ہدہد کو حکم ہوتا کہ معلوم کرو کہ زمین کی تہہ میں کہاں پانی ہے؟ وہ اپنے شعور کی بنا پر جہاں پانی کے پائے جانے کو محسوس کرتا اس جگہ چونچیں مارنی شروع کر دیتا۔ جنات کو حکم ہوتا کہ اس نشاندہی پر کھدائی کرو چنانچہ دو منٹ میں کنواں کھود دیا جاتا۔ کسی نے ہدہد سے پوچھا تیری نگاہ اتنی بسیط ہے کہ زمین کی تہہ سے پانی کا کھوج بتا دیتا ہے لیکن جب پکڑا جاتا ہے تو جال اور پھندہ تجھے نظر نہیں آتے؟ کہنے لگا تقدیر غالب آجاتی ہے۔ تو یہی بات بدعقیدہ لوگوں کی ہے۔ انہیں یہ حدیثیں کتابوں میں نظر نہیں آتیں؟ انہیں یہ بتایا جائے کہ اس علم کا (جس کی مثالیں بیان کی ہیں) تم کیا نام رکھتے ہو؟

ابو جہل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہتر (۷۲) معجزات دیکھے پر ایمان نہ لایا۔ اس کا بیٹا عکرمہ جب ایمان لایا تو اس سے پوچھنے لگا سنا ہے تو ایمان لے آیا ہے لیکن سن! اب اس سے پھرنا نہیں۔ عکرمہ حیران ہوا اور کہنے لگا بابا مجھے آپ سے یہ امید نہ تھی۔ ابو جہل کہنے لگا مجھے پتہ ہے کہ محمد اپنے دعوے میں سچا ہے۔ اب ایک دفعہ میرے منہ سے یہ بات نکل گئی ہے کہ ایمان ہرگز نہیں لاؤں گا سوا اپنی بات پر قائم ہوں۔ اب تجھے تاکید کرتا ہوں کہ لوگوں سے مجھے طعنے نہ دلوانا کہ باپ ساری عمر جھوٹی راہ سے نہیں پھرا اور لڑکا سچی راہ سے پھر گیا ہے۔

نبی نے کسی کو پکڑ کر یا تلوار سے اس کے دل میں ایمان نہیں ڈالا بلکہ تبلیغ اور معجزات سے ایمان لوگوں کے دلوں میں سما گیا۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

آمد آں یارے:-

مکے میں دو شخص مشہور تیغ زن تھے۔ عمر ابن ہشام المعروف ابو جہل اور دوسرے عمر بن خطاب۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ یا اللہ یہ قوم میں بڑے معتبر ہیں ان میں ایک کو ایمان عطا فرما۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دونوں کے لئے دعا کیوں نہ فرمائی؟ اس لئے کہ نبی کو علم تھا کہ ایمان صرف ایک نے ہی لانا ہے۔ دعا قبول ہوئی' عمر بن ہشام ایمان نہ لایا۔ عمر بن خطابؓ ایمان لے آئے' وہ اس طرح کہ ہمشیرہ اور بہنوئی کے ایمان لانے کی خبر ملی تو گھر سے بہن کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔ لوگوں کو پتہ چلا کہ عمر رسول اللہ کو قتل کرنے کے لئے نکلا ہے۔ ایک آدمی راہ میں ملا اور پوچھا عمر! کیا بات ہے آج تمہارے تیور بگڑے نظر آتے ہیں' کہاں کی تیاری ہے؟ کہنے لگے "لا الہ" سن سن کر کان پک گئے ہیں' آج یہ سلسلہ ختم کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ کہنے لگا عقل کر پہلے اپنی بہن کی خبر لے۔ یہاں سے کانٹا بدل گیا۔ بہن کے گھر پہنچے' وہاں ایک صحابی انہیں قرآن کی آیات پڑھا رہے تھے۔ بہن نے بھائی کی آواز سنی' اسے پتہ تھا کہ بھائی سر پھرا ہے۔ اس نے صحابی کو فوراً چھپا دیا اور قرآنی آیات بھی۔ اس کے بعد دروازہ کھول دیا۔ یہ بہن سے پوچھتے ہیں کیا پڑھ رہی تھیں؟ کہنے لگیں اللہ کا کلام جو رسول اللہ پر نازل ہوا ہے۔ حضرت عمر کو غصہ آگیا کہ تو اب اتنی بے باک ہوگئی ہے؟ پہلے تو میرا نام لینے پر تیرے حواس باختہ ہو جاتے تھے اور آج کہتی ہے اللہ کا کلام

جو اس کے رسول پر نازل ہوا ہے پڑھ رہی تھی' اور بہن کو مارنا شروع کر دیا۔ وہ کہنے لگیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو اب یہ ''لا الہ'' دل سے نہیں نکل سکتا۔ جب مار مار کر تھک گئے تو کہنے لگے مجھے بھی سناؤ جو پڑھ رہی تھیں۔ انہوں نے کہا پہلے غسل کیجیے' چنانچہ انہوں نے غسل کیا۔ بہن اس صحابی کو جنہیں اندر چھپا دیا تھا باہر لائیں اور کہا کہ حضرت میرے بھائی کے سامنے وہ آیات پیش کریں۔ انہوں نے سورہ طٰہٰ کی ان آیات کی تلاوت فرمائی۔ سبحان اللہ نازل ہونا بھی ان لوگوں پر اور پڑھنا بھی ان کا۔ جب حضرت عمرؓ نے آیات سنیں آنسو نکل آئے' کہنے لگے یہ کسی آدمی کا کلام نہیں' اب میں رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں۔ چنانچہ چل پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ حضور علیہ السلام کے در دولت پر پہنچ کر دستک دی۔ دروازہ بند تھا اندر حضرت علیؓ' حضرت حمزہؓ اور چند دیگر صحابہ کبارؓ اور بیبیاںؓ تشریف فرما تھیں۔ حضور علیہ اسلام نے آواز دی کون ہے؟ جواب دیا عمر بن خطاب۔ صحابہ کبارؓ مشورہ کرنے لگے۔ حضرت حمزہؓ نے کہا دروازہ کھولتا ہوں اگر کسی نیک ارادے سے آیا ہے تو خیر ورنہ دروازے پر ہی ختم کر دوں گا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں خود نپٹ لوں گا۔ بہر حال جتنے صحابہ کبارؓ موجود تھے انہوں نے اسی آمادگی کا اظہار فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے سب کے ارادوں سے آگاہی پا کر فرمایا کوئی بات نہیں دروازہ کھول دو' اطمینان سے بیٹھے رہو اور اسے اندر آنے دو۔

آمد آں یارے کہ ما می خواستیم

حضرت عمرؓ اندر آئے۔ آتے ہی حضور علیہ السلام کے پاؤں پکڑ لئے۔ آپ نے تسکین فرمائی۔ ہاتھ رکھا۔ پوچھا کیا ارادہ ہے؟ عرض کی احکام الٰہی کی تلقین فرمایئے۔ اسلام قبول کرتا ہوں۔ آپ نے اسلام کی تلقین فرمائی۔ سب کو خوشی ہوئی کہ ہم کس خیال میں تھے اور یہ کس خیال سے آیا ہے۔ بیٹھے بیٹھے ظہر کا وقت ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا وضو کرو تا کہ یہاں نماز پڑھ لیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ حضورؐ نماز یہاں پڑھنی ہے یا حرم شریف میں؟ آپ نے فرمایا وہاں لوگ اندر داخل ہوتے ہیں شرارتیں پیدا کرتے ہیں اس لئے یہیں پڑھ لیتے ہیں۔ عرض کی یا رسول اللہ حرم میں تشریف لے چلیں جو شرارت کرے گا اس سے نپٹ لیں گے۔ حضور علیہ السلام حرم شریف میں تشریف لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے وہاں اعلان کیا یاد رکھو کہ عمر ایمان لے آیا ہے۔ آج سے اذان بلند آواز میں دوگی اور نمازیں حرم کعبہ میں پڑھی جایا کریں گی۔ جسے اپنے بچے یتیم کرنا اور بیوی کو بیوہ کرنا مقصود ہے وہ

آج دخل اندازی کرے۔ کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔ حرم مطہر پر قبضہ ہو جاتا ہے اور ایک اللہ کے بندے کی حرم شریف میں نماز پڑھنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ تو یہ واقعات ہیں ان کا تعلق کسی علم سے نہیں ہوتا قدرت جیسے چاہتی ہے ویسے ہوتا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

نشان دہی:-

ایک مجلس میں فرمایا جس جگہ حضور علیہ السلام مدفون ہیں وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام حضرت صدیقہؓ کے حجرہ میں تشریف فرما تھے' آپ نے اس کونے میں ایک جگہ لکیر کھینچ کر فرمایا عائشہ! یہاں میری قبر ہوگی۔ اس کے بعد نشان زدہ قبر کی کمر کی سیدھ پر ایک اور قبر کا نشان دیا اور فرمایا یہاں صدیق اکبرؓ مدفون ہوں گے۔ پھر ان کی نشان زدہ قبر کی کمر کی سیدھ پر ایک اور نشان لگایا اور فرمایا یہاں عمر فاروق کی قبر ہوگی۔ باقی ایک قبر کی جگہ چھوڑ دی اور اس کے متعلق کچھ نہ ارشاد فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ یہ جو خالی جگہ چھوڑی ہے کیا اس کے لئے میرے متعلق حکم لگا دیا ہے؟ کیونکہ ایک طرف میرے والد ہوں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ سب رب العزت کے حکم کے تحت ہے۔ یہ چوتھی جگہ میرے بھائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے ابھی آسمان سے نزول فرمانا ہے اور بعد ممات وہ یہاں مدفون ہوں گے۔

گریہ یعقوب:-

چودھری شاہ محمد سہروردی نے عرض کی کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق سب حالات کا علم تھا تو پھر وہ روتے کیوں رہے؟

فرمایا اس کا تعلق آزمائش سے ہے۔ سورہ یوسف میں آتا ہے۔

قال انی لیحزننی ان تذھبو بہ واخاف ان یاکلہ الذئب. (۱۲:۱۳)

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں کو کہتے ہیں کہ مجھے ڈر ہے کہ تم نے رات کو واپس آکر مجھے کہنا ہے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ گویا انہیں یہ پتہ تو تھا کہ اب اس نے آنا نہیں۔ رہی رونے والی بات تو آزمائش میں علم کے سارے دروازے بند ہوتے ہیں۔ جو

چیز ضروری ہو اس کا انکشاف ہوتا ہے دوسری کا نہیں۔ نبوت کے سارے دروازے ان پر کھلے ہیں لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں چونکہ آزمائش میں ڈالے گئے اس لئے یہ راہ بند کردی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام فرماتے ہیں۔

انی لا جد ریح یوسف لولا ان تفندون. (۹۴:۱۲)

میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر چہ تم مجھے مجنون کہو۔ اتنے میں بشیر پیغام لے کر آجاتا ہے۔ وہ کرتہ دیتا ہے۔ آنکھوں پر ڈالتے ہیں' آنکھیں بینا ہو جاتی ہیں۔ آگاہی ہونے کے بعد یہ جملہ فرماتے ہیں: جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔

یہ بات کہ یعقوب کو نابینا کردیا' بیمار کردیا' حضرت یوسف علیہ السلام نے جن مراحل سے گزرنا تھا اس کا انہیں علم تھا' پھر بھی روتے رہے تو یہ آزمائش تھی۔ ان کا یہ رونا جدائی کا نہیں تھا وہ ایک جسے ''مامتا'' کہتے ہیں اور ایک باپتا۔ یہ فطرت ہے کہ چھوٹے بچے سے باپ کو زیادہ پیار ہوتا ہے۔ وہ بشیر جو کرتہ لایا اسی مائی صاحبہ کا بیٹا تھا جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دودھ پلایا تھا۔ اس مائی صاحبہ کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میرے یوسف سے پہلے تجھے بشیر ملے گا۔ چنانچہ جب بشیر وہ کرتہ لے کر آیا تو گاؤں سے باہر اسی مائی صاحبہ کو بشیر نے پوچھا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا مکان کون سا ہے؟ غور فرمایئے یہ ہے نبی کا علمِ غیب۔

علم اولیاء اللہ:۔

سلیم سہروردی نے سوال کیا کہ اولیاء کی طاقت علم کیا اسی کرۂ ارض تک محدود ہے؟

فرمایا تمام کائنات پر علیٰ قدر مراتب مومن' ولی' نقیب' نجیب' ابدال' اوتاد' قطب' قطب الاقطاب' غوث الاعظم اور فرد یہ ان کے درجات ہیں۔ جس درجے کا کوئی مالک ہوتا ہے اتنا ہی اسے علم ہوتا ہے۔ ایک ڈپٹی کمشنر ہے اپنے ضلع کا۔ کمشنر ہے ڈویژن کا اور گورنر ہے پورے صوبے کا۔ یہ حقیقت ہے کہ جس ملک میں جس حقیقت اور جس حیثیت کا کوئی سلطان ہو اسی حیثیت کا ذمہ دار وہاں درویش بھی ہوتا ہے۔ تو کائنات الٰہی میں وہ اسی حیثیت کا مالک ہوگا۔

چاند:-

سلیم سہروردی نے عرض کی: اولیاء نے یہ کبھی انکشاف نہیں کیا کہ چاند ایسا ہے اس میں پہاڑ ہیں یا زمین وغیرہ وغیرہ۔

فرمایا: یہ بات دراصل غیر ضروری سمجھی جاتی ہے ورنہ اولیاء اللہ تو برطرف' سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے ایمان کے مطابق عرش اعظم تک گئے۔ جنت دوزخ کا معائنہ کیا۔ چاند سورج دیکھے۔ تمام باتیں حضور علیہ السلام پر روشن ہیں مگر جن باتوں کو عوام الناس کے علم اور عقل سے باہر سمجھا اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

مستقل نظریہ:-

سلیم صاحب نے کہا لیکن یہ بات تو ایسی ہے جسے جغرافیہ دان آج کل بتا رہے ہیں۔ ان کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ اولیاء اللہ مستقل نظریہ کیوں نہیں پیش کرتے؟

فرمایا: آج ایک فلاسفر اپنے فلسفے کی بنا پر کلام کرتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ کائنات کے نظریے کو جو میں نے سمجھا ہے وہ صحیح ہے۔ مثالیہ طور پر ذکر کرتا ہوں کہ اولیاء یا اس لائن کے جتنے لوگ ہیں ان سب کا بنیادی پتھر قرآن ہے نا؟ قرآن سے ہی وہ اولیاء بنتے ہیں۔ قرآن نے یہ بیان فرمایا او کصیب من السماء فیہ ظلمتٍ وّرعدٍ وّ برق۔ آسمانوں سے ہم نے پانی نازل کیا جب بارش آتی ہے بادل ہوتا ہے تو اس میں اندھیرے ہوتے ہیں۔ گرج ہوتی ہے اور بجلی ہوتی ہے۔ قرآن نے ایک اصول بنا کر دیا کہ پانی میں بجلی ہے۔ پانی بھی جب ایک دوسرے سے ٹکراتا ہے تو اس سے گرج پیدا ہوتی ہے۔ سورج کے آگے جب ابر کے ٹکڑے آجائیں تو اندھیرا ہو جاتا ہے لیکن جس زمانے میں قرآن نازل ہو رہا ہے اس زمانے میں ایک ایک بچہ' ایک ایک پتھر' ایک ایک بوڑھا' اسلام کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلام پھیلانے میں صحابہ کرامؓ کو جس قدر انہماک تھا اس وقت اگر صحابہ کرامؓ مکہ میں پاور ہاؤس بنانے لگے جاتے تو یہ تبلیغ کا کام رہ جاتا۔ اصولاً بتا دیا گیا کہ مسلمان ابر کی ساری کیفیات' بجلی' اندھیرے' گرج' چمک سے واقف ہے لیکن اگر صحابہ کرامؓ نے ہائیڈل پاور ہاؤس نہیں بنایا تو اس وقت موقع کے لحاظ سے یہ غیر ضروری سمجھا گیا۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

خبردار:-

حضرت جلال تبریزی سہروردی رحمتہ اللہ بنگال میں جاتے ہیں۔تن تنہا مندر کے سامنے کھڑے ہو گئے۔لوگوں نے پوچھا کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ کیا کام ہے؟ فرمایا مسافر ہوں۔لوگوں نے کہا یہاں سے چلے جاؤ ہم تمہیں یہاں رہنے نہیں دیں گے۔آپ نے غور فرمایا کہ اگر چلا گیا تو اپنا مشن پورا نہ کرسکوں گا لہٰذا اب ضرورت ہے کہ اپنی خداداد قوت کا اظہار کروں۔مندر کے سامنے کھڑے تھے۔انگلی اٹھائی ''لا الہ الا اللہ'' پڑھا اور مندر کو دو ٹکڑے کر کے گرا دیا۔جو پکڑنے کے لئے آتا ہے خوف زدہ ہے کہ کیا ہوگا؟ حکمران خوف زدہ ہیں کہ اس کے قریب نہ جانا۔قرآن کہتا ہے الا ان اولیاء اللہ لا خوف'' علیھم ولا ھم یحزنون. (۱۰:۹۲) خبردار یہ اللہ کے ولی ہیں جنہیں نہ خوف ہے نہ غم۔خیال فرمایئے جہاں ''خطرناک'' کا بورڈ لگا ہو۔''خبردار'' کی پلیٹ آویزاں ہو۔اس کے قریب کوئی جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''الا'' خبردار! ان کے قریب نہ جانا یہ میری قوت کے پاور ہاؤس ہیں۔اولیاء ہیں ان سے خبردار رہنا اس لئے کہ یہ بڑے بے خوف ہیں اور بڑی ہی بے غم جماعت ہے جس میں میری طاقتیں کام کرتی ہیں' تو ایسی صورت میں اگر اولیاء کو نہیں پوچھا گیا یا انہوں نے اظہار نہیں فرمایا تو یہ اس لئے کہ وہ ان کے مشن کے لئے غیر ضروری تھا۔آج ایک سائنس دان یہ بتاتا ہے کہ پانی میں بجلی ہے تو وہ دنیا کے لئے پیغمبرانہ شان نہیں رکھتا۔وہ تو ایک بتائی ہوئی چیز کے استعمال کا طریقہ بتاتا ہے کہ اس طرح بجلی نکالو۔اس طرح استعمال کرو۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

وائرلیس:-

یہ ریڈیو' بجلی' وائرلیس یہ تمام چیزیں ان پر آج کا زمانہ ناز کرتا ہے لیکن خیال فرماؤ کہ ساریہؓ نہاوند کے پہاڑوں میں جنگ لڑ رہے ہیں۔خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں جمعہ پڑھا رہے ہیں۔خطبہ پڑھتے پڑھتے آٹھ سو میل پر نگاہ پڑ جاتی ہے کہ ساریہؓ ایک طرف جا رہا ہے۔کفار اس کے پیچھے حملہ کرنے کو ہیں۔خطبہ میں ایک جملہ معترضہ آ گیا۔''یا ساریہ الی الجبل'' اے ساریہؓ! پہاڑ کی طرف۔اب ان الفاظ کا تعلق ساریہؓ سے ہے خطبہ سے نہیں۔سامعین حیران ہیں کہ نہ جانے کیا بات ہے؟ لوگوں نے

نوٹ کرلیا کہ ساریہؓ آئے گا تو پوچھیں گے۔ چنانچہ جب ساریہؓ آیا تو لوگوں نے پوچھا پچھلے جمعہ کی بات ہے خلیفۃ المسلمین خطبہ پڑھتے ہوئے پکار کر تجھے آواز دے رہے تھے کہ اے ساریہ پہاڑ کی طرف۔ اس راز کی ہمیں سمجھ نہیں آئی۔ ساریہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے اگر خلیفہ آواز نہ دیتے تو ہم مر چکے تھے۔ خلیفہؓ کی آواز نے ہمیں بچا دیا۔ کفار ہمارے پیچھے سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ ہم نے اس آواز پر پہاڑی کا رخ کرلیا اور کامیاب ہو گئے۔

اب یہ کون سی برقی طاقت ہے؟ دیکھنے کی بات ہے کہ نور نبوت کا جو ٹیلی فون حضرت عمرؓ کی زبان پر تھا وہی برقی ٹیلی فون ساریہؓ کے کان پر بھی تھا۔ ایک آواز دے دوسرا نہ سنے اس میں قوت شنوائی نہ ہو تو وہ نہیں سنتا۔ ساریہؓ کا ان الفاظ کو سننا اس بات کی حقیقت تھی کہ ساریہؓ کے کانوں پر بھی نور نبوت کے ٹیلی فون کا وہی ریسیور تھا جس کے ذریعے خلیفۃ المسلمین حکم دے رہے تھے۔ اب یہ درجہ، یہ مقام، اہل دنیا کو حاصل نہیں ہوا۔ اب اس طاقت کو کوئی حاصل نہ کرے یا غفلت اور سستی کرے تو۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم　　چشمہء آفتاب راچہ گناہ؟

تو بات صرف اتنی ہی ہے کہ بعض چیزیں جو اولیائے کرام نے ضروری سمجھیں وہ بیان کر دیں اور باقی چھوڑ دیں۔

اسی طرح ہمارے صوفیاء میں تعین زمان، تعین مکان، تعین الارض کا ایک مسئلہ آتا ہے کہ ایک ولی بیک وقت زمین پر بہتر (۷۲) مقامات پر اسی جسم سے کام کر سکتا ہے اور جو چیز ہزاروں کوس پر سمجھی جاتی ہے ابدال اور ولی کے لئے کوئی محال نہیں ہوتی۔

حیات النبی

حاضر ناظر:-

ایک فوجی جمعدار صاحب نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کس صورت میں حاضر ناظر ہیں؟

فرمایا: کسی چیز میں جتنی خوبیاں ہوتی ہیں وہ اپنے موقع محل کے لحاظ سے ان مقامات پر ظاہر ہوں گی جہاں ان کی ضرورت ہوگی۔ یہاں سے امریکہ ٹیلی فون کرنا چاہو تو کر سکتے ہو مگر جہاں وہ مشین نہیں وہاں نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ریڈیو اور لاؤڈ سپیکر بھی تمام تر اپنی مشین سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے الفاظ یا آواز آگے پیچھے سے نہیں نکلتے۔ یہاں بیٹھے

کیوں نہیں آواز نکلتی؟ اس لئے کہ یہاں وہ مشین نہیں۔ یہاں ریڈیو رکھ دو آوازیں آنے لگیں گی۔ سب سے مقدم شے یہ ماننا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ''حیات النبی'' ہیں یعنی حضورؐ کی وفات ''فاتر حیات'' نہیں ''ساتر حیات'' ہے۔ حضور علیہ السلام کا دنیا سے تشریف لے جانا آپ کی زندگی کو ختم کرنے والا نہیں بلکہ آپ کی زندگی کے لئے پردہ ہے۔ جب یہ مانا جائے کہ میں یہاں بیٹھا ہوں' تم میرے سامنے ہو۔ بات کر رہے ہو' میں سن رہا ہوں' یہاں میں آپ کے سامنے حاضر و ناظر ہوں نا؟ یہاں سے اٹھ کر اگر اوپر کی منزل میں چلا جاتا ہوں وہاں مجھے تم فون کرتے ہو، حاضر ہوں یا نہیں؟ یہاں سے پشاور چلا جاتا ہوں فون کا نمبر تمہیں یاد نہیں آپ مجھ سے رابطہ قائم نہیں کر سکتے لیکن آپ کا اپنی آواز کو مجھ تک نہ پہنچا سکنا آپ کی پستی کا باعث ہے' میرے بہرے ہونے کی دلیل نہیں' کیونکہ میں تو بدستور اپنی پوری قوتوں کے ساتھ موجود ہوں۔ اس لئے جب ہمارا ایمان ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجسم ظاہری زندہ ہیں' ایمان ہی نہیں بلکہ عین الیقین ہے۔ حق الیقین ہے کہ حضور علیہ السلام زندہ ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ اہل محبت کا درود شریف میں اپنے کانوں سے سنتا ہوں۔ عوام کا درود شریف مجھے پیش کیا جاتا ہے۔ جس صورت میں حضورؐ زندہ ہیں حضور تک اپنی آواز پہنچانا یا حضورؐ کو حاضر ناظر سمجھنا یہ ہماری بلندیء ایمان پر منحصر ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ سننے پر منحصر نہیں۔ تو یہ چیز ہے کہ حضورؐ حیات النبی ہیں۔ آپ کی موت عوام کے لئے ایک پردہ ہے اس کی فنا نہیں۔

حوض شمسی:-

ایک دفعہ سلطان شمس الدین التمش تہجد پڑھ کر لیٹا تھا۔ تمنا یہ تھی کہ میں کوئی تالاب بناؤں جس کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا نکلے۔ لوگوں کے لئے کار خیر کروں۔ خواب میں ایک جنگل دہلی کے باہر نظر آیا۔ دیکھا کہ سرکار علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کھڑے ہیں۔ سلطان حضرت علیؓ کے سلام کے لئے آگے بڑھا۔ آپ نے اشارہ فرمایا کہ وہ حضور علیہ السلام گھوڑے پر سوار کھڑے ہیں ادھر جاؤ! سلطان ادھر کو بھاگا۔ سرکار دو عالم کی قدم بوسی کی' صلوٰۃ و سلام عرض کی۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کیا چاہتے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ تمنا ہے کہ عوام کی ضرورت کے لئے تالاب بناؤں۔ پانی نیچے چشمہ سے برآمد ہو۔ سرکار دو عالمؐ نے فرمایا:

ہاں! جہاں میرا گھوڑا کھڑا ہے اس مقام کو ذہن میں رکھو۔ اس کے چاروں سموں کے نشان صبح لگے ہوں گے' ان میں پانی بھرا ہوگا۔ یہاں تالاب بنواؤ۔ سلطان اسی وقت مصلے سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسی مقام پر پہنچا۔ دیکھا کہ گھوڑے کے سموں کے نشان موجود ہیں اور ان میں پانی بھرا ہوا ہے۔ حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی پتہ چلا۔ آپ بھی وہاں تشریف لائے اور دیکھا کہ سرکار دو عالم کے گھوڑوں کے سموں کے یہ نشان ہیں اور ان میں پانی بھرا ہوا ہے۔ آپ نے دوزانوں ہو کر منہ سے وہ پانی پیا۔ چنانچہ انہیں سموں کے نشانات کے اردگرد تالاب بنایا گیا جو ''حوض شمسی'' کے نام سے آج تک مشہور ہے۔

غور فرمایئے کہ اگر وہ گھوڑا نہیں تھا تو وہ سم کس کے تھے؟ اگر ان سموں میں پانی نہیں تھا تو حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا پیا؟

مُوئے مبارک:-

اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے لکھا ہے کہ میرے والد بیمار ہو گئے۔ حضور علیہ السلام خواب میں تشریف لائے اور فرمایا: عبدالرحیم میرے لئے پانی لاؤ تاکہ وضو کروں۔ انہوں نے پانی کا لوٹا خدمت میں پیش کیا۔ حضورؐ نے وضو کیا۔ ریش مبارک پر کنگھی کی جس سے دو بال اترے۔ وہ دو بال حضور علیہ السلام نے انہیں دے دیئے۔ شاہ عبدالرحیمؒ جب جاگے تو وہ دو بال ان کے ہاتھ میں تھے۔ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں کہ ان میں سے ایک بال مبارک والد صاحب نے مجھے عطا فرمایا۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر حضورؐ ''حیات النبی'' نہیں ہیں تو وہ بال کس کے تھے؟ کون آیا؟ کس نے وضو کیا؟ کس نے موئے مبارک عطا فرمائے؟ اور کس کے ارشاد سے شاہ عبدالرحیمؒ کی بیماری جاتی رہی۔

اس مقام پر سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اس لئے جمعدار صاحب! حضور علیہ السلام حیات النبی ہیں۔ اپنی ہی پستی انسان کو پیچھے رکھتی ہے۔ غور فرمایئے کہ سورج چڑھا ہوا ہو اور اس روشنی کو چمگادڑ نہ دیکھ سکے تو اس میں سورج کا کیا قصور؟

فرض کرو ایک آدمی آپ کو راستے میں پکڑ لے اور کہے میں اندھا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں سارا جہاں اندھا ہے۔ میں چلتا ہوں تو مجھے ٹھوکریں لگتی ہیں تم چلتے ہو تو تمہیں ٹھوکر نہیں لگتی۔

اس کا کیا سبب ہے؟ تم اُسے کہتے ہو کہ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے اندر ایک روشنی ہے، ایک روشنی باہر ہے، دونوں روشنیوں کی مطابقت سے ہم چلتے ہیں۔ تمہارے اندر تو روشنی ہے مگر باہر نہیں اس لئے تم ٹھوکریں کھاتے ہو۔ وہ کہتا ہے روشنی کی تعریف سمجھاؤ؟ وہ مادر زاد اندھا تم اور تمام دنیا کے فلاسفر مل کر بھی روشنی کی تعریف کرو تو بتاؤ اسے روشنی کا مفہوم کیا سمجھاؤ گے؟ اُس پر روشنی کی تعریف اس وقت واضح ہوگی کہ یا تو اس کے دماغ میں آجائے یا کوئی قابل علاج معالج اس کی آنکھوں کا علاج کرے جس سے اس کو بینائی حاصل ہو جائے۔ اسی طرح جو لوگ غلط طور پر ایک بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی نگاہ نہیں ہوتی۔ انہیں کیا سمجھاؤ گے؟ خدا کو حاضر ناظر مانتے ہیں تو وہ بھی جوتے سے مانتے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کیا انہوں نے خدا کو دیکھا ہے؟ کسی راہ میں ملا ہے؟ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھایا ہے کہ خدا کوئی ہے، آپ نے مان لیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ایک ہے، آپ نے کہا ہاں ایک ہے۔ حضور علیہ السلام سات فرماتے تم سات مان لیتے۔ کسی کے کہنے پر ہی مانا ہے نا؟ اسے حاضر و ناظر کہاں دیکھا ہے؟ وہ بھی کسی کے منہ سے حاضر ناظر نکلا ہے نا؟ اس لئے موٹی بات یاد رکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرو اور حضور علیہ السلام ہی کی تابعداری کے ساتھ خدا کی تلاش کرنی ہے اور سیدھے چلے چلو۔ مولانا روم نے لکھا ہے۔

چاند چڑھتا ہے، کتے بھونکتے ہیں انہیں بھونکنے دو۔ اس لئے اپنا کام کئے جاؤ۔ ان باتوں میں نہ آؤ۔ اندھوں سے معاملہ ہے۔

تم تندرست ہو:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا! مولوی محمد شریف سیالکوٹی کو ایک دفعہ فالج ہوگیا۔ بڑا علاج معالجہ کیا مگر کچھ نہ بنا۔ بڑی مدت چارپائی پر پڑا رہا۔ ایک دن ڈاک میں مولوی ثناء اللہ امرتسری اہل حدیث نے ایک خط لکھا۔ ان سے مولوی صاحب کے اکثر مناظرے رہتے تھے۔ انہوں نے خط میں لکھا تو ساری عمر رسول کو "دافع البلاد الوبا والقحط والمرض ولالم" کا عقیدہ رکھ کر پکارتا رہا ہے اور درود پڑھتا رہا ہے، کیا اب کوئی بھی تیری مدد نہیں کرتا؟ سن لے کہ نہ ہی کسی نے تیری مدد کرنی ہے اس لئے وہ شرک

والا عقیدہ چھوڑ اور اللہ تعالیٰ کو پکار۔ میں نے سنا ہے کہ تو بیمار ہے اس لئے تجھے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ مولوی شریف صاحب کو جب یہ خط ملا تو وہ چارپائی پر تکیے سے ٹیک لگائے پڑے تھے۔ کچھ بیماری، کچھ گھبراہٹ ادھر یہ خط ملا۔ بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ روتے روتے یونہی ذرا ایک سیکنڈ کے لئے آنکھ لگ گئی۔ دیکھا کہ حضور علیہ السلام چارپائی کے پاس تشریف لائے ہیں۔ پوچھا شریف کیا بات ہے؟ عرض کی سرکار بیمار ہوں اور اب تو لوگ طعنے دینے لگے ہیں کہ اس دافع البلاء والوبا والقحط والمرض والالم نبی کو پکارتے رہے ہو اور شرک کرتے رہے ہو۔ حضور اب تو طعنوں پر نوبت آ گئی ہے کچھ رحم فرمائیں۔ فرمایا: اچھا، یہ بات ہے، مولوی کے ساتھ یہ بات پیش آئی ہے۔ حضور علیہ السلام نے مولوی شریف کی بائیں آنکھ پر انگشت مبارک رکھی۔ ادھر مولوی صاحب کے بائیں پاؤں کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ پھوٹا۔ فرمایا تم تندرست ہو، وہ پانی بہتا رہا۔ جسم کے اندر سے چونکہ نکلتا تھا اس لئے گرم تھا۔ حضور علیہ السلام تشریف لے چلے تو مولوی صاحب نے اسی نیند یا بے ہوشی کے عالم میں سرکار دو عالمؐ کا دامن پکڑنا چاہا۔ اس وقت ان کا بھائی حافظ امام دین اور ان کا لڑکا چارپائی کے پاس بیٹھے تھے۔ جب اس حالت میں مولوی صاحب نے حضور علیہ السلام کا دامن پکڑنا چاہا تو ان دونوں نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا کہ کہیں نیچے نہ گر پڑیں اور کہا یہ کیا کرتے ہو؟ ہوش کرو! مولوی صاحب ہوش میں آئے اور رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگے میں تو حضور علیہ السلام کا دامن پکڑنے لگا تھا اگر گرنے لگا تھا تو گرنے دیتے۔ اب میں بفضل تعالیٰ بالکل تندرست ہوں، مجھے چارپائی پر سے اتار دو تا کہ ٹہلوں۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ جو ان کی باتیں ہوئیں وہ انہیں سنائیں۔ انہوں نے مولوی صاحب کی خواہش کے مطابق انہیں بٹھا دیا اور پہننے کے لئے ان کا جوتا نزدیک کر دیا۔ انہوں نے جوتا پہنا اور ٹہلنے لگے اور تندرستی محسوس کی۔ جوتا گیلا ہو گیا۔ بستر دیکھا تو وہ بھی کافی گیلا تھا۔ سوچنے لگے یہ پانی کہاں سے آیا ہے؟ ذہن پر زور دیا تو یاد آیا کہ حضور علیہ السلام نے میری بائیں آنکھ پر انگشت مبارک رکھی تھی اور اس وقت فوراً بائیں پاؤں کی انگلیوں کے درمیان فوارہ سا پھوٹ پڑا تھا۔

مولوی صاحب اس واقعے کے بعد تین چار سال تک زندہ رہے۔ اس دوران شروع شروع میں خاصا پانی بہتا رہا اس کے بعد صرف رستا رہا۔ وہ اس جگہ روئی ٹھونس دیا کرتے۔

جب بھیگ جاتی تو اسے نکال دیتے۔ خیال فرمائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تشریف لانا۔ علاج فرمانا' اس میں کیا ''ول'' یعنی پھیر ہے۔ اپنی بیماری کے دوران مولوی صاحب سیالکوٹ کے مشہور ہندو ڈاکٹر لالہ بودھ راج یا کچھ ایسا ہی نام تھا کے زیر علاج رہے۔ اسے کوٹلی لوہاراں غربی کے کسی شخص نے بتایا کہ مولوی محمد شریف اب تندرست ہے' چلتا پھرتا ہے اور کام کاج بھی کرتا ہے۔ ڈاکٹر یہ سن کر بڑی حیرانگی سے اپنے مطب میں بیٹھا اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا طب یا ڈاکٹری کسی علم میں اس قسم کے فالج کا کوئی علاج نہیں۔ یہ علاج کسی اور طاقت کے ذریعے ہوا ہے۔ حضرت قبلہؒ نے سائل کو فرمایا حضور علیہ السلام حیات النبی ہیں دافع بلا و الوبا اور شافی مرض و الم ہیں۔

پانی کا لوٹا:۔

سائل نے عرض کی کہ حضور علیہ السلام کے روضے میں پانی کا لوٹا بھر کر وضو کے لئے رات کو رکھ دیتے ہیں اور صبح وہ لوٹا خالی ہوتا ہے۔ یہ کسی کتاب میں درج نہیں۔

فرمایا: اگر توفیق ہو تو جا کر دیکھو۔ اندر روضہ ہے یا باہر چوڑا برآمدہ ہے' روضے کے گرداگرد جالی ہے۔ لوگ اس جالی کے باہر ہی کھڑے ہوتے ہیں۔ جالی کے اندر یا روضے کی عمارت میں کوئی نہیں جاتا سوائے ان خواجہ سراؤں کے جو اس برآمدے میں جھاڑو دیتے ہیں۔ جالیوں میں ہوا سے جو گرد و غبار جاتی ہے یا لوگ ان جالیوں کے چھوٹے چھوٹے حجروں میں ہاتھ ڈال کر عطر کی شیشیاں یا کچھ پھول اس برآمدے میں پھینک دیتے ہیں' انہیں خواجہ سرا جھاڑو سے نکالتے ہیں۔ بعض عطر کی شیشیاں ٹوٹ بھی جاتی ہیں۔ شمع کافوری بھی اندر جلاتے ہیں اور پانی کا لوٹا بھی اندر رکھ دیتے ہیں۔ صبح پانی کا لوٹا خالی ہوتا ہے جسے وہ اٹھا لیتے ہیں اور اگلے دن پھر بھر کر رکھ دیتے ہیں۔ کچھ توقف کے بعد فرمایا:

آگاہی:۔

سلطان نور الدین زنگی کے عہد میں (۱۰۸۰ء میں) دو یہودیوں نے مسلمانوں کے روپ میں سرنگ لگائی تھی تاکہ حضور علیہ السلام کے جسد مبارک کو وہاں سے نکال لیا جائے۔ حضور علیہ السلام نے خواب میں والیء مدینہ کو اس کے متعلق آگاہ فرمایا (کہ دو کتے انہیں تنگ فرماتے ہیں) کافی تگ و دو کے بعد بھی پتہ نہ چلا تو اس نے ایک دعوت کا اہتمام کیا

جس میں تمام اہالیانِ مدینہ کو مدعو کیا۔ جب سب اہل شہر آئے اور والیء مدینہ نے ان دو یہودیوں کو جن کی شکلیں اسے خواب میں دکھا کر آگاہ کیا گیا تھا نہ پایا' تو کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب لوگ نہیں آئے۔ اس وقت کسی نے بتایا کہ دو فقیر منش آدمی فلاں جگہ رہتے ہیں جو کہیں بھی نہیں آتے جاتے۔ والیء مدینہ نے حکم دیا کہ انہیں بھی بلایا جائے۔ چنانچہ جب وہ آئے تو اس نے انہیں پہچان لیا اور تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہی وہ مردود تھے۔ چنانچہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ اس کے بعد حضورؐ کی قبر مبارک کے اردگرد کافی گہرائی تک پختہ چنائی کر دی گئی اور گرداگرد جالی بھی لگا دی گئی۔

تین سوال:۔

ایک مجلس میں فرمایا: بعض اصحاب نے مجھے لکھا کہ ''جمال رسول'' میں آپ نے حضور علیہ السلام کی رحلت اور نماز جنازہ کا تذکرہ نہیں کیا لہٰذا آئندہ ایڈیشن میں اس کا تذکرہ کر دیں۔ اس لئے کہ بعض اس پر اعتراض کرتے ہیں اور اس ضمن میں تین پہلو بیان کئے۔

(۱) اہل سنت کے نزدیک حضور علیہ السلام ''حیات النبی'' ہیں جس کی رو سے نماز جنازہ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

(۲) اگر جنازہ تھا اور اسے جنازہ تسلیم کیا جائے تو اس کی نوعیت کیا تھی؟ کیا پڑھا گیا؟

(۳) بعض لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا جنازہ کچھ دن پڑا رہا اور صحابہ کرامؓ نے نہ پڑھا۔ اس کی حیثیت کیا ہے؟

میں نے ان کی خواہش کے مطابق ایک باب دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دیا ہے لیکن سوچا جائے تو یہ یونہی طبعی اعتراض ہے حالانکہ یہ کوئی قابل ذکر بات نہیں۔ اس قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے کہ لوگوں کو وہم کیوں ہوتا ہے۔ پہلے سوال میں چونکہ عشق و محبت کا تعلق ہے اس لئے اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا ہر قول و فعل اپنی نجات و مناجات پر منتج نہیں ہوتا بلکہ وہ تمام تر عمل تعلیم امت کے لئے تھا' لہٰذا جو کچھ حضور علیہ السلام سے امت کو پہنچا' اس پر چلنا امت کے لئے لازم و واجب تھا۔ وقت اس کی ضرورت کو ظاہر کرے یا نہ کرے مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک جگہ سے اپنے ہمراہیوں سمیت گذر رہے تھے تو ایک مقام پر سے سیدھا اور صاف راستہ چھوڑ کر کچھ فاصلے

کا چکر کاٹا اور پھر آگے جا کر راستہ پر آ گئے۔ ہمراہیوں نے پوچھا کہ راستہ صاف تھا آپ نے اس کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ کیوں اختیار فرمائی' تو آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور یہاں راستے میں پانی تھا' تو حضور علیہ السلام نے اس راہ کو چھوڑ کر اسی طرح عبور فرمایا جیسے میں نے کیا ہے۔ میرا دل نہیں چاہا کہ اگرچہ اب راہ صاف ہے' میں حضور علیہ السلام کے نقش قدم کو چھوڑ کر سیدھا گذر جاؤں۔

صحابہ کرامؓ کی یہی وہ محبت تھی جس کی وجہ سے عقیدتمندوں کو یقین ہی نہ آتا تھا کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ حضورؐ وفات پا گئے ہیں میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔

مگر یہ حقیقت کسی حد تک وضاحت طلب ہے کہ ''حیات النبی علیہ السلام'' سے وہ حیات طیبہ مراد ہے جو ظاہریت سے تعلق رکھتی ہے یا حیات برزخی؟ اس پر اکثر علمائے کرام نے لکھا ہے کہ اس حیات انبیاء علیہ السلام سے مراد حیات برزخی ہے جو کہ ورود موت سے بعد حاصل ہوتی ہے اور اس کا ظہور کامل طور پر کفن و دفن کے بعد ہوتا ہے۔

نیک حضرات کے ابدان باقی رہتے ہیں مثلاً اولیائے کرامؒ، شہدائے عظامؒ اور صالحینؒ وغیرہ اور بالخصوص انبیائے کرام علیہم السلام کے اجسام مطہرہ و ابدان طیبہ دائمی طور پر سلامت رہتے ہیں اور ان کے ارواح طیبہ کو ان کے پاکیزہ اجسام میں واپس لوٹا دیا جاتا ہے۔

رہا یہ امر کہ جب موت کا ورود انبیاء کرام پر بھی حتمی طور پر ثابت ہے تو پھر انبیاء کرام کو زندہ بالخصوص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ''حیات النبی'' کے تصور سے یاد رکھنے کا کیا مطلب ہوگا؟ سو اس کی چند وجوہات ہیں:

(۱) یہ کہ انبیائے کرام کو موت سے متاثر ہوتے ہیں مگر یہ تاثر محض آنی اور لمحی ہوتا ہے نہ کہ دائمی اور استمراری۔ پھر ان کی ارواح مقدسہ کو ان کے حقیقی ابدان میں لوٹا دیا جاتا ہے اور اس کو حیات برزخی اور حیات جسمانی کہتے ہیں۔

(۲) یہ کہ بالخصوص حضور علیہ السلام کی پیدائش اس امکان سے ہوئی ہے جو صفات الٰہیہ اضافیہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے نہ کہ اس امکان سے جو تمام ممکنات عالم میں ثابت ہے۔ آپ کو اس انداز پر پیدا فرمایا گیا ہے کہ نہ آپ کی مثل پہلے کوئی ہوا اور نہ ہی بعد

صَلّو علیہ:-

سو جب یہ معلوم ہو گیا کہ حضور علیہ السلام پر لمحی طور سے کیفیت موت طاری ہوئی تو سنت نماز جنازہ کی ادائیگی بھی لازم تھی، مگر وہ عام جنازوں کی طرح نہ تھی۔ یعنی جنازہ مسنون جنازے کی طرح نہیں پڑھا گیا۔ کوئی امام نہیں ہوا اس لئے کہ حضور علیہ السلام "حیات النبی" ہیں اپنے وقت کے امام ہیں۔ امام کی ضرورت نہیں۔ حکم یہ تھا کہ جہاں نبی فوت ہوں وہیں دفن ہوں لہٰذا اس کی صورت یوں الگ پیدا کی گئی جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے وصال کا وقت یہ لکھا ہے کہ جب دو پہر ڈھل چکی تھی تو گویا ان کی تحقیق میں بعد زوال وصال قریب عصر ہوا اور اسکے بعد اتنا وقت نہیں تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تکفین و تدفین سے فراغت ہو سکے۔ اس لئے دوسرے دن منگل کو پورا پورا انتظام ہوا اور اسی دن حضور علیہ السلام کے جسم اطہر کو قبر مقدس میں رکھ دیا گیا۔ جس حجرے میں آپؐ نے وفات پائی تھی وہیں لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے ہو کر اندر جاتے تھے اور نماز جنازہ ادا کرتے تھے اور سہ شنبہ یعنی منگل کا دن گزارا، شام کو فارغ ہوئے۔

جنازہ تیار ہو گیا تو لوگ نماز کی سعادت حاصل کرنے کے لئے بڑھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ دس دس آدمی باری باری آئیں اور نماز پڑھیں، امام کوئی نہ تھا۔ اور نہ وہ دعائیں پڑھی گئیں جو عام جنازوں میں پڑھی جاتی ہیں بلکہ نماز جنازہ کی صورت یہ تھی کہ لوگ نہایت ادب و احترام کے ساتھ حاضر ہوتے اور صلوٰۃ و سلام عرض کر کے واپس ہو جاتے۔ سب کے بعد ازواج مطہرات نے نماز جنازہ ادا کی مگر عوام کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ نماز میں کیا پڑھیں۔ پوچھنے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا یہ دعا پڑھو۔

ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صَلّوا علیہ وسلمو تسلیما. لبیک اللھم ربنا وسعدیک صلوت اللہ اکبر الرحیم وملئکتہ المقربین والنبین والصدیقین والشھداء والصالحین وما سبح لک من شئی یا رب العالمین علی محمد بن عبداللہ خاتم النبین وسید المرسلین و امام المتقین و رسول رب العالمین شاھد البشیر الداعی الیک باذنک السراج المنیر وعلیہ السلام۔

ایک مقدس گروہ پر یہ طعن کرنا کہ انہوں نے جنازہ نہ پڑھا۔ یا زیادہ وقت پڑا رہا یہ حقیقت میں ایک ایسے رنج والم کے موقع کو افسانہ بنانا مقصود ہے جس سے کہنے والوں نے بے باکانہ طور پر کہنے سے دریغ نہیں کیا۔ اس پر بحث کرنا ضروری معلوم نہیں ہوتا کہ ان الفاظ کے قائل کون تھے؟ مگر اتنا کہنا پڑتا ہے کہ ایسا کہنے والے اہل اسلام کے خیر خواہ نہ تھے ورنہ ایک معمولی سی عقل کا آدمی بھی یہ سوچ سکتا ہے کہ جس کمرے میں صرف دس آدمی نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو سکتے ہوں، وہاں لاکھوں یا ہزاروں کی تعداد میں باری باری حاضر ہو کر نماز ادا کرنا کتنا وقت لے سکتا ہے اور کثرت ہجوم کے باعث چھوٹی جگہ میں اس تاخیر کا امکان کس حقیقت کا حامل ہوگا۔ حقیقت میں یہ تاخیر تھی ہی نہیں، کیونکہ تاخیر یا پڑا رہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی نے توجہ ہی نہ کی ہو۔ ایسے موقع کے لئے تاخیر کا لفظ استعمال کرنا حق وصداقت کا خون کرنا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

درود وسلام

ایک صاحب نے عرض کی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی (۵۶:۳۳) تو کیا چھوٹا درود جس میں آل کا نام نہ آئے وہ بھی درود ہو سکتا ہے؟

فرمایا: آپ کو علم ہے کہ درود کیا ہے؟

سائل نے عرض کی کہ ''سلام''

فرمایا: وہ کیا ہوتا ہے؟ درود شریف پڑھو۔

سائل نے کہا صل اللہ علیک یا رسول اللہ۔

حضور نے پوچھا کہ اگلے صیغے؟

سائل نے عرض کی کہ مجھے علم نہیں۔

فرمایا: یہ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یعنی بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور یا ایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلمو تسلیما اے ایماندارو! تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجو، گویا یہ سب مومنوں کے لئے حکم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور فرشتے جو کام کرتے ہیں تم بھی وہ کام کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ اور فرشتے

نبی پاکؐ پر سلام بھیجتے ہیں لہٰذا تم بھی درود اور سلام بھیجو لیکن یہ سمجھ نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ کا درود کیا ہے؟ فرشتوں کا کیا ہے؟ اور تم نے کیا کرنا ہے؟ اس میں ایک باریکی یہ ہے کہ ذکر نہ فرمانا، اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ چیز جس طرح کی جائے وہ محبوب کے حق میں اسی طرح ہو۔ یعنی بھیجنے والا جانے اور لینے والا جانے۔ تو لامحالہ اللہ تعالیٰ کا درود فرشتوں سے بالاتر ہے یہ جو صرف آپ پڑھتے ہیں، یہی اگر اللہ تعالیٰ پڑھے تو یہ کفر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بھی یہی فرمائے کہ اللھم صلی علی محمد وبارک وسلم کیونکہ اور تو کوئی اللہ ہے نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا درود وہ ہے کہ ہر طرح اپنے محبوب پر اپنی الوہیت، شان ربوبیت اور قدرت کاملہ سے رحمت بھیجنا اور فرشتوں کا درود ہے حضور علیہ السلام کی محبوبیت پر محبت کا اظہار کرنا کہ حضور علیہ السلام محبوب خدا ہیں۔

مومنوں کو حکم ہوا کہ تم بھی درود بھیجو۔ مومن رسول اللہ کے اس مقام بلند سے واقف نہیں جس مقام پر اللہ تعالیٰ درود بھیجتا ہے۔ محمد رسول اللہ کے مقام سے اللہ تعالیٰ واقف ہے۔ اس لئے کہ محبوب کے مقام کو صرف محبّ ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا جب حکم ہوا کہ اے مومنو! تم بھی درود بھیجو، چنانچہ مومنوں نے محبوب رب العزت کے مقام بلند سے ناواقف ہوتے ہوئے عرض کی اللھم صلی علی محمد یعنی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج جس شان کی حیثیت کے حضور علیہ السلام مالک ہیں اور جو ان کی شان کے شایاں ہے۔ ہم حضورؐ کی شان کو جو تیری نگاہ میں ہے، نہیں سمجھ سکتے، اس لئے جس شان کا درود تو بھیجتا ہے وہی درود ہماری طرف سے بھی بھیج۔

سائل کو فرمایا: ہم نے یہی الفاظ پڑھے ہیں نا؟ اللھم صلی علی محمد یعنی اے اللہ تو محمد رسول اللہ پر درود بھیج۔ اللہ تعالیٰ تو درود بھیجتا ہے اور آپ کہتے ہیں کہ یا اللہ تو بھی بھیج۔ اب آپ بتائیے کہ آپ نے کیا بھیجا؟

سائل نے عرض کی کہ سورہ فاتحہ!

فرمایا: سورہ فاتحہ تو درخواست ہے اور درود حکم ہے کہ تم بھی بھیجو۔

سائل نے عرض کی کہ رحمت، چونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

فرمایا: جزاک اللہ! محبوب کی شان محبّ خوب سمجھتا ہے ہمارے تو پلے ہی کچھ نہیں۔ درود وسلام کی حقیقت اعلیٰ کو ہم نہیں سمجھتے۔ نہ ہم میں وہ بلندی ہے اور نہ ہمارے الفاظ میں وہ

اثر۔ لہٰذا ہم نے بارگاہ ایزدی میں عرض کی کہ اے اللہ! ہمارے پاس تو تیرے محبوبؐ کی شان بلند کے لئے یہی الفاظ ہیں کہ اللھم صلی علی محمد اس لئے کہ جس حقیقت اعلیٰ اور شان ارفع کو تو جانتے ہوئے اپنی رحمت کا نزول فرماتا ہے، مولیٰ کریم! ہماری طرف سے بھی وہ قبول فرما اور اسی مفہوم کو جسے تو ہی سمجھتا ہے، اسی مفہوم میں اپنی مخلوق کی طرف سے حضور علیہ السلام کو وہ تحفہ بھیج!

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اب یہ تو حکم کی تعمیل ہوگئی۔ اس کے ساتھ جو (آل واصحاب کا) اضافہ ہوگیا وہ اللہ تعالیٰ کا حکم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے تحت حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مومن مجھ پر درود بھیجے وہ میری اولاد پر بھی درود بھیجے۔ اب نبی کا جو حکم ہے اس پر رب بولتا ہے۔ اس لئے وہ حکم بھی واجب ہوگیا۔ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد وبارک وسلم یعنی اس رحمت پر جو تو نے اپنے محبوب پر فرمائی ہے اس میں ان کی آل کو بھی شامل فرما، کیونکہ ہم تک جتنے بھی تیرے احکام پہنچے ہیں وہ رسول اللہ کی زبانی ہی ہم تک پہنچے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا ایک ہے۔ ہم نے ٹوہ کر، چھو کر یا دیکھ کر نہیں مانا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا ہے، جنت ہے، دوزخ ہے، قرآن ہے، قیامت آنی ہے، ہم نے مان لیا۔ گویا جس طرح حضور علیہ السلام کے باقی احکام پر ہم آمنا و صدقنا کہتے ہیں اسی طرح ان حکموں میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ جس درود کا میں مستحق ہوں اور جب تم اللہ تعالیٰ سے اس درود کی حقیقت اعلیٰ کے تحت میرے لئے رحمت طلب کرو تو کہو کہ اے اللہ! میرے محبوب کی آل پر بھی رحم فرما۔

اگر کوئی شخص کسی وظیفے یا دعا سے پہلے درود شریف نہ پڑھے تو وہ دعا معلق رہتی ہے اور بارگاہ ایزدی میں نہیں پہنچتی اس لئے پہلے درود شریف پڑھو اور بعد میں دعا مانگو۔

سہولت:۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کسی نیکی کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اگر تم چاہو کہ وضو ہو یا نہ

ہوتم ہر مشکل میں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکار سکتے ہو۔

واذا سالک عبادی عنی فانی قریب اُجیب دعوۃ الداع اذ دعان فلیستجیبو لی. (۱۸۶:۲)

ہم ہر پکارنے والے کی پکار کو سنتے ہیں جب بھی وہ پکارے تو ''جب'' میں کسی وقت کی تخصیص نہیں۔ صبح، دوپہر، عصر، شام، رات وغیرہ اس لئے جس وقت بھی اللہ تعالیٰ کے حضور کسی بھی مطلب کی پکار کی جائے اللہ تعالیٰ اس پکار کو سنتا ہے۔ دعا اور رحمت طلب کرنے کے سلسلہ میں درود شریف ایک سلسلہ ہے لہٰذا ایک شخص کسی وقت وضو نہیں کر سکتا۔ بیمار ہے، اس کا ظاہری جسم پاک ہے تو وہ درود شریف پڑھ سکتا ہے۔ اگر پانی کے استعمال سے معذور ہے تو تقویٰ وطہارت کے ماتحت پاک مٹی سے تیمّم کر لے۔ تیمّم ایسی چیز ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وضو سے تمہارے ظاہری اعضاء پاک ہوتے ہیں مگر تیمّم سے تمہاری ہڈیاں بھی پاک ہو جاتی ہیں۔

حضور علیہ السلام کا نام لینا:۔

سائل نے عرض کی کہ حضور علیہ السلام کا نام لینا بہتر ہے یا از روئے ادب نام نہ لینا بہتر ہے کیونکہ:

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

فرمایا: قرآن میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ کئی کا ذکر کرنا ضروری سمجھا گیا اور کئی کا غیر ضروری مثلاً اگر آپ کے نظریے کے ماتحت حضور علیہ السلام کا اسم پاک قرآن حکیم میں نہ آتا تو غیر مذاہب کے لوگوں کا اعتراض قائم ہو جاتا کہ فلاں کی طرف اشارہ ہے۔ اسی طرح بعض چیزیں جو لوگوں نے رب العزت کی طرف منسوب کر دی ہیں مثلاً نعوذ باللہ! فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے یا حضرت مریم علیہ السلام کے متعلق کہ وہ اللہ کی بیوی ہے۔ تو گویا مریم کا نام لینا کہ وہ ہماری مخلوق ہے۔ عیسیٰ ہمارا بیٹا نہیں بلکہ مخلوق ہے یعنی نام لے کر اس کی وضاحت فرما دی گئی۔ لہٰذا ایسی جگہ جہاں خصوصیت پائی جائے وہاں سرکار دو عالمؐ کا نام لینا ضروری ہوتا ہے (نیز یہ بے ادبی میں بھی داخل نہیں)

ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام طور پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک چرواہا مل گیا جو اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ یارب! تو میرے پاس ہو تو میں تیرا سر دھوؤں، صابن ملوں، کپڑے دھوؤں، کھانا کھلاؤں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے فرمایا یہ کیا کہتا ہے؟ ایسا کہنا گناہ ہے۔ رب العزت ان چیزوں سے پاک ہے۔ وہ چرواہا جو اپنی دھن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا قصہ چھیڑے بیٹھا تھا۔ خاموش ہو گیا۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے اور رب العزت کے حضور حاضر ہوئے تو حکم ہوا کہ موسیٰ!

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

بات یہ ہے کہ بعض جگہ شریعت کے احکام ان سے باہر ہوتے ہیں۔ بچہ کھیلتا کودتا ماں کو لات مار دیتا ہے، کندھے پر آجاتا ہے وہ اگر کہے کہ پیچھے ہٹ جا تو یہ گالی بک دیتا ہے لیکن یہ سب محبت کا عمل ہے۔ دشمنی کا فعل نہیں۔ اگر ماں اس وقت معصوم بچے کو یہ کہے کہ جا دفع ہو جا، کافر ہو جائے گا تو اس بچے کی بلا جانے کہ کفر یا ایمان کیا ہوتا ہے؟

اس لئے محبوب کی محبت میں بولنا ہی اسلام ہے اور اس کے اختلاف میں بولنا ہی کفر ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک صحابی نے اپنے بیٹے کو کہا کہ حضور علیہ السلام کو مل کر میرا یہ پیغام دینا۔ لڑکے نے عرض کی کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں حضور علیہ السلام کو کس طرح مخاطب کروں؟ باپ نے کہا کہ تیرا منشا گستاخی نہیں۔ حضورؐ سے کہنا ''یا محمد!'' اس کام سے آیا ہوں، تو ''یا محمد'' کہنا تیری محبت کا ثبوت دے گا۔

زیادہ ادب کے الفاظ ''یا حبیب اللہ!'' ''یا رسول اللہ!'' بھی ہیں۔ تو یہ ہے مدارج کا قصہ یعنی جسے مانے اسے صحیح معنوں میں مانے، جو فرق ڈالے وہ ایمان کھو بیٹھتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سرکار دو عالمؐ کے در دولت پر حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑا پیار تھا۔ حضرت عائشہؓ نے حضور علیہ السلام سے گفتگو لفظ ''تیری'' سے کی۔ حضرت عائشہؓ کے یہ الفاظ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے مکہ اٹھایا کہ تجھے ماردوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ الفاظ؟ وہ دوڑ کر سرکار دو عالمؐ کے پیچھے چھپ گئیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت صدیق اکبرؓ کو اشارہ فرمایا چنانچہ وہ واپس تشریف لے گئے۔

ان کے تشریف لے جانے کے بعد حضور علیہ السلام نے ہاتھ پکڑ کر حضرت عائشہ کو پیچھے سے آگے نکالا اور فرمایا کہ جس رنگ میں بھی مخاطب کرو لیکن آج اگر میں تمہیں اپنے باپ سے نہ چھڑاتا تو قدر عافیت معلوم ہو جاتی۔

تو یہ چیزیں جو ہیں یعنی میاں بیوی کے تعلقات' باپ بیٹی کے تعلقات' یہ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بعض اوقات ایک دوسرے سے اپنے انداز میں اس رنگ میں بات کرتے ہیں کہ گفتگو کا انداز اور مقام یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنے حقوق کی بنا پر ہم کلام یا مخاطب ہیں۔ اسے اگر حق حاصل ہے تو پھر وہ طرز تخاطب جائز ہے' اس لئے بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ اس موقع پر ان حدود میں ایسی باتوں کا انہیں حق ہوتا ہے اور ہر شے کا مقام جداگانہ ہوتا ہے۔

فقہ اسلامی اور بنو فاطمی

سید گل حسین شاہ نے جو فقہ جعفریہ کے پیروکار تھے عرض کی کہ جتنے فقہات اسلامی بنے ہیں ان میں بنو فاطمی کا کوئی حصہ نہیں۔

فرمایا: فقہ کا ترجمہ کرو!

سائل نے عرض کی: قوائدِ اسلامی' قانونِ جمہوریہ اسلامیہ۔ ان میں بنو فاطمہ کا حصہ نہیں۔ کیا یہ علم کے لحاظ سے کم تر تھے؟

فرمایا! میں جو بات کرتا ہوں وہ تحقیق کے لحاظ سے کرتا ہوں' خیال سے نہیں کروں گا۔ خاندان نبوت ہر لحاظ سے' ہر معاملہ میں کامل و مکمل ہے' اس لئے کسی بیرونی مسئلے میں دخل دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی۔ یہ ان کا اختیاری مسئلہ تھا۔ ہمیشہ دنیا کام کرتی ہے اور اس کے جتنے پہلو ہوتے ہیں وہ ان کے سپرد کئے جاتے ہیں جو اس ماحول کے ماتحت ہوں۔ یہ چیز ایسی نہیں کہ بادشاہ وقت کارخانہ بھی خود بنائے' ہل بھی خود چلائے۔ اس کی ذات اتنی بلند ہے کہ اس کی نگاہ سے اس کتاب پر اس قانون پر عمل ہو رہا ہے۔ (اس نے) وہ ضرورت محسوس نہیں کی۔ سرکار علی علیہ السلام کی رباعی ہے۔

رضینا قسمته الجبار فینا　　لنا علم و للاعد آء مال

فان المال یفنی عن قریب　　وان العلم باق لا یزال

ہم اپنے رب جبار کی تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمارے لئے علم کو خاص کیا اور دشمنوں

جاہلوں کے لئے مال کو۔ اس لئے کہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا اور علم ہمیشہ ہمیشہ باقی رہے گا۔
جتنے بھی خاندان نبوت میں تھے انہوں نے مال پر نظر نہیں کی۔ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اندھیری رات میں کوئی شخص گزر رہا ہے کسی مقام کسی جگہ کا کوئی چوکیدار خواہ کوئی ہو وہ اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھے گا کہ یہ رات کو پھرنے والا کون ہے؟ اس خاندان کو کسی نے جسارت کر کے مٹانے کی کوشش کی ہے تو وہ اس کا دماغی مغالطہ ہے۔ ان کا قصور نہیں۔ ہر وہ چیز جسے انسان اپنی راہ میں حائل سمجھے اسے راہ سے ہٹانا چاہتا ہے۔ یہ حضرات (بنو فاطمی) اس طرف متوجہ ہی نہیں ہوئے۔ آج بھی اس کی مثالیں ہیں کہ جو صحیح طور پر اللہ کے بندے ہیں، وہ نہ کارخانوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور نہ مربے خریدتے ہیں۔ ان کا ایک ہی تعلق ہے۔ ''لا الہ الا اللہ''۔ سینہ روشن رکھتے ہیں، دل زندہ رکھتے ہیں۔ خدا اور رسول کی مرضی کے ماتحت اس نور کو تقسیم فرماتے ہیں۔ یہ تمنا نہیں کرتے کہ اس کے صلے میں کوئی بلڈنگ ملے یا اور کوئی چیز۔ اس لئے جو کوئی اس معاملہ میں مخل ہوتا ہے وہ اس کا اپنا دماغی خلجان ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق خود بخود یہ ثابت فرما دیا ہے کہ نبی کتنا بلند ہوتا ہے۔ رسول کتنا ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے۔ شاہ صاحب! میں مثالی طور پر ذکر کرتا ہوں اس لئے کہ آپ علم دوست ہیں اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ ہر انسان دنیا میں ایک عظمت کی تمنا رکھتا ہے۔ بادشاہ اپنی عظیم المرتبتی میں، وزیر وزارت میں، امیر امارت میں، پہلوان شہہ زوری میں اور حکیم حکمت میں عظمت چاہتا ہے غرضیکہ ہر آدمی ہر لائن میں کوئی عظمت چاہتا ہے لیکن ساری کائنات کا رسول۔ اللہ اکبر! ساری کائنات میں اپنی عظمت کسی شے سے منسوب نہیں فرماتا۔ کوئی محمدؐ پور، کوئی نبی کوٹ، کوئی احمد روڈ، آباد نہیں کی۔ ساری کائنات زیر نگیں ہے قدموں کے نیچے ہے، کسی سے عظمت وابستہ نہیں کی۔

زندہ ہے جو زندہ سے سروکار رکھے گا!

سرکار دو عالمؐ نے دونوں جہانوں کی کائنات پر اثر رکھنے کے باوجود کسی شے سے عظمت قائم نہیں رکھی۔ صرف ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' سے قائم رکھی۔ اس کلمہ طیبہ سے عظمت قائم رکھی کہ جب تک خدا ہے اس وقت تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت قائم ہے۔ اس سے بلند نہ کوئی عظمت ہو سکتی ہے نہ ممکن ہے۔ کائنات کے جتنے افراد ہیں انہوں نے عالم سفلی سے عظمت قائم کی، جب وہ چیز مٹی یہ بھی مٹ گئے۔

افضلیت:-

سید گل حسین نے عرض کی حضور علیہ السلام کی عظمت دوسرے انبیاء کرام سے علیحدہ ہے اسی طرح بندوں کی دوسرے بندوں سے ہے۔

فرمایا: تلک الرسول فضلنا بعضهم علی بعض. (۲:۲۵۳) یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔

حضور علیہ السلام کی حیثیت ہر لحاظ سے تمام کائنات میں جداگانہ ہے۔ یہ قصہ یہاں ختم ہوا لیکن دوسرے انبیاء کو دوسرے دنیاوی تخیل سے بچانے کے لئے کہ مخلوق توہین کی نگاہ سے نہ دیکھے، حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ مجھے یونسؑ بن متہ پر فضیلت نہ دو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور علیہ السلام فضیلت نہیں رکھتے، صرف اس لئے کہ ان انبیاء کرام کی لوگ توہین نہ کریں۔ شاہ صاحب! آپ انسپکٹر پولیس ہیں۔ مثلاً کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی پیغام دینے کے لئے آپ کے پاس آتا ہے اور کانپتا ہے۔ آپ اسے کہتے ہیں میں تجھ سا ہوں، مت کانپ! آپ کا یہ کہنا کہ تم مجھ جیسے ہو، حالانکہ نہ وہ سید ہے اور نہ انسپکٹر پولیس تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "انا بشر مثلکم" یعنی میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ گویا چھوٹے کو نواز کر اس کی تسکین کر دی۔ سرکار دو عالم کی بڑی شان ہے کہ ایک ہاتھ خدا کا پکڑا نور کی حیثیت سے، اور ایک ہاتھ مخلوق کا پکڑا بشریت کی حیثیت سے، اور دونوں کو ملا دیا۔ ورنہ خالق اور مخلوق کا تعلق کیسے ہوتا۔

حضرت خدیجہؓ الکبریٰ کا نکاح

سائل نے پھر عرض کی کہ ابو طالب ایمان نہیں لائے تھے۔ اس معاملہ میں وضاحت طلب یہ امر ہے کہ ایک مسلمان کا نکاح اگر ایک غیر مسلم کر دے تو کیا یہ جائز ہے؟ مثلاً حضورؐ کا حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے نکاح کا خطبہ ابو طالب نے پڑھا تھا۔

فرمایا: آپ اس بات پر غور فرمائیں کہ وہ زمانہ ظہور نبوت سے قبل کا تھا، جب کہ اسلام کا تعلق ظہور نبوت کے بعد سے ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین. میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے تیار کیا گیا۔ گویا نبوت پہلے تھی اور اعلان نبوت بعد میں۔ حضورؐ کا نکاح جب ہوا اس وقت حضرت

خدیجۃ الکبریٰؓ ابوطالب و دیگر حضرات جو نکاح میں شامل تھے نبوت سے آشنا نہیں تھے۔ تعلقِ نکاح ظاہر سے ہے، باطن سے نہیں۔ اسلامی نکاح کا طرز یا طور طریقہ اعلانِ نبوت کے بعد شرع ہوتا ہے۔ اب رہا ان حضرات کے عقائد کا مسئلہ۔ حضور علیہ السلام کے چچا کعبہ شریف کے محافظ و متولی تھے۔ حضور علیہ السلام کے والد کا نام عبداللہ ہے۔ یہ لفظ عبداللہ ثابت کرتا ہے کہ وہ لوگ ''ملتِ ابراہیمی'' پر تھے اور اس کا جو دستور العمل خواہ وہ مسخ شدہ تھا اس وقت جاری تھا۔ کعبہ کے محافظ عوام کو نیکی کی دعوت دینے والے تھے۔ یہ تمام چیزیں جو تھیں گویا ان میں ملت ابراہیمی کے دھندلے نقوش پائے جاتے تھے، وہ اپنے آپ کو ملت ابراہیمی پر سمجھتے تھے۔ اسلام کی وہ صورت جو حضور علیہ السلام نے پیش کی اور ازاں بعد اعلان نبوت فرمایا اور ملت ابراہیمی کی صحیح صورت پیدا کی، تو یہ وہی تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود پیش کی تھی اور جسے اب حضور علیہ السلام نے پیش فرمایا۔ اس لئے ''ملت ابراہیمی'' کا طریق کار جو بطریقِ رسم و رواج عرب میں قائم تھا، نکاح اس کے تحت ہوا۔ اس وقت وہ ''لاالہ'' سے ناواقف تھے، خواہ بعد کے لحاظ سے یہ طریق کار مسخ شدہ تھا۔ مگر نکاح اسی رائج الوقت ''ملت ابراہیمی'' پر تھا۔

ابوطالب

سائل نے کہا: ابوطالب اپنے بیٹوں کو بھی حضور علیہ السلام کی اطاعت کی تلقین کرتے رہے۔

فرمایا: ابوطالب کا نظریہ بتوں کے خلاف تھا۔ ممکن ہے اپنے بیٹوں کو حضور علیہ السلام کی اطاعت کی تلقین کرتے رہے ہوں مگر اس میں بھی حضرت علیؓ ہی نتھر کر میدان میں آئے ہیں۔

شعب ابوطالب میں تین سال کے قیام کا واقعہ جو سن سات (۷) نبوی میں پیش آیا اور یہ زمانہ اعلان نبوت کے بعد کا ہے قبل کا نہیں۔ اعلان نبوت کے بعد ان کی پوری ہمدردی حضور علیہ السلام سے رہی اور خاندان کو بھی متوجہ کیا جاتا رہا لیکن حضرت ابوطالب کا اپنا اقرارِ اسلام کسی مجلس میں، کسی گھر میں، پس پردہ یا حضور علیہ السلام کے سامنے، روایات سے ثابت نہیں۔ یا یہ کہ سرکار دو عالمؐ نے ابوطالب کے ایمان کے متعلق کوئی ایسے الفاظ بیان

فرمائے ہوں، کوئی دلیل نہیں ملتی۔

سائل نے عرض کی کہ سرکار دو عالمؐ نے اپنے والد اور دادا کے متعلق بھی تو کچھ نہیں کہا۔

فرمایا: وہ تو سرکار دو عالم کے زمانہ اعلان نبوت میں تھے ہی نہیں۔

سائل نے پھر عرض کی کہ ابو طالب حضور علیہ السلام کے محسن تھے اور ان کی طرف داری کرتے تھے۔

فرمایا: وہ بھتیجے کی طرف داری کا مسئلہ تھا نبوت کی تصدیق کا مسئلہ نہیں تھا۔

رسالت کی حفاظت

ایک مجلس میں فرمایا: میں آج مزنگ گیا ہوا تھا وہاں ایک شخص ملا، اس نے کہا کہ ہمارے مجتہد صاحب نے یہ بات واضح کی ہے کہ سید الشہداء کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی محافظ ہے۔ اگر حسینؓ شہید نہ ہوتے تو نبوت کا سلسلہ قائم نہ رہتا۔ میں نے اسے جواب دیا کہ تم یہ بتاؤ کہ اولاد کی حفاظت والدین کرتے ہیں یا اولاد والدین کی حفاظت کرتی ہے؟ سید الشہداء کی شہادت کے مدارج اور ان کی حفاظت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی حفاظت امام حسین علیہ السلام نے کی ہے؟ کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ ما کان محمدٍ ابا احدٍ مّن رجالکم (۳۳:۴۰) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں تم میں سے کسی ایک کے بھی باپ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام کی اولاد زندہ رہتی تو وہ نبی ہوتی کیونکہ پہلے نبیوں کی اولاد نبی ہوئی ہے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد زندہ رہتی اور وہ نبی نہ ہوتی تو یہ ان کی توہین ہوتی۔ اسی لئے فرمایا ما کان محمد ابا احد من رجالکم. تو گویا رب العزت نے حضور علیہ السلام کی رسالت کی خود حفاظت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور ختم کرنے والے نبیوں کے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ خدا کے رسول ہیں۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ''خاتم النبیین'' کی بجائے ''خاتم المرسلین'' کہا جاتا چونکہ رسول جو ہیں۔ مگر وہاں ''خاتم المرسلین'' نہیں فرمایا بلکہ ''خاتم النبین'' فرمایا یعنی ختم کرنے والے ہیں نبیوں کے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول مستقل شریعت اور کتاب کے مالک ہوتے ہیں۔ نبی کتاب کے مالک ہو کر بھی رسول کی کتاب کی متابعت کرتے ہیں جس طرح حضرت موسیٰ

علیہ السلام کے بعد توریت کے ماننے والے چار ہزار نبی آئے اور اسی توریت کی ہی تبلیغ فرماتے رہے۔ چونکہ رسول کے بعد نبی کا آنا ممکن تھا اور رسول میں نبی اور رسول کے دونوں وصف پائے جاتے ہیں اس لئے حضور علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین (۳۳:۴۰) گویا آپ کی رسالت کے بعد کوئی نبی کا بھی درجہ نہیں پاسکتا۔ ایک اولوالعزم رسول کی تابعداری کرنے والے کئی ہزار نبی آسکتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا کیونکہ حضور علیہ السلام کی رسالت' تامہ' مستقلہ اور خاتمہ ہے لہٰذا ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو قرآن کی اشاعت کرے۔ ان کے بعد رسالت تامہ کی حیثیت میں نبی بھی نہیں آسکتے۔ یعنی یہ جو حیثیت صاحب نبوت کی ہے یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جاری نہیں رہے گی۔ اسی لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ علمائے امتی کالانبیائے بنی اسرائیل۔ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ یعنی میرے بعد قیامت تک جو کام کرنے والا ہے وہ میری امت کے علماء کریں گے اور بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح دین کو زندہ رکھیں گے مگر نبی نہ ہوں گے۔ چنانچہ میں نے کہا تحفظ تو اولاً یہ ہے کہ تم یہ کہہ سکتے ہو کہ سید الشہداء[1] سلسلہ کلام منقطع ہو گیا۔

اہل بیت:-

سید عباس حسین سہروردی آف خانیوال نے عرض کی کہ حضور علیہ السلام کی اور بھی صاحبزادیاں تھیں مگر بعض لوگ صرف فاطمۃ الزہراؓ کو فضیلت دیتے ہیں۔

فرمایا: ہاں! حضور علیہ السلام کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ جتنی بھی اولاد ہے وہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بطن سے ہوئی ماسوائے حضرت ابراہیمؑ کے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تولد ہوئے۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلی صاحبزادیاں اعلان نبوت سے پہلے اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ اعلان نبوت کے بعد پیدا ہوئیں۔ بس یہی ایک فرق ہے ورنہ باقی خصوصیتیں (وہی ہیں) جیسا کہ سورہ احزاب میں آتا ہے۔

یا ایھا النبی قل لازواجک و بنٰتک. (۳۳:۵۹)

یعنی اے نبی! اپنی بیویوں اور بیٹیوں سے فرماؤ۔

---

[1] (حضور علیہ السلام کی شریعت کی حفاظت فرمائیں گے)

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں نہ ہوتیں تو ایک بیٹی کے لئے جمع کا صیغہ استعمال نہ ہوتا۔ اس لئے وہ لوگ جاہل ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی صرف ایک بیٹی تھی۔

پہلی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی شادی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے سگے بھانجے ابوالعباس بن ربیع لفیط سے ہوئی۔ حضرت زینبؓ جب ہجرت کر کے گئیں تو ایک ڈاکو نے انہیں نیزا مارا اور وہ مدینہ منورہ میں انتقال فرما گئیں۔ آپ کا ایک بیٹا تھا حضرت علی بن ابوالعاس اور ایک بیٹی تھیں حضرت امامہ بنت ابوالعاص جنہیں حضور علیہ السلام نماز پڑھتے ہوئے اٹھائے پھرتے تھے۔ رکوع میں انہیں اتار دیتے۔ سجدہ میں وہ کھڑی رہتیں۔ جب قیام کے لئے حضور علیہ السلام کھڑے ہوتے تو پھر کندھے پر انہیں اٹھا لیتے۔ اگر وہ زندہ رہتیں اور ان کی نسل چلتی تو ان کی اولاد بھی حضرت سیدۃ النساء زہرہ بتولؓ کی اولاد یعنی حضرت امام حسن علیہ السلام اور حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرح ہوتی۔

دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ آپ کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے حضور علیہ السلام کے اعلان نبوت سے پہلے ہوا۔ رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس نے طلاق دے دی۔ (اس کے بعد) ان کی شادی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ نکاح کے بعد حضرت عثمانؓ نے حبش کی طرف ہجرت کی تو آپ بھی ہمراہ تھیں۔ جب حضرت عثمانؓ حبش سے مکہ واپس آئے اور وہاں سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، آپ مدینہ منورہ میں آ کر بیمار ہوئیں۔ یہ غزوہ بدر کا زمانہ تھا۔ عین اس دن جس روز زیدؓ بن حارثہ نے مدینہ آ کر فتح کا مژدہ سنایا حضرت رقیہؓ نے وفات پائی۔

تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ تھیں۔ ان کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوئی تھی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا۔ ابولہب نے بیٹوں کو جمع کر کے کہا ''اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے''۔ دونوں فرزندوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت رقیہؓ کے وصال کے بعد حضور علیہ السلام نے آپ (حضرت ام کلثومؓ) کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔ اسی لئے حضرت عثمانؓ کو ''ذوالنورین'' کہتے ہیں۔

(حضرت ام کلثومؓ چھ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہیں۔ شعبان ۹ ہجری میں آپ کا انتقال ہوا)

حضور علیہ السلام کی نو بیویاں تھیں ان میں سے حضرت عائشہؓ حضرت صدیق اکبرؓ کی اور حفصہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں۔ اسی لئے مشہور ہے کہ حضور علیہ السلام کے چار صحابہ خلفائے راشدین میں سے دو داماد تھے اور دو خسر۔ یعنی حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ خسر تھے اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ داماد تھے۔

حسنات وسیئات

عشق مجازی:-

ملک بسا قادری نے عرض کی کہ بعض لوگ کسی خوبصورت عورت کو دیکھنا ''عشق مجازی'' کہتے ہیں۔

فرمایا: مجاز تو اس شے کا نام ہے جو حقیقت کی ضد ہو۔ دو مختلف پہلو جو ہوئے۔ اب ایک طرف اسے کھڑا کر لو جس کا نام ہم حقیقت رکھتے ہیں یعنی:

کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں میری جبین نیاز میں

اور دوسری طرف ساری کائنات۔ گویا یہ مجاز ہے اور وہ جو آپ نے ذکر کیا ہے وہ توفسق ہے، گناہ ہے، جرم ہے۔

گناہ کیا ہے؟:-

ملک صاحب نے عرض کی حضور! گناہ کیا ہے؟

فرمایا سوسائٹی کی مخالفت۔ گناہ کی مختلف صورتیں ہیں کہ درحقیقت جماعت نے یا جماعت والے نے جو نظام قائم کر دیا ہے اس کے خلاف چلنا گناہ ہے۔

نیکیاں برائیوں کی قاطع:-

ڈاکٹر اسماعیل سہروردی نے عرض کی کہ قبلہ میں نے پڑھا ہے کہ نیکیوں کے عوض گناہ معاف کر دیا جاتا ہے اور نیکی لکھ دی جاتی ہے۔ جب ہم آپ کی مجلس سے دور چلے جاتے

ہیں تو گناہ سرزد ہو جاتے ہیں' اس لئے عرض ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بدیاں مٹا دے اور معاف فرما دے۔

فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ سرکار دو عالمؐ کی شان بڑی بلند ہے۔ صحابہ کرامؓ سے جب کوئی گناہ یا لغزش سرزد ہو جاتی تو وہ چھپاتے نہیں تھے۔ ابتدائے اسلام میں حضور علیہ السلام کے پاس ایک شخص آیا۔ اس شخص کی کھجوروں کی دکان تھی۔ وہاں اس کے پاس ایک پردہ دار عورت کھجوریں لینے آئی اور برقعے سے ہاتھ نکال کر کہنے لگی کہ ان کھجوروں کا کیا بھاؤ ہے؟ دکاندار نے اس کے ہاتھ کی خوبصورتی' رنگینی اور نزاکت دیکھی تو اس کی نیت بدل گئی۔ کہنے لگا بی بی اندر جو کھجوریں پڑی ہیں وہ ان سے بہتر ہیں۔ اندر جا کر دیکھ لو۔ وہ اندر آ گئی۔ اندر باہر کی نسبت لازمی طور پر اندھیرا تھا چنانچہ اس نے چہرے سے نقاب اٹھا لیا اور کھجوروں کو ملاحظہ کرنا شروع کر دیا۔ دکاندار بھی دبے پاؤں اندر چلا آیا۔ اس نے ایک نظر سے عورت کو دیکھا' اس کی خوبصورتی جاذب نظر تھی۔ اس کا بوسہ لے لیا۔ عورت نے اس کے اس فعل پر کوئی شور یا واویلا نہ کیا۔ نقاب درست کر کے باہر نکل آئی۔ سودا نہ لیا اور چلی گئی۔ دکاندار کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی اور حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ مجھ سے یہ گناہ ہو گیا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور علیہ السلام خاموش رہے۔ آپ کوئی مسئلہ بیان فرما رہے تھے۔ اس شخص نے پھر پوچھا۔ حضور علیہ السلام نے دوسری طرف رخ پھیر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اسی اثناء اذان ہو گئی۔ حضور علیہ السلام اٹھے۔ تمام صحابہ کرامؓ بھی اٹھے اور نماز ادا کی۔ نماز پڑھنے کے بعد وہ شخص پھر سوال کرتا ہے۔ اسے اب یہ ڈر ہے کہ میں نے گناہ کیا ہے نہ معلوم اس کی کیا سزا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں کتنا مجرم ہوں؟ اس نے پھر عرض کی یا رسول اللہ! مجھ سے گناہ ہو گیا ہے اس کا مجھے بڑا افسوس ہے' میں کیا کروں؟ اسی اثناء یہ آیت نازل ہوئی۔ ان الحسنات یذھبن السیات (۱۱:۱۱۴) تمہاری نیکیاں تمہاری برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: یاد رکھو تم سے کوئی گناہ سرزد ہو جایا کرے تو براہ راست اللہ تعالیٰ سے توبہ کر لیا کرو۔ وہ عالم الغیب ہے' غفور الرحیم ہے۔ تو آپ ہے۔ میرے سامنے آ کر اقبال جرم نہ کرو کیونکہ میرے پاس شریعت کا تازیانہ ہے۔ جو حکم آیا ہے وہ لگ جائے گا۔ اب تم نے یہ بات پوچھی ہے اس کے جواب میں یہ حکم نازل ہوا ہے کہ تمہاری بہت سی نیکیاں تمہارے عام گناہوں کو

ساتھ لے جاتی ہیں۔ مٹا دیتی ہیں۔ تم نے وضو کیا، نماز پڑھی، مسجد میں آئے یہ تمہاری جو نیکیاں ہیں انہوں نے تمہاری اس بدی کو معاف کرا دیا۔ آئندہ محتاط رہو اور مولا کریم سے تعلق رکھو۔

رعایت:۔

اسی طرح جن دنوں آٹھ پہر کا روزہ فرض ہوا ان دنوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور عرض کی یا رسول اللہ میں گناہ کر بیٹھا ہوں۔ اپنے آپ کو بیوی سے نہیں روک سکا۔ حضور علیہ السلام خاموش رہے اور اشارہ فرمایا کہ بیٹھ جایئے۔ حضرت عمرؓ بیٹھ گئے۔ وہ ایک مقرب سے لغزش ہوئی۔ قرآن میں آتا ہے "حسنات الابرار سیآت المقربین" مقربوں کی لغزشیں عام محسنین کے واسطے اور ابرار کے لئے نیکیاں بن جاتی ہیں۔ حضور علیہ السلام منتظر ہیں کہ دیکھئے اس مقرب کی نسبت کیا حکم آتا ہے؟ اسی اثناء حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آئے۔

احل لکم لیلته الصیام الرفث الیٰ نسالکم. هُنّ لیاس لکم وانتم لباس لهن. علم الله انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم. فالئن باشروهن وابتغو ما کتب الله لکم. وکُلُوا واشربوا حتیٰ تیبین لکم الخیط الا بیض من الخیط الا سود من الفجر. (۲:۱۸۷)

روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ تمہاری لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ اللہ تعالیٰ کو پتہ تھا کہ تم اپنے نفسوں کو ضبط نہیں کر سکو گے اور تم اپنے نفسوں میں خیانت کرو گے لہٰذا ہم اس خیانت کو رحمت سے بدل دیتے ہیں۔ تمہاری توبہ قبول کی اور تمہیں معاف فرمایا تو ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو اور کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے، پو پھٹ کر ظاہر ہو جائے۔

گویا ایک صحابی کے اپنے نقص کا اظہار کرنے سے تمام دنیا پر رحمت نازل ہو گئی۔

کمالِ صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
اقبالؒ

بزرگوں کے پاس گناہ یا نقص کا اظہار کر کے کچھ مانگ لینا بہتر ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کی فراخی ہے تو پھر رحمت کی توقع رکھنی چاہئے۔ اپنا حساب پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بے نیاز ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی کثرت کرو۔ بہت مانگو اس لئے کہ تم خدا سے مانگ رہے ہو۔ بار بار مانگو کہ وہ بندوں کی طرح مانگنے سے نہیں گھبراتا۔

خیال فرمایئے کہ آج کا مسلمان تو گناہوں پر پردہ ڈالتا ہے (اور اُدھر) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فعل اور ان کا اپنے حبیبؐ سے اعلانیہ بیان کر دینا' آئندہ ہمیشہ کے لئے آنے والی تمام امت کے لئے اجازت کی راہ کھول گیا۔ قرآن میں آتا ہے:

یرید اللہ بکم الیسر ولا یریدبکم العسر. (۲:۱۸۵)

اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے وہ تمہیں تنگ کر کے خوش نہیں ہوتا۔ جس طرح تمہیں آسانی ہو اسی طرح میری تابعداری کرو ہمیں قبول ہے۔ گویا اجازت ہوگئی اور بڑوں کی اتنی سی لغزش چھوٹوں کے لئے نیکی ہوگئی۔

رحمت وعدل

چودھری علی احمد سہروردی نے عرض کی کہ میری زمین کی مستقل الاٹمنٹ کا معاملہ متعلقہ کلرک کی شرارت سے کھٹائی میں پڑ گیا ہے لیکن اب وہ باز آ گیا ہے۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ انصاف کرے۔

فرمایا: کبھی کبھی کسی شریر سے بھی نیکی سرزد ہو جائے تو دراصل وہ نیکی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے' اس کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ اس لئے ہر حال میں رب العزت کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ آج دوپہر میں رحمت اور عدل کے مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔ سبحان اللہ! رحمت اور چیز ہے اور عدل اور چیز۔ حدیث میں آتا ہے قیامت کے دن ایک بندہ خدا کے حضور پیش ہوگا۔ حکم ہوگا کہ ہماری رحمت سے اسے جنت میں لے جاؤ۔ وہ شخص عرض کرے گا مولیٰ کریم میں نے جو عبادت کی ہے اس کا کیا بنا؟ گویا مجھے میری عبادت کی وجہ سے جنت میں نہیں بھیجا جا رہا۔ حکم ہوگا میری رحمت سے اسے جنت میں داخل کرو۔ وہ پھر عرض کرے گا باری تعالیٰ میری عبادت کیا ہوئی؟ حکم ہوگا بہت اچھا! اسے اس کی عبادت کے

سبب جنت میں لے جاؤ۔ جنت تو اب نزدیک نہیں، وہاں پہنچنے تک کا بھی ایک پروگرام ہے، یہاں اب رحمت کا خاص مسئلہ ہے کہ جنتی لوگ ہر حالت میں اس کی رحمت کے محتاج ہیں۔ اگر ہم نماز پڑھتے ہیں تو اس کی توفیق سے، روزہ رکھتے ہیں تو اس کی توفیق سے، حج کرتے ہیں تو اس کی توفیق سے۔ گویا ہر نیکی اسی کی عطا کردہ توفیق سے ہی کرتے ہیں۔ میدان حشر میں بھی پل صراط عبور کرنا ہے تو اس کی رحمت سے۔ جنت میں جانا ہے تو اس کی رحمت سے۔ حکم یہ ہے کہ پل صراط سے بعض لوگ بجلی کی طرح گزریں گے، یعنی جس طرح بجلی کی رو آناً فاناً گزر جاتی ہے۔ بعض تیز رفتار سواری پر، بعض خود تیز رفتار ہوں گے۔ بعض اطمینان سے پیدل چلیں گے۔ اس کا خاص سبب ہوگا، یہ کہ جنت میں جانے والے لوگوں کے لئے پل صراط بہت چوڑی صاف اور بے خطر ہوگی۔ ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبو انہیں آئے گی۔ نیچے دوزخ ہے۔ دوزخیوں کا واویلا ان کے کانوں میں حسین نغموں کی صورت میں آئے گا تاکہ پل صراط سے گزرتے وقت وہ نہ گھبرائیں مگر نعوذ باللہ جو گنہگار ہوں گے ان کے لئے پل صراط باریک تلوار سے بھی تیز دھار کی مانند ہوگی۔ دوزخیوں کا واویلا ہوگا، اونٹوں سے بڑے آگ کے شعلے اور چنگاریاں دوزخ سے اڑیں گی۔ دوزخی ان سے خوف زدہ ہو کر اور تلوار سے بھی تیز اور باریک دھار سے کٹ کر دوزخ میں گریں گے۔ نعوذ باللہ! تو گویا اب یہ دو صورتیں ہوگئیں۔ وہ جو رحمت سے جا رہے ہیں ان کی راہ کشادہ ہے، صاف ہے، آوازیں نغموں کی صورت میں آ رہی ہیں۔ وہ اطمینان سے عبور کر جائیں گے یہ مسئلہ سمجھنے کے بعد یاد رکھو۔ تو ہاں! وہ آدمی کہتا ہے کہ میری عبادت کے بل بوتے پر مجھے جنت میں داخل کرو۔ حکم ہوگا کہ اب ہر چیز (یعنی پل صراط، دوزخیوں کے واویلے، دوزخ کے انگارے) اپنی اصل حالت پر ہوں اور پھر اسے وہاں سے گزارو۔ چنانچہ جب وہ چلے گا تو فرشتے ساتھ ہوں گے۔ ہر چیز چونکہ اپنی اصلی حالت پر ہوگی، ابھی دو قدم ہی چلے گا کہ کہے گا یہاں سخت گرمی ہے مجھے پانی پلاؤ۔ فرشتے کہیں گے یہ پل صراط ہے یہاں پر پانی کہاں۔ وہ کہے گا جس طرح بھی ہو مجھے پانی پلاؤ۔ فرشتے کہیں گے اگر نصف عبادت چھوڑ دو تو اس کے عوض ایک پیالہ پانی مل جائے گا۔ وہ کہے گا ہاں منظور ہے۔ چنانچہ وہ پانی کا پیالہ پیش کر دیں گے۔ پانی پی کر ابھی دس قدم ہی چلے گا کہ پھر پیاس لگے گی۔ پھر پانی طلب کرے گا۔ فرشتے کہیں گے کہ بقایا نصف عبادت بھی چھوڑ دو تو پانی کا پیالہ دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ باقی کی

نصف عبادت کے عوض دوسرا پیالہ لے لے گا۔ پانی پی کر وہ آگے چلے گا۔ فرشتے کہیں گے اب آگے کہاں جاتے ہو؟ تو نے تو ساری عبادت صرف دو پانی کے پیالوں کے عوض بیچ دی ہے۔ کیا اسی عبادت کے بل بوتے پر جنت میں جانے کا دعویٰ کرتے تھے؟ اب واپس چلو، وہ اسے دربار رب العزت میں لے جائیں گے اور عرض کریں گے اے باری تعالیٰ اس نے عبادت پر بھروسہ کیا تھا مگر وہ تو دس قدم پر ہی ختم ہوگئی۔ حکم ہوگا بتاؤ اب کیا کہتے ہو؟ جس عبادت پر تمہیں بھروسہ تھا اس کی قیمت میں تم نے ہمارا ہزار ہا من پانی استعمال کیا ہے۔ ہماری توفیق سے سب کچھ کیا اور ہماری اَن گنت نعمتوں کی موجودگی میں کیا، پھر بھی کہتے ہو کہ اس عبادت کے بھروسے پر جنت میں جاتا ہوں؟ بتا اب کیا صلاح ہے؟ وہ عرض کرے گا حق ہے مولیٰ کریم۔ میں صرف تیری رحمت سے جنت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ تو یہ چیز ہے چودھری صاحب! لوگوں کی ایسی باتوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ صرف رحمتِ خداوندی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

قرأت وتجوید

الفاظ کی صحیح ادائیگی:-

ڈاکٹر عبدالحق سہروردی حاضر خدمت ہوئے اور یوں سلام کیا۔ ''السلام علیکم وبرکات'' فرمایا: قرآن کو قائدے اور اصول سے سمجھو۔ ابغ حجک وخف علیقہ قرات کے اماموں کا قائدہ ہے کہ جہاں یہ چودہ الفاظ آجائیں اور ان سے پہلے ''ال'' آئے تو صرف لام ظاہر کر کے پڑھنا پڑے گا۔ مثلاً عین سے پہلے ''ال'' آجائے تو بالعین والعین پڑھیں گے، یعنی ''ال'' ظاہر کر کے پڑھا جائے گا۔ اسی طرح فجر کا لفظ ہے اس کے ساتھ ''ال'' آجائے تو والفجر پڑھیں گے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے الفاظ ''ردمس صفن ظل دت ذطش'' جو ہیں ان کے ساتھ اگر ''ال'' آئے گا تو یہ نہیں پڑھے جاتے۔ الف ساقط ہو جائے گا۔ مثلاً والتین لکھنے میں آئے گا ''ال'' نہیں پڑھا جائے گا۔ جہاں کھڑی زبر آئے گی وہ دو حصے الف کے لفظ کی آواز دے گی۔ ''برءک'' (بارکا) کھڑی زبر الف کی طرح پڑھیں گے۔ ٹیڑھی زبر چوتھائی الف کی آواز دے گی۔ ایک زبر ایک تہائی الف کی اور الف تین کھڑی زبر کی طرح ہے۔ الف پر مد ہو تو ڈیڑھ الف کی آواز پیدا کرے گی۔ کھڑی زبر کی

آواز برا کا الف کی آواز برا کامد کی آواز بارکا۔ حمزہ آواز پیدا نہیں کرتا بلکہ الف کی قریباً ڈیڑھ گناہ آواز کم پیدا کرے گا۔ یعنی نصف آواز۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسی طرح جہاں ایک جگہ پر فیہ آتا ہے وہ زیر کی آواز پیدا کرے گی اور جہاں کھڑی زیر آئے گی یعنی فِیہ وہاں ی کی آواز ''فی'' ہی۔ اگر کسی موقع پر تلفظ کی غلطی ہو جائے تو وہ غلطی نہیں ہوتی مثلاً ایک آدمی تتلاتا ہے یا اس کا لہجہ ایسا ہے کہ اس سے لفظ کی آواز بدل جاتی ہے مثلاً مدراسی قرآن کی قرأت میں ''ق'' کو ''خ'' سے بدل دیتے ہیں' حالانکہ تم ق کو حلق سے پڑھتے ہو۔ بدو ق کوگ کے مشابہ کر دیتے ہیں۔ بس اس بات کا خیال رکھو کہ تلفظ اتنا صحیح ہونا چاہئے کہ قرآن کے معنی یا مفہوم نہ بدلیں' پھر صحیح ہے۔ اگر آواز میں مفہوم بدل جائے تو پھر غلط ہو جائے گا۔ مثلاً تم اذان دیتے ہو۔ اگر اسے پڑھو اللہ اکبر۔ (یعنی ہ پر زبر پڑھی گئی یا جیسے بعض الف کو کھڑا کر دیتے ہیں۔ ایسا تلفظ جس سے معنی بدل جائیں وہاں صحت کی ضرورت ہے۔ اس لئے غور سے پڑھنا چاہئے۔ مجلسوں میں عام لوگ جو قرآن پڑھتے ہیں وہ بڑی جلدی اور تیزی سے پڑھتے ہیں۔ کوئی لفظ کھڑا' کوئی بیٹھا' حالانکہ وہ غلطی کرتے ہیں۔ سب سے بہتر اور سب سے ضروری یہ ہے کہ قرآن کا تلفظ صحیح ہو۔

سائل نے عرض کی: دعا فرمائیں کہ تلفظ بہتر ہو جائے۔

فرمایا: دعا یہی ہے کہ اگر آپ کو وقت ملے تو کسی قاری کو سناؤ اور تصحیح کرالو۔ دو تین سیپارے ہی پڑھنے مشکل ہوتے ہیں' بعد ازاں عادت پڑ جاتی ہے۔ اس دفعہ جب ہم پہاڑ پر گئے تو تاج میاں (صاحبزادہ نمبر ۳) کو کہا کہ تراویح کی نماز پڑھایا کر۔ اس نے کسی قاری سے اس کی ادا کو لے لیا مگر اس طرح ادا نہ کر سکا۔ نعبُد کی بجائے نَعبَد پڑھا (یعنی ب پر پیش کی بجائے زبر پڑھی)۔ میں نے کہا یہ تلفظ صحیح نہیں۔ اسے ایسی ہی عادت پک گئی تھی۔ خیر بڑی مشکل سے تلفظ درست کرایا۔

اہل لاہور کو ہی لے لیجیے یہ ''ر'' کو ''ڑ'' اور ''ڑ'' کو ''ر'' پڑھتے ہیں یعنی پرنالہ کو پڑنالہ اور گھڑے کو گھرا۔ یہ ان کا عام تلفظ ہے' مگر قرآن پڑھتے وقت اگر وہ یہی تلفظ برقرار رکھیں گے تو یہ غلط ہوگا۔ اس لئے صحیح تلفظ وہ ہے جو قرآن کی رو سے صحیح ہے۔

اسی تجوید کے قائدے کے مطابق ب ت ث کا عربی تلفظ۔ عربی زبان دان الف با تا ثا اِن پر جب تک مدنہ ہو ان کی آواز پیدا نہیں ہوتی۔ قرآن میں آتا ہے۔ ورتل للقرآن

ترتیلا. قرآن کو ترتیل کے ساتھ پڑھو۔ ترتیل سے مراد حروف کے مخارج ہیں کہ ان کی ادائیگی صحیح ہوتا کہ قرآن کا مفہوم صحیح طور پر سمجھ میں آسکے۔ اگر کوئی لفظ صحیح طور پر ادا نہ ہو تو اس کا مطلب بدل جائے گا۔ مثلاً و الضالین کو و الظالین پڑھیں تو ظل کے معنی سایہ ہیں اور مفہوم یہ ہو جائے گا جس پر تیرا سایہ رہا۔ اگر ض کو د کی آواز سے پڑھیں تو مفہوم یہ ہو جائے گا۔ جو دلالت کرتے ہیں تیری ذات پر۔ اور ''ذ'' پڑھیں تو ''ذلت'' کے معنی ہو جائیں گے۔ ''ض'' کا صحیح تلفظ ''ض'' اور ''ظ'' ان کی درمیانی آواز سے جو دانتوں کی جڑ سے صحیح مخارج پر ادا ہو وہ صحیح ہوگا' اور اس صحیح تلفظ کی رو سے والضالین کا مطلب ہے کسی چیز کا انتہائی شغف یعنی اس خیال میں منہمک رہنا۔ گھل مل جانا' انتہائی انہماک۔ عرفاً اس لفظ کو غلط رو لوگوں کے لئے استعمال کیا گیا ہے ورنہ لفظ میں کوئی دقت نہیں۔

قرآن میں آتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب وعظ فرماتے تو مسلمان یہ کہا کرتے ''راعنا یا رسول اللہ''۔ یارسول اللہ ہماری رعایت فرمایئے' یعنی ہماری طرف بھی دیکھیں یا توجہ فرمائیں۔ دوران وعظ ایک طرف حضور علیہ السلام منہ کر کے ارشاد فرماتے تو دوسری طرف کے لوگ ''راعنا یا رسول اللہ'' کہتے۔ بعض لوگ زبان مروڑ کر خطاب کرتے ''راعینا یا رسول اللہ''۔ راعینا سے مراد ہے گڈریا۔ اب منافقین اور کفار نے ''راعنا'' کو اپنی خبث باطنی سے ''راعینا'' کہہ کر بدل لیا حالانکہ راعنا کے لفظ میں تو نقص نہ تھا بلکہ کفار نے نقص پیدا کر دیا۔ رب العزت کو اپنے محبوب کی یہ سوئے ادبی گوارا نہ ہوئی چنانچہ حکم ہوا۔

لا تقولو راعنا وقولو اُنظرنا. (۲:۱۰۴) اس لئے الفاظ میں تکلف نہیں ہوتا اس کے ہیر پھیر میں فرق پڑتا ہے۔

☆☆☆☆☆

فقیہ بے مثل

صوم وصلوٰۃ

اوقات نماز:-

جمعدار عبدالخالق سہروردی نے عرض کی بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر عشاء کی نماز کے وقت آدمی سو جائے، سو کر اٹھے اور پھر نماز پڑھے تو نماز قضا ہو جاتی ہے۔

فرمایا: نہیں، یہ مسئلہ یاد رکھو قرآن پاک میں آتا ہے۔ ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا۔ (۴:۱۰۳) نماز مومنوں پر بقید وقت فرض کی گئی، اب جو ظہر آنے والی ہے وہ اس وقت فرض نہیں۔ اس کی ادائیگی اس وقت فرض ہوگی جب اس کا وقت آئے گا۔ اللہ محفوظ رکھے کوئی مسلمان سودائی ہو جائے یا کوئی مومن اللہ رحمت کرے وفات پا جائے اسے آنے والی نماز کے لئے نہیں پوچھا جائے گا کہ اس پر فرض تھی کیوں نہیں پڑھی؟۔ یہ اس وقت فرض نہ ہوگی جب تک وقت نہ آجائے۔ سوال یہ ہے کہ عشاء کی نماز کا وقت کس وقت سے لے کر کس وقت تک ہے؟ فجر کا کیا ہے؟ صبح صادق سے طلوع آفتاب تک۔ ظہر بعد زوال سے دھوپ کے زرد ہونے تک یا دو مثلیں سایہ اصلی کے۔ یاد رکھنا ہر مہینے کا ایک سایہ معین ہے۔ مثلاً ساون میں ڈیڑھ انگلی سایہ اصلی سائے کے علاوہ۔ ایک تنکا سات انگل لے لو اس کو بارہ بجے زمین پر کھڑا کرو۔ اس کا جو اصلی سایہ ہے وہ ڈیڑھ انگل ہے۔ ساون کے مہینے میں یعنی سر پر سورج ہو اس کا سایہ ڈیڑھ انگل، ڈیڑھ انگل چھوڑ کر آئے دو مثل سایہ ہو جائے تو عصر ہو جائے گی۔ اگر دو مثل سے سایہ کم رہے تو ظہر ابھی ہے۔ جس وقت دو مثلیں پوری ہو جائیں ظہر ختم، عصر شروع ہوگئی۔ اب عصر غروب آفتاب تک۔ اتمام الصیام الی الیل۔

روزے کو پورا کرو رات تک۔ سورج غروب ہو تو رات۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا کہ سورج غروب ہوئے بھی کوئی مسافر یا ضرورت مند عصر نہیں پڑھ سکا۔ سورج آدھا چمک رہا ہے اس نے نیت کر لی جب تک سورج کی لالی قائم ہے تب تک عصر پڑھ سکتا ہے، وہ سورج غروب نہیں ہوا ہوتا۔

سینگ :-

جمعدار صاحب نے کہا کہ بعض کہتے ہیں کہ شیطان کے سینگ نکل آئیں تو نماز عصر قضا ہو جاتی ہے۔

فرمایا: شیطان کے سینگوں کا مطلب یہ ہے کہ سورج غروب ہو جائے۔ اس نے تو عصر کی نیت کی ہے جب کہ سورج باہر ہے۔ خواہ آدھا' اس کے پڑھنے تک غروب نہیں۔ اب جس وقت غروب ہو جائے' دو شاخیں سرخی کی نکلتی ہیں اسے عرف عام میں ''شیطان کے سینگ'' کہتے ہیں۔ اسی طرح جب اس طرف مغرب کی سرخی' ادھر سیاہی اٹھ جائے' یہاں کی سفیدی زائل ہو جائے' اندھیرا ہو جائے' افق ختم ہو جائے تو مغرب ختم' پھر عشاء شروع' عشاء کا وقت تہجد تک ہے۔ یا ایھا المزمل قم الیل الا قلیل نصفه او نقص منه قلیلا او زد علیه ورتل القرآن ترتیلا ۔ (۷۳: ۱ تا ۴) اے کملی والے آپ اٹھیں رات کو مگر آدھی رات تک یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔

اس زمانے میں گھڑیاں تو نہیں تھیں کہ دو تین بجے کہا جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ تہجد کا وقت ذکر ہوا ہے تو وہ آدھی رات کے بعد کا ہے۔ کیونکہ آدھی رات تک عشاء کا ٹائم ہے۔

فرض کیجیے کوئی شخص تھکا ہارا کسی وقت آ کر کھانا کھانے بیٹھ جاتا ہے' ذرا کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ جاتا ہے' اس کی آنکھ لگ جاتی ہے' عشاء کا وقت چونکہ ۱۲ بجے تک ہے وہ اس ٹائم سے پہلے عشاء پڑھ سکتا ہے۔ اسی طرح دوپہر کا کھانا کھا کر اگر لیٹا ہے تو تین چار بجے تک ظہر پڑھ سکتا ہے۔ ہر وہ نماز جس کے وقت میں سو کر آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کا وقت ہو وہ قضا کیسے ہے؟ اسی طرح تہجد ۱۲ بجے حد معین۔ اس لحاظ سے کہ یا یھا المزمل قم الیل الا قلیلا نصفه او نقص منه قلیلا. او زد علیه ۔ ایسا ٹائم لے کر اٹھو کہ آدھی رات ہو یا آدھی رات سے کچھ کم' یا آدھی رات سے کچھ زیادہ گویا یہ سارے تین ٹائم بتاتے ہیں کہ اس میں تہجد پڑھی جا سکتی ہے۔ کھلی کھلی بات ہے قرآن کریم نے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی۔ اسی

طرح روزہ کا جو مسئلہ ہے، پہلے جب روزے فرض ہوئے اس وقت آٹھ پہر کا روزہ فرض تھا۔ یعنی مغرب کا کھانا کھایا، عشاء پڑھی اور سو گئے۔ اگلی شام تک نہ کھانا، نہ پینا، نہ جماع۔ ایک صحابی مزدوری کر کے آئے۔ بیوی نے کہا کہ میں کھانا پکاتی ہوں آپ آرام کر لیں۔ وہ چارپائی پر لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی۔ روزہ فرض ہو گیا۔ اب انہیں کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ اس وقت عشاء کا ٹائم بھی روزے کے ساتھ تھا۔ روزہ فرض ہو گیا، ادھر سارے دن کی مشقت اُدھر روزہ کی تکلیف ہوئی۔ (اسی اثناء) حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں اپنے آپ کو اپنی بیوی سے نہ بچا سکا۔ یعنی کھانا بھی منع، جماع بھی منع۔ عرض کی کہ کھانا تو وقت پر کھایا مگر اپنے آپ کو بیوی سے نہیں بچا سکا۔

اس مقام پر آپ نے حضرت عمرؓ کا وہ واقعہ جو صفحہ نمبر ۳۰۰ پر درج ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا: بڑوں کی اتنی سی لغزش کے اظہار سے تمام امت کے لئے اجازت کی راہ کھل گئی۔ سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تشدد محض مسائل میں ہوتا ہے۔ علماء نے تشدد اس لئے کیا ہے کہ انسان اسے عادت نہ بنا لے۔ اتفاق سے ہو جائے تو کوئی بات نہیں۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر کا نام لیں تو چالیس دن زبان پلید ہو جاتی ہے۔ قرآن میں ''لحم الخنزیر'' آتا ہے۔ وہی خنزیر کا لفظ ہی ہے مگر قرآن میں پڑھنے سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ تو یہ موقع محل کی بات ہے۔ جس کے ساتھ ہو گا اسی کے ساتھ نسبت ہو گی۔ یہی چمڑہ اگر جوتی کو لگا ہو تو اسے مسجد سے باہر رکھتے ہیں، اسی کا دوسرا حصہ قرآن کی جلد کو لگا دیں تو وہ چوما جاتا ہے۔

فجر کی سنتیں:-

ایک صاحب نے فجر کی قضا سنتوں کی ادائیگی کا مسئلہ پوچھا۔

فرمایا: جن دنوں میں بریلی میں پڑھتا تھا ان دنوں لاہور آیا۔ مولانا عبداللہ ٹونکوی ان دنوں شاہی مسجد میں ہوتے تھے۔ ''مشتار العلماء'' ایک انجمن ان دنوں بنی تھی جس کے وہ مفتی تھے۔ ان کے پاس کارخانے کے ملازمین آئے اور یہ مسئلہ پیش کیا کہ عام علماء یہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اگر لیٹ ہو گیا ہے، فجر کی سنتیں ادا نہیں کر سکا، فجر کی جماعت کھڑی ہے وہ جماعت میں شامل ہو جائے اور قضا سنتوں کی ادائیگی کے لئے وہیں بیٹھا رہے اور

سورج چڑھنے کا انتظار کرے، طلوع آفتاب کے بعد قضا سنتیں ادا کر لے۔ لیکن اگر ہم سورج چڑھنے تک بیٹھے رہیں تو ہمارا یومیہ مارا جاتا ہے چونکہ ہمیں سورج طلوع ہونے سے پہلے ڈیوٹی پر پہنچنا ہوتا ہے۔ مفتی صاحب نے یہ مسئلہ یوں بتایا کہ اگر گمان ہو کہ میں سنت پڑھ کر فرضوں میں نہیں مل سکوں گا تو وہ فرض جماعت کی صف میں کھڑا ہو جائے۔ فجر کی سنتوں کی نیت کر لے جس وقت نیت کر کے ہاتھ باندھ لے پھر سلام پھیر لے۔ پھر بعد میں فرضوں کی نیت کر کے امام کے ساتھ فرضوں میں مل جائے اور نماز پوری کرے۔ سلام پھیرنے کے بعد انہیں پاؤں پر کھڑا ہو کر فرضوں کی پہلی سنتیں جو نیت کر کے توڑی تھیں۔ انہیں پاؤں کھڑا ادا کرے۔ اس صورت میں سورج نکلنے تک نہ بیٹھنا پڑے گا اور سورج نکلنے کے بعد فجر کی جو باقی ماندہ دو سنتیں بارہ بجے دن سے پہلے پڑھے گا تو وہ قضا پڑھے گا۔

سائل نے عرض کی کہ بعض کے نزدیک یہ سنتیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

فرمایا: یہ سنتیں ساقط نہیں ہوتیں۔ اگر وقت ہو تو متقدمین کے مسئلہ پر عمل کرے یعنی بیٹھا رہے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد دو سنتیں پڑھے۔

نماز جمعہ:-

ایک صاحب نے عرض کی کہ نماز جمعہ کے متعلق عوام میں بڑا اختلاف پایا جاتا ہے وہ آج کل پیشی (ظہر) کے چار فرضوں کا پڑھنا ضروری نہیں سمجھتے۔

فرمایا: نماز جمعہ اس وقت فرض ہوئی جب پانچ نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ یہ چھٹی نماز تھی جس کا فرضوں میں حکم آیا۔ پہلی پانچ نمازیں بغیر کسی شرط کے فرض تھیں لیکن جمعہ مشروط با شرائط فرض تھا۔ اس کے متعلق قرآن میں وہ شرائط معین فرمائیں جن کی دو صورتیں تھیں۔ ایک وہ صورت کہ یہ نماز کس طرح فرض ہے اور ایک وہ کہ اسے ادا کیونکر کیا جائے۔

اس کی فرضیت کے لئے شاہ وقت کا یا اس کے نائب کا مسلمان ہونا، مملکت میں شرعی حدود کا نفاذ ہونا، آزاد ہونا، تندرست ہونا، وقت ظہر کا ہونا، مقیم ہونا، باہوش ہونا، مرد ہونا، شہر ہونا، جامع مسجد کا ہونا اور نماز با جماعت ہونا۔ یہ وہ شرطیں ہیں جن کے ساتھ جمعہ فرض ہوتا ہے۔ اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو نماز جمعہ فرض نہیں ہوتی۔ مثلاً حضور علیہ السلام نے عرفات میں حج کے موقع پر ظہر پڑھی، جمعہ نہیں پڑھا۔ اس لئے کہ وہ شہر نہیں

تھا۔ عرفات جنگل ہے نا؟ ان شرائط کی وجہ سے مہاجرین حبشہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں بھیجا۔ باقی سب کو بھیجا اس لئے کہ مہاجرین حبشہ ایک عیسائی حکمران کے تحت تھے۔ باقی کی نمازوں کے لئے جماعت شرط نہیں۔ جماعت کے ساتھ پڑھ لے تو بڑا ثواب ہے لیکن اگر اسے جماعت نہیں مل سکی وہ کسی کنویں پر ہے' کسی بیڑی کا ملاح ہے' کھیتی باڑی کر رہا ہے۔ پابند ملازمت ہے۔ اگر وہ جماعت کے ساتھ نہیں جا سکتا تو ظہر تو بغیر جماعت کے پڑھ سکتا ہے لیکن جمعہ بغیر جماعت کے نہیں پڑھ سکتا۔ مسافر مقیم کے پیچھے جمعہ پڑھے تو جائز ہے مگر اس کا جمعہ ساقطِ ظہر نہیں چونکہ فرضیت جمعہ مسافر پر نہیں۔

چنانچہ جس وقت جمعے کا حکم آیا تو ان شرطوں کے پیش نظر حضور علیہ السلام نے جمعہ کی ادائیگی کی تجویز یہ فرمائی کہ جمعے کی ادائیگی ظہر کے وقت میں کی جائے۔ ظہر کی بارہ رکعتوں کی ادائیگی یوں فرمائی کہ ظہر کی چار سنتیں قبل از جمعہ پڑھو۔ پیچھے رہ گئے چار فرض تو ان کی تقسیم یوں فرمائی کہ امام دو فرضوں کی جگہ دو خطبے پڑھے اور دو رکعت جماعت فرضوں کی پڑھے یہی وجہ ہے کہ خطبے کی حالت میں سنتیں، قرآن، درود یا کچھ اور پڑھنا یا بات کرنا منع ہے کیونکہ وہ ''خطبہء جمعہ'' دو رکعتوں کا قائم مقام ہے۔ اس طرح آٹھ رکعتیں ادا ہو گئیں بقایا دو سنت اور دو نفل بعد نماز جمعہ بدستور ادا کرے۔ یہ مسئلہ وہاں ہے جہاں پر جمعہ فرض ہے۔ جہاں جمعہ فرض نہیں بلکہ اس لئے ادا کیا جاتا ہے کہ آنے والی نسلیں اسے کوئی نئی نماز نہ سمجھ لیں (وہاں اس کا اطلاق نہیں) انگریزوں کے دور حکومت میں علماء نے جمعہ فرض نہیں مانا لیکن پڑھتے رہے۔ علماء اس بات پر متحد تھے کہ جمعہ غیر کے اقتدار کی وجہ سے فرض نہیں۔ اس کی ادائیگی کا سبب صرف یہ تھا کہ یہ شعار اسلام میں ایک چیز ہے جسے متقدمین نے قائم رکھا ہے تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے بالکل مسخ نہ ہو جائے۔ ہم ایک آٹھ نو سال کے بچے کو کہتے ہیں کہ نماز عصر کی پڑھو۔ اسے عصر کی نماز کی نیت کیا کرائیں گے؟ چار رکعت فرض ہی نا؟ حالانکہ وہ نابالغ ہے' اس پر فرض نہیں۔ لیکن قبل از وقت اسے ہم فرض پڑھا رہے ہیں اس لئے کہ آج اگر اس پر نفل ہے تو بلوغت پر پہنچ کر بھی اگر وہ باپ کی ہدایت پر نفل ہی نیت کرتا رہے تو؟ اس لئے نیت اسے فرض کی ہی کرائیں گے تاکہ عصر کی فرضی حیثیت اس کی جوانی میں اسے یاد رہے۔ اسی طرح جمعہ باوجود شرائط نہ پائے جانے کے اس قوم پر جو اس کی حیثیت سے اسے فرض نہیں پا رہی اسے فرض کی ہی نیت کرائیں گے۔ اس لئے کہ آنے والے وقت میں ممکن

ہے کبھی مسلمان پر حقیقت میں فرض ہو جائے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ جہانگیر کے زمانہ میں سنتیں گھر پڑھتے اور ظہر کے فرض مسجد میں ادا کرتے۔ جمعے کے لئے فرضوں میں امام کی اقتدا فرماتے اور بعد ازاں دو سنت اور دو نفل ادا کرتے۔ اس کے متعلق آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حاکم وقت نے غیر اقوام کی رعایت کے لئے شرعی امورات میں تخفیف کر دی ہے۔ چوروں کو وہ سزا نہیں ملتی جو شریعت محمدی میں ملنی چاہئے۔ زانیوں کو وہ سزا نہیں ملتی۔ گائے کا ذبیحہ بند ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ سلطنت مسلمان کی ہے اسلامی نہیں۔ حکمران ہمارا مسلمان ضرور ہے لیکن اسلام اور شریعت کے احکام چونکہ جاری نہیں اس لئے مجھے شبہ ہے کہ جمعہ فرض بھی ہے یا نہیں۔

ہند اور پاکستان کی تقسیم کے پیش نظر آج کل لوگ یہ یقین کر چکے ہیں کہ پاکستان میں گویا اب جمعہ کے ساتھ ظہر فرض نہیں رہی۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: ظہر کے چار فرض جمعے کے ساتھ جو اضافہ کرتے ہیں وہ پہلے بھی پڑھے جا سکتے ہیں اور بعد میں بھی۔

جہاں تک جمعہ کے فرضوں کے بعد سنت موکدہ کا تعلق ہے تو حضور علیہ السلام نے چار رکعتیں بھی پڑھی ہیں اور دو بھی، لہٰذا مجموعی طور پر چھ پڑھ لیں تا کہ سنت کا اتباع ہو جائے۔[1]

قضا عمری:-

ایک صاحب نے پوچھا کہ قضا عمری کا مسئلہ کیا ہے؟

فرمایا: ''قضا عمری'' کوئی نماز نہیں۔ عرف عام میں لوگوں نے یونہی نام رکھ لیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اگر رمضان شریف میں نفل پڑھے جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کا ثواب فرضوں کے برابر عطا فرماتا ہے۔ اگر فرض ادا کئے جائیں تو ایک فرض کا ثواب ستر فرضوں کے برابر ہے۔

---

[1] نماز جمعہ کے فرض پڑھنے کے بعد کتنی سنتیں ہیں اسکے متعلق مفتی محمد حسام اللہ شریفی نے بھی ''اخبار جہاں'' شمارہ ۲۴ تا ۳۰ جولائی ۱۹۹۵ء میں لکھا ہے۔ حضور اکرمؐ نے جمعہ کے فرضوں کے بعد چار سنتیں پڑھنے کا حکم دیا اور آپ کا اپنی حیات طیبہ میں یہ معمول رہا کہ ان چار سنتوں کے بعد دو سنتیں اور پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے فقہائے احناف کے نزدیک جمعہ کے فرضوں کے بعد پہلے چار سنتیں اور پھر دو سنتیں پڑھی جائیں تا کہ حضورؐ کے قول و فعل پر عمل ہو جائے۔ یہ چھ کی چھ سنتیں موکدہ ہیں۔

چونکہ رب العزت کا انعام ہے لہٰذا عوام الناس نے اس مسئلہ کے پیش نظر یہ سمجھا کہ تمام عمر کی قضا نمازیں پوری ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک آدمی نے پچیس نمازیں پڑھیں۔ یعنی ہر نماز پانچ پانچ مرتبہ۔ اب پچیس کو ستر سے ضرب دو تو تعداد بڑھ گئی' تو جتنی تعداد بڑھی اتنی قضا نمازیں پوری ہو گئیں۔ اسی بنا پر لوگوں نے ''قضا عمری'' نام رکھ لیا لیکن صحیح تعداد اور یہ کہ پچھلی عمر کی قضا پوری ہو جائے یہ غلط ہے۔ ہاں ثواب ضرور ملتا ہے' اس لئے قضا پڑھ لینی چاہئے۔ ہماری کمزوریوں اور کمیوں کو اگر کوئی چیز پورا کر سکتی ہے تو وہ صرف رب العزت کی رحمت ہے۔

سفر میں نماز روزہ:-

ایک صاحب نے پوچھا کہ سفر میں نماز اور روزے کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا: مسافر کے لئے سفر کی نیت شرط ہے۔ پندرہ دن سے زائد ہو تو مقیم۔ اکثریت کے لئے حکم گویا ساری جماعت کے لئے ہوتا ہے۔ مثلاً آپ دیکھئے کہ روزہ رکھنے کے احکام سفر' حضر یا مرض میں کس کے لئے عام ہیں؟ اکثر تعداد غربا کی ہے۔ اکثریت ان کی ہے جو پیدل سفر کرتے ہیں۔ عام اگر اس پر عمل کریں تو تھوڑوں کے لئے عمومی حکم ہوتا ہے۔ مثلاً جب مکہ فتح ہوا اور مسلمان مکہ میں داخل ہوئے' مدینہ سے تین سو میل کا سفر طے کر کے آئے تھے۔ تھکے ماندے تھے، پاس خورد و نوش کا سامان بھی خاطر خواہ نہ تھا۔ اب داخلے کے وقت یہ سیاست پیش نظر ہے کہ اگرچہ تم کمزور اور تھکے ہوئے ہو مگر چونکہ فاتح ہو، جب بیت اللہ میں جمع ہو گے اگر اس موقع پر تھکاوٹ اور کمزوری کا اظہار کرو گے تو مکہ کے لوگ تمہاری کمزوری دیکھ کر کہیں پھر حملہ آور نہ ہو جائیں' اس لئے طواف کعبہ میں پہلوانوں کی طرح کندھے اٹھا کر چلو۔ خیال فرمائیے کہ یہ حکم ایک وقت کے لئے تھا' حکم عام تھا' عمل عام تھا' نتیجے میں حجاج آج بھی اسی پر عمل پیرا ہیں یعنی طواف کعبہ میں اب بھی پہلوانوں کی طرح کندھے اٹھا کر چلتے ہیں۔

وہ عرب کا تپتا ہوا صحرا' وہ پہاڑ' وہ پتھر' وہ بدوؤں کی بود و باش آپ جا کر دیکھیں۔ وہاں ایک بدو آپ کو سوار کر لیتا ہے مگر خود پیدل چلتا ہے۔ بھوک لگی تو روٹی مانگ لے گا۔ پیسے کی ضرورت محسوس ہوئی تو پیسہ مانگ لے گا۔ تو یہ حکم تو گویا اس درجے کے لوگوں کے لئے تھا۔ ایسے غربا کی چونکہ بہتات ہے لہٰذا حکم عمومی ہو گیا۔ اب اگر کسی مسافر کو ہوائی جہاز کے سفر میں

بھی نماز کا وقت آجائے تو وہ دوگانہ ادا کرے گا۔ اسی صورت میں اعتدالی طور پر ایک شخص کے لئے پیدل سفر سترہ فرسنگ گویا اکاون میل کا سفر اختیار کر کے اگر آپ گھر سے باہر نکلیں تو اپنی زمین اور اپنے شہر کو چھوڑ کر باہر آئیں گے۔ اس صورت میں جو نماز پہلی ملے گی وہ دوگانہ ہوگی۔ اکاون میل سے کم کے لئے نماز قصر نہیں ہوتی۔ اب اگر کوئی دوگانہ ادا کرنے کی بجائے چار رکعتوں کی پڑھ لیتا ہے تو وہ قابل قبول تو ہیں لیکن انعام الٰہی کا قبول نہ کرنا بھی تو کفران نعمت ہے۔ اس لئے اس کی رحمت کے پیش نظر اس انعام کو قبول کرنا چاہئے۔ اب ایک شخص گھر سے حج کو روانہ ہوتا ہے تو جونہی وہ گھر کی حدود سے باہر ہوگا وہ مسافر ہوگا۔ گویا جب تک کہ وہ یہ نیت نہیں کرتا کہ میں عمرہ یا حج کی نیت کرتا ہوں (اس وقت تک مسافر نہیں ہوگا)

سواری پر نماز:-

حاجی یوسف علی سہروردی نے عرض کی حضور بعض حضرات کے نزدیک ریل کی سواری ''عذر شرعی'' نہیں' اور وہ بیٹھ کر نماز ادا کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔

فرمایا: بعض حالات اور واقعات ایسے ہوتے ہیں جو مسئلے کی نوعیت کو بدل دیتے ہیں۔ بعض علماء ریل گاڑی میں نماز پڑھنے کو ''عذر شرعی'' نہیں کہتے اس لئے کہ یہ نہ بیماری ہے، نہ اس میں کوئی نقصان ہے تو اس صورت میں یہی ہوگا کہ ایک آدمی ظہر کی نماز سواری میں ادا کرتا ہے کہ میں فلاں جگہ فلاں وقت پہنچ جاؤں تو عذر شرعی نہیں۔ لیکن واقعات اور حالات زمانہ جو ہیں وہ بعض متقدمین کے بعض نظریات کو بدل دیتے ہیں۔ مثلاً فی زمانہ ہوائی جہاز کسی مقام کے لئے آپ کو آٹھ دن کے بعد ملے گا۔ بحری جہاز بیس دن بعد ملے گا۔ آپ اس میں سوار ہو جاتے ہیں۔ وہ چل پڑتا ہے' کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتے کیونکہ اگر کھڑے ہو کر پڑھیں گے تو گرنے کا اندیشہ ہے۔ اب اگر نہیں پڑھتے تو آٹھ دن کے بعد پھر وہی کیفیت ہوگی۔ تو بتایئے کہ کتنا عرصہ انتظار کریں گے؟ جب سواری بعض حضرات کے نزدیک عذر شرعی نہیں تو لامحالہ حرکت تو عذر شرعی ہے نا! اس سواری کو اختیار کرنے کے بعد اس کی حرکت' اس کے مدوجزر' رُخ' بارش وغیرہ یہ تو عذر شرعی ہیں۔ آپ بحری جہاز میں بیٹھ جائیں۔ یہ ڈولتا ہے۔ کبھی اوپر کبھی نیچے' طوفان کی مخالف صورتوں میں اس میں چکر بھی آتے ہیں۔ اگر کھڑے ہو کر اس وقت نماز پڑھیں گے تو گر جائیں گے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ سواری

''عذر شرعی'' نہیں تو کیا آپ نماز چھوڑ دیں گے؟

اس لئے بعض اوقات یہ اسباب ''عذر شرعی'' بن جاتے ہیں۔ فرض کیجیے آپ بذریعہ گاڑی ملازمت پر کراچی جاتے ہیں۔ اگر آپ اس گاڑی کو چھوڑتے ہیں کہ اس میں نماز جاتی ہے لہٰذا دوسری گاڑی سے جاؤں تو آپ جس گاڑی پر جاتے ہیں وہ تیسرے دن پہنچے گی۔ اب آپ کا ڈیوٹی سے غیر حاضر ہونا آپ کے ان معاملات میں حرج پیدا کرے گا۔ انکوائری ہوگی، غیر حاضر متصور ہوں گے، تنخواہ کٹ جائے گی۔ تو گویا سواری عذر شرعی ہو سکتی ہے۔ جس کے ساتھ دوسری چیزیں نقصان دیتی ہیں۔ گھر میں اگر بیمار ہیں تو اشارے سے یا لیٹ کر پڑھ سکتے ہیں۔ اب اگر یہ فتویٰ دیا جائے کہ یہ عذر شرعی نہیں تو کھڑا ہو کر پڑھے یا گر کر دم دے دے۔ سینکڑوں ایسی بیماریاں ہیں مثلاً سرسام، فالج وغیرہ، اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ فلاں سواری پر عذر شرعی نہیں۔

حاجی صاحب! آپ نے کتنی نمازیں ریل گاڑی اور جہاز میں پڑھیں؟ اگر عذر شرعی نہیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نمازیں چھوڑ دی جائیں؟ اس لئے کیوں نہ بیٹھ کر پڑھ لیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں سواری کے لئے گھوڑا تھا، گدھا تھا، اونٹ تھا۔ سفر میں کسی کو بخار ہو جاتا ہے، اونٹ پر سوار ہے، نماز کا بھی وقت آ گیا ہے۔ اتر کر پڑھ نہیں سکتا، پڑھے بھی تو بیٹھ کر پڑھے۔ اگر اونٹ پر پڑھے اور اونٹ کعبے کو جا رہا ہے تو نماز ہوگئی۔ کشتی پر جا رہا ہے، چلی تھی تو رخ شمال کو تھا۔ بھنور میں آئی ہے تو رخ کعبے کو ہو جاتا ہے پھر؟ ایک نمازی یہ محسوس کرتا ہے کہ اگر نماز ادا نہیں کرتا تو نماز قضا ہو جائے گی۔ کشتی یا ریل کا رخ کعبے کی طرف ہے۔ فاینما تولو فثم وجه الله (۲:۱۱۵) یعنی جس طرف منہ کرو گے اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے۔

نماز اور وضو:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اسی طرح قرآن میں آتا ہے لا یکلف الله نفسا الا وسعها (۲:۲۸۶) اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی ہمت و استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ اب دیکھئے نماز کا انحصار وضو پر ہے۔ آپ ایک جنگل میں جا رہے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ سامنے تالاب ہے اور اس میں پانی بھی موجود ہے مگر تالاب کے کنارے پر شیر کھڑا ہے۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ بیماری ہو، شیر کھڑا ہو، سراب ہو، پانی مہنگا ہو وغیرہ وغیرہ۔ تیمم

کرلو۔ اسی طرح حاجی کے پاس پانی کی قیمت نہیں جو وہ ادا کر کے وضو کے لئے پانی لے۔ اگر وہ اس ضرورت کے لئے پانی کی قیمت ادا کرتا ہے تو کرایہ کے لئے محتاج ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی شریعت کہتی ہے کہ پانی چھوڑ دو، پیسہ بچالو اور تیمم کرلو۔ ایک مسئلہ یاد رکھو قرآن میں آتا ہے:

ان اللہ شتری من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنتہ. (۹:۱۱۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا مال اور ان کی جانیں جنت کے عوض خرید رکھی ہیں۔ اس کے معنی کیا ہوئے؟ مومن کے مال کو، مومن کی جان کو اللہ تعالیٰ نے شے مبیعہ قرار دیا ہے۔ وہ چیز جو بکتی ہے اور خریدار خریدتا ہے۔ مثلاً یہ مال ہے آپ پوچھتے ہیں اس کی قیمت کیا ہے؟ میں کہتا ہوں دو روپے۔ آپ کو چونکہ اس مال کی ضرورت ہے اس لئے دو روپے کی آپ کے نزدیک کوئی قدر نہیں۔ آپ دو روپے چھوڑ دیں گے اور مال لے لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میرے نزدیک مومن کا مال اور مومن کی جان میری جنت سے زیادہ قدر قیمت رکھتی ہے۔ ہم جنت چھوڑ دیں گے لیکن مومن کا مال اور اس کی جان کو نہیں چھوڑیں گے۔ اس لئے فرمایا کہ وضو کی بجائے تیمم کرلو۔ لہٰذا بعض حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ شریعت بڑی فراخی سے اجازت دے دیتی ہے۔ سلسلہ کام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

طہارت:۔

حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ حضرت جب میں دودھ دوہتا ہوں تو تھنوں کو ہاتھ لگاتے وقت جانور پیشاب کر دیتے ہیں جس سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں۔ غریب آدمی ہوں دوسرا جوڑا خرید نہیں سکتا۔ کپڑوں کے متعلق میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا تیرے لئے جائز ہے تو انہی کپڑوں سے نماز پڑھ لیا کر۔ ایک چودھری شخص نے بھی یہ مسئلہ سنا اور عرض کی حضرت ہمیں بھی اجازت ہے؟ فرمایا: نہیں۔ تم دودھ دوہنے کے لئے الگ لباس بناؤ اور نماز کے لئے الگ۔ اس لئے کہ تم صاحب حیثیت ہو۔ شریعت اسے اجازت دیتی ہے تجھے نہیں۔

ایک مسئلہ فقہ کی مشہور کتاب ''کنز الدقائق'' میں ہے۔ مسئلہ ''البیر الجحط'' یہ بڑے دقیق مسائل کی کتاب ہے۔ صاحبِ کتاب لکھتا ہے کنویں کا مسئلہ جحط ہے۔ کسی نے پوچھا ایک

کنواں پلید ہوگیا ہے۔ اس طرح کہ اس میں ایک جنبی گھس گیا ہے جسے فرضی نہانا تھا۔ اس کنویں کے متعلق کیا حکم ہے؟ صاحب ''کنز الدقائق'' جواب دیتا ہے۔ بحط (ج۔ح۔ط) اس کا مطلب کیا ہوگا؟

(۱) حضرت امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ ''ج''۔ ج سے مراد نجس ہے۔ یعنی وہ کنواں بھی ناپاک اور جنبی بھی ناپاک۔ کنویں سے حسب مقدار شرعی ڈول نکال کر اسے بھی پاک کرو اور جنبی کو کسی اور جگہ نہلا کر پاک کرو۔

(۲) حضرت امام محمدؒ رحمتہ اللہ علیہ کا فتویٰ ''ح''۔ ح سے مراد ہے حال۔ یعنی دونوں حال پر ہیں۔ کنواں پاک ہے، جنبی ناپاک۔ جنبی کو کنویں سے باہر نکالو اور اس کنویں کے پانی سے (جو پاک ہے) نہلاؤ۔

(۳) حضرت امام شافعیؒ کا فتویٰ ''ط''۔ ط سے مراد ہے طاہر، یعنی دونوں طاہر ہیں۔ جنبی بھی پاک اور کنواں بھی پاک۔

اب تینوں مسئلے استعمال ہوتے ہیں مگر ہر جگہ نہیں۔ ایک کنواں ایسے مقام پر ہے جہاں بارہ بارہ میل تک پانی نہیں ملتا اور سارے گاؤں میں کنواں بھی ایک ہے۔ اسی طرح ایک مقام ہے وہاں بذریعہ ریلوے ٹینکر پانی جاتا ہے۔ ایک ہی ٹینکی اس مقام پر ہے۔ ایک پیاسا کتا آتا ہے چھلانگ لگا کر اس میں گر جاتا ہے۔ اب اگر حضرت امام اعظمؒ کا فتویٰ لیا جائے تو بارہ بستیاں پیاسی مر جائیں گی۔ آخر آپ تین سو ڈول تو نکالیں گے ہی۔ جب تک پاک نہ ہو، لوگوں کی ضرورت کیسے پوری ہو؟ لہٰذا فرمایا کہ اگر ایسی صورت ہو تو وہاں کہنا پڑے گا ''ط''، یعنی دونوں طاہر ہیں۔ اگر دو چار کنویں ہیں اور ایک میں جنبی گھسا ہوا ہے تو جنبی کو نکالو اور کہو کہ یہ ناپاک ہے دوسرے کنویں سے نہلوا دو۔ گویا ''ح''، یعنی حضرت امام محمدؒ کا فتویٰ کہ دونوں حال پر ہیں۔ اس لئے اگر ایک ہی فتویٰ دیا جائے تو یہ بڑی مصیبت ہوگی۔ واقعات دنیا کو بدلتے ہیں، اس لئے فتویٰ دینے سے پیشتر واقعات پر غور کرنا چاہئے اور سوچنا چاہئے۔

ٹیکہ اور روزہ:-

اسی طرح پچھلے دنوں کچھ لوگ میرے پاس یہ مسئلہ لے کر آئے کہ ٹیکے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ میں نے کہا ٹوٹ جاتا ہے۔ کہنے لگے شرعی دلیل؟ میں نے کہا ٹھوس شرعی دلیل موجود

ہے۔ جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جماع اولاد کا انجکشن ہے۔ کوئی روٹی نہیں، رحم کی حالت تک موقوف ہے اور اس حالت پر رہنے سے اسے جب شریعت نے فرمایا ہے کہ روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس لئے جو چیز انجکشن نما ہو اس سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اس دلیل کو وہ مان گئے۔ تو بعض حضرات بے سوچے سمجھے فتوے دے دیتے ہیں۔ آخر کچھ تو سوچنا چاہئے، آپ انجکشن یا جماع کی علت کو سوچیں۔ جماع عورت کے ساتھ بھوک نہیں مٹاتا، پیاس نہیں بجھاتا، تھکان نہیں اتارتا، درد بند نہیں کرتا۔ جماع کسی بیماری کا علاج نہیں، وہ ایک تفریح طبع ہے۔ عورت سے ملاپ کا طریقہ ایک آلے سے، آلہ تناسل سے، پچکاری سے۔ یہ مسئلہ سمجھ لو۔ کسی آلے کے ساتھ دوسرے مقام پر کسی ایسی چیز کو پہنچانا جو اس کے مقصد کو پورا کرے۔ انجکشن یہی ہے نا؟ جماع یا انجکشن سے جب وہ مقصد خاص پورا ہو جاتا ہے تو روزے کی شرعی حیثیت قائم نہیں رہتی۔ حاجی صاحب! صرف فقہ پڑھ چھوڑنا اور ہوتا ہے مگر اس کا ادراک کچھ اور۔ یہ مسئلہ یاد رکھنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں فوج کو حکم دیا کہ فلاں جگہ مارچ کرو۔ فوج گزر رہی ہے تو ایک جگہ جا کر شہر کے باہر یہ جائزہ لینے کے لئے کہ جتنے سپاہیوں کو کوچ کا حکم تھا، سب آگئے ہیں یا نہیں؟ ایک سپاہی کھڑا ہے۔ قدرتی طور پر اسلام نے یہ چیزیں حل کر دیں۔ سب سے آخری سپاہی جو ہے وہ شہر کے ایک سرے پر گلی کے ایک کونے میں کھڑا ہے۔ نہایت خوبصورت، باوردی، اسے ہتھیار اور لباس بڑا زیب دیتا ہے۔ اسے ایک مکان کے دروازے سے ایک عورت نظر آئی۔ یہ محبت بھری اور شہوانی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا ہے۔ وہ عورت اسے دیکھ رہی ہے۔ چونکہ لوگ عام نہیں اور دن کا وقت ہے، اس لئے وہ گھر سے نہ نکل سکی اور یہ جوان دروازے کے سامنے کھڑا ہے۔ شہوت کو ضبط نہ کر سکا حتیٰ کہ انزال ہو گیا۔ اس نے رومال سے صاف کیا اور وہ رومال وہیں پھینک دیا۔ ادھر کوچ کا حکم ہو جاتا ہے اور یہ چل پڑتا ہے۔ ادھر وہ عورت وہی رومال یا کپڑا اٹھا لیتی ہے۔ وہی شہوانی جذبات اس پر سوار ہیں۔ اپنے آپ کو صاف پاک کرنے کے لئے اسی کپڑے کو اپنے اندام نہانی کے اندر رکھ لیتی ہے۔

طبی اصطلاح میں فقہ محض حکم نہیں بلکہ ہر انسانی جذبے کا امتحان ہوتا ہے اور وہ مسئلہ خاص علت کے ماتحت لکھا جاتا ہے۔ طب اور فقہ میں مسائل کے ماتحت یہ لکھا ہے کہ ایک عورت اگر زنا کر کے مر جائے یا زندہ رہتی ہے، اپنے آپ کو صاف کرتی ہے۔ نہاتی ہے، تاہم

نطفہ چھبیس (۲۶) دن تک اس کے اندر رہتا ہے۔ جب تک اس کا مزاج اس نطفے کو قبول کرتا رہے گا تب تک وہ نطفہ اندر رہے گا۔ جب تک حرارت پیدا نہ ہوگی اور پوری گرمی سے باہر نہ پھینکے گی وہ خارج نہ ہوگا۔ اگر ایسی عورت مر جائے تو اس مرد سے لگاؤ کا ثبوت یہ ہے کہ اس کے زنا سے چھبیس (۲۶) دن کے اندر اگر اس کی آنکھوں کا فوٹو لیا جائے تو اس کی آنکھوں کے تحت مرد کی شکل کیمرے کی طرح آجاتی ہے۔

خیر! فوج چلی گئی۔ عورت نے کپڑا اپنے اندر رکھ لیا۔ کچھ دنوں بعد فوج واپس آگئی۔ لڑکی کنواری تھی حاملہ ہوگئی۔ بچہ پیدا ہونے والا ہوگیا۔ یہ قانون شرعی ہے کہ بچے کو ضائع ہونے سے روکو اور تصدیق کرو۔ اب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا حکمران۔ ان کے عہد میں لڑکا حرامی پیدا ہو۔ رپورٹ ہوئی کہ فلاں جگہ لڑکا پیدا ہوا ہے۔ خاوند کوئی نہیں۔ لڑکی کنواری کہلاتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑکی کو طلب فرمایا اور پوچھا بتاؤ کس کے نطفے سے ہے؟ لڑکی کہنے لگی امیر المومنین میں پاک باز نہیں، مریم نہیں، لیکن پھر بھی دعویٰ کرتی ہوں کہ یہ بچہ بھی حرامزادہ نہیں۔ فرمایا اس کا ثبوت؟ لڑکی نے تمام واقعہ بیان کر دیا۔ آپ نے فرمایا ہاں ہوسکتا ہے کہ جماع کے بغیر کپڑے میں لپٹا ہوا مادہ اندر جا کر حاملہ کر دے۔ یہ مادہ اسی سپاہی کا ہے۔ یہ سپاہی حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ مشامہؓ تھے۔ انہیں جماع کی سزا دی گئی اور دُرّے سے مارا گیا۔

غور فرمایئے اگر یہ جماع انجکشن نہیں تو کیا ہے؟

حج

ایک مجلس میں فرمایا: حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ جو شخص حج کرے وہ ایسا ہے جیسے آج ہی ماں کے پیٹ سے معصوم پیدا ہوا ہے۔ گویا سابقہ گناہ سب معاف۔ اس کی مختصر تشریح یوں سمجھئے کہ حرم شریف میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔ اسی طرح قربانی، خیرات، روزہ۔ منیٰ اور عرفات میں بیٹھنا۔ یہ سب ارکان ہیں۔ عرفات شریف میں ایک میدان ہے جہاں نومیل کا پہاڑی چکر ہے۔ اس میدان میں ایک طرف تو پہاڑی ہے جسے ''جبل رحمت'' کہتے ہیں۔ اس سارے میدان میں جتنے حجاج جاتے ہیں وہ گھوڑے قافلے اور اونٹوں والے سب صبح ہی وہاں پہنچ

جاتے ہیں۔ وہاں صرف بیٹھنے کو ''وقوفِ عرفات'' کہتے ہیں۔ وہاں معلمین اپنے حجاج کے لئے خیمے لگا دیتے ہیں اور اس کے اوپر جھنڈا نصب کر دیتے ہیں تا کہ اگر کوئی بھول جائے تو اپنے مخصوص جھنڈے کی نشاندہی پر اپنے خیمے میں پہنچ جائے' مگر بالعموم بھولے بھٹکے کا پہنچنا محال ہوتا ہے۔ وہ بھولا بھٹکا پھر مکہ معظمہ ہی آ کر ملتا ہے۔ خیموں کے قریب حاجیوں کے لئے ٹٹیاں وغیرہ بھی بنی ہوتی ہیں کیونکہ پیشاب پاخانہ فطری امر ہے۔ حجاج اس میدان میں ظہر اور عصر کی نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اس کے بعد پھر فوراً حکم ہوتا ہے کہ میدان خالی کر دو کیونکہ وہاں رات رہنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ حجاج مزدلفہ میں آ جاتے ہیں جو وہاں سے چار میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ مزدلفہ میں حکم ہے کہ باون (۵۲) کنکریاں جو منیٰ میں مارنی ہوتی ہیں وہ مزدلفہ سے اٹھاؤ۔ وہاں منیٰ میں تین دائرے برجیوں کی طرح بنے ہوئے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو شیطان نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی سے روکا تھا۔ سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے ان تین مقامات پر شیطان کو دیکھا تھا' چنانچہ ان مقامات پر وہ نشانیاں نصب ہیں۔ ہر حاجی رات کو مزدلفہ میں سے باون کنکریاں اٹھا لیتا ہے۔ فجر پڑھ کر کوہ شبیر پر جب دھوپ آ جائے تو پھر دعا مانگ کر چل پڑتے ہیں۔ ازاں بعد منیٰ میں واپس آ کر جماعت بنوانی ہوتی ہے اور وہاں سے اس وقت روانہ ہو کر طواف بیت اللہ کرنا اور رات کو پھر واپس منیٰ میں آنا ہوتا ہے۔ قرآن میں آتا ہے اگر کوئی شخص تین دن کی بجائے دو دن وہاں قیام کر کے واپس آ جائے تو کوئی گناہ نہیں۔ تین دن کا مقصد ہے کہ بھیڑ اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اگر کوئی گر جائے تو پھر اٹھ نہیں سکتا۔ اتنا رش ہوتا ہے کہ پولیس بھی کنٹرول نہیں کر سکتی چنانچہ وہاں منیٰ میں کنکر مارنے کے لئے دو دن رہنا ہوتا ہے۔ تیسرے دن طواف کعبہ اور اس کے بعد واپسی۔ پھر جب حرم مکہ سے باہر آ جائے تو پھر دوبارہ طواف نہیں کر سکتا۔

لال خان سہروردی نے عرض کی کہ مدینہ شریف جاتے ہوئے یا وہاں پہنچ کر بھی رش کی وجہ سے بھولنے کا امکان ہے؟

فرمایا: وہاں اس امر کا اندیشہ نہیں ہوتا کہ کوئی ناواقفیت کی وجہ سے رہ جائے۔ مکہ سے مدینہ تین سو میل کے فاصلے پر ہے' راہ جاری ہوتی ہے' مکہ میں اس لئے بھیڑ ہوتی ہے کہ بیک وقت حج ادا کرنا ہوتا ہے۔ مدینہ میں چالیس نمازیں پڑھنی ہوتی ہیں۔ وہاں آٹھ دن سے زائد حکومت ٹھہرنے نہیں دیتی۔ ہاں حکومت کی اجازت سے رہ سکتے ہیں یعنی ملک

البلدیہ (کوتوال شہر) کی اجازت شرط ہے۔ مکہ معظمہ میں قیام کی پابندی نہیں۔

سائل نے عرض کی مقام ابراہیم کے نفلوں کی کیا نیت ہے؟ مقام ابراہیم اور مطوف کسے کہتے ہیں؟

فرمایا: مقامِ ابراہیم کے نفل واجب ہیں۔ ہر طواف کے بعد اور نیت اسی طرح کی جاتی ہے۔ وہ زمین جو بیت اللہ کے گرد طواف کی زمین ہے اسے ''مطوف'' کہتے ہیں۔ وہاں پر ایک چھوٹا سا کمرہ واقع ہے اسے ''مقام ابراہیم'' کہتے ہیں۔ وہاں لوگ دو نفل پڑھتے ہیں۔ سات چکر طواف کے، یہ اس کی تکمیل ہوگئی۔ سامنے بیت اللہ ہے۔ اسی کونے میں حجر اسود ہے۔ پھر سات چکر اور حجر اسود کا بوسہ، پھر دو نفل۔ صفا اور مروہ پہاڑیاں اب حرم میں شامل ہوگئی ہیں اور اب پورا بازار ہے اس پر حاجی سات چکر لگاتے ہیں۔ سیدہ ہاجرہ علیہ السلام جس وقت بحکم الٰہی پہنچیں تو حضرت ابراہیمؑ انہیں وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ آئے۔ اس وقت حضرت اسماعیلؑ شیر خوار تھے۔ حضرت ابراہیمؑ بحکم الٰہی انہیں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ کوئی ذریعہ نہیں، کوئی وسیلہ نہیں، جنگل بے آب و گیاہ ہے، نہ کوئی سبزی، نہ کوئی درخت وغیرہ۔ جہاں اب کعبہ ہے وہاں سابقہ کعبے کا نشان موجود تھا۔ چھوٹا سا سرخ ٹیلہ سا۔ اس ریت پر ہاجرہؑ بیٹھ گئیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد مائی صاحبہ کو خیال آیا کہ وقت کم ہے۔ سورج غروب ہو جائے گا اس لئے دن میں پانی تلاش کر لوں۔ چنانچہ وہیں زمین پر جہاں آج کل ''آبِ زمزم'' ہے حضرت اسماعیلؑ کو لٹا دیا اور خود صفا پہاڑی پر چلی گئیں۔ وہاں رب العزت کے حضور دامن پھیلایا اور دعا مانگی۔ اس کے بعد صفا سے مروہ چلی گئیں۔ درمیان میں پہاڑی نالہ پڑتا تھا، اس نالے میں دوڑ کر گزریں کیونکہ اونچی جگہ پہنچ کر بچہ نظر آتا تھا۔ اسی طرح پانی کی تلاش میں سات چکر لگائے کہ کہیں پانی دستیاب ہو جائے۔ سیدہ ہاجرہ علیہ السلام کی صفا مروہ کے درمیان پریشانی کے عالم میں وہ بھاگ دوڑ رب العزت کو بھا گئی اور آنے والی ساری امت کے لئے واجب قرار پا گئی۔ جب سات چکر لگا چکیں اور مروہ پر پہنچیں، پانی دستیاب نہ ہوا تو پھر بچے کی طرف حسب سابق نظر ڈالی۔ دیکھا کہ بچے کے گرد کونے چڑیاں وغیرہ جمع ہیں چنانچہ یہ خیال کر کے کہ کہیں یہ اسے تکلیف دیں، بچے کے پاس واپس آ گئیں۔ دیکھا کہ جہاں اسماعیلؑ تپتی ریت پر پڑے تھے اس کی حدت سے جب ان کی کمر جلی تو بلک اور تڑپ کر روئے اور زمین پر پاؤں مارا تو اس جگہ سے

پانی کا چشمہ جاری ہوگیا ہوا ہے، چنانچہ اسی چشمے کا نام ''زمزم'' ہے۔ جب مائی صاحبہ نے دیکھا کہ وہاں سے پانی جاری ہے تو آپ نے پانی کے اردگرد مٹی اور ریت سے ایک قسم کا بند بنا دیا اور فرمایا۔ ''زم زم''۔ زم کے معنی ہیں ٹھہر جا۔ وہ پانی وہاں جمع ہوگیا اور چشمے کی صورت میں آج تک جاری ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے ''زم زم'' فرمانے کی وجہ سے اسے آج تک ''زم زم'' کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

سائل نے عرض کی: حج کے سفر میں کیا نماز سفر دوگانہ ہوگی؟

فرمایا: ہاں! گھر سے نکل کر مکہ معظمہ تک سفر جو ہوا بحری جہاز میں احرام باندھنا ہوتا ہے۔ جدہ کے قریب سمندر کے کنارے ایک پہاڑی سے جب جہاز اس کی سیدھ میں پہنچتا ہے تو وہاں جہاز وسل کرتا ہے جو اس بات کی آگاہی ہوتی ہے کہ ''میقات'' کی حد شروع ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس وقت حجاج غسل اور وضو وغیرہ کر کے دو چادریں باندھ لیتے ہیں۔ دس منٹ میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ سارا جہاز گویا کفنایا ہوا ہے۔ امیر اور غریب سب ایک ہی لباس میں ہوتے ہیں۔ مساوات اسلام کا نمونہ نظر آتا ہے۔

مکہ پہنچ کر لاری آپ کو آپ کے معلم کے دروازے پر اتار دے گی۔ سامان وغیرہ وہاں رکھنے کے بعد پہلا کام یہ ہے کہ طواف زیارت کرو۔ پھر صفا مروہ کرو، پھر حجامت بنواؤ اور واپس آ کر دوسرے کپڑے پہن لو۔ اب گویا مکے کے مقیم ہوگئے اس لئے اب سفر نہ رہا اور چار رکعت فرض ہوگئیں۔ اس کے بعد جب وہاں سے مدینہ روانگی ہو تو پھر سفر میں دوگانہ فرض نماز ہوگی۔ گویا گھر پہنچنے تک مسافر ہوگئے۔ ہاں اگر ''حج قرآن'' کرنا ہے اور ''قرآن'' یہ نیت کرے کہ میں حج کے بعد احرام کھولوں گا تو اس صورت میں وہ مقیم نہیں ہوگا۔ ''حج قرآن'' افضل ہے۔ کچھ توقف کے بعد فرمایا:

حجر اسود:۔

حجر اسود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ٹوٹا ہوا تھا اسے جوڑ کر بعد ازاں چاندی کا خول چڑھا دیا گیا۔ اب منہ اندر کر کے بوسہ دینا پڑتا ہے۔

شب برات

ایک صاحب نے شعبان کی پندرہویں شب میں عبادت کرنے کی فضیلت کے متعلق پوچھا۔

فرمایا: اس رات میں رب العزت کے حضور انسان کے اعمال پیش ہوتے ہیں، اس لئے چاہئے کہ انسان رب العزت کے حضور میں ایسے حاضر ہو گویا وہ اعمال صالحہ کا کرنے والا اور نیک بن جائے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام شب قدر کی رات مقابر پر جاتے، فاتحہ پڑھتے پھر واپس آتے۔ ایک واقعہ حدیث میں یوں آتا ہے کہ سرکار دو عالمؐ رات کو قبروں پر تشریف لے گئے۔ کافی تاخیر ہو گئی۔ ادھر امہات المومنین کے حجروں میں حضورؐ کا انتظار تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپ کو امہات المومنین کے حجروں میں تلاش کیا مگر ہر جگہ سے یہی جواب پایا کہ ہم سب حضورؐ کی منتظر ہیں۔ چنانچہ مائی صاحبہ کا پتہ کرتے کرتے سانس پھول گیا اور آن کر بستر پر لیٹ گئیں۔ اسی اثناء حضورؐ تشریف لے آئے۔ آپؐ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ جب فارغ ہو کر بیٹھ گئے تو مائی صاحبہ اٹھیں اور انہوں نے حضورؐ کو مخاطب فرمایا۔ یارسول اللہ میں نے اتنا آپ کو ڈھونڈا کہ تھک گئی ہوں۔ اس حالت میں حضور علیہ السلام نے فرمایا من انت تم کون ہو؟

اس مقام پر حضرت قبلہؒ نے حاضرین کو فرمایا یہ ایک سمجھنے کی بات ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آتا ہے لی مع اللہ وقتاً میرا میرے اللہ کے ساتھ ایک خاص وقت ہے۔ لایَسَعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ۔ میرے اس خاص وقت میں کوئی خاص مقرب نبی مرسل بھی دخیل نہیں ہو سکتا۔ گویا اس وقت میں مائی صاحبہؓ آگے بڑھی تھیں اور پوچھا تھا جب کہ وہ خاص وقت تھا۔ فرمایا تم کون ہو؟ عرض کیا انا عائشہ بنت ابی بکر میں عائشہ ہوں بنت ابی بکر۔ فرمایا میں نہیں جانتا ابی بکر کون ہے۔ اس پر مائی صاحبہ اور حیران ہوئیں اور یہ سمجھا کہ حضور مزاحیہ رنگ میں فرما رہے ہیں، کیونکہ پہلے کبھی ایسا واقعہ نہیں ہوا تھا۔ مائی صاحبہ نے نسوانی انداز میں دوپٹہ کندھے سے اتارا اور دل لگی کے خیال سے کہ حضورؐ بھی دل لگی فرما رہے ہیں، میں بھی اسی رنگ میں پوچھوں کہ نہیں پہچانتے اور اسی نسوانی انداز میں دوپٹہ ڈال کر کھینچنا شروع کیا مگر دوپٹہ صاف نکل آیا اور اس میں کچھ نہ تھا۔ پھر ڈالا پھر وہی صورت ہوئی۔ وہاں اُس لمحہ بشریت کا کوئی دخل نہ تھا۔ مائی صاحبہ خوف زدہ ہو گئیں کہ تنفس کی کیفیت اس حالت سے زیادہ ہو گئی ہے، آواز بھی آ رہی ہے، سامنے بیٹھے ہیں لیکن پھر بھی میرے قبضے سے باہر ہیں۔ چنانچہ آپ پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئیں۔ جب حضورؐ فارغ ہوئے اور اٹھے تو دیکھا کہ حضرت صدیقہؓ کیٹی ہوئی ہیں۔ حضورؐ نے ان کا گھٹنا پکڑ کر حضرت

صدیقہؓ کو فرمایا: کاش یہ گھٹنے رب العزت کی یاد میں تھکتے اور میری تلاش میں نہ تھکتے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

لیلۃ القدر:-

اسی طرح یہ بعض بعض دن اور بعض بعض راتیں جو رب العزت نے مخصوص فرمائی ہیں ان میں انسانوں کے لئے نجات، فوائد، بخشش، قبولیت ہر چیز گویا موجود ہے۔ مثلاً لیلۃ القدر میں۔ قرآن میں آتا ہے "لیلۃ القدر" کیا ہے؟ ما ادرک آپ سمجھتے ہیں لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر کی ایک رات کی عبادت فضیلت اور شرافت کے لحاظ سے ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ برابر بھی نہیں فرمایا۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہی تقریباً تراسی سال چار ماہ۔ ایک آدمی رب کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے، اپنے اعمال پر اس کی رحمت کا بھروسہ کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے۔ تراسی سال چار ماہ کی عبادت سے بہتر ہے جس کا اجر اس ایک رات کی بیداری میں دیتے ہیں۔ تو یہ سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر عنایات اور احسانات بے پایاں ہیں۔

مختار سہروردی صاحب نے پوچھا کہ حضور اس رات عبادت کا طریقہ کیا ہے؟

فرمایا: نفل پڑھو۔ جتنے پڑھے جائیں اور درود شریف جتنا بھی پڑھا جا سکے کہ اس کے مستحق سوائے رسول اللہ کے اور کوئی نہیں۔ جب درود شریف سے نیند آنے لگے تو نفل پڑھنے لگ جاؤ[1]

---

[1] حضرت قبلہ علیہ رحمۃ اپنے رسالہ موسومہ "رمضان المبارک یا اللہ کا مہینہ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ حضرت فخر الاصفیا ابوالحسن خرقانیؒ اپنا تجربہ بیان فرماتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ میں جب سے بالغ ہوا ہوں میں نے ہمیشہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کو پایا ہے اور اس کا ظہور ان تاریخوں کے تعین کے ساتھ ہوا ہے کہ: اگر رمضان شریف کا پہلا روزہ اتوار یا بدھ کا ہے تو لیلۃ القدر ۲۹ رمضان کو ہوگی۔ اگر رمضان شریف کا پہلا روزہ جمعہ یا سوموار کا ہے تو لیلۃ القدر ۲۷ رمضان کو ہوگی۔ اگر رمضان شریف کا پہلا روزہ جمعرات کا ہے تو لیلۃ القدر ۲۵ رمضان کو ہوگی۔ اگر رمضان شریف کا پہلا روزہ ہفتہ کا ہے تو رمضان المبارک ۲۳ رمضان کو ہوگی۔ اگر رمضان شریف کا پہلا روزہ منگل کے دن کا ہے تو لیلۃ القدر ۲۱ رمضان کو ہوگی۔ پھر فرمایا کہ لیلۃ القدر کے نشانات یہ ہیں: وہ رات نہ گرم ہوتی ہے نہ سرد یعنی خوشگوار موسم ہوتا ہے۔ اس رات میں کتے نہ بھونکتے ہیں نہ روتے ہیں۔ اس رات میں تارا نہیں ٹوٹتا اور اس کی صبح کو سورج

آخری چہار شنبہ

ایک سائل نے پوچھا آخری چہار شنبہ کیا ہے؟

فرمایا حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے صفر کا جو مہینہ ہے اس میں بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں حضور علیہ السلام بیمار ہوئے اور آخری چہار شنبہ کو غسل صحت فرمایا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے کچھ صدقہ کیا جو گھنگنیاں ابال کر دیتے ہیں۔

اس کے بعد پھر حضور علیہ السلام ربیع الاول میں دوبارہ بیمار ہوئے اور بارہ ربیع الاول کو دنیا سے تشریف لے گئے۔ یہ آخری چہار شنبہ سرکار دو عالم کی صحت کا دن ہے۔

سائل نے عرض کی کیا یہ کتابوں میں لکھا ہے؟

فرمایا: کتابوں میں ہی لکھا ہے۔ میں نے اپنی طرف سے بات نہیں بنائی۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نعوذ باللہ کوئی بات اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کرنا جہنم کو خریدنا ہے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا عرف عام میں اسے ''تیرہ تیزیاں'' بھی کہتے ہیں کیونکہ تیرہ دن حضورؐ شدید بیمار رہے اور آخری چہار شنبہ (بدھ) کو غسل صحت فرمایا۔

زینتِ دنیا

بمقام چمن چودھری شاہ محمد سہروردی اپنے ہمراہ ایک شخص کو لائے اور عرض کی کہ ان کے ہاں بھی اقبال سہروردی کی طرح کوئی بچہ نہیں ہوا۔

کی شعاعوں اور کرنوں میں تمازت نہیں ہوتی۔ شیخ عبدالغنی تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس رات میں ہر شے کا سجود واقع ہوتا ہے۔ حضرت قبلہؒ مزید رقم طراز ہیں کہ لیلۃ القدر کو تمام راتوں پر صرف اس لئے فضیلت نہیں کہ اس میں عبادت کا ثواب تمام راتوں سے زیادہ ملتا ہے' بلکہ اس بنا پر بھی ہے کہ اس میں ہم کو ایک کتاب دی گئی ہے جس کو مشرق و مغرب میں پہنچانے کا حکم ہے۔ پھر کیا مسلمان کی یہ انتہائی اور الم انگیز غفلت نہیں کہ وہ لیلۃ القدر کو تو ڈھونڈتا ہے مگر اس کو نہیں ڈھونڈتا جو لیلۃ القدر میں آیا اور جس کی تشریف آوری سے لیلۃ القدر کی قدر و منزلت بڑھی۔ اگر اس کو پالیا جائے تو پھر یہ کہنے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔

اے شیخ چہ جوئی ز شب قدر نشانی ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

فرمایا: اقبال کے ہاں تو قدرت نے کرم فرمایا ہے اور بچہ عطا فرما دیا ہے۔ قرآن میں آتا ہے۔ المالُ والبنونَ زینته الحیوة الدنیا. والبٰقیت الصلحت خیر عند ربک ثوابا و خیر املا (۱۸:۴۶)۔ مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہیں اور باقی رہنے والی اچھی باتیں، ان کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر اور وہ امیدیں سب سے بھلی۔

سائل نے عرض کی۔ قبلہ! لڑکیوں کا ذکر نہیں آیا۔

فرمایا: یہی غور طلب بات ہے۔ بیٹیاں آئین رسول اور قانون قدرت کے تحت ہمیشہ دوسرے خاندان کی زینت بنتی ہیں، اس لئے جس خاندان کو مخاطب کیا گیا ہے اس سے مراد وہی ہوگا جو اس کے گھر کی زینت ہو۔ بیٹے اس کی وراثت کا سبب، نسب کی بلندی کا سبب، اور اس کی افزائش نسل کا سبب۔ بیٹی پیدا ہوئی، سن بلوغت کو پہنچی۔ ولی کی ہو یا نبی کی، غریب کی ہو یا امیر کی، اس نے دوسرے کا گھر ہی آباد کرنا ہے۔ لڑکی لڑکے سے زیادہ عزیز ہوتی ہے، لیکن اگر یہ قانون قدرت نہ ہو اور حضورؐ کا آئین یہ نہ کہے تو کوئی بھی گوارا نہ کرے کہ ایک بچی جس نے پندرہ بیس سال ایک گھر میں پرورش پائی ہے وہ اسے دوسرے کے حوالے کر دے۔ ایک وقت آتا ہے کہ اس حکم کے تحت اسے دوسری جگہ دھکیل دیا جاتا ہے۔ وہ جانتی ہے کہ میں اس گھر کی راز دار ہوں، یہاں پلی ہوں مگر اس حکم کے تحت ایک سیکنڈ میں اس گھر سے بے دخل ہو جاتی ہے، پھر اس کی زندگی کا سارا انحصار اور وابستگی غیروں سے ہوتی ہے۔ قدرت نے اسے ایسی تسکین دی ہوتی ہے کہ وہ خاوند اور سسرال سے اتنی مانوس ہو جاتی ہے کہ اپنے میکے سے اسے ایک تھالی بھی ملے تو وہ کہتی ہے کہ وہاں لے جاؤں اور زندگی کا نقشہ اسی گھر کو بنانا اس کی فطرت میں داخل ہے۔ گھر والے اس کی جدائی پر روتے ہیں لیکن اپنی شادی پر وہ دل سے خوش ہوتی ہے۔ رب العزت نے اسے اتنا حوصلہ دیا ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ مانوس ہو جاتی ہے۔ یہ فطرت ہے، پتہ نہیں قدرت کاملہ نے یہ کیا قانون بنایا ہے اور عورت کی ساخت، خمیر اور دل و دماغ میں کیا جذبات بھر دیئے ہیں کہ وہ اس حالت پر خوش ہوتی ہے۔ والدین کو اپنا خون جدا کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ وہ دشواری برداشت کرتے ہیں اور لڑکی نئے ماحول کو اپنا لیتی ہے۔ یہ فطرت ہے اللہ اکبر! اگر وہ عزت، آبرو اور والدین کی اجازت سے اپنی شادی یا خاوند کا انتظار کرے تو وہ اس کے لئے بڑی خوبی کا باعث بنتا ہے۔ اگر خدانخواستہ ان کی مرضی کے خلاف پہلے کہیں ناجائز تعلق پیدا کر کے رشتہ کر لے تو

وہی جگر کا ٹکڑا جسے علیحدہ نہیں کرنا چاہتے' اب اسی کے لئے رائے ہوتی ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے کہ اس نے ہماری مرضی کے خلاف کیوں فطرتِ انسانیہ کا استعمال کیا ہے۔

نکاح

طریقہء نکاح:-

ایک صاحب نے قرآن کی روشنی میں نکاح کا طریقہ پوچھا۔

فرمایا: قرآن نے نکاح کو دو اصولوں پر بیان کیا ہے۔ ایک ایجاب اور دوسرے قبول۔ یعنی ایک طرف سے عورت کا اس بات کا اقرار کہ وہ اپنے آپ کو پیش کرے کہ میں نے اپنے نفس کو واسطے حلالیت وزوجیت بمقابلہ مہر اتنے روپے کے تمہیں بخشا۔ اور دوسری طرف مرد کہ وہ اس کے جواب میں اسی شرط پر دو گواہوں اور ایک وکیل کے روبرو کہے کہ میں نے قبول کیا۔ نکاح پڑھنے کے لئے ہر شخص کو اجازت نہیں دی گئی۔ مثلاً ایک مرد اور ایک عورت اگر چاہیں کہ ہم آپس میں نکاح کر لیں تو شریعت اس وقت تک اس کی اجازت نہیں دیتی جب تک کہ دو گواہ اور ایک وکیل موجود نہ ہو۔ عورت وکیل کے ذریعے کہے کہ میں بعوض اتنا مہر اپنے نفس کو حلالیت اور زوجیت کے لئے فلاں کو بخشتی ہوں۔ مرد کہے قبول کرتا ہوں، گواہ کہیں ہم گواہ ہیں۔ اگر مہر وغیرہ نہ باندھا جائے' گواہ نکاح خواں یا وکیل نہ ہوں تو یہ نکاح نہیں ہوتا۔ باقی رہا نکاح کے ساتھ مہر وغیرہ تو مہر کی حقیقت یہ ہے کہ شرعی مہر چار سو درہم تمام امہات المومنین کا تھا۔ سوائے ام المومنین ام حبیبہؓ کا جو شاہ نجش نے حضورؐ کے نکاح میں پیش کیں اور جن کا مہر شاہ نجش نے ایک ہزار روپے اپنا رائج الوقت سکہ باندھا۔ وہ چار سو درہم آج کے حساب سے یا اورنگ زیب عالمگیر کے وقت میں جو اس کا حساب لگایا گیا تو انہوں نے ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ایک دینار سرخ سلطانی و چار سو تنگہ سیاہ لکھا ہے۔ ایک دینار سرخ سلطانی ''کل دار اشرفی'' ایک تولہ سونا' اس وقت بیس روپے کی تھی اور چار سو تنگہ سیاہ سے مراد ادھنی یا ٹکا تھا۔ یعنی دو سو آنے یا ۱۲ روپے ۸ آنے۔ تو اس حساب سے عالمگیر کے زمانے میں یہ کل رقم ساڑھے بتیس روپے بنتے ہیں۔ گویا چار سو درہم بھی اور شاہ نجاشی کے زمانے کے ایک ہزار روپے یا اس کے علاوہ جو مہر باندھ دیا جائے اور فریقین میں معاہدہ ہو جائے' وہی مہر شرعی ہو جاتا ہے' اور وہ فی الوقت یا عند الطلب واجب الادا ہے۔ وہ مرد کو

عورت کے طلب کرنے پر فوراً ادا کرنا ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب سونے اور تانبے کا بھاؤ بڑھ گیا تو اسی رو سے اس کا حساب لگایا گیا۔ مثلاً آج کل ایک دینار سلطانی یعنی ایک تولہ سونے کی قیمت ۱۰۰ روپے ہے اس میں ۱۲/۸ روپے اور جمع کر دیں گویا ایک سو بارہ روپے آٹھ آنے ہوئے۔ جس زمانے میں حق مہر باندھا جائے' اس وقت کا جو نرخ ہو اسی کے مطابق ایک تولہ سونا اور تانبے کی قیمت کا حساب لگا لینا چاہئے۔ اس کے علاوہ جو ان کی توفیق ہو حق مہر باندھ لیں۔

خطبہء نکاح:-

سائل نے عرض کی کہ خطبہء نکاح بھی بیان فرما دیجئے۔

فرمایا: مسنون خطبہ نکاح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد، حضور کی نعت یا ذکر اور قرآنی مسائل یعنی نکاح کے متعلق جو آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم.

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمدا عبدہ و رسولہ امابعد قال اللہ تعالی: اعوذ باللہ من الشیطن الرحیم بسم اللہ الرحمن ارحیم. یا یھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفسٍ واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھا رجالاً کثیراً ونساء واتقوا اللہ الذی تساء لُون بہ والارحام. ان اللہ کان علیکم رقیباہ(۴: ۱) ۔ اما بعد قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی.

اس خطبہ سے یہ ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ ہم یہ نکاح اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کر رہے ہیں۔ ایک دفعہ میں گورداسپور گیا۔ وہاں اپنے ملنے والے ارادت مند شیخ سراج الحق بیرسٹر تھے۔ ان کی ہمشیرہ کا نکاح تھا۔ انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ برکت کے لئے آپ نکاح پڑھیں۔ عام لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ امام مسجد بلایا اور اس سے نکاح پڑھوالیا۔ میں نے کہا کہ آپ پہلے امام مسجد کا حق اسے ادا کر دیں پھر میں نکاح پڑھوں گا۔ مجھے ان

دنوں وعظ و نصیحت کی عادت تھی۔ وہاں محمد نصیب سرکاری وکیل بھی تھا۔ کہنے لگا ہماری خواہش ہے کہ آپ خطبہ اردو میں بیان کریں کیونکہ ہندو بیرسٹر اور وکلاء بھی آئے ہوئے ہیں' یہ بھی سن لیں گے اور مسلمان عورت کے حقوق کی وضاحت بھی ہو جائے گی۔ میں نے خطبہ پڑھا اور نکاح اور شادی کی حیثیت پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد تمام قوموں' عیسائیوں' یہودیوں' ہندوؤں' چینیوں اور مسلمان کے نکاح اور ان کے اخراجات پر بحث کی۔ اسلام میں عورت کے حقوق پر سیر حاصل تبصرہ کیا۔

مسلمان عورت کے حقوق:-

پہلی چیز جو میں نے بیان کی وہ یہ تھی کہ اسلام جس بلندی پر عورت کو لے جاتا ہے اس کی مثال اور کسی قوم یا مذہب کے احکام میں نہیں ملتی۔ اس میں' میں نے یہ بھی بتایا کہ منوشاستر لکھتا ہے کہ عورت سانپ اور بچھو سے بدتر ہے۔ نیز یہ بھی لکھا ہے کہ عورت اپنے ماہواری ایام میں ہو تو اسے الگ بند کر دو۔ وہ اس حالت میں زمین کو بھی ناپاک کرتی ہے۔ اسے ایک بوریا بچھا دو جہاں وہ الگ کمرے میں بند پڑی رہے۔ اس کے ہاتھ کا کھانا پینا منع ہے۔ ہندو منوشاستر کی رو سے لڑکی کی جو شادی کرتے ہیں ان میں یہ نقص ہے کہ ایک ہندو لڑکی یا لڑکے کا جہاں ان کے ننھیال کی طرف سے ذات ملتی ہو نکاح نہیں ہو سکتا۔ یعنی لڑکے اور لڑکی کی ذات اوبیرا یا کھتری ہے تو ان کا آپس میں نکاح حرام ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے ہندو اپنے قریبی رشتہ داروں میں شادی نہیں کر سکتے۔ اس لئے ہندو مجبور ہے کہ برہمن یا میراسی کے ذریعے کہیں دور دراز باہر رشتہ کرے۔ مثلاً ایک برہمن چمن سے روانہ ہوا۔ اس نے سبّی میں کوئی رشتہ دیکھا اور اپنی پسند سے رشتہ کیا۔ اب فریقین میں سے کسی نے لڑکی یا لڑکا نہیں دیکھا۔ شادی ہو جانے کے بعد عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ میرا خاوند چونکہ اپاہج ہے' لنگڑا یا کانا ہے اس لئے میں اسے پسند نہیں کرتی' کیونکہ میں نے تو یہ رشتہ دیکھ کر نہیں کیا۔ اسی طرح اگر لڑکی کانی ہے' بے ڈھب سی ہے تو لڑکا بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ چنانچہ ان کا یہ ایک خیالی مسئلہ ہے کہ مرد کو ''اَن اور رَن'' پر نام نہیں رکھنا چاہئے۔ یعنی عورت اور روٹی پر ناپسندیدگی کا اظہار نہیں کرنا چاہئے۔ تو گویا لڑکی کو چالیس پچاس کوس پر بھیجنا ہے اور لڑکی کے باپ نے نہ لڑکے کا گھر دیکھا' نہ اس کی حیثیت دیکھی' نہ منوشاستر یا

ویدوں میں نکاح کا مسئلہ ہے۔ اس لئے لڑکی ایک بے بس ہستی ہے کہ جہاں والدین چاہیں اسے دھکیل دیں، خواہ وہاں چارپائی یا برتن تک نہ ہوں۔ منوشاستر میں چونکہ باپ کے ذمے لڑکی کا کوئی ذمہ نہیں۔ لڑکی پردیس میں جا رہی ہے لہٰذا باپ کہتا ہے کہ کنیا کو کوئی دان یا صدقہ کر دو۔ یعنی وہ یہ حق تو نہیں رکھتی کہ باپ کی جائیداد سے کچھ لے۔ معلوم نہیں آگے چل کر اس کا کیا حال ہو لہٰذا دو چار کپڑے، ایک آدھ چارپائی اور چند برتن وغیرہ دے دو تاکہ اگر لڑکے کے گھر والوں کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم یہ اپنا گزارہ تو کر لے۔ تو گویا اس طرح ایک ہندو لڑکی جس کا باپ کی جائیداد میں نہ کوئی حصہ ہے، نہ خاوند کے ہاں کوئی مہر کا تقاضا ہے، وہ کسمپرسی کی حالت میں پردیس جا رہی ہے اور اس پر رحم کیا جا رہا ہے کہ چند چیزیں اسے دے دی جائیں۔ تو اس حیثیت سے بیچاری ہندو لڑکی کتنی ذلیل ہے، کتنی بے بس ہے اور کس کسمپرسی کی حالت میں باپ کے گھر سے الوداع ہو رہی ہے۔ برخلاف اس کے ایک مسلمان لڑکی جب باپ کے گھر سے الوداع ہوتی ہے تو باپ پوری محبت کے ساتھ اسے اپنی جائیداد سے مال دیتا ہے۔ خاوند اس کی ''عصمت'' کے صلہ میں ''حق مہر'' کی ادائیگی کا اقرار کرتا ہے۔ مہر دراصل عورت کی عصمت کا صلہ ہے اور یہ سٹیج کسی دوسرے مذہب کی عورت کو حاصل نہیں کہ اسے چھونے سے قبل، اسے بے نقاب کرنے سے پہلے، اس کی عصمت کی پاکیزگی کا صلہ طے کر لیا جائے۔ یہ شرف صرف مسلمان عورت کو ہی حاصل ہے کہ مولیٰ کریم نے اس کی عصمت کی پاکیزگی کا صلہ مقرر فرما دیا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں لڑکا دیکھا جاتا ہے۔ لڑکے اور لڑکی دونوں کی طرف سے ایجاب وقبول ہوتا ہے۔ یعنی جس حیثیت سے اسلام عورت کے حقوق کی حفاظت کرتا ہے، اسے سربلند کرتا ہے، دوسری کوئی قوم یا مذہب ایسی مثال پیش نہیں کرتا۔ عیسائیت میں وہ اتنی ذلیل ہے کہ اپنے نام سے بھی نہیں پکاری جاتی۔ اگر باپ کے ہاں ہے تو مس فلاں ہے، خاوند کے ہاں ہے تو مسز فلاں ہے۔ نہ باپ کی طرف سے ہے، نہ ماں سے، نہ خاوند سے، نہ بھائی سے کوئی حصہ، سوائے اس کے کہ اپنی پیدا کردہ جائیداد ہو تو اس سے بصورت مصیبت یا ناچاقی گزر اوقات کر سکے۔ اگر خاوند گھر سے نکال دے تو مطالبہ نہیں کر سکتی کہ فلاں چیزیں میری ہیں۔ نہ اس کی طلاق ہو سکتی ہے نہ اور کوئی مستقل حیثیت کی حامل ہے سوائے اس کے کہ فیشن کے لئے زنا کرے اور زندگی کے دن گزارے۔ جب میں نے قرآن کی روشنی میں مسلمان لڑکی کے متعلق یہ باتیں بتائیں تو

ایک بیرسٹر کشوری لال اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ میں نے سرزمین گورداسپور میں ''محمڈن لا'' کے متعلق یہ پہلا خطبہ سنا ہے۔ اس سے پہلے اس نوعیت کا خطبہ آج تک نہیں سنا۔ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اچھوتے رنگ اور عجب انداز سے اس مسئلہ پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔ مگر ایک بات پر اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ آپ نے جو یہ فرمایا ہے نا کہ مہر عورت کی پاکیزگی کا' عصمت کا صلہ ہے۔ میں نے کہا ہاں! کہنے لگا قانون میں یہ لکھا ہے کہ ''مہر'' عورت کی عصمت کا صلہ نہیں بلکہ یہ عورت کا ''گزارا ہے'' کہ اگر اسے کوئی مصیبت آجائے تو یہ اپنی بسر اوقات کر سکے۔ میں نے کہا کوئی دلیل؟ کہنے لگا جسٹس دین محمد نے اسی نوعیت کے ایک مقدمے کے فیصلے میں یہ لکھا ہے کہ مہر عورت کا گزارا ہے۔ میں نے کہا کہ میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ جس طرح غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے آپ شریعت اسلامیہ کے قوانین سے ناواقف ہیں اسی طرح جسٹس دین محمد بھی اس معاملہ میں ناواقف ہیں۔ میں ان کے اس فیصلہ پر اعتراض کرتا ہوں۔ اس لئے کہ شریعت میں حکم ہے کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے یہ مطالبہ کرے کہ تم مجھے قرآن پڑھا دو' نماز سکھا دو یا دس آیتیں زبانی یاد کرا دو تو یہی میرا مہر ہوگا اور خاوند نے اس کو قبول کر لیا تو شریعت میں مہر کی یہ حیثیت بھی قابل قبول ہے۔ اب فرض کیجیے کہ شادی کے کچھ عرصہ بعد وہ خاوند اس عورت کو طلاق دے دیتا ہے تو آپ ہی بتائیے کہ اس کا قرآن پڑھنا' یا نماز کا سیکھنا' یا دس آیتیں زبانی یاد کر لینا' اس کے گزارے کی صورت کیسے بن سکتا ہے؟ وہ اس کا کپڑا بنائے گی' کوئی بلڈنگ بنائے گی یا اس سے کھانے پینے کا انتظام کر سکے گی۔ گزارہ تو یہ ہے کہ اسے کچھ کھانے پینے کو ملے۔ مگر جب اس نے یہ مہر ہی نہیں باندھا بلکہ اس کی جگہ یہی کہا کہ مجھے اپنے رشتہ داروں سے ملا دو یا نماز سکھا دو تو جو شرط عورت مہر کے متعلق پیش کرے گی وہی اس کا مہر ہوگا۔ آپ بھی وکیل ہیں۔ دین محمد جج کو چھوڑیئے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلامی قوانین کی رو سے طلاق کی صورت میں عورت کی عدت تین حیض ہوتی ہے۔ اگر خاوند مر جائے تو چار ماہ دس دن۔ اب آپ ہی بتائیے وہ اس عدت کے دوران کیا کھائے گی؟ شریعت نے چونکہ یہ صورت بھی جائز قرار دی ہے اس لئے معلوم ہوا کہ یہ نان نفقہ یا گزارا نہیں بلکہ محض اس عصمت کا صلہ ہے۔ گزارے کی صورت اگر آپ کو سمجھ نہیں آئی تو وہ بھی آپ کو بتائے دیتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ قرآن اور آئین رسول یہ بیان فرماتا ہے کہ اگر عورت اپنے باپ کے پاس ہے تو وہ اس

کی جائیداد سے لڑکے کے مقابلے میں ایک تہائی' بھائی کے پاس ایک تہائی اور اگر خاوند کے پاس ہے اور اس کی اولاد ہے تو آٹھواں حصے کی' اگر اولاد نہیں تو چوتھائی کی مالک ہے۔ گزاریہ ہے' مہر گزارا نہیں۔ قرآن نے اسے باقاعدہ جائیداد کا وارث بنایا ہے اس کے علاوہ خاوند سے معاہدہ کرلے اور کہے آپ نے ۲۰۰ (دوسو) روپے حق مہر باندھا ہے وہ کہتا ہے میں ۱۴۰۰ (چودہ سو) روپے بخشتا ہوں' آپ ہی بتایئے گزارے کی یہ صورتیں ہیں یا وہ؟ کشوری لعل خاموش ہوگیا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگا آپ تقریر جاری رکھیں۔ خیر میں نے تقریر جاری رکھی۔ ان بیرسٹروں نے کہا کہ آپ ہمیں یہ تقریر لکھ دیں۔ میں نے کہا میں نے یہ تقریر زبانی کی ہے۔ یہ مشکل ہے کہ دو اڑھائی گھنٹے کی تقریر اب قلمبند کروں۔ کہنے لگے نہیں ہم صرف اس لئے کہتے ہیں کہ محمڈن لا کے متعلق اس قسم کی جامع تقریر ہم نے آج تک نہیں سنی۔ میں نے کہا آپ نے اب تو سن لی ہے نا؟ اب خود ہی لکھنے کی تکلیف کرلیں [1]

ادائیگی مہر:-

مرزا غلام حسین سہروردی نے عرض کی کہ حضور ایک دفعہ کسی میاں بیوی کا تنازعہ ہوگیا۔ نوبت طلاق تک آ پہنچی۔ حق مہر دو ہزار روپے تھا۔ خاوند کہنے لگا کہ بتیس روپے حق مہر شرعی لے اور اپنا کنارہ کر۔

فرمایا یہ غلط ہے۔ جتنا حق مہر باندھا گیا ہے وہ خاوند کے ذمے واجب الادا ہے۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

ایک مولوی وہاب شاہ ہوتے تھے۔ ان کے پاس ایک شخص گیا۔ کہنے لگا کہ میں نے بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ میں نے اس کا حق مہر بہت زیادہ باندھا تھا' ادا کرنے کی ہمت نہیں' کیا کروں؟ کہنے لگا تیری کیا صلاح ہے؟ اگر کچھ دو تو مسئلہ بتا دیتا ہوں۔ وہ شخص کہنے لگا حضور نذر نیاز لایا ہوں۔ مولوی صاحب کہنے لگے تو نکال تا کہ مسئلہ بتاؤں۔ چنانچہ اس نے بیس یا چالیس روپے پیش کئے۔ مولوی صاحب اسے پوچھنے لگے کہ پڑھا ہوا بھی ہے؟ کہنے لگا

---

[1] اس موضوع پر حضرت قبلہؒ نے ایک رسالہ ''اسلامی عورت'' اور ایک کتابچہ جو ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے بعنوان ''دختر ملت'' ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۴ء میں بالترتیب تحریر فرما کر شائع کئے۔ بعد ازاں اس کے کئی ایڈیشن اب تک منظر عام پر آ چکے ہیں۔

جی نہیں۔ مولوی صاحب کہنے لگے پھر مزے ہیں۔ تو اب جا کے یہ کہنا کہ میں نے طلاق دی ہی نہیں۔ وہ کہنے لگا کہ میں نے تو لوگوں کے سامنے طلاق دے دی ہے۔ اب کیسے منکر ہوسکتا ہوں؟ انہیں کیا جواب دوں گا؟ کہنے لگے اگر لوگ کہیں کہ تو نے طلاق دے دی ہے تو کہنا میں نے ''ت'' سے طلاق دی ہے۔ ''ط'' سے طلاق نہیں دی۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ لوگوں کو جب کوئی مصیبت پڑ جائے تو وہ اپنی ڈھب کا کوئی نہ کوئی مولوی وہاب شاہ کی قسم کا آدمی ڈھونڈ لیتے ہیں اور بہانے تلاش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

سائل نے عرض کی کہ حضور اگر حق مہر زیادہ لکھا ہوا ہو اور خاوند اسے ادا کرنے کی توفیق نہ رکھتا ہو تو کیا طلاق ہو جائے گی؟

فرمایا: ہاں ہو جائے گی۔ مہر جہاں سے مرضی ہو ادا کرے۔ یہ ہرگز اسے معاف نہیں ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجرم ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیدا ہو جائے اور لوگ جانتے ہوں کہ اس نے طلاق دے دی ہے اور یہ مہر ادا کرنے کی توفیق نہیں رکھتا تو محلے دار یا عزیز و اقارب لڑکی والوں سے درخواست کریں کہ اسے خدا کے واسطے مہر معاف کرا دو۔ عورت حق مہر معاف کرنے کا حق رکھتی ہے۔ بلکہ یہ بھی مسئلہ ہے کہ شادی کے موقع پر پہلے تخلیے میں ہی اگر عورت خوش ہو کر خاوند کو حق مہر معاف کر دے اور کہے کہ میں تمہیں مہر سے تنگ نہیں کرنا چاہتی تو مناسب ہے کہ برادری کے آدمی بلا کر دو گواہ بنا لئے جائیں۔ اس لئے کہ مہر بخشنے کا عورت کو ہی حق حاصل ہے۔

اہل کتاب سے نکاح:۔

ایک شخص نے پوچھا: کیا عیسائی عورت سے نکاح ہوسکتا ہے؟

فرمایا: اہل کتاب سے نکاح جائز ہے۔ اولاد ہمیشہ باپ کی شمار ہوتی ہے۔ جہانگیر بادشاہ کی ماں کا نام جودھا بائی تھا۔ جس وقت شاہی خاندان میں آئی تو مسلمان ہوگئی۔ اس سے جو اولاد ہوئی مثلاً جہانگیر، مریم زمانی، مریم مکانی تو اس میں ماں اور ننھیال کا بھی اثر تھا۔ اس لئے اسلامی روایات اس کی طبیعت میں کماحقہٗ اثر انداز نہ ہوئیں کیونکہ ''تخم تاثیر اور دودھ کا اثر'' دونوں چیزیں اثر پذیر ہوتی ہیں۔ بہرحال کوئی بھی صورت ہو اسلام نے اہل کتاب عورت سے نکاح جائز قرار دیا ہے۔ انگریز کے وقت میں بعض مسلمان عورتیں جو

اپنے شوہروں کے پاس تنگ تھیں وہ سانگلا سمتھ چلی جاتیں اور عیسائیت قبول کر لیتیں اور یہ سمجھتیں کہ ہمارا نکاح ٹوٹ گیا ہے' چنانچہ علماء نے فتویٰ دیا کہ مسلمان عورت اگر عیسائیت قبول کر لے پھر بھی مسلمان مرد کے نکاح میں ہی رہے گی۔ اس کا نکاح فسخ نہیں ہوتا' اس لئے کہ اسلامی شریعت کی رو سے طلاق مرد کے اختیار میں ہے۔ اگر اسلام میں عورت کو بھی طلاق دینے کا اختیار ہوتا تو شاید کوئی شاذ و نادر ہی گھر آباد ہوتا۔

حضور کے بھتیجے عبدالرؤف صاحب نے کہا قبلہ عیسائیوں کے ہاتھ صحیح کتاب نہیں' اس لئے یہ صحیح معنوں میں عیسائی کہلانے کے مستحق نہیں' تو کیا اس صورت میں بھی عیسائی عورت مسلمان کے نکاح میں جائز ہے؟

فرمایا: قرآن نے اہل کتاب عورت کے نکاح میں لانے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے جو چیز کہ طرۂ امتیاز ہے وہ عیسائیت ہے۔ اس لئے ہر وہ عیسائی جو عیسائیت کا اقرار کرے' اس سے نکاح جائز ہے خواہ اس کے پاس حضرت یسوع مسیح " کی شناسائی یا انجیل ہو یا نہ ہو۔

اہل کتاب اور ہندو کا کھانا:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: انگریز نے ہندوستان پر تقریباً ڈیڑھ سو سال حکومت کی۔ ہندو کا تو کوئی ٹھوس مذہب نہیں مگر مسلمان عورت کو جس چیز نے محفوظ رکھا وہ یہی اسلام کے ٹھوس قوانین ہیں۔ مزید برآں دیگر باریکیاں اور جزئیات بھی ہیں۔ مثلاً قرآن میں آتا ہے **طعام الذین اُوتو الکتاب حلّ لکم وطعامکم حلّ لھم** (۵ : ۶)۔ تمہارا کھانا ان کے لئے حلال اور ان کا کھانا تمہارے لئے حلال۔ اب قرآن نے تو ایک فتویٰ دے دیا۔ لیکن عیسائی خنزیر کھاتا ہے اور ہم اس کی دعوت میں شریک ہوتے ہیں تو ہم اس صورت میں اپنے آپ کو اس بات کا پابند کر سکتے ہیں کہ نہ وہ کھانا کھائیں' اور نہ وہ برتن جس میں سور وغیرہ پکا ہے استعمال کریں۔ لیکن ہم اس کی دعوت کو رد نہیں کر سکتے۔ کسی مسلمان نانبائی سے پکوالیں۔ اسی طرح ہندو کے ہاتھ کی بنی ہوئی چیز کھا سکتے ہیں' بشرطیکہ اس میں کوئی جز حرام نہ ہو۔ بغرض محال تم ہندوستان چلے جاؤ اور کوئی تمہارا ہندو یا سکھ دوست پاک کھانا پیش کرے تو آپ کھا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ مشرک کی نجاست "قلبی اور روحانی" ہے' جسمانی نہیں جس طرح کہ کتے کی ہے۔

ہندومت لایعنی:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ہندو کا مذہب ایسا لایعنی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ ایک دفعہ میں مری سے واپس لاہور آرہا تھا۔ راستے میں دوران سفر گاڑی میں ایک سکھ بھی بیٹھا ہوا تھا جو اپنے ساتھیوں کے سامنے تقریر کررہا تھا اور بڑی علمیت جتا رہا تھا۔ میں نے اسے کہا کہ سردار صاحب! مجھے بھی دو باتیں بتائیے۔ ایک یہ کہ ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے جس کو مسلمان کیا اسے توحید پرست بناڈالا اور کفر سے بالکل علیحدہ کردیا۔ ایک تم ہو کہ تمہیں گورونانک نے مورتی پوجا سے چھڑایا اور موحد بنایا' مگر تم لوگ ہو کہ ہندو سے جو کہ مشرک ہے ان میں پھر خلط ملط ہورہے ہو۔ تمہارا ان کے ساتھ روٹی اور بیٹی کا مسئلہ کیسے نبھ سکتا ہے؟ ابھی ابھی تم نے ایک لڑکے کو سگریٹ پینے سے منع کیا ہے۔ کیا صرف مسلمان کے سگریٹ کا ہی دھواں کڑوا ہوتا ہے یا ہندو کے حقے کا دھواں بھی؟ اس لئے کہ ایک سکھ لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو وہ سکھ اُس کنیا کو گیان چند سے بیاہ دیتا ہے۔ وہ ہندو کے گھر حقے بھرتی ہے حالانکہ اسے اپنے گھر بیس سال سے یہی بتایا جاتا رہا ہے کہ حقہ یا سگریٹ پلید شے ہے۔ اب بتائیے کہ وہاں ہندو کے گھر جاکر اس کے دھرم میں کوئی فرق پڑتا ہے؟ کہنے لگا آپ کی دونوں باتیں درست ہیں مگر اس وقت میں ان کا جواب نہیں دے سکتا۔ میں نے کہا جواب نہیں دے سکتے یا دینا نہیں چاہتے؟ کہنے لگا جو بھی آپ سمجھ لیں۔

اسی طرح بعض وہ ہندو ہیں کہ ان کی عورتیں صرف بھاجی دال کھاتی ہیں۔ مگر خاوند گوشت اور مچھلی کھاتا ہے۔ تو کیا عورت کسی اور طرح کی ہندو ہے اور خاوند کسی اور طرح کا؟ اسی طرح ایک وہ ہندو ہیں جو گائے کا گوشت کھاتے اور سور کھاتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو منہ پر کپڑا باندھے رہتے ہیں۔ تو بات دراصل یہ ہے کہ ہندو کے مذہب کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

طلاق کا حق:-

ایک مجلس میں استفسار فرمایا کہ آج کل تمہاری روزمرہ **سیاست کا کیا** حال ہے؟ حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ عورتوں کو طلاق کا حق **مل گیا ہے؟**

فرمایا: حق مل نہیں گیا مسودے پر غور ہورہا ہے مگر چونکہ یہ **غیر شرعی** ہے اس لئے علماء یقیناً اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کریں گے اور اسے پاس نہیں ہونے دیں گے۔

راقم الحروف نے عرض کی قبلہ عیسائیوں میں تو اس کی اجازت ہے۔

فرمایا: مسئلے کو غور سے سنا کرو اور اُنہیں یاد رکھنے کی کوشش کیا کرو۔ انجیل میں طلاق کا مسئلہ موجود ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے جو چیز نبی کے عمل میں نہیں آئی اس کی جزوی یا کلی حیثیت کے متعلق وہ اپنی امت کو کوئی واضح حکم صادر نہیں فرماتے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے والد نہیں تھے' اس لئے وہ آداب فرزندی کے متعلق اپنی اُمت کے سامنے عملی نمونہ پیش نہ کر سکے۔ ان کی بیوی نہیں تھی' اس لئے اس کے حقوق کے متعلق اپنی تقریر یا کتاب اللہ کی تحریر کی روشنی میں کوئی وضاحت نہیں کر سکے۔ ان کے بہن بھائی کوئی نہ تھے اس لئے وہ ان کے حقوق کے متعلق بھی خاموش رہے۔ ایسی حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ انجیل ہدایات کے احکام کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ چند دعاؤں کا ایک مجموعہ ہے یا مسیح کی چند معجزانہ قوتوں کا تذکار جو انہیں عطا ہوئیں۔ اسی طرح ہر زمانے میں حالات کے مطابق انبیاء علیہم السلام نے احکام الٰہی کا اظہار فرمایا' جو ایک کنبہ' قوم' علاقہ' ملک یا خاندان کے متعلق تھے۔ چونکہ ان کتابوں کا نزول اور ان انبیاء کی تشریف آوری ساری کائنات کے لئے نہ تھی اس لئے وہ ساری کائنات کے لئے تمام اقوام کے سامنے کوئی ضابطہء حیات یا لائحہ عمل پیش نہیں کر سکے۔ انجیل واضح احکام کی کتاب نہیں۔ انجیل سے پہلے واضح احکام کی کتاب تورات نازل ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان احکام کی تبلیغ کے لئے چار ہزار انبیاء علیہم السلام وقتاً فوقتاً مبعوث ہوتے رہے جو ان احکام کی تبلیغ فرماتے رہے۔ تورات کے بعد جو مکمل اور جامع احکام جاری ہوئے وہ قرآن کے احکام ہیں جو تا قیامت جاری وساری رہیں گے۔

طلاق کا مسئلہ جس طرح اسلام نے پیش کیا ہے اس طرح کسی بھی دوسری قوم نے پیش نہیں کیا۔ اب تو غیر مسلم اقوام بھی طلاق کے مسئلہ کی اہمیت کو سمجھ کر یوں اس طرح اوپر سے ناک پکڑ رہی ہیں کہ اس سوسائٹی میں اس رنگ میں اسے پاس کرو۔ تو گویا یہ مسئلہ سوسائٹی کی طلاق ہوگی فطری اصول نہ ہوگا۔

طلاق

اقسام:-

ڈاکٹر انعام اللہ سہروردی کسی شخص کی طرف سے ایک طلاق نامہ لائے جس میں وہ

''رجوع'' کے متعلق کوئی گنجائش پوچھنا چاہتے تھے۔

فرمایا: طلاق کی تین قسمیں ہیں، پہلی ''طلاق رجعی''، دوسری ''طلاق بائن'' اور تیسری ''طلاق ثلاثہ'' یا مغلظ۔ مثلاً پہلی صورت یہ ہے کہ طلاق میں الفاظ اشارۃً استعمال کئے ہوں اور لفظ طلاق کا استعمال نہ ہو۔ جیسے مرد بیوی کو کہے کہ میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں، تیری رسی تیری گردن پر ہے، تو میری کچھ نہیں۔ یعنی طلاق کی تشبیہ اور طلاق کا سا انقطاع مقصود ہو اور اسی ناراضگی کا موقع محل گزر جائے تو ایک طلاق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ وقت نہ گزرے اور خاوند رجوع کر جائے تو پھر وہ کوئی طلاق نہیں رہتی۔ گویا یہ پہلی سٹیج ہے جس میں خاوند رجوع کر سکتا ہے۔ اس سے اس وقت تک طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ خاوند طلاق کی نیت سے وقت نہ گزار دے۔

دوسری طلاق، ''طلاق بائن'' جس کی صورت یہ ہے کہ خاوند بیوی کو لفظ طلاق کے استعمال سے ایک دفعہ یہ کہہ دے کہ تجھے میری طرف سے طلاق ہے۔ اگر وہ ایک مرتبہ کہہ کر خاموش ہو جائے اور عورت پر ایک مہینہ پاکیزگی کا حیض کا وقت گزر جائے اور خاوند رجوع نہ کرے، پھر مزید ایک مہینہ گزر جائے اور اس وقت خاوند کو احساس ہو مگر اپنے وقار کی وجہ سے خاموش رہے یا رجوع نہ کرے، حتیٰ کہ تیسرا مہینہ بھی گزر جائے تو پھر طلاق وارد ہو جائے گی۔ فاذ بلغن اجلھن فامسکو ھن بمجروف او فارقوھن بمعروف. (۲۰:۱۵) مگر اس صورت میں اسے نکاح کے ساتھ اپنی عورت سے دوبارہ رجوع کرنے کا حق ہوگا۔ قرآن میں آتا ہے وبعولتھن احق بردھن فی ذالک ان ارادو اصلاحا. (۲۲۷:۲) ان کے خاوندان کے زیادہ مستحق ہیں کہ اس کی بیوی اسے ہی لوٹا دی جائے۔ یعنی بجائے اس کے کہ اس کا دوسری جگہ نکاح کیا جائے۔

تیسری صورت ''طلاق ثلاثہ'' یعنی بیک وقت یا بتدریج تین حیضوں پر مشتمل طلاق ہے۔ یعنی پہلے مہینے ایک دفعہ کہا کہ میں نے طلاق دی اور خاموش رہا۔ دوسری دفعہ پھر یہی کہا اور خاموش رہا۔ تیسری دفعہ پھر یہی کہا اور خاموش رہا۔ اب تیسری دفعہ سے طلاق ہوگئی اور بیوی اس پر قطعاً حرام ہوگئی۔ اس صورت میں قرآن کا حکم ہے کہ تین طلاقیں گزرنے کے بعد وہ بیوی پہلے خاوند پر حلال نہ ہوگی۔ اس صورت میں قرآن کا حکم ہے حتی تنکھا زوجاً غیرا۔ (۲۳۰:۲) یعنی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے، اور دوسرے مرد

کے پاس بھی آباد ہونے کے بعد اگر اتفاقیہ طور پر ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ دوسرا خاوند بھی اسے طلاق دے دیتا ہے' اور اگر وہ پہلے خاوند کے پاس آنا چاہے تو عدت پوری کرنے کے بعد اس کے نکاح میں آسکتی ہے۔

دوسرے نکاح میں مقاربت:۔

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ دوسرے مرد سے نکاح کے بعد قربت بھی لازمی شرط ہوگی؟

فرمایا: نکاح کے بعد ضروری نہیں کہ قربت بھی کی جائے۔ قرآن نے صرف نکاح کی شرط لگائی ہے۔ فرض کرو کہ خاوند بیمار ہے یا بیوی مجبور ہے اور وہ مقاربت نہیں کر سکتے' مگر حتّٰی تنکحا زوجاً غیرہ کی شرط پوری ہوگئی۔ یہ حکم تو دراصل ایک راز ہے' اس لئے کہ ہر مسلمان کو تنبیہ ہو اور وہ آئندہ اس بے غیرتی کا اہل نہ بنے؟

ایک اختلافی صورت ہے کہ طلاقیں بیک وقت دی ہیں یا ایک ایک کر کے دی ہیں۔ اگر بیک وقت دی ہیں تو طلاق وارد تو ہو جائے گی مگر فرق یہ پڑے گا کہ اگر عدت کا وقت گزر چکا ہے تو رجوع کا حق نہیں ہوگا۔ حضورؐ کے زمانے کے بعد حضرت عمرؓ کے عہد میں آپ کے نوٹس میں یہ چیز لائی گئی کہ بعض لوگ عورتوں کو پریشان یا خراب کرنے کے لئے یہ رنگ اختیار کرتے ہیں کہ آج ایک طلاق دی' اور معلق رکھا' اور پھر رجوع کر لیا۔ یہ عورتوں کے لئے بڑی تباہ کن تھی۔ اگر عورت حاملہ ہو جاتی تو وضع حمل تک انتظار کرتی۔ اس دھوکے میں عورت کو خراب کیا جاتا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں فیصلہ ہوا کہ جو شخص اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دے دے گا' وہ تینوں بیک وقت وارد ہو جائیں گی' اور عورت اس پر قطعاً حرام ہو جائے گی۔

دوبارہ نکاح:۔

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کیا کسی عزیز کو جس سے نکاح جائز ہے' اس پر آمادہ کیا جا سکتا ہے؟ کسی بہت بوڑھے سے یا کسی سخت بیمار سے نکاح کر دیا جائے۔ اس طرح پہلے خاوند سے نکاح کی گنجائش نکل سکتی ہے؟

فرمایا: گنجائش کا مسئلہ تو قرآن کی روشنی میں ہی دیکھنا ہے۔ میں نے اس پر روشنی ڈال دی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے قیامت کے بعد عورت' چار مردوں کو جہنم میں لے

جائے گی۔ باپ کو اس لئے کہ اس نے اسے مسلمان نہ بنایا اور بیٹی ہوتے ہوئے اسے صراط مستقیم کی تعلیم نہ دی۔ اگر باپ زندہ نہیں تھا تو اس کی ذمہ داری بھائی پر تھی، جس نے اسے دنیاوی کاموں پر تو مجبور کیا مگر دین کی تلقین نہ کی۔ بھائی نے شادی کر دی اور عورت مسلمان نہ بنی تو اب اس کی ذمہ داری اس کے خاوند پر عائد ہوتی ہے کہ گھر کے دھندوں کے لئے تو سختی کرے، مگر صحیح مسلمان بنانے کے لئے نماز روزہ کی تلقین نہ کرے۔ اگر یہ بھی اسے صحیح مسلمان بنانے سے قاصر رہا اور اب وہ ماں بن گئی ہے اور پہلی تینوں سٹیجوں میں صحیح مسلمان نہیں بنی، تو پھر بیٹے کا فرض ہے کہ اسے کہے کہ خدا کی طرف رجوع کرے۔ اگر یہ بھی نہیں کرتا تو گویا یہ چوتھا مجرم ہے، جو پہلے تین مجرموں کے ساتھ ہے۔ تو اس لئے ڈاکٹر صاحب! دنیا کی چند لمحوں کی زندگی کے لئے جس کا کوئی اعتبار نہیں، انسان دوسری شخصیت کے لئے اپنے آپ کو کیوں گنہگار بنائے۔ اس شخص کو کہیں کہ وہ جائز صورت اختیار کرے جس سے خدا بھی راضی ہو اور رسول بھی راضی۔

والدین کے کہنے پر طلاق:۔

ایک مجلس میں راقم الحروف کے حاضر ہونے سے پیشتر یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ ایک مفتی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ اگر والدین اپنے بیٹے کو یہ کہہ دیں کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو خواہ وہ حق پر ہوں یا نہ ہوں، عورت کا قصور ہو یا نہ ہو، بیٹے کو طلاق دے دینی چاہئے۔

جس وقت راقم الحروف حاضر دربار ہوا تو قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے چودھری محمد یوسف سہروردی کو سورہ ''بنی اسرائیل'' کی مندرجہ ذیل آیات پڑھنے کا ارشاد فرمایا:

وقضی ربک الاّ تعبدوا الاّ ایاہ وبالوالدین احسانا. اَمّا یبلغن عندک الکبر احدھما او کلھما فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما وقل لھما قولاً کریما. واخفض لھما جناح الذل من الرحمتہ وقل رب ارحمھما کما ربینی صغیرا. ربکم اعلم بما فی نفوسکم ان تکونوا صٰلحین فانہ، کان للاوابین غفورا. (۱۷:۲۳ تا ۲۵)

اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر تمہارے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، تو ان سے

''ہوں'' نہ کہنا یعنی ایسا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالنا جس سے یہ سمجھا جائے کہ ان کی طرف سے طبیعت میں کچھ گرانی ہے۔ انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔ شفقت و محبت کا برتاؤ کرنا کہ انہوں نے تیری مجبوری کے وقت تجھے محبت سے پرورش کیا تھا' اور جو چیز انہیں درکار ہو وہ ان پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کر۔ اور عرض کر کہ اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔ تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ پس اگر تم لائق (صالح) ہوئے اور تم سے والدین کی خدمت میں تقصیر واقع ہوئی اور تم نے توبہ کی تو بے شک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔

حضرت قبلہ نے چودھری صاحب کو فرمایا کہ آیت ان تکونو صٰلحین فانہ' کان لِلاوابین غفورا پر غور کیجیے۔ اس میں کوئی وقفہ کوئی ''لا'' کوئی ''ط'' آیت کو جدا نہیں کرتی۔ اب ذرا اسے اس آیت سے پیچھے لگاؤ یعنی ربکم اعلم بما فی نفوسکم تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دل میں ہے۔ اگر تم صالح ہوئے تو وہ بیشک توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ اسے پہلی عبارت سے ملاؤ پھر یہ عموم پر آئے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو تمہارے نفسوں میں ہے' رب بہتر جانتا ہے اگر تم صالح ہو۔ صالح ہونے کی حیثیت سے ایک شخص والدین کے کہنے سے وہ عمل نہیں کرتا اور وہ اپنی بیوی کی یا اپنی رائے کو ترجیح دیتا ہے تو گویا اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ ترجیح دینے کے معاملے میں یہ بہتر ہے یا نہیں۔ صالحیت یہاں لگ گئی نا؟ یعنی اللہ دلوں کو بہتر جانتا ہے اس بات اور اس حکم کے متعلق' جس کو کرنے میں تم صالح ہو اور اس لئے کہ غلطی اگر والدین کی ہے اور تم اس معاملے میں حق پر ہو تو اللہ خوب جانتا ہے۔ فرض کرو کہ والدین کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینی ہے' اولاد برباد کرنی ہے' اگر وہ اس پر کسی حقیقت کو ترجیح دیتا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ صالحیت کس طرف ہے؟ والدین میں یا بیٹے میں؟ اس لئے نفوسکم فرمایا ہے۔ یعنی اکیلے آدمی کو نہیں کہا جو عورت سے لڑ پڑا ہے بلکہ یہاں عمومی حالت کا استعمال کیا ہے۔ اب جبکہ وہ آدمی یا لڑکا سمجھ رہا ہے کہ والدین حق پر نہیں بلکہ میں حق پر ہوں' تو اس کی صالحیت ثابت ہوگئی۔ اب یہ بات ہوئی کہ اگر تم میں کوئی حقیقت کو سمجھنے کے بعد توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ گویا تم میں سے معاملہ فہمی کے بعد جو اپنے آپ کو غلطی پر سمجھے خواہ بیٹا ہو یا والدین اور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرماتا ہے۔ صالح کا ترجمہ لائق

تو ہے نالائق نہیں۔ اعلیٰ حضرت بریلویؒ نے ان تکونو صالحین کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اگر تم لائق ہوئے اور تم سے والدین کی خدمت میں تقصیر نہ ہوئی۔ گویا والدین کی خدمت میں اگر تقصیر ہو تو نالائق ٹھہرے۔ یہ سارا حکم اولاد کے لئے ہے۔ جب آگے غلطی کا میدان آتا ہے تو وہ دونوں سے ممکن ہے۔ یعنی ماں باپ اور بیٹے کے لئے۔ اس لئے مجموعی حکم ہے۔ ربکم اعلم بما فی نفوسکم گویا ربکم کے مفہوم میں والدین بھی شامل ہیں اور اولاد بھی۔ اب آگے پڑھئے۔ ان تکون صلحین۔ اس سے مراد والدین بھی ہیں اور اولاد بھی۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو بعض حالات میں قرآن کی صحیح تفسیر حدیث ہے۔ حضور علیہ السلام نے قرآن پیش فرمایا' حضور علیہ السلام نے ہی لوگوں کو قرآن سمجھایا۔ حدیث میں آتا ہے۔ لا طاعت المخلوق فی معصیت الخالق. یعنی جب کسی مسئلے میں خالق کی معصیت کا اندیشہ پیدا ہو تو مخلوق کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔ اب جتنی اطاعتیں ہیں ان میں ماں اور باپ کی اطاعت پر بڑا زور ہے۔ ماں کہتی ہے میں تجھے بتیس (۳۲) دھاریں جب بخشوں گی اگر تو میرے رشتے داروں سے مل کر شراب پیئے' چوری کرے یا خدا پر ایمان نہ لائے (تو گویا ایسی صورت میں) کوئی طاعت نہیں رہتی۔ تو معلوم ہوا کہ جائز اور حکمی اطاعتیں جو ہیں ان میں وہ' جن کے اختیارات یا ڈگری والدین کے حق میں ہو چکی ہے' ان میں اگر والدین حکم دیں تو ان کی اطاعت لازم ہے۔ اور اگر ان میں سے جو اطاعت الٰہی کے خلاف ہوں منع کریں' تو ان کی اطاعت میں والدین کی اطاعت فرض نہیں رہتی۔

صوفی فضل الرحمٰن سہروردی نے عرض کی کہ ''سورہ لقمان'' میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ دین کے معاملے میں والدین اگر خلاف کریں تو ان کی اطاعت فرض نہیں۔

فرمایا: ہاں! وہ سورۃ پڑھو۔

فضل صاحب نے مندرجہ ذیل آیات پڑھیں۔

وان جاھدک علی ان تشرک لی ما لیس لک به علم فلا تعطعھما وصاحبھما فی الدنیا محروفاً و اتبع سبیل من اناب الی ثم الی..... (۱۵:۳۱)

اور اگر وہ دونوں یعنی تیرے ماں باپ تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی

چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان۔ اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے، حسن اخلاق، حسن سلوک اور احسان وتحمل کے ساتھ۔ اور اس کی راہ چل جو میری طرف رجوع لایا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی راہ۔ پھر میری ہی طرف تمہیں لوٹ کر آنا ہے تو میں تمہیں بتادوں گا جو تم کرتے تھے؟

فرمایا: گویا ان دونوں کی تابعداری نہ کر جب وہ رب کے معاملے میں کسی کو شریک کرنے کا کہیں، کیونکہ شرک اللہ تعالیٰ معاف نہیں فرماتا۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماں اور باپ اگر نعوذ باللہ مسلمان نہیں، بیٹا کسی حقیقت کو معلوم کر کے اسلام قبول کر گیا ہے، اس کے گھر بیوی مسلمان ہے۔ ان والدین کے متعلق جو مسلم والدین کے اختیار ہیں ان کے نہیں، اس لئے یہاں یہ مسئلہ سمجھ لو کہ ان کے والدین کے حقوق اور اختیارات اولاد پر لازم نہیں۔ اگر اولاد پر وہ طاعت واجب ہوتی تو آج کوئی مسلمان نہ ہوتا۔ عرب میں یہی صورت حال موجود تھی۔ کافر والدین مسلمان بچے کو کبھی نیکی کی رغبت نہیں دے سکتے۔ اگر ان کے بچوں پر جو مسلمان ہیں اطاعتِ والدین فرض کر دی جائے تو وہ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو والدین اللہ اور رسول کو نہیں مانتے کیا ان کی اطاعت کرنی چاہئے؟ یہاں تاویل کرنی پڑے گی کہ صرف ان والدین کی اطاعت ان پر فرض ہے جو ہمارے مذہب کے ہیں۔

اولی الامر:۔

حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ ''اولی الامر'' کے متعلق بھی وضاحت فرما دیجیے۔

فرمایا: قرآن میں آتا ہے۔ اطیع اللہ واطیع الرسول واولی الامر منکم (۵۱:۴)۔ یعنی اللہ کی تابعداری کرو، رسول کی تابعداری کرو اور صاحب امر کی تابعداری کرو۔ آپ جتنی تفسیریں دیکھیں گے وہاں ''اولی الامر'' سے مراد بادشاہ لیا گیا ہے۔ اب اولی الامر فاسق ہے، فاجر ہے، جاہل ہے، بیوقوف ہے یا غیر مسلم ہے تو بادشاہت کے معنوں میں تو یہ پورا اترا۔ پھر اُنہی معنوں میں انگریز بھی اولی الامر ہے۔

چودھری یوسف سہروردی نے عرض کی ''منکم'' کا لفظ ہے یعنی تم میں سے۔

فرمایا: وہ لوگ جو ہجرت کر کے حبشہ گئے وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ حبش کی اطاعت کے لئے جمعہ فرض نہیں فرمایا اور انہیں نہیں لکھا کہ اطاعت نہ کرو۔ اس لئے کہ اولی

الامر عیسائی تھا۔ اس کے علاوہ اور دیکھئے کہ جب یہاں سکھ حکمران تھے یا ہندو تو وہ "منکم" تو نہ ہوئے۔ جب ہندوؤں کا راج تھا' راجہ داہر یا راج پال وغیرہ' اس وقت کیا لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا تھا؟ اس وقت اولی الامر کے کیا معنی تھے؟ منکم میں یزید ہے یا نہیں؟ حضرت امام حسین علیہ السلام نے کیوں نہ مانا؟ "منکم" کا مطلب یہ ہے کہ قرآن حکیم جن ممالک میں گیا' وہاں اولی الامر منکم کی تابعداری فرض قرار دی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اولی الامر یورپ کا بادشاہ ہو' لنکا کا ہندو ہو یا کسی ملک کا ہو۔ "اولی الامر منکم" کی سیاست ہی یہ ہے کہ قرآن اپنی جماعت کو بڑھنے پھولنے کے لئے ہدایت کرتا ہے کہ اولی الامر منکم کی مرضی سے کرو۔ فساد پیدا نہ کرو۔

یہ جو مسئلہ ہے "منکم" کا میں نے آپ پر عام اعتراض کیا ہے کہ تم میں سے "منکم" یزید بھی ہے تو حضرت امام حسین علیہ السلام نے کیوں نہ مانا؟ ورنہ معاذ اللہ باغی قرار پاتے سید الشہداء نہ ہوتے۔[1]

ایک آیت یہ ہے کہ والدین کی اطاعت فرض ہے۔ بادشاہ کی اطاعت' اُستاد کی اطاعت فرض ہے۔ سسر کو باپ میں ارشاد فرمایا اور استاد کو بھی' عالم کو اور رہنما کو بھی باپ فرمایا۔ نبی کو جو اطاعتیں فرض کی گئیں ان تمام اطاعتوں کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "لا طاعت المخلوق فی معصیت الخالق" یعنی جب کسی مسئلہ میں خالق کی معصیت کا اندیشہ پیدا ہو تو مخلوق کی اطاعت فرض نہیں رہتی"۔

---

[1] صحیح حدیث کی رو سے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صرف تیس برس تک اسلامی خلافت (راشدہ) رہی' بعد ازاں سلطنت ہوگئی تھی' جس کے لئے حدیث شریف میں "عضوضیت اور جبر" کا مفہوم آیا ہے۔ اگر مذہب اسلام ایسی سلطنت کو "خلافت جاریہ ضروریہ" قرار دیتے ہوئے اس کے جواز کی ذمہ داری قبول کرے تو یزید بن معاویہ اور منصور عباسی بھی سلاطین جابرہ کی بجائے خلفائے نبوی قرار پائیں گے اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جو ان کے حکم سے شہید کئے گئے' معاذ اللہ باغی کہلائیں گے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے "حجتہ اللہ البالغہ" جلد دوم کے "باب الفتن" میں بخاری شریف کی حدیث کی رو سے یزید کو "دعاۃ الضلال" یعنی گمراہی کی طرف بلانے والوں میں شمار فرمایا ہے۔ لہٰذا جو شخص ضلالت اور گمراہی کا داعی ہو' اسے کوئی بھی صاحب انصاف خلیفۃ المسلمین کے مقدس منصب کا مستحق نہیں سمجھ سکتا (ملفوظات حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف اقتباس از کتاب "مہر منیر" صفحہ نمبر ۲۷۰ مولفہ مولانا فیض احمد فیض)

وراثت

ناجائز بچہ اور وراثت:-

محمد سلیم سہروردی نے پوچھا: ایک لڑکا کسی لڑکی سے منسوب تھا' دوران نسبت وہ آپس میں ملنے لگ گئے۔ نتیجے میں لڑکی حاملہ ہوگئی۔ چار پانچ ماہ بعد پتہ چلنے پر اس کا نکاح کر دیا گیا۔ نکاح کے چار پانچ ماہ بعد بچہ پیدا ہوگیا۔ اس بچے کی وراثت میں کیا حیثیت ہے' نیز وہ لوگ جو نکاح میں شامل تھے جنہیں علم تھا اور جنہیں علم نہیں تھا ان کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا: اگر پتہ ہو تو قرآن کریم کا حکم ہے۔ الزانی لاینکح الازنیہ (۲۴:۳) زانی کا نکاح زانیہ سے کر دیا جائے۔ والزانیہ لاینکحھا الازان (۲۴:۳) اور زانیہ کا نکاح زانی سے ہی کر دیا جائے گا تاکہ آئندہ کیلئے ناجائز نہ کریں۔ اور ان کی آئندہ زندگی اس جذبے کے ماتحت نہ گزرے۔ اگر علم نہ ہو تو نکاح میں بیٹھنے والوں کو کوئی گناہ نہیں۔ وہ قابل مواخذہ نہیں۔ اگر علم تھا تو وضع حمل کے بعد کرتے تو بہتر تھا۔ علم والے اب شرعی تاوان دیں' یعنی دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیں۔

بچے کی حیثیت پاکیزہ ہے۔ وراثت میں اسی کا مستحق ہے چونکہ شبہ نہیں۔ اگر نا کہے کہ میرا نہیں تو پھر عورت کا قول معتبر ہوگا کہ مجھے اسی کا حمل ہے۔ حمل کے لحاظ سے جس کے ذمے حمل لگے گا اسی کی نسل ثابت ہوگی اور اسی کی وراثت کا حق دار ہوگا' چونکہ مرد اکثر اوقات بدنامی کی وجہ سے پہلو تہی کر لیتا ہے۔ اس لئے اگر مرد زنا کر کے پیچھے ہٹ جاتا ہے تو نتیجہ تو عورت کے پاس چھوڑ جاتا ہے' یعنی وہ حاملہ ہو جاتی ہے۔ یہ غسل کر کے ٹھیک ٹھاک رہتا ہے۔ ویسے سوسائٹی والے اس بدکاری کے نتیجے میں پیدا شدہ بچے کو کراہت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور رشتہ بھی نہیں دیتے۔ بچہ جو بھی پیدا ہو اس میں بچے کا قصور نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس کی بے عزتی اور ذلت کے حق دار اس کے والدین ہیں۔ برادری رشتہ نہیں دیتی اور برسر روزگار ہے تو رشتہ اسے مل جاتا ہے۔

حضور کے بھتیجے عبدالرؤف صاحب نے پوچھا کیا شرعاً وہ ولدنا متصور ہوگا؟

فرمایا: ہاں ہوگا مگر اسی کا متصور ہوگا۔ اگر ماں اور باپ اعتراف کر لیں تو زنا سے نسب میں فرق نہیں پڑتا۔

منسوب جوڑا:-

سلیم صاحب نے عرض کی چونکہ لڑکی اور لڑکا منسوب تھے اس صورت میں کیا گناہ میں کمی ہو سکتی ہے؟

فرمایا: نہیں۔ نکاح میں یہ شرط ہے کہ دو گواہ' ایک وکیل اور نکاح خواں ہوں تا کہ ان کی پوزیشن واضح ہو جائے۔ عورت وکیل کے ذریعے کہے کہ میں بعوض اتنے حق مہر کے اپنے نفس کو حلالیت اور زوجیت کے لئے فلاں کو بخشتی ہوں۔ مرد کہے قبول کرتا ہوں۔ گواہ کہیں ہم گواہ ہیں۔ اگر مہر وغیرہ نہ باندھا جائے' گواہ' نکاح خواں یا وکیل نہ ہوں تو یہ نکاح نہیں ہوتا۔

سائل نے عرض کی اگر صرف میاں بیوی آپس میں ایجاب وقبول کر لیں تو؟

فرمایا: یہ طریق نکاح کے معنوں میں جائز نہیں۔ محض اپنا ایجاب وقبول نکاح کو ثابت نہیں کرتا۔ نکاح خواہ مستعجلہ صورت میں ہو یا ایجاب وقبول کی صورت میں' بہر حال نکاح ہے۔

نسب اور وراثت:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اسلام میں وراثت اور نسب کا جو مسئلہ ہے وہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اگر نسب صحیح ثابت نہ ہو تو پھر کسی خاندان میں اس کا ٹھکانہ نہ ہوا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ جس طرح گورے (Tomies) پیدا ہوتے ہیں۔ Cell (سیل) نمبر فلاں۔ مگر اسلام میں صورت یہ ہے کہ اگر کوئی غصے میں کسی کو ''حرامزادہ'' کہے تو شریعت کی رو سے قائل کے ذمے ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کرے' کیونکہ اسکا ''حرامزادہ'' کہنا اسے وراثت اور نسب سے محروم کرتا ہے اور یہ قابل مواخذہ ہے۔

سلیم صاحب نے کہا یہ لفظ اگر کسی کا تکیہ کلام بن گیا ہو تو؟

فرمایا: اگر مار پڑ جائے تو پھر تکیہ کلام خود دور ہو جائے گا۔ جسے ''حرامزادہ'' کہا گیا ہے وہ اگر اس کے خلاف دعویٰ دائر کر دے تو اسلامی شریعت کی رو سے عدالت قائل کو قابل مواخذہ سمجھے گی۔

رنڈی کا بچہ:-

سائل نے عرض کی ''اور رنڈی کے بچے کے متعلق؟''

فرمایا: حرامی کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ یا تو وہ اس خاندان سے علیحدہ ہو جائے یا اس کی ماں اس کی آئندہ زندگی کا بندوبست کرے۔ دیکھو نا! قرآن کی رو سے زنا کی سزا قتل عمد سے زیادہ ہے، اس طرح کہ مقتول کے وارثوں کو حق ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لے کر قاتل کو معاف کر دیں، لیکن زانی کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ زنا عرف عام میں ایک ایسی چیز ہے کہ انسان اسے کوئی بلند چیز نہیں سمجھتا۔ ایک عام چیز ہے۔ یعنی ایک جذبے کے ماتحت مرد اور عورت مل گئے۔ مگر قرآن نے زنا کی سزا قتل عمد سے زیادہ رکھی ہے، اس لئے کہ قتل عمد سے تو ایک آدمی مرتا ہے لیکن زنا سے نسل مر جاتی ہے۔ اس کے حقوق، اس کی وراثت، مر جاتی ہے۔ اس لئے قرآن نے حکم دیا ہے کہ زانی کو سزا دو اور اسے ختم کر دو تا کہ اس کا نتیجہ ء بد اس کی ذات کے ساتھ ہی ختم ہو جائے۔ مگر کیا کیا جائے، زنا جب فیشن میں داخل ہو جائے تو پھر جزا و سزا کا سوال ہی نہیں رہتا۔

اور کوئی عورت؟

مرزا نجف علی نے پوچھا منکوحہ عورتوں کے علاوہ اور کوئی عورت جائز ہے؟

فرمایا: یہاں ہمارے علاقے میں کوئی نہیں۔

لونڈیاں:-

نجف علی نے کہا قرآن میں آتا ہے۔ او ما ملکت. (۴:۳)

فرمایا: یہ پہلا (پہلے کا) مسئلہ ہے وہ حیثیت اب قائم نہیں۔

ملکت. لونڈی، خرید کردہ مال یا مالِ غنیمت میں آئی ہوئی۔ اس کی حیثیت (فی زمانہ) کام نہیں کرتی اس لئے (اس کا) سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ام الولد:-

سائل نے عرض کی کہ کیا لونڈی کا بچہ وراثت کا حق رکھتا ہے؟

فرمایا: وہ ''ام الولد'' کہلاتا ہے۔ اس میں مالک کو حق حاصل ہے کہ جو چاہے اسے عطا کر دے مگر حُر کے مقابلے میں یہ کم حیثیت رکھتا ہے۔ اگر باپ ''ام الولد'' کو کوئی عطیہ کر دے وہ اس کے لئے حق ہے۔

قصور کس کا:-

سلیم صاحب نے کہا کیا یہاں ہم نہیں کہہ سکتے کہ بچے کا کیا قصور ہے؟

فرمایا: نہیں۔ اس لئے کہ اس بچے کی ماں کی کوئی حیثیت نہیں۔ وہ ایک آزاد عورت کے مقابلے میں خاندان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ کہنے کے لئے تو سب کچھ کہا جاسکتا ہے۔ قرآن کی تعلیم صحیح ہے۔ اگر ہمارا دستور العمل کسی غیر کے ماتحت ہو تو اس ملک میں غلامانہ حیثیت نہ مرد کے لئے ہے نہ عورت کے لئے۔ اگر ہندوستان یا پاکستان میں لڑائی ہو تو گرفتار شدگان کو غلام اور لونڈیاں نہیں کہا جائے گا۔ یہی حیثیت ہوگی جو تقسیم کے وقت ہوئی۔ آپ نے انہیں نہ اس وقت غلام کہا اور نہ اب کہیں گے۔ غور کیجیے کہ شہنشاہ جہانگیر جودھا بائی کا بیٹا تھا، مگر اسے کسی نے لونڈی کا بیٹا نہیں کہا۔

اسلامی یا مسلمان کی حکومت

جہاد:-

سائل نے پوچھا اور جہاد؟

فرمایا: ''جہاد'' وہ ہوتا ہے جس صورت میں حکومت اسے ''اسلامی جنگ'' قرار دے اور اس کا غالب عنصر تبلیغی ہو۔ بصورت دیگر جنگ ''ہوسِ ملک گیری'' ہوگی۔ اگر فتح ہوگی تو مسلمانوں کی فتح کہلائے گی۔

مسلمان کی حکومت اور اسلامی حکومت میں فرق ہے۔ اسلامی حکومت اپنی پوری قانونی تمازت، قرآنی احکام اور شرعی حدود میں ہو تو اسلامی ہوگی۔ موجودہ دور میں بھی اسلامی حکومت نہیں۔ مسلمانوں کی حکومت ہے۔ جہانگیر کے زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے خلاف کہ ہندوستان کی حکومت اسلامی ہے یا نہیں؟ یہی فرمایا تھا کہ یہ حکومت اسلامی نہیں بلکہ مسلمانوں کی ہے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ہندوؤں اور دیگر اقوام کی رعایت کے لئے شراب خوری، چوری اور زنا کے اڈوں پر سزا اسلامی قائم نہیں تھی۔ گاؤ کا ذبیحہ بند تھا۔ چنانچہ آپ نے جمعہ بھی ان دنوں فرض نہ سمجھا، مگر جمعہ پڑھنے کا حکم دیا تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں اسے نئی نماز نہ سمجھ لیں۔ حضرت مجددؒ ظہر کی چار سنتیں اور چار

فرض گھر سے پڑھ کر جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔

وصیّت

ایک صاحب نے اپنے ہمراہی کے متعلق عرض کی کہ ان کے بڑے بھائی حاجی صاحب وصیت کر کے اپنی املاک ان کی تحویل میں دینا چاہتے ہیں مگر یہ اس سے گریز کرتے ہیں۔

فرمایا: وصیت کنندہ حاجی صاحب احکامِ شرعی سے واقف ہیں۔ اگر وہ وصیت کر کے اپنی املاک آپ کی تحویل میں دے دیتے ہیں تو وصیت کی تعمیل کی ذمہ داری آپ پر فرض ہو جاتی ہے۔ ظاہری رسم و رواج یا ظاہری وقار بالکل بے معنی ہیں۔ جب قرآن ہمیں ایک بات پر پابند کرتا ہے تو پھر اس سے انکار کے کیا معنی؟ سب سے بہتر یہ ہے کہ وہ وصیت کے مال کو قبول کریں۔ مسئلہ یہ ہے کہ پہلے متوفی کے مال سے اس کا گور و کفن کیا جائے پھر اس کا قرض ادا کیا جائے۔ ازاں بعد اس کی وصیت پر عمل کیا جائے۔ یعنی جو مال بچے وہ اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اگر وصیت کنندہ اپنی خوشی سے، محبت یا خدمت کی بنا پر، جملہ امور شرعیہ کی بجا آوری کے بعد، کسی کو اس کے حصے سے کچھ زائد دے دے تو اس کا قبول کرنا درست ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام کی موجودگی میں مخلوق کی تابعداری فرض نہیں رہتی۔ ہاں اگر وصیت کنندہ سے آپ کو ہمدردی ہے تو آپ اپنے حصے کے اس سارے مال کو بڑی خوشی سے خیرات کر دیں، ان لوگوں میں جو اس کا صحیح استحقاق رکھتے ہوں۔ تو اس طرح گویا ورثا کو شریعت کے احکام کے مطابق کی ہوئی وصیت پر عمل پیرا ہونے کا ثواب بھی مل گیا اور اس خیرات کا ثواب بھی۔ وصیت کنندہ جس پر وصیت کی تعمیل کی ذمہ داری ڈالے اس شخص پر وہ ذمہ داری فرض ہو جاتی ہے۔

سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

غازی علم الدین شہیدؒ:-

غازی علم الدین علیہ رحمتہ کی شہادت کے بعد سوال پیدا ہوا کہ اس کی لاش کو اس کی وصیت کے مطابق لاہور میں دفن کیا جائے۔ حکومت اس بات کے خلاف تھی چونکہ اسے خطرہ تھا کہ واقعہ کی نوعیت کے پیش نظر مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہوگا۔ پھانسی میانوالی جیل میں (۳۱ اکتوبر ۱۹۲۹ء) کو دی گئی تھی اس لئے حکومت اسے میانوالی جیل سے باہر لانے کے حق میں نہ تھی اور وہیں دفن کرنے پر مصر تھی۔ لیکن سوال چونکہ وصیت کے پورا کرنے کا تھا اس

لئے مسلمانوں کی جانب سے سر شفیع مرحوم نے گورنر سے ملاقات کی اور اسے بتایا کہ یہاں سوال غازیؒ کی لاش کا نہیں، بلکہ اصل سوال شریعت کے احکام کی تعمیل کا ہے جس پر عمل پیرا ہونے پر ہم مجبور ہیں۔ غازیؒ کی وصیت تھی کہ اسے لاہور میں دفن کیا جائے اور وصیت پر عمل کرنا قوم پر فرض ہے۔ اس لئے ہم ہر صورت وصیت پر عمل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حکومت نے اس سلسلہ میں کوئی پابندی عائد کی تو قوم مشتعل ہو جائے گی۔ چنانچہ نتیجہ یہی ہوا کہ حکومت کو بالآخر سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ ان مذاکرات میں انیس دن گزر گئے تھے۔ اپنے ملنے والوں میں مرزا اقبال صاحب کے والد، اصغر علی انسپکٹر پولیس اور ایک مجسٹریٹ لاش کو میانوالی قبر سے نکلوانے والوں میں تھے۔ مرزا اقبال کے والد دین دار آدمی تھے۔ انہوں نے بیان کیا کہ لاش کو قبر سے نکلوانے کے موقع پر میں وہاں موجود تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ قرآن کہتا ہے شہید زندہ ہے۔ ہم غازیؒ کو شہید کہہ بیٹھے ہیں۔ کیا واقعی یہ شہید تھے؟ میرا ضمیر اس پر متزلزل ہوا اور طبیعت پر بوجھ پڑا کہ قبر میں تو تین دن میں لاش پھٹ جاتی ہے اگر خدانخواستہ یہاں ایسی صورت ہوئی تو پھر کیا ہوگا؟ اگر لاش صحیح ہوئی تو یہ واقعی شہید ہیں۔ قبر جیل کے اندر تھی جہاں پولیس کا پہرہ تھا۔ رات کا وقت تھا۔ اندر جا کر قبر کھدوائی گئی۔ مرزا صاحب کہتے ہیں کہ جب قبر کھدوانے کے بعد قبر کے اندر جا کر میں نے لاش کو دیکھا تو غازی صاحبؒ سرکاری کفن کمبل وغیرہ میں لپٹے ہوئے تھے۔ قبر میں داخل ہونے سے پیشتر میں نے سوچا کہ اگر لاش درست ہوئی تو لاہور لے چلیں گے ورنہ کوئی بہانہ بنا کر یہیں رہنے دیں گے۔ چنانچہ میں نے کمبل ہٹا کر چہرے کا بند کھولا اور بغیر چہرہ دیکھنے کے، پہلے ان کے کفن پر ہاتھ ڈال کر سارے جسم پر ہاتھ پھیرا۔ جب دیکھا کہ کوئی تعفن نہیں اور وجود صحیح وسلامت ہے تو پھر چہرہ دیکھا۔ چہرے کے رخساروں پر سرخی تھی (ان الفاظ کو بیان فرماتے ہوئے حضرت قبلہؒ نے اپنے دست مبارک کو اپنے رخسار ہائے مبارک پر پھیرا) اور بالکل ایسے معلوم ہوا جیسے کوئی نوجوان سویا ہوا ہے۔ پھر اور کفن کھولا۔ چھاتی دیکھی وہ بالکل صحیح وسالم تھے۔ چنانچہ انہیں باہر نکالا، بکس میں جو پہلے ہی تیار کروایا ہوا تھا لاش ڈالی۔ پھول وغیرہ ڈالے اور وہاں سے راتوں رات روانہ ہو کر صبح پانچ بجے انہیں لاہور لائے۔ یونیورسٹی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی۔ جنازے کی رونق کا یہ عالم تھا کہ کسی مغلیہ شہزادوں کو بھی ایسی نماز جنازہ نصیب نہیں ہوئی ہوگی۔ اس واقعہ کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ

وصیت پر عمل کرنے کا مسئلہ تھا جو سر شفیع مرحوم نے گورنر کے روبرو پیش کیا اور حکومت کو بھی اس کے سامنے جھکنا پڑا۔ لہٰذا اپنی تمناؤں کو قرآن کے تدبر کے ماتحت چھوڑنا پڑتا ہے۔ قرآن نے وصیت کا مسئلہ بڑی شدت سے بیان کیا ہے۔ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اگر یہ غیر شرعی اور ورثاء کے لئے نقصان دہ ہو تو جائز العمل نہیں۔ یا وصیت ایسی ہو جو اس کے متروکہ مال سے زائد ہو تو حکم یہ ہے کہ وصیت کے ایک تہائی پر عمل کرو اور دو تہائی ورثاء میں تقسیم کر دو۔

ایصال ثواب

ایک مجلس میں مرزا غلام حسین سہروردی سے دریافت فرمایا کہ تمہارے والد صاحب کے انتقال کی کسی کو آگاہی ہوئی تھی؟

مرزا صاحب نے عرض کی کہ میری بیوی کو کسی شکل میں آگاہی ہوئی تھی لیکن مجھے یاد نہیں۔ استفسار فرمایا کہ دفن کرنے کے بعد کوئی آگاہی ہوئی تھی یا نہیں؟

مرزا صاحب نے عرض کی: سرکار مجھے علم نہیں۔

فرمایا: قرآن شریف جتنا بھی پڑھا ہوا ہے گھر والے تلاوت کریں اور اس کا ثواب متوفی کو پہنچائیں۔ یہ اعمالِ صالحہ میں تقویت پیدا کرتا ہے۔ جب تک متوفی کو اعمال صالحہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے اس وقت تک اس کے مدارج میں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے اگر متوفی کے ذمے کوئی گرفت بھی ہو تو اس میں تخفیف ہوتی رہتی ہے حتی کہ وہ رب العزت کی رحمت سے نجات پا جائے اور اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرمائے۔

کوڑا اوٹا:۔

ایک صاحب نے ''کوڑے وٹے'' کی روٹی (متوفی کے لواحقین کی دعوت) کے متعلق پوچھا کہ یہ کیا ہے؟

فرمایا: ورثا جو وہاں تعزیت داری کے لئے بیٹھے ہوئے ہوں ان کی دعوتِ طعام ہو سکتی ہے۔ محض رونق میلے یا ظاہری وقار قائم کرنے کے لئے دعوتِ عام درست نہیں۔ کھانا جو متوفی کے بعد باہر (دوسرے گھروں) سے آتا ہے وہ درحقیقت متوفی کے ورثاء کے لئے ہوتا ہے اس لئے وہ کھانا مستحق لوگوں کو ہی کھلانا چاہئے' مثلاً ورثاء اور قریبی رشتے دار وغیرہ

جو باہر سے آئے ہوئے ہوں۔

گیارہویں شریف:-

ایک صاحب نے سوال کیا کہ کیا گیارہویں شریف جائز ہے؟

فرمایا: ہاں جائز ہے۔ ایک چیز ہوتی ہے اس کی طرف سے کرنا اور ایک ہے اس سے منسوب کرنا۔ کعبہ "مسجود الیہ" ہے، "مسجود لہ" نہیں (یعنی کعبہ جہت ہے، سمت ہے۔ اُس کی طرف رُخ کر کے سجدہ کیا جاتا ہے۔ کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا۔ سجدہ تو رب العزت جل علیٰ شانہٗ کو کیا جاتا ہے)۔ بعض باتوں میں عوام کا فعل حجت نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے ایک حاجی گیارہ بارہ بکرے قربانی کرتا ہے اور خریدتے وقت کہتا ہے یہ ایک بکرا میرے باپ کی طرف سے، ایک ماں کی طرف سے، ایک دادے کی طرف سے، ایک رسول اللہؐ کی طرف سے۔ وہیں یہ نیت کرتا ہے اور اس کے بعد وہیں قربانی دیتا ہے تو اس کا ثواب جس کی طرف کر رہا ہے اس کی روح کو پہنچے گا۔

ایک پلیٹ:-

حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کی کہ ایصال ثواب میں بعض اوقات ایک پلیٹ ہی ہوتی ہے اور ایصال ثواب میں بہت سے بزرگوں اور اقرباء کا نام لیا جاتا ہے۔ آخر اتنی سی چاولوں کی پلیٹ کا ثواب کس کس مقدار میں ان کو پہنچتا ہے۔ اتنے بزرگوں کو تو ایک ایک دانہ بھی حصے نہ آتا ہوگا۔

فرمایا: رب العزت نے اس کے درجات قرآن حکیم میں بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص ایک نیکی کرے ہم دس گنا اجر دیتے ہیں۔ گویا ایک سورہ فاتحہ کا دس گنا اجر ہوا تو وہ بڑھ گیا۔ اس کے بعد دوسری سٹیج یہ ہے کہ رب العزت فرماتے ہیں کہ ہم اگر چاہیں تو اس سے بھی دوگنا کر دیں۔ واللہ یضٰعف لمن یشاء. (۲:۲۶۱) گویا بیس گنا ہو گیا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ نیکی کا اجر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے حساب بھی ہوتا ہے۔ واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب. (۳:۳۷) یعنی اتنا عطا فرمائے کہ حساب میں ہی نہ آئے۔ جتنوں کے لئے ایصال ثواب کرے اتنا انہیں پہنچ جائے۔ بہر حال تینوں صورتوں میں ایصال ثواب والے نفع میں ہیں اور یہ رحمت الٰہی ہے۔ جس طرح کہ حکومت کے پاس آپ کا روپیہ جمع

ہے اور کچھ وہ اپنی طرف سے ملا دیتی ہے۔ تو یہ رب العزت کی مرضی ہے اس کی رحمت بے حساب ہے۔ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

ایک دفعہ مکہ معظمہ میں مفتی صاحب سے ''حج بدل'' کے متعلق بات ہوئی تو وہ فرمانے لگے کہ حج بدل کرنے والے کو گیارہ حج کا ثواب ملتا ہے۔ ایک' وہ جو کر رہا ہے' اور دس نیکی کا رب العزت نے۔ قرآن حکیم میں زمیندار کی مثال بھی دی ہے کہ ایک زمیندار کھیتی بوتا ہے وہ کھیت میں ایک دانہ پھینکتا ہے' رب العزت فرماتے ہیں جب ہم اسے اگاتے ہیں تو بعض اوقات ایک دانے کی ایک بالی اور ایک سٹہ' پھر سٹے میں سو دانے گویا ایک سو۔ کبھی ایسا کہ ایک دانے سے سات شاخیں اور ہر ایک پر ایک سٹہ پھر گویا سو کی بجائے سات سو دانے کر دیئے۔ نیز یہ کہ ہماری قدرت چاہے تو اس سے بھی دوگنا کر دیا۔ گویا چودہ سو دانے ہو گئے۔ پھر فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو بغیر حساب کے بھی دانے کر دیتے ہیں۔ بہر حال عمل کا بدلہ رب العزت کی رحمت پر موقوف ہے' بونے والے کی ہمت پر نہیں۔

سُود

کاروباری حصے:-

سلیم سہروردی نے سوال کیا کہ سود کے متعلق بعض کہتے ہیں کہ کاروباری حصے خرید لینے سے وہ صورت پیدا نہیں ہوتی کیا یہ جائز ہے؟

فرمایا: یہ تجارت ہے۔ کاروباری کمپنیاں جتنا نفع دیتی ہیں وہ بچت میں سے دیتی ہیں وہ چونکہ مساویانہ طور پر ان کا روپیہ لگا ہوتا ہے وہ منافع سے اس روپے کا حصہ رسدی دیتی ہیں وہ گویا ممبروں کو تجارت کا نفع ہے وہ سود نہیں۔

سائل نے عرض کی کہ اس طرح بینک بھی کمپنی ہے۔

فرمایا: نہیں۔ وہ تو آپ سے معاہدہ کرتے ہیں کہ ہم آپ کے روپے سے آپ کو چار آنے سینکڑہ دیں گے۔ وہ بینک خواہ کاروبار کرے یا نہ کرے اسے نفع ہو یا نقصان ہو آپ کا اس سے تعلق نہیں اس لئے وہ سُود ہے۔

سائل نے عرض کی کہ بینک میں دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں ایک جو بینک کی تعمیر کرتے ہیں ان کے متعلق؟

فرمایا: اگر بینک دیوالیہ ہو جائے تو حصہ داروں پر اثر پڑے گا۔ اس کی بنیاد ہی سود ہے۔ عوام اگر روپیہ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں تو اس معاہدے کے جتنے پیسے ملیں گے وہ سود ہے۔ اور اگر اس معاہدے کے ساتھ یہ شرط نہیں تو وہ کمپنی جتنا نفع کمائے گی، مثلاً ایک پاور ہاؤس بنتا ہے وہ حصے بیچتے ہیں۔ چار پانچ سال پاور ہاؤس تعمیر ہوتا رہتا ہے کوئی آمدنی نہیں ہوتی جب مکمل ہو جاتا ہے آمدنی شروع ہو جاتی ہے۔ اس پر جو روپیہ آتا ہے وہ پاور کی قیمت کا آتا ہے۔ اس روپے میں سابقہ اخراجات نکال کر نفع تقسیم کیا جاتا ہے۔ وہ اب سود نہیں چونکہ وہ اس روپے کا کاروبار ہے۔

بینک کا پیسہ:-

سائل نے عرض کی کہ بینکوں کے پیسے کو بھی اگر اسی طرح سمجھ لیں تو؟

فرمایا: سوال یہ ہے کہ وہ سود ہے یا نہیں؟ وہ تو ہے ہی سود۔

سُودی کاروبار:-

سائل نے دلالت کی کہ بڑے کاروباری لوگوں کا کام تو اس کے بغیر چل نہیں سکتا۔

فرمایا: نہ چل سکنے والی بات اور ہے۔ ان کا کام نہ چل سکنے کی وجہ سے سود تو جائز نہیں ہو سکتا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ جو بالارادہ بھی سود نہ لینا چاہے گا، اس کی ناک میں بھی اس کا دھواں پہنچ جائے گا۔ اب سوائے اس روپے کے جو بغیر سود کے ڈیپازٹ رکھ دیا جائے باقی ہر ایک کے ساتھ سود ہوتا ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ آپ کے روپے سے بینک نے سود کمایا ہے تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

یہ مسئلہ یاد رکھو کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ تمہارے لئے حرام میں شفا نہیں۔ حرام کا صدقہ بھی حرام ہے۔ ہر وہ چیز، ہر وہ پیسہ، جس پر سود کا لفظ بولا جائے گا وہ شرعاً حرام ہے اس کی نوعیت خواہ کچھ بھی ہو۔ اگر "اصل زر" قائم رہے اور اس کے ساتھ طے شدہ چیز بھی قائم رہے تو وہ سود ہے۔ قرآن نے سود کے متعلق اتنا سخت نوٹس دیا ہے کہ حکم ہوتا ہے:-

فان لم تفعلو فاذنوا بحرب من الله. (۲:۲۷۹)

یعنی اگر باز نہ آؤ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

یہ نوٹس زنا، شراب، قتل یا کسی کفر کے متعلق بھی رب العزت نے نہیں فرمایا جتنا شدید

نوٹس اس کے متعلق دیا ہے کہ اگر نہیں چھوڑتے تو اللہ کے ساتھ لڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب خیال فرماؤ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنا کس کی قوت میں ہے؟ گویا یہ بتایا کہ تمہاری یہ نافرمانی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسے چھوڑ دو۔ اب اگر لوگ اس کی صورتیں بدل لیں تو یہ علیحدہ بات ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔

سمال سیونگ سکیم:-

سائل نے عرض کی کہ سمال سیونگ سکیم دس روپے کے پندرہ روپے دیتی ہے۔ اس کے متعلق؟

فرمایا: اگر حکومت کسی وجہ سے وہ خرچ کر کے واپس نہیں کرتی تو اس کا کیا حل ہے؟

سلیم صاحب نے عرض کی وہ واپسی کا وعدہ کرتی ہے۔

فرمایا: جنگ عظیم میں انگریزی حکومت نے لوگوں سے اربوں روپے لئے۔ جب واپسی کا مطالبہ ہوا تو حکومت نے ''آگ ڈے'' منا ڈالا۔ کمشنر، ڈپٹی کمشنر آ گئے۔ کہنے لگے حکومت آج یہ دیکھنا چاہتی ہے کہ جنہوں نے حکومت کی مدد کی تھی کیا وہ لوگ روپیہ معاف کرتے ہیں؟ ایک دو حکومت کے پٹھو آگے بڑھے۔ انہوں نے وہ ڈیفنس سرٹیفکیٹ وغیرہ آگ میں ڈال دیئے۔ اسی طرح کئی اور لوگ کمشنر اور ڈی سی کو خوش کرنے کے لئے کہ حکومت کی خوشنودی کا یہی ذریعہ ہے آگے بڑھے اور انہوں نے بھی اپنے اپنے سرٹیفکیٹ جلا دیئے۔ تو آپ ہی بتائیے کہ پھر لوگوں نے کیا لیا؟ اگر حکومت اس پر سود دیتی ہے تو وہ انعام ہے۔ اگر نہیں دیتی تو لوگ معاف کر دیں۔ یہ جائز ہے وہ انعام ہے وہ سود نہیں۔

سائل نے عرض کی کہ حکومت کہتی ہے کہ وہ منافع ہے۔

فرمایا: منافع کی وہ صورت پیدا نہیں ہوتی، جب تک سود کی جتنی صورتیں قرآن نے بیان کی ہیں وہ عائد نہ ہوں۔

سروس گریچویٹی:-

سلیم صاحب نے کہا سروس گریچوٹی کے لئے حکومت ہم سے پانچ روپے کاٹتی ہے اور پانچ روپے خود دیتی ہے اس کے متعلق؟

فرمایا: آپ کی تنخواہ سے جو کاٹا جاتا ہے اتنا اپنی طرف سے ڈال کر جب حکومت ادا کرتی

ہے تو یہ آپ کی خدمت کا انعام ہے اور آپ کے لئے جائز ہے' اس لئے کہ محکمہ نے اس حساب سے نہیں لگایا کہ آپ کا پانچ ہزار جمع ہے اور اس کا سود کتنا ہے' مگر اس نے جتنی رقم آپ کی ہے اتنا اپنے آپ پر لازم کیا ہوا ہے اور معاہدہ کر رکھا ہے۔ اس کو وہ سود نہیں لکھتے۔ وہ آپ کا ''حق خدمت'' ہے حسن کارکردگی کے لحاظ سے' اور وہ جائز ہوتا ہے۔

رہن :۔

سلیم صاحب نے عرض کی کہ زمین پر رہن اور اناج کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا: اناج پر معاہدہ اور چیز ہے' زمین پر رہن اور چیز۔ مرتہن اس پر جو نفع اٹھائے گا اور روپیہ اگر اس میں منہا نہیں کرے گا اور فق الرہن نہ کرے گا تو وہ سود ہوگا' سوائے جانور کے۔ مثلاً ایک گھوڑا یا بھینس رہن میں دیتا ہے تو لینے والا اسے اگر یونہی کھلا چھوڑ دے تو وہ جانور زندہ نہ رہے گا۔ پس اس کی خدمت کے سلسلہ میں اس کا دودھ' سواری جائز ہے۔ یہ دراصل اس رہن کے روپے کے علاوہ ہے جو تم نے دیا ہے۔ اس لئے کہ تم نے انہیں کھلا تو نہیں چھوڑ رکھا' ان کی حفاظت کر رہے ہو' ان کی خورد و نوش پر خرچ کر رہے ہو' اس لئے ان سے نفع یعنی بھینس سے دودھ اور گھوڑے سے سواری وغیرہ جائز ہے۔

سائل نے عرض کی کہ جوار کی دس بوریاں گندم کی دس بوریوں کے عوض اگر وہ فصل پر لے تو؟

فرمایا: اگر دس بوریاں جوار دس بوری گندم کے عوض لے گا تو قیمت کی زیادتی سود ہوگا۔ اگر دس بوری جوار کی قیمت کے مطابق گندم لے گا تو پھر ٹھیک ہے۔

بینک کی ملازمت :۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ بینک کا سارا کاروبار چونکہ سود پر جاری ہوتا ہے تو کیا بینک کے ملازم کی تنخواہ بھی حرام ہے؟

فرمایا: ملازمت تنخواہ کے پیسوں کو حرام نہیں کرتی' اس لئے کہ بینک کے لین دین یا سودی کاروبار میں اس ملازم کی مزدوری پر اثر نہیں پڑا۔ مثال کے طور پر ایک ڈاکو ڈاکہ مار کر یا ایک چور چوری کر کے روپیہ لاتا ہے۔ اس روپے سے وہ مکان بناتا ہے۔ جو راج مزدور مکان بنانے پر لگے ہوئے ہیں۔ انہوں نے تو مزدوری کی ہے' انہیں اس چور یا ڈاکو کے

حلال وحرام سے کوئی واسطہ نہیں (اسی طرح) سلطنت کے خزانے میں کئی طرح کی مدیں ہوتی ہیں۔ کئی طرح کا روپیہ ہوتا ہے۔ اس میں شاہی خزانے سے جو تنخواہ دی جاتی ہے وہ خواہ انگریز کا بینک ہو خواہ اسلامی سلطنت کا۔ بینک کی نوعیت سے ملازم کا تعلق نہیں۔ اسی طرح امداد باہمی کی سوسائٹی ہے اس میں سارا روپیہ سودی ہوتا ہے۔ ملازمت تنخواہ کے پیسوں کو حرام نہیں کرتی۔

اسی طرح ایک کھتری کے گھر مسلمان مزدور لگا ہے۔ وہ سارا دن گارا ڈھوتا ہے۔ شام کو اسے ڈیڑھ روپے مزدوری ملتی ہے۔ اس مزدور کو ہندو کے حرام حلال سے کیا واسطہ اس لئے کہ اس نے تو مزدوری کی ہے۔

(مشکل یہ ہے کہ) آج کل کچھ نیک بخت اس قسم کے بھی پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ شریعت کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال رہے ہیں۔ انہیں آتا جاتا کچھ نہیں۔

فسق جزوی:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: پچھلے دنوں کراچی میں ایک مولوی ایک شخص کو لے کر میرے پاس آ گیا۔ میرے پاس دس بارہ آدمی اور بھی بیٹھے تھے۔ مولوی کہنے لگا کہ جی یہ شخص دیوبند ہے لہٰذا اس سے حنفی لڑکی کا نکاح جائز نہیں۔ میں نے کہا نکاح پہلے ہو چکا ہے یا اب کرنا ہے؟ کہنے لگا پہلے کا ہو چکا ہے۔ میں نے کہا پھر اس پردے میں اب طلاق لینا چاہتے ہو؟ کہنے لگا طلاق تو ہونی چاہئے۔ میں نے اسے سمجھایا کہ کوئی عقل کی بات کر اس لئے کہ قرآن نے منع فرمایا ہے۔ یہاں یہ جو کفر اور فسق کے فتوے تم دے رہے ہو یہ تمہاری اپنی تحقیق ہے۔ شریعت اس کے متعلق اس حد تک ان پر کفر کا فتویٰ نہیں دیتی۔ ایک فسق جزوی ہوتا ہے اور ایک فسق کلی۔ کلی فسق وہ ہوتا ہے کہ شریعت کے اکثر امور میں وہ مخالفت کرے اور تھوڑوں میں مطابقت کرے۔ فسق جزوی کی صورت میں یہ تمہارے والا فتویٰ نہیں لگایا جا سکتا بلکہ بعض حالات میں تو نماز جنازہ، نماز باجماعت، فاسق فاجر کے پیچھے جائز سمجھی گئی ہے۔ اس ''فاسق''، ''فاجر'' سے مراد ''فسق جزوی'' ہے مثلاً ایک آدمی داڑھی نہیں رکھتا۔ داڑھی نہ رکھنا فسق جزوی ہے اگر کسی موقعہ پر اسے امام بنایا جائے تو اس کا امام بنایا جانا اکثریت کو مانع نہیں۔ تم نے تو نکاح کی جز پر کلہاڑا رکھا ہے۔ (تو بتاؤ کہ) کتنی عورتیں ہیں

جنہیں تم طلاق دلوا کر پھر ان کا نکاح حنفیوں سے کرو گے؟ عورت والے شخص سے میں نے پوچھا کہ اس بات میں کیا اس مولوی کی کوئی شرارت تو پوشیدہ نہیں؟ وہ شخص کہنے لگا کہ میں اہل سنت والجماعت ہوں۔ بریلی کے کسی بزرگ کا نام لیا کہ ان کا بیعت ہوں۔ یہ خواہ مخواہ مجھے ذلیل کرنے کے لئے وہابی کہتا ہے۔ خیر میں نے بڑی مشکل سے اس بیچارے کی خلاصی کرائی۔ اس مولوی کے ساتھیوں میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ درحقیقت اس مولوی کا اس شخص کے گھر میں آنا جانا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اگر اس عورت کو طلاق ہو جائے تو یہ میرے قبضے میں آجائے۔

تو بعض اوقات کئی قسم کے مسئلے محض مطلب برآری کے لئے ہوتے ہیں۔

سود کی کتابت:-

چودھری محمد یوسف سہروردی نے عرض کی کہ حضور علیہ السلام نے سود کے لین دین اور کتابت سے منع فرمایا ہے۔

فرمایا: کتابت سے وہ مراد نہیں جو تم اس سلسلہ میں سمجھ رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ دو آدمی آپس میں سود کا لین دین کرنے لگے ہیں۔ جب کہ کلرک کی حیثیت اس بینک میں ایک ملازم یا مزدور کی ہے۔ بینک میں باہر سے جو روپیہ آتا ہے وہ بینک کے نام پر آتا ہے۔ آگے اس کی تقسیم کے مختلف شعبے ہیں۔ ہر شعبے کا علیحدہ کلرک ہے۔ جس شعبے کا الگ الگ کلرک ہے وہ ساری ذمہ داری کو پورا نہیں کرتا۔ اس کی تنخواہ اس کے اپنے ٹائم کی مزدوری ہے۔ اسے تو حکم دیا جاتا ہے کہ درج کرو۔ یہ اندراج یا کتابت اس صورت میں حرام ہوتی ہے جس صورت میں ''من کل الوجوہ'' تمام شقیں اور مدیں ایک آدمی کے ذمے ہوں اور اس میں اس کا ذاتی تعلق ہو۔

ورک مین سوسائٹی:-

چودھری صاحب نے عرض کی ہم ورک مین سوسائٹی سے جو پیسے لیتے ہیں ہم ان سے سود لیتے ہیں اور انہیں سود دیتے بھی ہیں۔

فرمایا: آپ کی یہ حرکت یعنی انہیں لکھنا کہ ہم ایسا کرتے ہیں وہ ''ہم'' کا لفظ گورنمنٹ کی طرف سے ہے۔ وہ کلرک بری الذمہ ہے۔ وہ جو سود ادا کرتا ہے اس کی نوعیت الگ ہے۔

جو چیز قرآن نے صاف طور پر لکھی ہے کہ سود چھوڑ دو وہ کیا تھا؟ روپے کے ساتھ برابر برابر یا دگنا معاہدہ کر لینا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ زید نے آپ سے پچاس روپے قرض لئے۔ اس کی صورت ایک تو یہ ہے کہ تمہاری کھجوریں یا گندم جب آئے تو مجھے پچاس روپوں میں دے دینا۔ یہ صورت فریقین کے لئے حلال ہوگی۔ ایک صورت یہ ہے کہ میں تمہیں پچاس روپے قرض دیتا ہوں جب تک تم مجھے میری رقم ادا نہیں کرتے اس وقت تک میں تم سے سیر یا سوا سیر نی روپیہ لیتا رہوں گا۔ اگر تم بیس سال تک نہ دو گے پھر بھی میری رقم کھڑی رہے گی۔ یہ کھجوریں لینے کا معاہدہ سودی ہے۔ اس میں فریقین کا لینا دینا' پڑھنا لکھنا' سب کی ذمہ داری ہے اور یہ حرام ہے۔ بڑی چیز غور طلب یہ ہے کہ کسی ساہوکار یا کسی گورنمنٹ یا بینک کے لین دین کا معاہدہ' اس گورنمنٹ یا بینک کا ہے' نہ کہ اس کے ملازم کا۔

پینشن یا فنڈ:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اسی طرح گورنمنٹ کہتی ہے پینشن لو گے یا فنڈ؟ پینشن انعام ہے' حق الخدمت ہے۔ بونس اور ''پراویڈنٹ فنڈ'' گورنمنٹ نے اپنے ذمے لیا ہے' وہ بھی سود نہیں۔ سود وہ ہے کہ گورنمنٹ تمہیں قرض دے اور مطالبہ کرے کہ اتنے فیصدی زائد دو۔ فنڈ کے معاملہ میں گورنمنٹ تم سے لازمی لیتی ہے۔ مثلاً بارہ روپے تم سے لیتی ہے اور بارہ روپے خود دیتی ہے۔ وہ اس پر اپنی مرضی سے سود لگاتی ہے۔ اگر کسی موقع پر وہ سود بند کر دے یا کم کر دے تو تم اس کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔ تم پر وہ حرام نہیں' وہ تم پر جائز ہے۔ اگر تم کہو کہ ہم چار فیصدی کی بجائے چھ فیصدی لیں گے تو تم ایسا نہیں کر سکتے' اس لئے کہ یہ ایک سلطنت کی اپنی رضا مندی ہے کہ اس نے اپنے ملازموں کو نفع پہنچانے کے لئے یہ کیا ہے۔ اس کی مرضی ملازم کی مرضی پر موقوف نہیں۔ اسے صرف انعام سمجھتے ہوئے جو کچھ وہ دیں بغیر پوچھے ہوئے لے لو۔ یہاں یہ مجبوری کہ تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ میں فنڈ کی رقم جمع نہیں کراتا' یا یہ کہ میں بارہ روپوں کے بارہ روپے نہیں لیتا یا یہ کہو کہ آپ مجھے صرف میری رقم ہی دیں' یا یہ کہو کہ میری رقم استعمال نہ کرو' اسے امانت کھاتے میں رکھ دو' تو بھی وہ نہ مانیں گے۔ اس لئے اس کا بوجھ اس پر ہے جس نے یہ کیا ہے۔ البتہ جو روپیہ تم خود بینک میں جمع کراؤ اس کے ساتھ جو سود ملتا ہے وہ نہ لو تو پھر ٹھیک ہے کیونکہ وہاں تمہیں مجبوری نہیں۔ وہ روپیہ

امانت کھاتے میں رکھو کہ نہ تم اسے استعمال کرو اور نہ اس کا سود لو۔

یہ جو بعض لوگ سود کے جواز میں یہ ترجمہ کرتے ہیں کہ ہم جو سود چھوڑ دیتے ہیں تو یہ روپیہ عیسائی مشنری والوں کو چلا جاتا ہے جسے خرچ کر کے وہ دوسری قوموں کو عیسائی بناتے ہیں لہٰذا یہ سود انہیں نہ پہنچے' اسے ہم لے لیتے ہیں۔ تو یہ صورت ان بینکوں کے متعلق ہے جو تمہیں زبردستی سود نہیں دیتے۔ جو بینک محکمانہ طور پر مزدور کو روپیہ کے لئے مجبور کر دیتے ہیں اس میں اس ملازم یا مزدور کا بس نہیں۔ اس کے لئے وہ زائد رقم نہ سود ہے نہ حرام ہے۔ کام کرنے والا جتنی دیر خدمت کرتا رہا تنخواہ لیتا رہا ہے۔ بعد میں اس نے پینشن لے لی ہے۔ اس نوکری کے بعد حکومت جو پینشن دیتی ہے اس کا بھی خاص سبب ہوتا ہے کہ گھر بیٹھ کر یہ حکومت کا مشکور بھی رہے اور روٹی کے لئے حکومت کے خلاف فتنہ پیدا نہ کرے تاکہ گھر جا کر اس کا الحاق حکومت کے ساتھ رہے۔ پینشن بچانے کے لئے وہ قوم کے کسی کام یا سیاسی معاملے میں تعاون نہیں کرے گا۔ گویا پینشن دے کر قبر تک حکومت نے اسے خرید لیا ہے' ورنہ پینشن اور کوئی شے نہیں۔

پوسٹل ڈیپازٹ:-

ایک صاحب نے پوچھا کہ ڈاک خانے میں روپیہ جمع کرانے پر جو سود ملتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا: زید کچھ روپیہ بکر کے ہاتھ دے دیتا ہے۔ بکر اس روپے کی تجارت کرتا ہے اور پھر زید کو چار یا دس روپے دے کر کہتا ہے کہ یہ اس تجارت کا نفع آیا ہے' یہ تو طے ہے کہ اسے سود کہا جائے گا۔ اگر زید خود اس کی تجارت کرے، اسے دو روپے آئیں یا دس روپے وہ حلال ہے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا:-

یہ مسئلہ ذرا الجھن والا ہے۔ علی گڑھ سے ایک رسالہ ''سود مند'' نکلتا تھا' اس میں یہ صورت پیدا کی گئی۔ بڑی وجہ انہوں نے یہی لکھی کہ مسلمان روپیہ بینک میں رکھتے ہیں۔ بینک اس روپے سے نفع اٹھاتا ہے۔ وہ نفع اگر مسلمان اپنے روپے کا چھوڑ دیتے ہیں تو بینک وہ روپیہ عیسائی مشنری کے حوالے کر دیتا ہے۔ عیسائی اس روپے سے جنگ کے موقع پر گولہ بارود بھی بناتے ہیں' اس کے علاوہ پمفلٹ اور کتابیں چھاپ کر عوام میں مفت تقسیم کر کے

انہیں گمراہ کرتے ہیں اور یہ رقم مسلمانوں کے خلاف بطور حربہ استعمال ہوتی ہے لہٰذا مسلمان یہ کریں کہ بینک سے وہ نفع وصول کرلیں۔ اسے اپنی ذاتی مصارف میں نہ لائیں بلکہ کسی قومی کار خیر میں لگادیں مثلاً کوئی کالج، مدرسہ، سرائے یا نلکا لگوادیں۔ میں نے انہیں لکھ کر پوچھا کہ آپ نے جو یہ تاویل کی ہے اس سلسلہ میں مجھے ان دو باتوں کا جواب تحریر کردیں:

(۱) ایک مسلمان ہے، اس کی گائے مر جاتی ہے۔ وہ دو روپے اپنی گرہ سے دے کر چماروں سے اسے اٹھواتا ہے کہ یہ مردار ہے۔ چمار باہر جا کر کھال اتار لیتے ہیں اور دس بارہ روپے میں بیچ دیتے ہیں۔ اگر یہ دیکھا جائے کہ زید کہے کہ ہماری گائے کی کھال چماروں نے بیچ دی ہے یہ غیر مسلم ہیں اس سے پلتے ہیں اس لئے ہم خود ہی بیچ لیا کریں تو کیا یہ مردار کی تجارت مسلمانوں کے لئے جائز ہوگی؟

(۲) زید کا روپیہ بینک میں جمع ہے۔ بقول آپ کے وہ سود کا روپیہ بینک سے وصول کر کے آگے کوئی کار خیر کردے۔ آپ بتائیں کہ بینک سے وصول کرنے کے جو دستخط کرے گا تو سود کا لینا اس کے ذمے ہو جائے گا یا نہیں؟ سود اس نے لیا ہے۔ آگے کار خیر میں خرچ کرتا ہے۔ آپ کو یہ حدیث یاد ہونی چاہئے کہ حرام شے کا صدقہ بھی حرام ہے۔ اگر وہ شخص بینک سے سود لے لے تو وہ حرام۔ آگے اس کا صدقہ حرام۔ پہلے تو اس نے اکیلے کھانا تھا، اب پانچ سو مسلمانوں کو کھلائے گا۔ اس کی کوئی وجہ جواز معلوم نہیں ہے۔

انہوں نے اس کا جواب نہ دیا صرف یہ لکھ دیا کہ آپ ہمارے دوسرے رسالے کا انتظار کریں۔ میں تو اس رسالے کا خریدار نہیں تھا۔ مجھے انہوں نے کیا بھیجنا تھا۔ تو ایسی صورتیں ہیں کہ لوگ تاویلاً ایک چیز کو جائز کرنے کے لئے ہزار حیلے پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً بھنگ ہے۔ کوئی شخص یہ کہے کہ اس کے پتے دھریک کے مشابہ ہیں۔ تاثیر الگ ہوتی ہے۔ اگر اس کے پتوں کو ابال کر، گھوٹ کر، نفع اٹھالے یا فلاں بیماری کا علاج ہے، اس چیز کو تاویل کر کے جائز کرلیا، حالانکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یہ "شجر خبیثہ" ہے۔ اس میں نشہ ہے۔ یہ منع ہے۔ ایک شخص ایک شے کی بگڑی ہوئی صورت کو: مثلاً جو ہیں۔ جو کا آٹا کھایا جاتا ہے پیس کر ستو بنا لیتے ہیں۔ اس کی بگڑی ہوئی صورت جو کی شراب ہے۔ اب کوئی کہے کہ اس کی

ذات تو پاک ہے لہٰذا اس کا پانی پی لیا جائے۔ شراب ہر پینے والی شے کو کہتے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھے کشمش پھل ہے۔ انگور ایک پھل ہے، جب تک اصل حالت میں ہے طیّب ہے، حلال ہے، پاک ہے۔ جب ''ترکا کر'' یعنی بگاڑ کر بدبو پیدا کر کے اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں، اس کی وہ صورت پیدا ہو جائے جس کے پینے سے سکر یا مستی آئے، اس صورت میں انگور حرام ہو جائے گا۔ لوگ توڑ موڑ کر جائز کر لیتے ہیں جو نہیں کرنا چاہئے۔ اسی طرح خنزیر ہے اس کا جزو بھی حرام اور کُل بھی حرام۔ اس کو حلال کرنے کی کوشش کی جائے تو فضول ہے۔

متفرق مسائل

عقیقہ:-

ایک مجلس میں سید عباس حسین سہروردی نے عرض کی کہ ہم عقیقہ کا گوشت نہیں کھاتے استفسار فرمایا: کیوں؟

شاہ صاحب نے عرض کی اس لئے کہ یہ صدقہ ہے۔

فرمایا: یہ صدقہ نہیں، یہ سب پر جائز ہے۔ اگر یہ صدقہ ہوتا تو اس کا نام عقیقہ نہ ہوتا۔ قرآن نے ہر چیز کے درجے مقرر فرمائے ہیں۔ زکوٰۃ اور چیز ہے، صدقہ اور، خیرات اور چیز، اور عقیقہ اور چیز۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک بچے کا عقیقہ ادا نہ کیا جائے بچہ رہن رہتا ہے۔ یعنی اس کے حالات، اس کی فراخی، اس کی کشادگی اور آزادی کے منافی ہوتے ہیں۔ عقیقہ کے معنی ہیں کسی شخص کو اس کی پابندی سے آزاد کر دینا۔ جیسے ماں باپ کسی بچے کے متعلق لکھ دیتے ہیں کہ ہم فلاں کو ''عاق'' کرتے ہیں۔ وہ عاق کرنے کے معنے ہیں کہ ہماری کسی قسم کی گرفت سے اس کا تعلق نہیں، یہ آزاد ہے۔ اس کا تعلق نہ قرضے سے ہے نہ اور کسی لین دین سے۔ تو عقیقے کے معنی ہیں الگ ہونا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جب جانور ذبح کرو تو یہ دعا مانگو کہ یا اللہ اس جانور کی کھال اس بچے کی کھال کے عوض، اس جانور کے بال اس بچے کے بالوں کے عوض، اس جانور کے جوڑ اس بچے کے جوڑوں کے عوض، اس جانور کا سر اس بچے کے سر کے عوض، اس جانور کی ہڈیاں اس بچے کی ہڈیوں کے عوض، اس جانور کا گوشت اس بچے کے گوشت کے عوض، وغیرہ وغیرہ قبول فرما اور یہ کہہ کر ''بسم اللہ اللہ اکبر'' یعنی تکبیر پڑھ کر جانور کو ذبح کر دو۔ پھر اس کے تین حصے کرو۔ ایک حصہ

گھر کھانے کے لئے ایک حصہ عزیزوں کے لئے اور ایک راہ خدا مسکینوں کے لئے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی رشتہ دار یا کوئی قریبی عقیقے کے گوشت سے مستثنیٰ نہیں فرمایا۔ سب کھا سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ایک ران دائی کو دو سری پائے نائی کو اور سر کے بال تولو۔ ان بالوں کے وزن کے برابر سونا یا چاندی خیرات کرو۔ بلکہ یہ بھی حکم ہے کہ عقیقے کے جانور کا جوڑ الگ کرو۔ ہڈی نہ توڑو۔ عقیقہ سنت ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنبے، مینڈھے، چھترے یا بکرے کا فرمایا ہے۔ گائے کا میں نے کہیں نہیں پڑھا۔
کچھ توقف کے بعد فرمایا: اگر بچپن میں عقیقہ رہ جائے تو جوان ہو کر وہ شخص اپنا عقیقہ ادا کر سکتا ہے۔

شہپر:-

ایک صاحب نے پوچھا کہ بعض لوگ شہپر بڑھاتے ہیں اس کا کیا جواز ہے؟
فرمایا: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب غسل دیا گیا تو غسل کا پانی حضورؐ کی آنکھوں کے پپوٹوں میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے وہ پانی چوسا۔ وہ لبوں پر لگ گیا۔ حضرت علی علیہ السلام نے خیال فرمایا کہ اگر یہ لبیں کٹا دیں تو اس پانی کی بے ادبی ہو گی چنانچہ انہوں نے کچھ عرصہ نہ کٹائیں۔ کسی صحابی نے ان کا نام یاد نہیں۔ کہا اے علی! آپ نے یہ لبیں بڑھالی ہیں، حالانکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مونچھوں کو کٹاؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ۔ تو اس وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے انہیں لبیں بڑھانے کی یہ وجہ بیان فرمائی چنانچہ اس وقت یہ حدیث سن کر آپ نے ان لبوں پر مسواک رکھ کر لبیں کاٹ دیں۔
سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: یہ مسئلہ میں نے یوں سنا ہے۔ اب یہ بات ہے کہ سرکار علی علیہ السلام نے اگر وہ بال کچھ دن نیک خیال پر بڑھائے بھی ہوں تو یہ کہاں سے ثابت ہوتا ہے کہ مونچھیں نہ کٹاؤ۔

پانی کا صدقہ:-

ایک صاحب[1] نے عرض کی کہ ہم نے اپنے مرحوم والد کی خواہش کے مطابق حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے پاس بطور صدقہ سبیل لگوائی ہے۔

---

[1] ملک عبدالرحمٰن دین محمدی پریس بلل روڈ لاہور۔

فرمایا: بڑی اچھی بات ہے' اللہ قبول فرمائے۔ ایک صحابی تھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ۔ ان کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ فوت ہوگئیں۔ وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہؐ! میں نے ان کے لئے صدقہ کرنا ہے۔ کیا صدقہ کروں؟

حضور علیہ السلام نے فرمایا: پانی کا صدقہ افضل ہے کیونکہ عرب میں پانی کی بڑی قلت ہے' چنانچہ انہوں نے ایک کنواں لگوادیا۔ اس کا نام ''بیر اُم سعد'' رکھا۔

صدقہ :-

ایک ارادت مند نے اپنے بڑے بھائی کی بیماری کا تذکرہ کیا۔

فرمایا: بیماری کا علاج صدقہ ہوتا ہے۔ جو پیسے یونہی جمع ہو جائیں انہیں صدقہ کی صورت میں خرچ کردو۔ اللہ تعالیٰ شفا دے گا۔ چاول پکالو اور تقسیم کردو۔

کھالیں :-

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قربانی کی کھالیں امام مسجد کو دی جاسکتی ہیں؟

فرمایا: قربانی کی کھالیں امام مسجد پر جائز ہیں' ان کی قیمت مسجد پر خرچ نہیں ہوسکتی۔

قبرستان میں نماز :-

ایک صاحب نے پوچھا کیا قبرستان میں نماز جائز ہے؟

فرمایا: اگر ''مقامِ سجدہ'' کے سامنے آجائے تو منع ہے۔

قرأت مسنون :-

ایک سائل کے جواب میں فرمایا: قرأت کے لحاظ سے پہلی رکعت چھوٹی ہو اور دوسری بڑی' تو وہ مکروہ ہو جاتی ہے۔ قرأت کے لحاظ سے پہلی رکعت ہمیشہ بڑی ہونی چاہئے اور دوسری چھوٹی۔ قرأت کا مسنون طریقہ یہی ہے۔

پگڑی :-

ڈاکٹر اسماعیل سہروردی نے پوچھا کیا پگڑی سر کے دوسرے لباسوں مثلاً ٹوپی وغیرہ سے فضیلت رکھتی ہے؟

فرمایا: سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ پگڑی بانیٔ اسلام کا پہناوا ہے' سنت ہے۔ حضورؐ

علیہ السلام نے ساری عمر خالی ٹوپی نہیں پہنی۔ دستار مبارک پہنی ہے' اس میں سرکار دو عالمؐ نے کلاہ بھی استعمال فرمائی ہے۔ نہ اکیلی پگڑی اور نہ اکیلی کلاہ پہنی۔ یہ عمل چونکہ حضور علیہ السلام کا دوامی ہے اس لئے فقہا نے لکھا ہے کہ ٹوپی سے جماعت ''مکروہ تحریمہ'' ہے۔ ٹوپی سے جماعت نہ کرائے۔ ویسے ٹوپی ننگے سر سے بہتر ہے اور ٹوپی سے دستار بہتر اور دستار معہ کلاہ افضل ہے۔ پگڑی کا رنگ خواہ کوئی ہو اس میں حرمت نہیں۔

سبز رنگ پسند فرمایا زرد رنگ کی نعلین مبارک پہنیں۔

کلاہ زری:۔

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کلاہ زری کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا کلاہ زری طلے کا کشیدہ ہوتا ہے۔ طِلّہ خالص سونا نہیں ہوتا۔ اس ملاوٹ کے لحاظ سے اگر کسی لباس کا اتنا ریشم ہو یا اتنا سونا ہو' جو اس کے ایک تہائی کو پہنچ جائے تو وہ منع ہے۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی ایک تہائی سے تھوڑا ہو' مثلاً تہہ بند کا دو تین انگل طلائی بارڈر ہے باقی لمبائی چوڑائی سے کم ہے تو یہ جائز ہے۔

رولڈ گولڈ گھڑیاں:۔

ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ رولڈ گولڈ گھڑیوں کے متعلق کیا حکم ہے؟

فرمایا: وہ شرعی طور پر منع ہیں چونکہ بصورت زیور ہیں۔ بعض فقہاء نے اس لحاظ سے جائز قرار دیا ہے کہ وقتی چیز ہے اور اس پر سونے کا پانی کم چڑھا ہوتا ہے' باقی اجزا زیادہ ہوتے ہیں۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

بدعت:۔

عوام کو بدعت کے مسئلہ میں دھوکا لگا ہے۔ اکثر لوگ بدعت کی تعریف یہ کرتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو حضور علیہ السلام کے زمانے میں نہ تھی وہ بدعت ہے۔ حالانکہ یہ سرتا پا غلط ہے۔ زمانے کے حالات' دنیا کی ترقی اور وہ چیزیں جو قرآنی ارشاد کے ماتحت اس زمانے میں نہ تھیں' اب پیدا ہو گئیں۔ قرآن میں آتا ہے تمہارے لئے گدھے' اونٹ' گھوڑے وغیرہ سواری کے لئے پیدا کئے ''اور وہ جو ابھی پوشیدہ ہیں''۔ یہ دو لفظ فرما کر ہر آنے والی سواری کو جائز فرما دیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں سائیکل' موٹر' ریل' ہوائی جہاز' دخانی کشتیاں

علی ہذا القیاس ایسی چیزیں موجود نہ تھیں۔ یہ حضور علیہ السلام کے زمانے کے بعد ایجاد ہوئیں۔ حضور علیہ اسلام نے انہیں استعمال نہیں فرمایا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ یہ بدعت ہیں تو حرام ہو جائیں گی۔ مگر بدعت کی یہ تعریف نہیں۔ کون کہتا ہے کہ رسول اللہ کے زمانے میں نوبت بجا کر روزے افطار ہوتے تھے؟ پریس کا چھپا ہوا قرآن پڑھا جاتا تھا یا حدیث کی کتابیں تھیں۔ گھڑی کا ٹائم نہیں تھا۔ گویا یہ تمام چیزیں اگر اس تعریف کو لیں تو بدعت ہو جاتی ہیں حالانکہ یہ غلط ہے۔ سنت تین قسم کی ہے۔ قولی، فعلی اور تقریری۔

(۱) قولی وہ جو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا۔

(۲) فعلی وہ جو کام کر کے دکھایا۔

(۳) تقریری وہ جو حضور علیہ السلام نے نہ ارشاد فرمایا، نہ کر کے دکھایا، بلکہ کسی شخص کو کرتے دیکھا تو اسے منع نہیں فرمایا۔ پسند فرمایا۔ کیونکہ اگر پسند نہ فرماتے تو منع فرماتے۔

تو جو شخص کسی چیز کو اس رنگ میں ناجائز قرار دے تو اسے درحقیقت بدعت کی تعریف کا علم ہی نہیں۔ بدعت وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ''معروف'' کے خلاف ہو۔ یعنی حضور علیہ السلام کے مشہور قول، مشہور فعل، مشہور تقریری سنت، کے ہونے کے خلاف ہو۔ اس کی مثال نہ پائی جائے۔ قیاس ہو۔ مثلاً فرض کیجیے کسی پتے کا استعمال جائز قرار دیا۔ اس پر پان جائز ہو گیا۔ کسی کھانے کو پسند فرمایا اس کا استعمال جائز ہو گیا۔ اس لئے عام تعریف یہ ہے کہ جس کے متعلق حضور علیہ السلام نے قولی، فعلی، تقریری کچھ حکم نہیں دیا، یا رسول اللہ کے زمانے میں نہ تھا، اس کا استعمال مباح ہے، کیونکہ حضور علیہ السلام نے منع نہیں فرمایا۔

☆☆☆☆☆

معلم اخلاق

ماں کی دعا

سید ممتاز حسین سہروردی نے عرض کی کہ حضرت شیخ الشیوخؒ کے عرس مبارک پر کس موضوع پر نظم لکھی جائے؟۔

فرمایا: جلسے میں مستورات بھی آتی ہیں۔ ''ماں کی دعا کا اثر'' پر نظم لکھیں۔

حضرت شیخ الشیوخؒ کے لئے:۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: حضرت شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ کی والدہ محترمہ نے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لڑکا عطا فرمائے۔ پھر وہ حضرت غوث الاعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ ابھی تک میرے ہاں اولاد نہیں ہوئی' آپ نظرِ عنایت فرمائیں۔ حضرت غوث الاعظمؓ نے تسلی فرمادی۔ جس وقت ولادت ہوئی تو لڑکے کی بجائے لڑکی پیدا ہوئی۔ بی بی صاحبہ بچے کو لے کر حضرت غوث الاعظمؓ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا مگر یہ تو لڑکی پیدا ہوئی ہے۔ حضرت نے لڑکی کو اپنے ہاتھوں میں اٹھالیا اور فرمایا لڑکی کب ہے یہ تو لڑکا ہے۔ چنانچہ ان کی ہیئت بدل گئی۔ حضرت شیخ الشیوخ رحمتہ اللہ علیہ کی شکل وشباہت مردوں کی طرح تھی مگر چھاتیاں عورتوں کی طرح۔ تو یہ ہے ماں کی دعا کا اثر۔

حضرت میاں میرؒ کے لئے:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: حضرت میاں میر رحمتہ اللہ علیہ کو ڈیڑھ دو سال شدید کھانسی رہی۔ ساری رات جاگتے رہتے، بڑے کمزور ہوگئے۔ دوائی کھالیں تو کچھ افاقہ ہو جائے' ویسے آرام نہ آئے۔ ایک دن ان کی والدہ صاحبہ محلے کی ایک بی بی کو ساتھ لے کر

حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ بی بی نے کہا یہ مائی صاحبہ بڑی بزرگ عورت ہیں۔ ان کا لڑکا بیمار ہے۔ اسے ڈیڑھ دو سال سے کھانسی لگی ہوئی ہے آرام نہیں آتا۔ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ان کے لڑکے کو صحت دے۔ فرمانے لگے ہاں یہ ٹھیک ہے۔ دعا فرمائی۔ مائی صاحبہ کو کہا جایئے اللہ رحم کرے گا۔ مائی صاحبہ چلی گئیں۔ دعا قبول ہوگئی۔ اس رات حضرت کو کھانسی نہ ہوئی۔ اپنی والدہ کو فرمانے لگے اماں جی رب نے رحم کیا ہے آج کھانسی نہیں ہوئی۔ انہوں نے کہا یہ بڑا اچھا ہوا ہے اللہ نے رحم کیا۔ تم نے تو اپنے لئے دعا کرنی نہیں تھی۔ میں نے دعا کرائی ہے جبھی اللہ نے رحم کیا اور تجھے صحت بخشی۔ تو اس وقت حضرت کو پتہ چلا کہ صبح جو مائی صاحبہ میرے پاس اپنے لڑکے کی بیماری کی دعا کرانے آئی تھیں وہ میری والدہ تھیں۔ بات دراصل یہ ہے کہ ماں کی مامتا حد سے زیادہ ہوتی ہے۔ اتنی زیادہ کہ خدا اور رسول کے بعد اگر کسی کو محبت ہے تو ماں کو ہے۔ اللہ تعالیٰ کا پیار ستر (۷۰) ماؤں کے پیار کے برابر ہے۔

بڑے میاںؒ کے لئے:۔

بڑے میاں درس والے المعروف میاں وڈھا سہروردیؒ کی والدہ فریاد بی بی نے ایک مرتبہ لیلتہ القدر دیکھی۔ انہوں نے سنا ہوا تھا کہ لیلتہ القدر میں جو دعا مانگی جائے وہ قبول ہو جاتی ہے۔ چنانچہ انہوں نے دعا مانگی کہ ''الٰہی! میرے چاروں بیٹے ولی ہو جائیں!'' چاروں بیٹے ولی ہوگئے۔ وجہ یہ ہے کہ جس درد سے ماں نے دعا مانگنی ہوتی ہے اتنا درد کسی اور کو نہیں ہوتا۔

امام قشیریؒ کے لئے:۔

اسی طرح حضرت امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ کی تعلیم کا انتظام ان کی والدہ محترمہ کی دعا پر رب العزت نے حضرت خضر علیہ السلام کے ذریعے کیا۔ حضرت امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ''نفحات الانس'' میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ''انیس الجلیل'' میں لکھا ہے کہ حضرت امامؒ کے گاؤں کے چند لڑکے دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بغداد جا رہے تھے۔ آپ نے ماں سے پوچھا میں بھی چلا جاؤں؟ وہ ابھی آٹھ دس سال کے بچے تھے اس لئے ماں دل سے ان کی جدائی نہیں چاہتی تھی، لیکن بچے کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے انہوں نے اجازت دے دی۔ وہ روانہ ہوگئے۔ راستے میں ایک جگہ بے احتیاطی سے ان کا تہبند پلید

ہوگیا۔ اسی وقت انہوں نے واپسی کی ٹھان لی۔ دوسرے لڑکوں نے پوچھا کہ میاں واپس کیوں جاتے ہو؟ کہنے لگے پہلی منزل پر میرا تہبند پلید ہوگیا ہے۔ دوسری منزل پر کہیں دل ہی ناپاک نہ ہو جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میری ماں کی مرضی نہیں' اس لئے واپس گھر جاتا ہوں۔ چنانچہ گھر واپس آ گئے۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ ماں بیٹھی رو رہی ہے۔ ان سے کہنے لگے اماں! میں واپس آ گیا ہوں اور اب نہیں جاؤں گا' لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ نے مجھے واپس تو بلا لیا ہے مگر میرے حصول علم کا کیا ہوگا؟ ماں نے کہا بیٹا فکر نہ کر دعا کروں گی' اللہ تیرے علم کا سامان پیدا کرے گا۔ چنانچہ انہوں نے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ کا حضرت خضر علیہ السلام کو حکم ہوا کہ اس بچے کو گھر جا کر پڑھایا کرو۔ چنانچہ پندرہ سال حضرت خضر علیہ السلام آپ کو گھر آ کر پڑھاتے رہے۔ تو یہ ہے ماں کی دعا کا اثر۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

امانت آخری کتب خانہ:۔

صاحب ''نفحات الانس'' نے لکھا ہے کہ حضرت امام قشیری رحمتہ اللہ علیہ کے پاس کتابوں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ انہوں نے خود بھی بہت سی کتابیں لکھیں۔ آخری عمر ہوئی تو انہوں نے اپنی تمام کتابیں ایک صندوق میں بند کیں اور اپنے ایک شاگرد کو حکم دیا کہ انہیں جا کر دریائے دجلہ میں پھینک آؤ۔ وہ اس حکم پر بہت حیران ہوا اور خیال کیا کہ اس طرح یہ تمام کتابیں' یہ علم کا ذخیرہ' ضائع ہو جائے گا۔ وہ صندوق اٹھا کر چلا آیا۔ راہ میں اس نے سوچا کہ میں انہیں کسی کے گھر رکھ جاؤں اور امام صاحبؒ کو کہہ دوں کہ دجلہ میں پھینک آیا ہوں۔ چنانچہ وہ کتابوں کا صندوق کسی کے گھر رکھ کر استاد صاحب کے پاس واپس چلا آیا۔ آپ نے پوچھا غرق کر آئے ہو؟ کہنے لگا جی! آپ نے کہا کیا دیکھا تھا؟ اس نے کہا کچھ نہیں۔ آپ نے فرمایا تو تم نے پھر کتابیں غرق ہی نہیں کیں۔ جاؤ اور انہیں فوراً غرق کر کے آؤ اور جو کچھ دیکھو وہ مجھے آ کر بتاؤ۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور صندوق کو جا کر دجلہ میں پھینک دیا۔ صندوق کے پھینکتے ہی گہرے پانی میں سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جو صندوق کو اس کے کنڈے سے پکڑ کر نیچے بیٹھ گیا۔ شاگرد واپس امام صاحبؒ کے پاس آ گیا۔ امام صاحب نے پوچھا پھینک آیا ہے؟ اس نے سارا واقعہ سنایا۔ فرمایا ٹھیک ہے۔ سنو! قیامت کے قریب جب حضرت امام مہدی علیہ السلام کا دنیا میں ظہور ہوگا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے دنیا میں نزول فرمائیں گے اس وقت دنیا میں شریعت کی کوئی کتاب نہ ملے گی۔ حضرت امام

مہدی علیہ السلام نے چونکہ شریعت قائم کرنی ہے اور انہیں اس وقت شریعت کی کوئی کتاب نہ ملے گی وہ دریائے دجلہ پر جائیں گے اور کنارے پر کھڑے ہو کر دریا کو مخاطب فرمائیں گے:

''اے امام قشیری کے کتب خانہ کے امین! وہ امانت آخری کتب خانہ جو تیرے سپرد امانت کیا گیا تھا قطب زمانہ آخری امام مہدیؑ کے حوالے کر''۔

ان الفاظ کے سنتے ہی وہی ہاتھ صندوق کے اسی کنڈے پر پڑا ہوا بلند ہوگا اور صندوق کو دجلے سے باہر پھینک دے گا۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے حاضرین کو فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انکار کرنے والوں سے پوچھا جائے کہ آخر دریا میں کتب خانے کیوں محفوظ کئے گئے ہیں؟ آخر اس میں کیا حکمت الٰہی ہے؟ کیا ان کی حفاظت میں کوئی علت غائی پوشیدہ نہیں؟

قادر مطلق

صوفی عبدالکریم سہروردی نے عرض کی کہ میرے افسر اندرون خانہ ہی میرے خلاف سازش کر رہے ہیں۔

فرمایا: ہر چیز قبضہ قدرت میں ہے اللہ مہربانی فرمائے گا۔ انہوں نے کیا کرنا ہے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ لائل پور کے علاقے کا ایک نمبردار غلام رسول نامی اور چند واعظین علی الصبح میرے پاس آئے کہ دور کا سفر ہے' سڑک سے ہٹ کر بارہ میل گاؤں میں جانا ہے' وہاں پہنچتے دوپہر ہو جائے گی' راستے میں کہیں کھانا وغیرہ ملنا مشکل ہے یہیں سے مکمل ناشتہ کر کے چلنا چاہئے۔ مجھے بھی کہا لیکن میں نے کہا کہ اس وقت طبیعت نہیں چاہتی۔ خیر وہ سب کھانے کے لئے بیٹھ گئے اور رات کا بچا کھچا سالن وغیرہ کھا کر انہوں نے خوب پیٹ بھر لیا۔ چنانچہ روانہ ہو گئے۔ سڑک کے کنارے جہاں اترے وہاں گھوڑوں کا انتظام تھا۔ ہم سب سوار ہو گئے۔ دس بجے گرمیوں میں دوپہر تیز ہو جاتی ہے۔ لائل پور کا علاقہ بڑی سخت گرمی اور دھوپ بڑی تیز۔ ہمارے ساتھ گھوڑیاں واپس لانے کے لئے دو تین آدمی بھی ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک جگہ پہنچے تو پیاس اور بھوک محسوس ہونے لگی۔ اسی اثناء دور سے کوئی شخص ہمیں آوازیں دیتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا۔ جب قریب آ گیا تو کہنے لگا آپ کو ہمارے چودھری صاحب بلاتے ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے پیچھے پیچھے ہو لئے اور ان کی کوٹھی میں پہنچے نہر کا راجباہ ان کی کوٹھی کے

لان سے گزر رہا تھا۔ کوٹھی بھی نہایت عمدہ اور کشادہ تھی۔ بڑا پر لطف سماں تھا۔ چودھری کہنے لگا بزرگو! میری خواہش تھی کہ کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ کھانا کھاؤں اس لئے گزارش ہے کہ پہلے میرے ساتھ کھانا کھالیں پھر چلے جانا۔ چنانچہ اس کی خواہش کے مطابق ہم بیٹھ گئے۔ نوکروں نے ہماری گھوڑیاں باندھ دیں۔ تھوڑی دیر بعد نہایت نفیس اور پر تکلف کھانے عمدہ طشتریوں میں سجے ہوئے آگئے جن کے متعلق یہ وہم بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ اس جنگل میں بھی یہ کھانے میسر آسکتے ہیں۔ میں نے کہا چودھری صاحب یہ ساتھی تو کھانا کھا آئے ہیں میں آپ کے ساتھ کھالوں گا۔ ایک مولوی کہنے لگا یہ سویاں، کوفتے اور مچھلی کو دیکھ کر چھوڑا نہیں جاسکتا۔ خیر سب نے کھانا کھایا۔ میں نے اس مولوی سے کہا آپ تو کہتے تھے کہ راستے میں کہیں روٹی پانی وغیرہ نہ ملے گا۔ اسی خیال سے پیٹ بھر کر چلے تھے۔ کیا یہ آپ کے وہم میں تھا؟ کہنے لگا بات تو ٹھیک ہے واقعی ایمان پختہ ہونا چاہئے۔

مروڑ:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا ایک دفعہ ایک شخص جمعہ کی نماز پڑھنے گیا تو مولوی صاحب یہ مسئلہ بیان کررہے تھے کہ جو کچھ پلے ہو اگر راہ خدا میں دے دیا جائے تو اللہ تعالیٰ دس گنا زیادہ عطا فرماتا ہے۔ اس شخص نے دو چار سو روپیہ جمع کیا ہوا تھا۔ اس نے سوچا یہ سودا تو بہت اچھا ہے چنانچہ اس نے وہ رقم راہ خدا میں دے دی۔ کچھ دن انتظار کیا مگر وہ رقم چار ہزار ہو کر اسے کہیں سے نہ ملی۔ اس تاخیر پر اس شخص کو فکر کی وجہ سے مروڑ لگ گئے (پیچش لگ گئی) پہلے تو گھر سے باہر رفع حاجت کے لئے جاتا رہا لیکن جب مرض شدت اختیار کر گیا تو بیچارا کمزوری کی وجہ سے جنگل میں بیٹھ گیا کہ کون بار بار گھر جا کر پھر یہاں آئے۔ چنانچہ وہیں درخت کے نیچے استنجا کرنے کے لئے چھڑی سے مٹی اکھیڑنی شروع کی۔ چھڑی کسی سخت چیز پر لگی۔ دیکھا تو وہ ایک برتن تھا جس میں سونا چاندی پڑا ہوا تھا۔ بہت خوش ہوا۔ پیچش وغیرہ تو بند ہوگئی اسے اکھیڑ کر گھر لے آیا۔ نہا کر رات آرام سے گزاری۔ صبح پھر جمعہ تھا مسجد میں گیا تو مولوی صاحب اتفاق سے وہی مسئلہ بیان کررہے تھے۔ وہ شخص انہیں کہنے لگا کہ حضرت آپ کی بات بالکل صحیح ہے۔ مگر یہ بتائیے کہ آخر یہ مروڑ (پیچش) کیوں لگ جاتے ہیں؟ مولوی صاحب نے فرمایا یہ ''بے صبری'' کے مروڑ ہیں۔

دودھ ہی دودھ:-

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھئے! رب العزت نے ہر چیز جو تقسیم کی ہے وہ قائم ہے۔ اپنا فکر تردد یا عقل کے حیلے انسان کو پریشان کرتے ہیں ورنہ کچھ نہیں۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے۔ راستے میں ایک گاؤں تھا۔ پیاس محسوس ہوئی۔ ایک گھر دیکھا کہ اس میں بکری بندھی ہوئی ہے چنانچہ گھر کی مالکہ کو فرمایا کہ اگر تو اجازت دے تو اس کا دودھ دوھ لوں۔ وہ کہنے لگی کہ چھ ماہ ہوئے کہ یہ خشک ہوگئی ہے اور جا کر برتن اٹھا لائی۔ غصے میں کہنے لگی کہ لیجیے دوھ لیں۔ حضور علیہ السلام نے برتن لے لیا اور بکری کے پاس بیٹھ گئے۔ تھنوں کو ہاتھ لگایا وہ دودھ سے بھر گئے۔ اس بی بی کو تو پتہ نہیں تھا کہ یہ کون ہیں؟ ان کے ہاتھوں میں ساری کائنات ہے۔ ان کے دست مبارک میں رحمت کے خزانوں کی کنجیاں ہیں۔ آپؐ نے دوہنا شروع کر دیا۔ وہ برتن بھر گیا۔ اس بی بی کو کہا اور برتن لاؤ چنانچہ وہ اور برتن لائی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی مرضی سے جتنا چاہا دودھ لیا۔ کچھ خود پیا کچھ ساتھیوں کو پلایا اور باقی اس بی بی کو عطا فرما دیا' بعد ازاں وہاں سے تشریف لے گئے۔ اس بی بی کا خاوند جب گھر آیا تو پوچھنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ کہنے لگی چند مسافر آئے تھے۔ ان میں سے ایک مسافر نے بکری کو دوہنے کی اجازت طلب کی تھی۔ میں نے بتایا کہ بکری کا دودھ گزشتہ چھ ماہ سے خشک ہو گیا ہے مگر اس نے پھر بھی دوہنے کی اجازت چاہی چنانچہ میں نے برتن لا دیا' اس نے دودھ دوہنا شروع کیا۔ برتنوں پر برتن بھر گئے۔ خود سیر ہو کر پیا، ساتھیوں کو پلایا اور باقی ماندہ یہ چھوڑ گئے ہیں۔ وہ کہنے لگا تیرا بیڑا تر جائے میں نے بزرگوں سے سنا ہوا تھا کہ اللہ کا رسول تمہارے گھر آئے گا۔ تمہاری خشک بکری کو دوہے گا اور دودھ پیئے گا۔ مجھے بتا کہ وہ کہاں گئے ہیں؟ کس سمت گئے ہیں؟ خیر جب اس کی خوش بختی کا وقت آیا تو حضور علیہ السلام سے ملاقی ہوا اور ایمان قبول کر لیا۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو صوفی صاحب! یہ چیزیں جو ہیں درحقیقت پہلے سے ہی معین ہیں اور رب العزت کی طرف سے تقسیم شدہ ہیں۔ ماں سے زیادہ بچے کا اور کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا مگر اس کا دودھ بھی اگر بچے کی قسمت میں نہ ہو تو ماں کے تھن بھی پک جاتے ہیں، وہ بچے کو دودھ نہیں پلا سکتی۔ اگر مقدر میں ہو تو رب العزت کی رحمت سے مدت مدید کے ڈھینگر (خشک لکڑی) بھی ہرے ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ یاد رکھو کہ ہر حال میں رب

العزت کی ذات پر بھروسہ رکھو۔ جتنی دیر اس نے رزق دینا ہے کوئی چھین نہیں سکتا۔ یہ فکر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ ہر چیز اس کے حضور میں مقدر ہے۔

کارساز

چودھری شاہ محمد سہروردی کا چمن سے خط آیا کہ ان کے ایک دوست کا کوئٹہ سے کراچی تبادلہ ہو گیا ہے۔ دعا فرمائیں کہ تبدیلی رک جائے۔

فرمایا: بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو مفید ہوتی ہیں مگر سائل اپنی نافہمی کی وجہ سے اس بات پر مصر ہوتا ہے کہ کام اس کی خواہش کے مطابق ہو جائے۔ اب یہ شخص تبادلہ رکوانے پر اصرار کرتا ہے حالانکہ اس میں اس کی بہتری پوشیدہ ہے۔

یہاں لاہور میں ایک محمد علی ہے۔ یہ امرتسر میں سکنیلر تھا۔ اس کا تبادلہ ہو گیا' تبادلے سے پہلے اس کے والد فوت ہو گئے۔ یہ جانا نہ چاہتا تھا۔ میرے پاس آیا۔ میں نے رات کو معلوم کیا۔ یہ سمجھ آئی کہ اس کا جانا ہی بہتر ہے' اس کا نتیجہ بڑا اچھا نکلے گا۔ صبح اسے بتایا کہ میاں تمہیں جانا ہی پڑے گا۔ گھر والوں کا اور کوئی مناسب بندوبست کر لو۔ میں نے پوچھا تبادلہ کہاں ہوا ہے؟ کہنے لگا "ماناوالہ" میں نے کہا اس کا انتظام یہ ہو سکتا ہے کہ وہاں ڈیوٹی بدل لو اور شام کو گھر آ جایا کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا ہر روز شام کو ڈیوٹی دے کر واپس گھر آ جاتا۔ اس کے تبدیل ہونے کے بعد امرتسر ٹرین میں سونا گم ہونے والا واقعہ ہوا۔ انکوائری ہوئی حکم ہوا کہ امرتسر سٹیشن سے پورٹروں سے لے کر سٹیشن ماسٹر تک پانچ سال کے لئے سب کو تبدیل کر دو اور پانچ سال تک ان میں سے کوئی بھی یہاں پوسٹ نہ ہو۔ اس عملے کی کمی باہر سے پوری کرو چنانچہ ان سب کو تبدیل کر دیا گیا۔ باہر سے عملہ لیا گیا' ان میں محمد علی پھر واپس امرتسر آ گیا۔ اسے پھر احساس ہوا کہ واقعی امرتسر سے چلا جانا بہتر تھا۔ اگر نہ جاتا تو پھر پانچ سال کے لئے تبدیل نہ ہوتا۔ تو رب العزت کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ چودھری شاہ محمد صاحب کو خط لکھ دوں گا کہ آپ کے وہ دوست نہ رکیں تو اچھا ہے۔ بس اتنا ہی ہونا ہے کہ وہ کراچی جائیں گے اور پھر انشاء اللہ ترقی پر واپس آ جائیں گے اڈبل نفع ہو گا۔

ا چنانچہ بفضل تعالیٰ ایسے ہی وقوع پذیر ہوا۔

کار سازِ ما بہ فکرِ کارِ ما فکرِ ما در کارِ ما آزارِ ما

حکمت الٰہی

ایک نوجوان حاضر خدمت ہوا اور عرض کی کہ ڈپٹی چیف انجینئر ریلوے دورے پر آیا تھا اور ابا جی کو کہتا تھا کہ تمہاری تنزلی کر دیں گے۔

فرمایا: ہر کام ایک وقت کے لئے رہن ہوتا ہے۔ وہ اپنے وقت پر ہو جاتا ہے اس کا علم رب العزت کو ہے۔ اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت بڑی چیز ہے اس کے انعامات جلدی واپس نہیں ہوا کرتے۔ دو تین سال کا ذکر ہے کہ حضرت داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا عرس تھا۔ ایک شخص بڑا دین دار میرے پاس آیا۔ کہنے لگا داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے بھیجا ہے۔ میں نے پوچھا کس لئے؟ کہنے لگا میری منزل کا کوئی حساب کتاب ہے میں یہ سبق پڑھتا ہوں۔ میں نے کہا سنو! داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ بڑی شان کے مالک ہیں، بڑی بلند ہستی ہیں۔ وہ کیا نہیں دے سکتے جو تجھے یہاں بھیجا ہے۔ ان کے پلے سب کچھ ہے۔ تیرے کہنے کے مطابق اگر تجھے یہاں بھیجا ہے تو مجھے بھی تو اطلاع ہوتی کہ میں نے اسے بھیجا ہے۔ مگر وہ پھر بھی مصر ہوا کہ نہیں میں حکم سے آیا ہوں۔ میں نے کہا اچھا تو داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے پاس چل میں بھی آتا ہوں۔ چنانچہ وہ چلا گیا۔ میں بھی دوسرے دن داتا صاحب کے دربار پر گیا۔ وہاں جو بات چیت ہوئی وہ یہ تھی کہ یہ میری بات کو سمجھتا ہی نہیں۔ اسے سمجھائیں کہ باہر جا کر فلاں جگہ یہ کام کرے لیکن آج مغرب سے پہلے پہلے لاہور خالی کر دے اور اپنے گھر چلا جائے۔ گھر پہنچ کر اس کے بعد پھر جہاں چاہے چلا جائے۔ اگر یہاں رہے گا تو نقصان اٹھائے گا دین و دنیا خراب کر لے گا۔ جب میں نے اسے یہ بات سنائی تو کہنے لگا حضرت میں نے کسی کے پاس پیسے رکھے ہوئے ہیں وہ لینے ہیں۔ اتنی جلدی نہیں جا سکتا۔ میں نے کہا مزار پر کھڑے ہو کر عرض کر، مجھے جو داتا صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے وہ تمہیں بتا دیا ہے۔ اس نے کہا آپ ہی میری طرف سے عرض کر دیں۔ میں نے دوبارہ پوچھا، آپ نے فرمایا پیسے والا گھر ہی ہے اس سے پیسے لے لے اور سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے لاہور خالی کر دے۔ چنانچہ حسب الحکم وہ پیسے لے کر یہاں سے روانہ ہو گیا۔ شام کے بعد جہاں کا تھا اپنے گھر پہنچا۔ دیکھا کہ اس کی ماں کی حالت یہ ہے کہ اس کی جان لبوں پر آئی ہوئی ہے۔ نزع کا عالم ہے۔ ماں نے دیکھا اور اشارے سے پوچھا۔

بیٹا آ گیا ہے۔ دعا کر' اس نے دعا کی۔ کہنے لگی مجھے کچھ قرآن شریف سنا۔ اس نے سورۃ یٰسین شروع کی۔ ماں نے جان دے دی۔ عشا کے بعد کفن دفن سے فارغ ہو گیا۔ رات ساڑھے بارہ بجے اپنے بیوی بچوں کے پاس تھا تو رات کو سیلاب آ گیا' چنانچہ اس نے مال اسباب سنبھالا اور بچوں کو حفاظت سے لے کر کسی محفوظ مقام پر چلا گیا۔ ذرا سوچئے اگر وہ رات لاہور میں رہتا تو چھ ماہ تک گھر نہ جا سکتا تھا۔ بال بچے مال اسباب بہہ جاتے اور ماں کا پتہ نہ چلتا۔ سائل کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

تو اس لئے برخوردار ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔

آداب محفل

ایک مجلس میں دوران ارشادات دو حضرات نے آپس میں چہ میگوئی کرنی شروع کر دی۔ پیکر جلال و جمال کے رخ انور پر ہلکی سی سرخی نمایاں ہوئی۔ اک نگاہ شفیقانہ سے کہ جلال و جمال کا حسین امتزاج تھا اور اصلاح احوال کے لئے تازیانہ رحمت' ان دونوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فرمایا ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے روبرو اس طرح بیٹھتے تھے کہ چڑیاں اور جنگلی پرندے ہمیں کھجور کی شاخیں اور درختوں کے تنے سمجھ کر ہمارے سروں پر بیٹھ جاتے تھے۔

ان دونوں حضرات کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ہمیں بھی چونکہ اسی دربار رسالت سے کچھ سیکھنا ہے اس لئے تم آداب محفل کا خاص طور پر خیال رکھا کرو۔

ایفائے عہد

راقم الحروف کی ایک پیر بہن قصور سے حاضر خدمت ہوئی۔ اس نے اپنی بیٹی کا رشتہ کہیں طے کیا ہوا تھا اور اقرار کے باوجود اب وعدے سے انحراف کر رہی تھی۔ اسے فرمایا:

''یہ وہ زبان ہے جس سے لا الہ پڑھا جاتا ہے۔ جس سے قرآن پڑھا جاتا ہے۔ اگر اس زبان سے بیٹی کا رشتہ دے چکی ہو تو اس وحدہٗ لاشریک کے بھروسے پر بیڑا ٹھیل دو۔ پنجابی میں ضرب المثل ہے ''بابل وادتا کی کرے گا جے رب نے نہ دتا'' (یعنی باپ کا دیا کیا کرے گا اگر اللہ تعالیٰ نے کچھ نہ دیا) لڑکی کا مقدر اگر صحیح ہے تو وہ اپنے گھر میں آباد ہو گی۔ فارغ البالی ہو گی اور اللہ تعالیٰ اسے عروج عطا فرمائے گا۔ بات منہ سے نکالی ہوئی ہے اسے

اب پورا کرو اور نتیجے کو اس ذات حقیقی کے سپرد کر دو"۔

جواب کا سلیقہ

صوفی فضل الرحمٰن سہروردی نے عرض کی کہ لوگ آجکل داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں نیز یہ سمجھتے ہیں کہ داڑھی والے بے وقوف ہوتے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیا جائے؟

فرمایا: ہر بات پر اعتراض اس کو کون سنبھالے، سوائے اس کے کہ مولیٰ کریم تبلیغ کی وہ توفیق عطا فرمائے اور وہ قوت بخشے جو سلطان الہند حضرت اجمیری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ لے کر تشریف لائے۔ وہ توفیق ایزدی اگر عطا ہو جائے تو پھر ان مضحکہ خیزیوں سے ہٹ کر اسلام صحیح طور پر سمجھ سکتا ہے۔ بات یہ ہوتی ہے کہ لوگ پہلے تو اسلامی شعار کا مذاق اڑاتے ہیں لیکن جب انہیں صحیح جواب دے دیا جائے تو پھر انہیں احساس ہو جاتا ہے کہ ہم نے جو بات مضحکہ خیزی کے رنگ میں کی تھی وہ نامناسب تھی۔

فضل صاحب نے عرض کی کہ ہمیں تو ہر بات کا جواب نہیں آتا۔

فرمایا: علم دو طریق پر ہوتا ہے۔ ایک علم کتابی کہ پڑھا لکھا آدمی اس سوال کا جواب اپنے علم ظاہری کے تحت معترض کو دیتا ہے، اور دوسرا علم لدنی ہے جس کے ذریعے اس کا جواب دیتا ہے۔ علم لدنی کا الفاظ اور حروف سے تعلق نہیں ہوتا، بلکہ اس کا تعلق اس نگاہ سے ہوتا ہے جس کے متعلق اقبال نے لکھا ہے:

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آدابِ فرزندی؟

رب العزت اس نگاہ کی توفیق عطا فرمائے۔ جوں جوں وہ چیز بڑھتی جاتی ہے، توں توں اس کی جاذبیت بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اللہ رحم کرے۔ یہ چیز بدستور ہونی چاہئے اور بڑھنی چاہئے۔ باقی یہ چیز ہے کہ کسی کے لئے وہ نگاہ، اور کسی کے لئے الفاظ، کام کرتے ہیں، لیکن ہم نے یہ تجربہ کیا ہے کہ معترض کے جواب میں مسئول کے پاس اگر صداقت ہے تو وہ ہر حال میں کامیاب رہتا ہے۔ پچھلے دنوں چمن میں ہمارے چند روزہ قیام کے دوران لوگوں کا یہ حال تھا کہ ہر مسئلے پر اعتراض ہی اعتراض۔ وہ کیفیت خاور صاحب سے پوچھئے

کہ ان کے اعتراضات کے جوابات کے بعد ان معترضین کا کیا حال ہوا اور اس کا اثر ان پر کیا ہوا؟[1]

اللہ کی مہربانی سے اسی طرح کام کرتے کرتے سمجھ آجاتی ہے اور معترض بھی سمجھ لیتا ہے کہ میں نے جو اعتراض کیا تھا اس کا جواب یہ ہے۔

جاگ

خانیوال کی ایک جامع مسجد وہاں کے حنفیوں کی لاپرواہی کی وجہ سے ایک غلط عقیدے کے امام کی تحویل میں چلی گئی۔ سید ممتاز حسین سہروردی کو فرمایا: مسجد والے معاملے کا مجھے بڑا رنج ہے وہاں بدعقیدگی کی ''جاگ'' لگ جانی اتنی خطرناک ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں۔ مسجد سے بدعقیدگی کی جڑ کاٹ دو یہ سب سے بڑی خدمت ہوگی ورنہ قیامت تک جتنے بے ادب پیدا ہوں گے ان کی ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ امام مسجد کی ذات سے مسجد کا واسطہ نہیں واسطہ تو اس بات سے ہے کہ اس کے اثر سے لوگ بے دین ہو جائیں گے اور مسجد بدعقیدگی کا گڑھ بن جائے گی۔ اس کی تمام ذمہ داری ان پر ہوگی جو یہ کہتے ہیں کہ مسجد کا کیا ہے (یعنی اس بات کو اتنی اہمیت نہیں دیتے) میں نے دیکھا ہے کہ جہاں غلط عقائد کے لوگ ایک دفعہ بیٹھ گئے ہیں وہاں فتنے کا بیج بو دیا ہے۔ کوئی ایسی صورت پیدا کرو کہ وہ مولوی اور جہاں جی

---

[1] بات یہ تھی کہ چمن (بلوچستان) میں چند شیعہ حضرات آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند اختلافی مسائل کی وضاحت چاہی۔ آپ نے ان کے نہایت شافی جواب دیئے جو کتاب ہذا کے مختلف ابواب میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد حضرت قبلہؒ نے فرمایا: سوال کنندگان چونکہ شیعہ حضرات تھے اس لئے ان کے سوالات کے جواب میں نے جنرل حیثیت سے دیئے ہیں۔ جب تک آدمی ذاتیات سے بالاتر ہو کر غیر جانبداری سے کام نہ لے دوسرے پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ تعصبانہ بحث و تمحیص نتیجہ خیز نہیں ہوا کرتی بلکہ اس سے اختلافات کی خلیج اور وسیع ہوتی ہے۔ تم نے نوٹ کیا ہوگا کہ دوران وضاحت میں نے ابوجہل کی بجائے ''مکے کا ایک کافر'' اور سیدنا صدیق اکبرؓ کی بجائے ''ایک عاشق'' کے الفاظ استعمال کئے' کیونکہ شیعہ حضرات کو حضرت صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضوان اللہ علیہ اجمعین سے خواہ مخواہ کا بیر ہے۔ اگر میں ان کے نام استعمال کرتا تو وہ میری گفتگو کو اپنے تعصب کی بنا پر قابل قبول نہ سمجھتے اور یوں مسحور اور متاثر لہجے میں آمنا وصدقنا نہ کہتے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اپنے وضاحت طلب مسائل میں میرے جوابات سے کلیتاً مطمئن ہو گئے۔

چاہے چلا جائے مگر یہاں پر ان غلط عقائد سے اس جگہ کو پاک ہونا چاہئے۔ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ قرب قیامت میں ایمان نہیں رہنا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میری امت تہتر فرقے ہو جائے گی صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا۔ باقی ناری ہوں گے۔ ان ناریوں کی بغلوں میں بھی یہی قرآن اور حدیث ہوگا اور انہوں نے بھی پڑھ پڑھ کر یہی مسئلے کرنے ہیں۔ ہر شخص کو گمان ہوگا کہ میں حق پر ہوں مگر حقیقت میں وہ حق پر نہیں ہوگا۔ تو شاہ صاحب! اتنی رواداری بھی اچھی نہیں کہ کوئی چارپائی بھی اٹھا کر لے جائے اور آپ روادار ہی بنے رہیں۔ اگر کوئی حق پر ہو اور رواداری قائم رکھی جائے تو کوئی بات بھی ہے لیکن اگر کوئی تجاوز عن الحد کرتا جا رہا ہے تو اس وقت بھی رواداری کی کوئی بات ہے؟

رزق حلال

خان پور سے ایک صاحب آئے۔ وہ سینما تعمیر کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اس کے متعلق حضور کی رائے پوچھی۔

فرمایا: جو چیز دائرہ شریعت سے باہر ہو اس میں میری رائے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ اس معاملہ میں آپ اپنی رائے پر ہی عمل کریں مجھ سے مشورہ طلب نہ کریں۔ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یہ عجیب بات ہے کہ انسان حرام میں رزق کی تلاش کرتا ہے۔ حلال کے لئے مدد نہیں مانگتا۔ یہ دعا نہیں کرتا کہ یا اللہ! مجھے پاک رزق عطا فرما بلکہ ناجائز کاموں کے ٹھیکوں اور ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی کوشش کرتا ہے اور ان کاموں کیلئے دعا مانگتا ہے۔ انارکلی (لاہور) میں بھلہ جوتیاں بیچنے والا ہوتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اشتہار دیا کہ:

انارکلی دے اندر یارو بسنتی ہٹی بھلے دی

اس کے کسی منچلے دوست نے اس مصرع سے ایک اور مصرع ملا دیا کہ:

ہندو ہو کے چمڑہ ویچے مت ماری اس جھلے دی
کھٹی کم اوئے دی

برے کاموں میں کیونکہ بے حد کمائی ہوتی ہے اس لئے ہر آدمی اس کے لئے کوشش کرتا ہے۔ اگر جائز حلال اور پاک کاموں میں اللہ تعالیٰ کی مدد مانگی جائے تو کیا وہ بے نیاز نہیں دے سکتا؟

بامقصد کتابیں

ایک مجلس میں فرمایا اردو ہماری قومی اور ملکی زبان میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یوں تو ہمارے ملک میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح اکثر کتابیں انفرادی اداروں کی طرف سے چھپتی ہیں اور انہیں محض تجارتی پہلو سے ہی زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے مگر سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ کتابوں کے انتخاب میں انتہائی احتیاط برتی جائے۔ پبلک یا درسی لائبریریوں میں ٹھوس اور تعمیری مواد کی حامل کتابیں عوام الناس کے مطالعے کے لئے پیش کی جائیں، کیونکہ کھوکھلی، غیر اہم اور عریاں نگاری کی حامل کتابیں، پڑھنے والوں کے سطحی جذبات سے کھیلتی ہیں اور علم و ادب کے سرمائے میں کوئی اضافہ نہیں کرتیں۔ اچھی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ اس کے مطالعہ سے پڑھنے والے کی شخصیت کی کسی نہ کسی ذہنی یا جذباتی سطح پر تعمیر ہو۔ لکھنے والے صحت مندی اور معنویت کا خیال رکھیں اور اچھی کتابوں کی آواز بھی پڑھنے والوں تک پہنچے تاکہ لائبریریوں میں ان کے لئے زیادہ سے زیادہ جگہ پیدا ہو۔

مصنف کی نگاہ کا زندگی کے وسیع منظر پر ہونا بہت ضروری ہے اور یہ بھی لازمی ہے کہ اس نے معاشرتی، اخلاقی، مذہبی اور سیاسی نظریات کو بے نظیر چابکدستی اور عدیم المثال فنکاری سے اجاگر کیا ہو۔ کتابوں کے انتخاب میں ان کی ظاہری خوبصورتی، پڑھنے والے کو اس کے مطالعہ کے لئے اکساتی رہے۔ جب وقت خالی ہوتا ہے، ہم پریشان ہوتے ہیں، اکتائے ہوتے ہیں، کاروبار کے خالی اوقات میں، خالی شاموں میں، سفر میں، غرضیکہ روزمرہ کی زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں، کہ ہمیں ایسی کتاب کی رفاقت درکار ہوتی ہے جو خالی وقت کو پر کردے یا ہمیں ہماری پریشانیوں سے دور لے جائے۔ ہمیں اپنے اندر سمو لے۔ اکثر کتابیں اتنی ڈھیلی ڈھالی اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں کہ الٹی اکتاہٹ ہوتی ہے۔ یا پھر ایسی عریاں اور عامیانہ ہوتی ہیں کہ بھلے آدمی انہیں ہاتھ نہیں لگاتے، پاس رکھنے یا گھر لے جانے سے گھبراتے ہیں۔

موجودہ دور میں کوئی شخص کسی بھی شعبہ زندگی میں ترقی کے زینے پر گامزن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے شعبے کے علاوہ اپنے ماحول، اپنے ملک اور حالات حاضرہ سے باخبر نہ ہو۔ کاروبار ہو یا سرکاری ملازمت، ایڈیٹر ہو یا مصنف، طالب علم ہو یا استاد، غرض کوئی بھی ذمہ

دار شخص دنیا کے بارے میں معلومات اور جو کچھ دنیا کے مختلف ممالک میں ہو رہا ہے' ان سے بے خبر رہ کر اپنا نقصان کرتا ہے۔ بالخصوص بچپن کا دور انسان کے کردار کی تعمیر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ لڑکپن میں ہی ہم ان راہوں پر چلنے لگتے ہیں جو آگے چل کر ہماری زندگی کی مستقل راہیں دکھانے کے لئے مشعل ثابت ہوتی ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ان کے سامنے ایسے بلند نصب العین رکھے جائیں جن کی روشنی میں وہ اپنے خاندان' اپنے ملک اور اپنی قوم کے لئے باعث فخر بن سکیں۔

دنیا میں اصل چیز سرمایہ نہیں بلکہ سلیقہ ہے۔ جب یہ دونوں ایک جگہ جمع ہو جائیں تو پھر اس سے ایک اور تیسری چیز پیدا ہوتی ہے۔ اس کا نام ہے ''شعور!'' اچھی کتابیں لکھنا ایک اہم قومی خدمت ہے لیکن اس سے بھی بڑی خدمت اچھی کتابوں کو منتخب کر کے عوام کے سامنے پیش کرنا ہے۔ الحمد للہ کہ بعض ادارے ایک عرصہ سے اردو میں ایسی کتابیں پیش کر رہے ہیں جو نہ صرف ظاہری حیثیت سے نظر فریب ہی نہیں بلکہ مواد اور موضوع کے لحاظ سے بھی دلچسپ اور مفید ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور برکت عطا فرمائے۔

کاروباری مصلحتیں:-

ناشرین کے پیش نظر بھی کاروباری مصلحتیں ہوتی ہیں۔ یہ مصیبت کہ اس پر اگر دو چار لاکھ روپیہ لگا بھی دیا جائے تو پھر اس کے بکنے کا انتظار کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے ان کے نزدیک لیلیٰ کے خطوط زیادہ پسندیدہ ہیں کیونکہ مارکیٹ میں اس قسم کی کتابوں کی مانگ عام ہے۔ دین سے بے رغبتی کی وجہ سے عوام کا مزاج ہی بدل گیا ہے۔ اسی طرح بعض مفسرین کا رنگ بھی عجیب ہے۔ ایک جگہ پڑھتے جائیں' مصنف لکھتا ہے کہ یہ بحث فلاں آیت پر کروں گا۔ آپ کا ذوق ٹوٹ جائے گا۔ آپ کے پاس وہ سیپارہ ہی نہ ہوا تو؟ اس لئے دو چیزوں کو میں ناپسندیدہ نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ ایک یہ کہ کتاب نامکمل اور دوسری یہ کہ کتاب ادھار لے کر پڑھنا۔ آج ایک جگہ تقریر کریں' معترض حوالہ مانگے' ہم کہیں کہ فلاں صاحب سے لے کر پڑھی تھی اس میں موجود ہے۔ تو یہ بری بات ہے۔

محاوراتی زبان:-

حاضرین میں سے ایک نے عرض کی کہ مفسر یا مترجم کو جہاں کسی محاورے یا اصطلاح کی

سمجھ نہیں آتی تو وہ لکھ دیتا ہے ''واللہ اعلم بالصواب''۔ دراصل محاوراتی زبان سے وہاں کے مقامی باشندے ہی جو اہل زبان ہوں صحیح معنوں میں لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

فرمایا: ہاں یہ بات ٹھیک ہے۔ جس جگہ کی زبان ہو وہاں کے لوگ اپنی مادری زبان میں اپنا مافی الضمیر جن الفاظ میں بیان کرتے ہیں اسی کو دوسری زبان میں بعینہٖ بیان کرنا کارے دارد۔ مولانا محمد حسین آزاد نے لکھا ہے مجھے اپنی فارسی دانی پر بڑا ناز تھا۔ ایک دفعہ میں ایران میں اپنے ایک دوست کے ہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چائے کے لئے دودھ لانے بازار چلا گیا۔ اس کی بیوی نے چولہے پر ہانڈی چڑھا رکھی تھی اور خود دوسرے کمرے میں برتن صاف کر رہی تھی۔ اسی اثناء ہانڈی ابلنا شروع ہوگئی۔ مولانا نے لکھا ہے کہ یہ حقیقت ہے کہ میری ساری فارسی ختم ہوگئی لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ ہانڈی ابلنے کا محاورہ کیا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا۔ خاموش تماشائی بنا دیکھتا رہا۔ ہر چند دماغ پر زور دیتا رہا مگر فارسی کے الفاظ نہیں ملتے تھے جن سے اہل خانہ کو اطلاع دوں کہ ہانڈی ابل رہی ہے۔ اتنے میں ان کی چھوٹی لڑکی باہر سے کھیلتی ہوئی آ گئی۔ اس نے جب ہانڈی کو ابلتے دیکھا تو فوراً یہ کہتے ہوئے دوڑی دوڑی ماں کے پاس گئی کہ ''مادر! مادر! دیگ سرشد'' اس طرح اُس لڑکی نے میری خلاصی کرائی۔ میں اپنی جگہ پر نادم ہوا کہ مادری زبان کا دعویٰ بیرونی ممالک کے آدمی نہیں کر سکتے۔ بعض محاورے ایسے ہیں جو بڑی لطافت پر مبنی ہوتے ہیں۔ میر واجد علی شاہ کے محلوں میں اتنے لطیف محاورے وضع ہوئے ہیں کہ آج کل کے ادب نواز لوگ سمجھ نہیں سکتے۔ مجھے ایک لکھنوی صاحب ملے۔ آپ تعجب کریں گے مجھے میرے ایک دوست نے کہا کہ میرے بھائی نے آج دن بھر تین چار مرتبہ زمین دیکھی۔ ہم اسے لیموں چساتے رہے۔ یہ شاہی محلوں کا محاورہ ہے اس کے معنی ہیں کہ اس نے آج دن بھر تین چار مرتبہ قے کی اور ہم اسے لیموں چساتے رہے لہٰذا..... اسلسلہ کلام منقطع ہوگیا۔

☆☆☆

لہ دوسری زبانوں میں جو کتابیں ہیں ان کا ترجمہ کرتے ہوئے مترجم حضرات کا فرض ہے کہ وہ سیاق وسباق کو ملحوظ خاطر رکھیں اور محاورات اور اصطلاحات کی صحیح تشریح وعام فہم ترجمہ پیش کریں تاکہ قاری نہ صرف نفس مضمون کو اچھی طرح سمجھ لے بلکہ زبان کی چاشنی سے بھی لطف اندوز ہو سکے۔

وعلیکم السلام

آپ کا خط ملا

وحشت کا احساس:-

۲۵ فروری ۱۹۵۷ء کو مظہر الدین سہروردی (A.E.N ریلوے) نے حیدر آباد سے خط لکھا طبیعت میں بعض اوقات وحشت اور احساس ویرانی کا غلبہ بلاوجہ ہو جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ کیفیت انبساط روحانی ترقی کا مقیاس ہوتا ہے اسی خیال سے اپنی وحشت پر ملول بھی ہوتا ہوں۔ یہ نظریہ کہاں تک ٹھیک ہے؟ اگر ہو سکے تو خط میں کبھی کبھی کچھ تحریر فرما دیا کریں۔

جواباً تحریر فرمایا: یہ راہ جس کو ہم عرفان یا محبت کی راہ کہہ سکتے ہیں اس کی ابتداء ہمیشہ تشویش، تنہائی، پراگندہ قلبی یا وحشت سے شروع ہوتی ہے۔ جب تک قلب یا نفس پر اس کی مرضی کے خلاف کسی کی محبت اس پر اثر انداز نہ ہو تب تک اس میں محبوب کا جلوہ پانے کے لئے صحیح جلا پیدا نہیں ہوتی۔ اس کا علاج خوشی نہیں ہے بلکہ "ذکر الٰہی" ہے جس سے قلوب اطمینان پکڑتے ہیں۔ خوشی کا نظریہ مطلوب کے ہجر میں قیام پذیر نہیں ہوتا بلکہ محبوب کے وصل میں ہوتا ہے لہٰذا خوشی وہی خوشی ہے جس میں آپ مطلوب کو پا سکیں۔ اگر موقع ملا تو انشاء اللہ زبانی کسی صحبت میں اس موضوع پر گفتگو ہوگی۔

آگے چل کر تحریر فرمایا میں نے بوجہ بیماری تصنیف و تالیف کا سلسلہ بند کر رکھا ہے نہ اتنی ہمت ہے نہ اتنی فراغت کہ لکھ سکوں۔ اگر موقع ملا اور رب العزت مکمل صحت عطا فرمائیں تو انشاء اللہ کسی موقع پر آپ کی تمنا کے مطابق یہ سلسلہ شروع کروں گا کہ آپ کو خط کے ساتھ کچھ لکھ دیا کروں۔

انسائیکلو پیڈیا:-

اس خط کی موصولی پر مظہر صاحب نے اپنے خط محررہ ۴ مارچ ۱۹۵۷ء تحریر کیا۔

آپ کا خط باعث صد انبساط ہوا۔ جزاک اللہ جس اختصار سے میری بات کا جواب دیا ہے اور جس قدر تشفی آمیز ہے آپ ہی کا حصہ ہے۔ میں آپ کے خطوط کو محفوظ رکھ رہا ہوں اللہ تعالیٰ آپ کے علم کو وسیع تر کرے اور آپ کے فیض کو زیادہ سے زیادہ عام کرے۔ ایک پروفیسر دوست کو اس اجمال کی تفصیل کر کے سنائی تو بہت حیران ہوئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکمل قوت اور صحت عطا فرمائے۔ آگے چل کر عرض کی کہ قرآن مجید کی کوئی تفسیر جسے آپ پسند کرتے ہوں اور جو کہ میرے ایسے مبتدی کے لئے تسلی بخش ہو تجویز فرمائیے۔ میرے ذہن میں کچھ خیالات قرآن کریم کی ایک نئی طرز کی تفسیر کے متعلق ہیں جن کی طرف میں آپ کی توجہ رجوع کرانا چاہتا ہوں۔ انشاء اللہ بوقت ملاقات عرض کروں گا مجملاً یہ کہ قرآن مجید کی ترتیب میں ہی عنوان اٹھاتے ہوئے ان میں سے ہر ایک عنوان پر قرآن مجید اور حدیث شریف کے تمام پہلوؤں اور حیات رسول کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے تطابق اور ربط کو واضح کیا جائے۔ میرے تخیل میں ایسی کتاب ہے جس کو ایک اردو پڑھا لکھا لیکن ذہین آدمی بطور ریفرنس بک یا انسائیکلو پیڈیا کے استعمال کر سکے۔ اردو لکھنے کی مہارت نہ ہونے سے میں اپنے خیالات کو پورے طور پر اظہار نہیں کر سکا لیکن آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے؟

قرعۃ الواعظین :-

مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۵۷ء کو اس خط کے جواب میں حضور نے سلام و دعا کے بعد تحریر فرمایا:

انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ ملاقات کا کوئی موقع پیدا ہو تا کہ تفصیلی طور پر آپ کے ما فی الضمیر سے گفتگو کر سکیں۔ جس تفسیر قرآن کے متعلق آپ نے اشارہ کیا ہے وہ تفسیر تفسیر نہیں ہوگی بلکہ الفاظ کا ایک دار العلوم ہوگا۔ تفسیر سے مراد صرف قرآنی علوم پر بحث کرنا ہوتی ہے۔ اگر اس کے ہر پہلو پر بحث کی جائے تو پھر وہ ایک ضخیم سی قرعۃ الواعظین بن جائے گی۔ میں نے آپ کے خیال کو خوب سمجھ لیا ہے جس کے متعلق میں فی الحال یہ ہی لکھ سکتا ہوں کہ پہلے ایک ترجمہ لکھا جائے اور وہ شائع کیا جائے۔ پھر جب رائے عامہ اسے اپنے لئے مفید سمجھے اور دوسرے ترجموں کے مقابلہ میں چل نکلے یا مقبول ہو جائے تو پھر ایک ایک

سیپارے کی تفسیر شائع کی جائے کیونکہ آپ کے خیال کے مطابق تفسیر کا لکھنا اتنا وسعت خواہ ہوگا کہ ہر سیپارہ بلکہ سورت یا رکوع عام مکمل تفسیروں کے لگ بھگ ہو جائے گا۔ رب العزت کی رحمت ہے کہ فقیر کو لکھنا آتا ہے جیسا کہ فقیر کی سابقہ مطبوعہ کتابیں شاہد ہیں مگر سرمہ لگانا اتنا دشوار نہیں ہوتا جتنا پنجابی اصطلاح میں ''مٹکانا'' دشوار ہوتا ہے۔ میرا مطلب ان الفاظ سے یہ ہے کہ ایسی تفسیر کی طباعت کا انتظام کیا ہوگا؟ اور اگر حق تالیف تاجران کتب کو دے کر ایسی تفسیر لکھی جائے تو بھی یہ ایک تاجر کے بس کا روگ نہیں۔ ضخیم کتابوں کی طباعت کثیر سرمائے ہی کی مقتضی ہوا کرتی ہے۔ کیا آپ اس کے متعلق کچھ روشنی ڈالیں گے؟ اگر یہ سلسلہ بغرض محال شروع ہی کر دیا جائے تو اس کی طباعت کا کیا انتظام ہوگا؟ اگر آپ اس کا کوئی تسلی بخش جواب دیں تو وہ یقیناً میری مسرتوں میں اضافے کا باعث بنے گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ بڑی عرق ریزی سے تحریر کردہ اوراق اتنی لاپرواہی سے ضائع ہو گئے ہیں یا کر دیئے گئے ہیں جن کی تلافی شاید آنے والے نسلیں قیامت تک بھی نہ کر سکیں گی۔ مثالیہ طور پر میں بتاتا ہوں کہ ایک مرتبہ مجھ سے میرے ایک نہایت قریبی ''علم دوست'' عزیز نے اس مسئلہ پر ایک رسالہ لکھوایا کہ قرآن حکیم کی قسموں کا کیا مطلب ہے اور حروف مقطعات کی تاویلات نہایت موزوں پیرایہ میں کیا ہو سکتی ہیں؟ میں نے اس کی خواہش کی تکمیل کر دی۔ یہ ۱۹۳۵ء کا ذکر ہے۔ میں ان دنوں حج کو جا رہا تھا جس کی وجہ سے میں اس کی کوئی نقل اپنے پاس نہ رکھ سکا مگر اس دوست نے ان اوراق کی یہ قدر افزائی فرمائی کہ آج وہ نہ میرے پاس ہیں نہ اس کے پاس۔ اور اب وقت اجازت نہیں دیتا کہ میں اسی موضوع پر اسی مفہوم کو اسی وضاحت کے ساتھ دوبارہ لکھ سکوں جس طرح آپ کا خیال ہے اسی طرح ایک انجمن نے ایک مرتبہ مجھ سے نماز کے متعلق ایک کتاب لکھوائی جس میں نماز کے ہر قول وفعل پر قرآن وحدیث سے استدلال کیا گیا تھا اور یہ ثابت کیا گیا تھا کہ قیام، رکوع، سجود، قعدہ، قرات اور التحیات وغیرہ کے قرآن وحدیث میں دلائل کیا ہیں اور ہر ایک کی فلاسفی کیا ہے؟ وضو اور غسل پر بھی اس میں سب سے پہلے بحث کی گئی تھی مگر افسوس کہ اس انجمن کے افراد میں ذاتی کشیدگی پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ ''کتاب الصلوٰۃ'' نہ پریس میں جا سکی اور نہ ہی آج تک ان افراد میں سے کسی فرد نے یہ اقرار کیا ہے کہ وہ میرے پاس ہے۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ آپ اگر اس کے لئے کوئی جرأت مندانہ قدم اٹھا سکیں اور ایسی

تفسیر کی طباعت کے لئے کوئی خاطر خواہ انتظام ہو جائے تو ہو سکتا ہے کہ بشرط صحت و زندگی مجھے انکار کی کوئی گنجائش نہ ہو۔

خط تحریر کرنے کے بعد راقم الحروف کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ایک چیز کے لکھے جانے سے قبل یہ ضروری ہوتا ہے کہ اس کے مارکیٹ میں پہنچنے کے انتظام کے متعلق بھی سوچ لیا جائے عربی میں مقولہ ہے:

قد ما لخروج قبل الولوج

''یعنی کسی مکان میں گھسنے سے پہلے نکلنے کی راہ سوچ لو'' بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ: میں نے ابھی صرف اتنے ہی ارشادات قلم بند کئے تھے کہ مجھے فرمایا اب مزید لکھنے کی ضرورت نہیں اب صرف سنو۔ چنانچہ کچھ دیر تک میں حضور کے ارشادات سنتا رہا۔ جب آپ نے حروف مقطعات پر اپنے مخصوص رنگ میں بایں الفاظ روشنی ڈالی تو میں نے اپنے حافظہ کی کمزوری کے پیش نظر پھر قلم کا سہارا لے لیا۔

میانِ عاشق و معشوق:-

فرمایا ایک دفعہ ہم گاڑی میں سفر کر رہے تھے گاڑی میں ایک فوجی سردار بھی تھا جو غالباً کیپٹن تھا۔ بڑا دیندار آدمی معلوم ہوتا تھا اس نے نماز پڑھی، اسی دوران ایک حافظ قرآن جو اس ڈبے میں بیٹھا ہوا تھا اس نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ وہ کیپٹن کہنے لگا حروف مقطعات کا کیا مطلب ہے؟ جب انہیں ہماری سمجھ سے بالاتر بیان فرمایا گیا ہے تو پھر قرآن میں یہ کس لئے آئے ہیں؟ میں نے کہا: سردار صاحب ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ اپنے اس ساتھی سے یہ پوچھ رہے تھے کہ کیا آپ کو OBE[1] ملا ہے یا نہیں؟ سارے ڈبے والوں کے پلے کچھ نہیں پڑا کہ یہ OBE کیا بلا ہے؟ مگر آپ نے ان دو مختصر حرفوں میں اپنا مافی الضمیر اپنے ساتھی سے بیان کر دیا ہے۔ وہ اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہے اور اس کی تفسیر یا مفہوم صرف آپ دونوں کے ہی درمیان ہے۔ تیسرا آدمی اسے سمجھنے سے قاصر ہے۔ سردار بے اختیار ہو کر پکار اٹھا بہت خوب! بہت خوب! مجھے پتہ چل گیا ہے کہ حروف مقطعات کا مقام کیا ہے؟ واقعی یہ انہیں مخفی مطالب کے حامل ہیں۔ میں نے کہا چلو اچھا ہوا کہ آپ سمجھ گئے ہیں آئندہ آپ سن لیا

---

[1] انگریزی دور حکومت کا ایک خطاب Order of the British Empire

کریں اور اعتراض نہ کیا کریں کیونکہ:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست　　کرام الکاتبیں را ہم خبر نیست

برتھ کنٹرول:-

مظہر صاحب نے اپنے خط محررہ ۲۹ مارچ ۱۹۵۷ء میں لکھا: آج کل اخباروں میں برتھ کنٹرول کے مسئلہ پر سطحی لے دے ہو رہی ہے۔ اگر اس پر ہو سکے تو کوئی مضمون جو کہ قطعی حیثیت رکھتا ہو لکھئے تو بہت با موقع ہوگا اور قوم وملت کی خدمت ہوگی۔ ہمارے ملک کے لئے یہ مسئلہ بہت اہم ہے، جب کہ ہر سال پاکستان کی آبادی میں بارہ لاکھ نفوس کا اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا ترجمہ انگریزی میں بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر اجمالی طور پر اگر آپ خط میں کچھ تحریر فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بارے میں غالباً کچھ ارشادات ہیں۔

جواباً تحریر فرمایا: آپ نے جس مسئلہ پر روشنی ڈالنے کے لئے لکھا ہے اس پر تفصیلی بحث تو بالمشافہ گفتگو میں ہی کروں گا البتہ ضمناً یہ تحریر کئے دیتا ہوں کہ ''برتھ کنٹرول'' کا مسئلہ قانون فطرت کے خلاف ہے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جو انسانوں کے اپنے بس میں نہیں۔ جس طرح ایک آدمی کے ہاں اولاد نہیں ہوتی اور وہ ہزار ہا علاج یا حیلے کرنے کے باوجود بامراد نہیں ہوتی اسی طرح اگر ایک آدمی جس کی پشت سے مولیٰ کریم کو اولاد پیدا کرنا مقصود ہے وہ خواہ ہزار پابندیاں اس راہ میں کیوں نہ عائد کرے مگر کامیاب نہیں ہوگا۔ وہی ہوگا جو منشائے قدرت ہوگا۔ یہی نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں منشائے ایزدی کو دخل ہے۔ زندگی کے ہزار ہا مسائل ایسے ہیں جن میں انسان نے فطرت کی مرضی کے خلاف عمل کرنے کی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہوا۔ یہ برتھ کنٹرول بھی کیونکہ خلاف فطرت ہے اس لئے انسانی سعی یہاں بھی کام نہیں دیتی۔ اگر اتفاقیہ طور پر کبھی کوئی علاج کامیاب ہو جاتا ہے تو انسان خواہ اپنی سعی کو نفسانی تسلی کے لئے اپنی کامیابی پر محمول کر لے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ بھی منشائے قدرت ہی ہے کیونکہ اسباب فطرت کے قانون کو پورا کرنے کا بہانہ محض ہوتے ہیں اس کی کامیابی میں درحقیقت قدرت کا ہاتھ کام کرتا ہے اور منشائے فطرت میں ہی یہی تھا کہ فلاں شخص اگر یوں کرے گا

تو ایسا ہو جائے گا۔

مقام والے کا تجسس:-

چمن سے محمد سلیم سہروردی نے تحریر کیا۔ نیاز کیش سلام عرض کرتا ہے اور گدائی کے لئے حاضر ہے۔ جسمانی اور روحانی امراض جو میری زندگی پر محیط ہیں آپ کی صحبت فیض یاب میں بھی عرض کر چکا ہوں۔ ایک کاسہء گدائی برادرم غیاث صاحب کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ سرکار دو عالمؐ کے دربار کا ایک آسرا ملا ہے' اسے کھٹکھٹاتے رہیں گے جب تک کہ دنیا اور آخرت کی راہیں استوار نہیں ہو جاتیں۔ مجھے اپنی تنگی داماں کا احساس ہے' معصیت کا اعتراف ہے اس لئے کہ بڑی سرکارؐ کے درباری کے قدموں پر ہوں کہ مجھے ہاتھ پکڑ کر راستے پر لے جایئے آپ دربار رسول پاکؐ جا رہے ہیں وہاں بھی مجھے بامراد کریں۔

بہت بے ربط سا مضمون میں نے لکھا ہے جو میری پراگندہ خیالی سے عبارت ہے۔ مقصود دہرا دیا ہے۔ اللہ کے فضل، محبوب خدا کے رحم اور قلندر کے فیض کا انتظار ہے۔

حضور نے جواباً تحریر فرمایا:

اگر کوئی شعیبؑ آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

بارگاہ ایزدی میں جن کے لئے ازل ہی سے کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جائیں ان کا کاسہء طلب خالی نہیں رہتا کیونکہ ان کا مقصد ایک ہی سے جوڑ توڑ ہوتا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ وہ محروم نہیں رہتا بشرطیکہ وہ دل کی گہرائیوں سے مانگنے کا ڈھب جانتا ہو۔ شاعرِ مشرق نے اس طرف بڑا لطیف اشارہ کیا ہے:

خواجہء من نگاہ دار آبروئے گدائے خویش
آنکہ ز جوئے دیگراں پُر نہ کند پیالہ را

آپ کا ملفوف کراچی ملا۔ وہاں قیام کی میعاد گزر چکی تھی اس لئے لاہور واپس آ گیا۔ مجھے اس امر کا احساس ہے کہ آپ کی طلب صادق پروان چڑھے اور اس مقام کو پا لے جس کی آپ کو تمنا ہے۔ چونکہ بعض اوقات استقامت متزلزل ہو جاتی ہے لہٰذا دل کو ایک ہی ذوق و شغف سے پُر رکھئے' اللہ کریم محروم نہیں فرمائے گا۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ ہر وقت مقام

پر نگاہ نہ رکھئے بلکہ مقام والے کا تجسس لے کر منزل کو طے کیجیے۔ مقام اسی کی منزل قیام کا نام ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ کریم اپنے طالبوں کو محروم نہ فرمائے اور دعوت کے ساتھ ساتھ منزل کی نشاندہی بھی فرماتا رہے۔ جن جن حالات کا ورود ہوتا رہے' لکھتے رہئے اور آگے سے آگے دیکھتے جایئے۔

من کل الوجوہ:-

راقم الحروف کے ایک دوست ظفر علی اختر گجراتی بیکاری کی وجہ سے بہت پریشان تھے۔ انہوں نے نومبر ۱۹۵۶ء میں راقم الحروف کو لکھا کہ ان کا ایک دوست جو ایران میں مقیم ہے اس نے مجھے ایران بلانے اور وہاں ملازمت دلانے کا وعدہ کیا ہوا ہے مگر ابھی تک اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی اس لئے تم حضرت صاحب قبلہ کی خدمت میں عرض کرو کہ وہ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ میری ملازمت کا وہاں خاطر خواہ بندوبست ہو جائے۔ چنانچہ راقم الحروف نے اس ضمن میں عرض خدمت کی تو فرمایا:

اس کے خط کا جواب تحریر کر دیں۔ میں اپنی لائن کی بات کرتا ہوں کہ کسی (شخص پر) ''من کل الوجوہ'' بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ وہ بھی تو ایک آدمی ہے اس کی زندگی کی ڈگری کسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے کسی کے بھروسے پر جانا اچھا نہیں۔ اس شخص کا وہ انتظار کرلے (لیکن) اللہ تعالیٰ کوئی بہتر انتظام فرما دے گا۔

کچھ توقف کے بعد راقم الحروف سے استفسار فرمایا: اس نے (ظفری کے دوست نے) یہاں کب آنا تھا؟

راقم الحروف نے عرض کی اسے تو اسی مہینے میں آنا تھا مگر ایران کے موجودہ مخدوش سیاسی حالات کی وجہ سے وہ نہیں آیا۔ اب غالباً اگلے مہینے آئے۔

فرمایا: اسی سے اندازہ کرلیں۔ ممکن ہے آئندہ حالات زیادہ مخدوش ہو جائیں اور اس کا یہاں آنا ملتوی ہو جائے۔[1]

---

[1] یہاں یہ عرض کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ ظفری کا ایران جانے کا بندوبست نہ ہو سکا کیونکہ ایران کے سیاسی حالات زیادہ مخدوش ہو گئے اور وہ دوست پاکستان نہ آیا البتہ کچھ ماہ بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کویت میں اس کی ملازمت کا خاطر خواہ انتظام ہو گیا جہاں وہ گزشتہ پچیس (۲۵) سال سے اعلیٰ عہدے پر متعین ہے۔

باگ ڈور:-

ذوالفقار علی گل نے اپنی پریشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی۔
جواباً تحریر فرمایا: آپ کا خط ملا جس سے پریشانی کا اظہار ہوتا تھا۔ عزیزم ہر انسان کے متعلق رب العزت کے ہاں ایک پروگرام ہوتا ہے اور اس محور کے گرد اسے گھومنا پڑتا ہے۔ ہر انسان کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے۔ مدت معینہ تک اسے جہاں چاہتا ہے اور جن جن حالات سے اسے گزارنا چاہتا ہے گزار کر اس مقام پر جہاں اسے لے جانا مقصود ہو اپنی رحمت سے خود ہی لے جاتا ہے۔ گھبرانے سے کچھ نہیں بنتا لہٰذا اسی پر بھروسہ کیجیے۔

طوفان میں کنارے:-

چمن (بلوچستان) سے یکم مئی ۱۹۵۲ء کو حضور نے راقم الحروف کو یہ خط تحریر فرمایا:
عزیزم خاور صاحب زیدہ محبتہٗ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ!
کیا مزا آیا ہے کہ ایک ہی ڈاک کا نظارہ قلم ولب پر مہر سکوت لگا گیا ہے۔ نہ نامہ نہ پیام مان لیا کہ آپ ملازم ہیں لیکن ایسی ملازمت بھی کیا کہ محبت ہی بھلا دے۔ عزیزم! سارے کام کرنے چاہئیں اور یہ میدان تو دنیا میں پالینا زندگی کی غرض کو پورا کر دیتا ہے۔

حوصلہ ہو تو ڈوبنے والے اسی طوفان میں کنارے ہیں

سلسلہ نوشاہیہ

سید امتیاز الحق تاج نوشاہی ۲۱۹ کٹڑہ پور بیاں اندرون موچی دروازہ لاہور نے اپنے خط محررہ ۱۷ فروری ۱۹۵۷ء میں لکھا: آپ کی کتاب ''الفقر فخری'' ملاحظہ سے گزری۔ تصوف کے موضوع پر نہایت قابل قدر تصنیف ہے۔ آپ نے جماعت صوفیہ پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا۔ اس میں ایک بات مجھے قابل مشورہ نظر آئی ہے وہ یہ کہ صفحہ نمبر ۱۹۷ سطر ۹ پر آپ نے سلسلہ نوشاہی کو حضرت خواجہ فضیل نوشاہی قادریؒ سے منسوب فرمایا ہے۔ اس سے پیشتر مرزا عبدالستار بیگ سہسرامی نے ''مسالک السالکین'' میں اور مرزا احمد اختر کیرانوی نے ''تذکرۃ الفقراء'' میں بھی اسی طرح لکھا ہے جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔
صحیح بات یہ ہے کہ سلسلہ نوشاہیہ ''حضرت شاہ حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادری رحمتہ اللہ علیہ

سے جاری ہوا ہے۔ لفظ ''نوشہ'' کے ساتھ ارباب سلسلہ کو یائے نسبتی لگانے سے ''نوشاہی'' کہا جاتا ہے۔ خواجہ فضیل ان کے مریدوں وخلیفوں میں سے تھے جیسا کہ لفظ نوشاہی کی نسبت سے ظاہر ہو رہا ہے مندرجہ ذیل کتب سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ نوشاہی خاندان حضرت نوشہ گنج بخش سے جاری ہوا ہے۔

(۱) مقامات حاجی بادشاہ	مصنفہ مرزا احمد بیگ لاہوریؒ
(۲) ثواقب المناقب	از علامہ شیخ محمد ماہ صداقت دہلویؒ
(۳) تذکرہ نوشاہیہ	از سید حافظ محمد حیات ربانی نوشاہیؒ
(۴) تحائف قدسیہ	از شیخ پیر کمال قریشی عباسی لاہوریؒ
(۵) کنز الرحمت	از مولانا محمد اشرف فاروقی مسخپریؒ
(۶) مراۃ الغفوریہ	شیخ امام بخش برقندازی جالندھریؒ
(۷) کلید گنج الاسرار	خلیفہ محمد ابراہیم جالندھریؒ
(۸) سرِ مکنون	شیخ فقیر اللہ برقندازی مکیریاںؒ
(۹) چہار بہار	مولانا سید محمد ہاشم شاہ جگرانویؒ
(۱۰) خزینۃ الاصفیا	مفتی غلام سرور لاہوریؒ
(۱۱) حدیقۃ الاولیاء	مفتی غلام سرور لاہوریؒ
(۱۲) گلزار نوشاہی	مولوی محمد حیات خطیب جامع حنفیہ شرقپورؒ
(۱۳) انوار نوشاہیہ	سید ابوالظفر شریف احمد شرافت نوشاہی

چونکہ نوشاہی سلسلہ کے درویش ومریدین لاکھوں کی تعداد میں ملک کے طول وعرض میں موجود ہیں اس لئے یہ انتساب غیر محل ان کے لئے اشتباہ کا باعث ہو جائے گا لہٰذا التماس ہے کہ اگر ہو سکے تو موجودہ نسخہ میں ورنہ آئندہ ایڈیشن میں ضرور اس کی اصلاح فرما کر مشکور فرمایا جائے۔ والسلام مع الاکرام۔

یہ خط راقم الحروف کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: یہ جو انہوں نے لکھا ہے وہ بھی صحیح ہے ہم نے جو لکھا ہے وہ مسالک السالکین کی تحقیق ہے۔ آئندہ ایڈیشن میں ان کا خط ہم من وعن شائع کر دیں گے اور لکھ دیں گے کہ امتیاز نوشاہی صاحب کی تحقیق یہ ہے۔ حضرات نوشاہی دونوں میں سے جس تحقیق کو معتبر سمجھیں اپنالیں۔

لخت لخت

کرتا ہوں جمع پھر جگر لخت لخت کو

قلندرانہ ادائیں:-

دوران ارشادات ایک ارادت مند کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ حضور نے اسے آواز دی۔ کیا بات ہے؟ تمہارا کسی سے آج ملنے کا وعدہ تھا؟ وہ ایک دم مبہوت ہو کر سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد عرض کی جی حضور! تین چار دن ہوئے ایک مشین والے سے سودا طے کیا تھا اور آج اسی ٹائم اس سے ملنے کا وعدہ تھا۔ فرمایا وہ گھر بیٹھا تمہارا انتظار کر رہا ہے جاؤ اس سے سودا طے کر لو اسی لئے تمہیں جگایا ہے۔

جیتا جاگتا:-

حاجی یوسف علی سہروردی نے عرض کی کہ ان کا ایک رشتہ دار نوعمر لڑکا بوجہ آوارگی گھر سے بھاگ کر کافی عرصہ سے لاپتہ ہے نہ معلوم زندہ بھی ہے یا نہیں؟

فرمایا گھبراؤ نہیں، وہ لڑکا جیتا جاگتا ہے میں نے (باطنی نگاہ سے) اسے جس حالت میں دیکھا ہے وہ کسی آدمی سے مل کر کوئی چیز فروخت کر رہا ہے۔ اگر اسے کاروبار کی یہ عادت پڑ جائے تو اچھی ہے۔ اس کی اصلاح ہو جائے گی۔ اس لئے ابھی اسے وہاں ہی رہنے دو۔

لاتوں کے بھوت:-

ایک معمر شخص حاضر خدمت ہوا۔ وہ بھری محفل میں عرض حال سے ہچکچا رہا تھا چنانچہ حضور نے چودھری یوسف صاحب کو فرمایا کہ تم اس سے علیحدگی میں باعث پوچھ لو۔

سائل نے چودھری صاحب کو بتایا کہ میری بہو عرصہ چار سال سے روٹھ کر اپنے میکے چلی گئی ہے۔ ہم نے اسے واپس لانے کی ہر چند کوشش کی ہے مگر اس کے والدین اسے ہمارے گھر آنے نہیں دیتے۔

حضور نے چودھری صاحب کو فرمایا جب تک اس لڑکی کے والدین اسے جوتے نہیں مارتے وہ نہیں آئے گی۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اس لڑکی کا تعلق کسی اور لڑکے سے ہو گیا ہے اور وہ خود ہی آنا نہیں چاہتی مگر تم اس شخص کو یہ بات نہ بتانا۔ میں تعویذ لکھ دیتا ہوں وہ اسے دے دو۔

نتیجہ؟:-

ایک معمر بزرگ اپنے باطنی حالات کی الجھن کے سلسلہ میں حاضر خدمت ہوئے اور مجلس میں خاموش بیٹھے رہے۔ کسی اور بزرگ کی بیعت تھے اور آداب محفل اولیاءؒ سے واقف کچھ دیر بعد حضور نے انہیں اپنے قریب طلب کیا اور فرمایا۔

بڑا عرصہ ہوا کسی رب کے بندے نے آپ کو کچھ پڑھنے کے لئے بتایا تھا اس کا نتیجہ ابھی تک نہیں نکلا۔ وہ نکلنا چاہئے؟

بغیر سوال اور اپنا مدعائے دل بیان کئے اس کشف باطنی پر وہ شخص بڑا متاثر ہوا اور خصوصی توجہ کے لئے درخواست کی۔ حضورؒ نے مسکراتے ہوئے تسلی بخشی اور فرمایا گھبرائیے نہیں اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

نیک ہوگا:-

ریاض قریشی سہروردی اپنے چھوٹے بچے کے ہمراہ حاضر ہوئے۔ حضور نے پوچھا آپ بہت دیر سے پہنچے ہیں آپ تو اپنے گھر کافی دیر سے تیار ہو کر بیٹھے ہوئے تھے۔ قریشی صاحب نے اپنے چھوٹے بچے کی طرف جس کی عمر چار سال کے قریب ہوگی اشارہ کرتے ہوئے عرض کی کہ یہ تیار نہیں ہوتا تھا اس نے دیر کرادی ہے۔ مسکراتے ہوئے فرمایا آپ اس کی شکایتیں کرتے رہتے ہیں یہ بڑا ہو کر خدا کے فضل سے بہت نیک ہوگا۔

مسلمان:-

ڈاکٹر عبدالحق سہروردی نے ایک دوست ڈاکٹر انعام عطا اللہ سہروردی کے متعلق تشویش

کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی کہ غلط عقائد کے لوگ اس پر اثر ڈال رہے ہیں۔ توجہ فرمایئے تاکہ وہ صحیح العقیدہ رہے، اپنے مسلک پر قائم رہے اور حضور کے دست بیعت کے صدقے اس کا انجام بخیر ہو۔

فرمایا: دل پر قبضہ الفاظ کا نہیں ہوتا رب کی رحمت کا ہوتا ہے۔ جس نے مسلمان مرنا ہے وہ کبھی گمراہ نہیں ہوسکتا۔

جیسا پیر ویسا مرید:-

ایک دفعہ فرمایا مرید لازماً اپنے پیر کی صفات اپناتا ہے۔ پیر نے اگر ساری عمر بھنگ اور چرس پی کر گزاری ہو تو اس کے مریدوں نے بھی اپنی عمریں ایسے ہی گزارنی ہیں۔ اگر ماں نے چنے کھائے ہوں تو دودھ پیتے بچے کے فضلے میں وہ چنے نکلتے ہیں۔ اسی طرح جیسا پیر ہوگا ویسا مرید۔ پنجابی کا محاورہ ہے "بلھے دا بلھا نہیں تے متھے پھلی ضرور ہووے گی"، یعنی اگر بعینہ پوری صفات نہیں ہیں تو کم از کم ان صفات کا کچھ حصہ تو ہوگا۔

سانگ:-

ایک ارادت مند کی نشست و برخواست کسی بھنگ نوش ملنگ کے ہاں رہتی تھی۔ اسے فرمایا: حضور علیہ السلام کا اتباع، حضور کی درویشی اگر نہ ہو اور اگر اس طرف سے کوئی ہدایت نہیں تو کیا درویشی ہے؟ یہ اپنے منہ سے اپنے آپ کو درویش کہنے سے آدمی درویش نہیں بن جاتا۔ درویش تو ہمیشہ اپنے آپ کو علیحدہ رکھتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ، خدمت دین اور پیری مریدی کا حکم نہ ملے وہ اس میدان میں قدم نہیں رکھتے۔ اگر کسی وقت کے درویش نے انہیں درویش کہا ہے تو پھر وہ درویش ہوا ورنہ اپنے منہ سے صحیح درویش نے اپنے آپ کو درویش نہیں کہا۔ جتنے صحیح درویش ہوئے ہیں سب کا یہی حال ہے۔ یہ آج کل کے بھنگ نوش بزعم خود یا بزبان خوش درویش کہلانے والوں نے تو محض سانگ بھرا ہوا ہے اور روٹی کمانے کے لئے یہ لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔

رحمت را بہانہ:-

صوفی عبدالکریم سہروردی کے ہمراہ ان کے ایک بزرگ استاد عیادت کے لئے حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ میں درویشوں کا خادم ہوں آپ کی بیماری کا سن کر حال پوچھنے

آیا ہوں۔

فرمایا: دنیا دار المحن ہے اس میں اعتدال مشکل ہے۔ ردو بدل لگا رہتا ہے۔ ''کنویں کی ٹنڈیں'' یعنی مٹی کی چھوٹی ڈولیاں جو ہوئیں نصف پھیر میں بھری ہوئی اور نصف پھیر میں خالی۔ انسان جو ہوا' کبھی تندرستی کبھی بیماری' پتلیوں کا تماشا لگا ہوا ہے۔ ڈور کسی کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کو کسی بھی رنگ میں رکھے لیکن ساتھ توفیق بھی عطا فرمائے تو پھر آدمی لغزش نہیں کھاتا۔ نعوذ باللہ اگر اس کی توفیق شامل حال نہ ہو تو پھر وہ کچھ بھی نہیں۔ عبادت تک کے مسئلے میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ اِیاک نَعبدُ ہم تیری عبادت کرتے ہیں و اِیاک نستعین یعنی عبادت جو کرتے ہیں اس کے لئے بھی ہمیں تیری مدد کی ضرورت ہے۔

اسی طرح بخشش کے ضمن میں حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا عبادت سے بخشش ہو جاتی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! بخشش سے ہی عبادت ہوتی ہے۔ یعنی جس کی بخشش مقصود ہو اللہ تعالیٰ اسے عبادت کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔

رحمتِ حق ''بہانہ'' می جوید رحمتِ حق ''بہا'' نمی جوید

حدود:-

ایک مجلس میں فرمایا: ایک بات یاد رکھیں۔ جو بات اس جہاں کی ہو اسے حضور علیہ السلام سے منسوب کریں اور جو اس جہاں سے پرے کی ہو وہ رب العزت سے۔

فقیر بے نیاز:-

ایک شخص حاضر خدمت ہوا حضور نے پوچھا کہئے کیسے آنا ہوا؟ میرے متعلق کوئی کام ہو تو بتائیے۔

اس نے عرض کی۔ یونہی دیدار حاصل کرنا تھا۔ آپ فرمائیے میرے متعلق کوئی کام ہو تو میں ہر طرح حاضر ہوں۔

فرمایا: یہ دنیا کے معاملات ہیں اور چلتے ہی رہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ درویشوں کے دروازوں پر خلق خدا کچھ مانگنے آتی ہے۔ اگر درویش بھی سائلوں سے مانگنا شروع کر دیں تو کوئی بات نہ ہوئی۔

سائل نے عرض کی کہ میں نے یہ بات محض خدمت کے خیال سے عرض کی تھی۔

فرمایا: یہ تو محبت ہے۔ دیو جانس کلبیؒ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دفعہ وہ دھوپ کھا رہے تھے۔ اسی اثناء سکندر اعظم آ گیا اور ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور دھوپ کے درمیان حائل ہو گیا۔ آپ نے پوچھا تو کون ہے؟ کہنے لگا سکندر اعظم۔ آپ نے فرمایا کیا چاہتے ہو؟ کہنے لگا بادشاہ ہوں خود تو کچھ نہیں چاہتا آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا اتنی خدمت ہی بڑی ہے کہ سامنے سے ہٹ کر کھڑا ہو جا اور مجھے دھوپ لگنے دے۔

سائل کو مخاطب کرتے ہوئے حضور نے فرمایا: جس شخص میں اس بے نیاز کی قوتیں کام کرتیں ہیں وہ اسے بھی بے نیاز کر دیتی ہیں۔

پختگیٔ عمل:-

ایک سائل نے عرض کی کہ میں تنگدستی کی وجہ سے اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکا میرے اچھے مستقبل کے لئے دعا فرمائیے۔

فرمایا! تنگدستی اور چیز ہے اور عمل کی پختگی کچھ اور چیز۔ ارادہ نیک ہونا چاہئے۔ پختگی عمل کی راہ میں تنگدستی حائل نہیں ہو سکتی۔

خوف:-

ڈاکٹر عبدالحق سہروردی نے عرض کی کہ حضور جب کبھی نماز قضا ہو جاتی ہے تو خوف طاری ہو جاتا ہے؟

فرمایا! خوف احساس کا نام ہے۔ مثلاً آپ سوئے ہوئے ہیں' آپ کے پاؤں پر سانپ چڑھ آتا ہے آپ کو اس وقت احساس نہیں لہٰذا خوف نہ ہوگا۔ اگر اسی وقت بیدار ہو جاتے ہیں اور اس کا احساس ہوتا ہے تو خوف پیدا ہو جائے گا۔ اگر نماز کے فوت ہونے پر خوف طاری ہوتا ہے تو یہ زندگی کی دلیل ہے۔ جب تک یہ احساس قائم ہے اس وقت تک دل بیدار ہے اور وہ زندہ ہوگا۔

آثار قیامت:-

ایک مجلس میں فرمایا: ایک شخص آ کے کہنے لگا کہ حقیت دن بدن مٹتی جا رہی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حقیت حق پر نہیں۔ میں نے اسے کہا تمہارا خیال درست نہیں چونکہ ہم

نے یہ مسئلہ سنا اور پڑھا ہوا ہے کہ حق مٹے گا تو قیامت آئے گی۔ قرب قیامت ہے اس لئے حق پرست مٹیں گے تو پھر ہی قیامت آئے گی آپ ایسے بے راہ رو پیدا ہوں گے اور الحاد بڑھے گا۔

فطری محبت :-

مرزا غلام حسین سہروردی نے عرض کی کہ ہمارے والد کو ہم سے بڑی محبت تھی۔ ان کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ ہم ہر صورت شام کو گھر پہنچ جایا کریں۔

فرمایا: والدین کی محبت وشفقت ایک ایسی فطری چیز ہے کہ وہ کسی بھی رنگ میں اولاد کو نہیں بھول سکتے۔ اولاد والدین کو بھول جاتی ہے۔ اس کی دلچسپیاں کم ہو جاتی ہیں اس لئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا باپ ہوتا تو محبت اوپر جاتی۔ چونکہ اولاد تھی اس لئے محبت نیچے اتری۔ اولاد والدین کی محبت سے بے نیاز ہو جاتی ہے۔ جب وہ خود باپ بنتی ہے تو پھر اسے احساس ہوتا ہے کہ اولاد کی محبت کیا چیز ہے۔

ٹیڑھی پسلی :-

مرزا صاحب نے عرض کی حضرت بیوی کے ساتھ کیوں محبت ہو جاتی ہے؟ حالانکہ وہ باہر کے خاندان سے آتی ہے۔ اس کی محبت ماں باپ، بہن بھائی چھڑا دیتی ہے۔

فرمایا: بیوی جو ہے اس کا قریبی تعلق قلب سے ہے۔ دل کے ساتھ جو پسلی ہے اس سے ہے۔ چونکہ دل کے قریب اور کسی کا مادہ نہیں جس کی بیوی بنتی ہے اس کے ساتھ اس کا تعلق ہوتا ہے لہٰذا مرد اپنے فطری رجحان سے اتنا مانوس ہوتا ہے کہ وہ دوسرے تعلقات کو پیچھے چھوڑ دیتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے عورت کو زور سے سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اگر بگاڑ ہو جائے تو مار پیٹ کر اسے سیدھا نہ کرو۔ اس لئے کہ ٹیڑھی چیز کو اگر زور سے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو چونکہ یہ فطرتاً ٹیڑھی ہے لہٰذا ٹوٹ جائے گی۔

یہ الفاظ بیان فرماتے ہوئے قبلہؒ نے مسکراتے ہوئے راقم الحروف کی طرف دیکھا اور استفسار فرمایا! خاور صاحب مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے نا؟[1]

---

[1] بات دراصل یہ تھی کہ گزشتہ شام راقم الحروف کا اپنی بیوی کے ساتھ جھگڑا ہو گیا اور بات مار پٹائی تک پہنچ گئی۔ اولیائے کرام پر چونکہ حالات بفضل ایزدی منکشف ہو جاتے ہیں اس لئے جب آپ نے پوچھا کہ مسئلہ سمجھ میں آ گیا ہے نا؟ تو یقین کیجیے فرط ندامت سے میری یہ حالت تھی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن سر جھکائے بمشکل عرض کر سکا "جی قبلہ"!

فتویٰ کہ عمل :۔

ایک مجلس میں فرمایا چند دن ہوئے ایک صاحب جو محکمہ زراعت میں افسر تھے آئے انہوں نے مسنون داڑھی رکھی ہوئی تھی مگر ننگے سر تھے۔ میں نے انہیں کہا آج کل کندن یا کلائیو کی سنت زیادہ پسندیدہ ہے۔ کوئی حدیث کوئی ثبوت ایسا نہیں ملتا جو یہ بیان کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے ننگے سر دیکھا ہے۔ تم متشرع آدمی ہو داڑھی رکھی ہوئی ہے تمہیں یہ کیا شوق چرایا ہے کہ محبوب کی شکل لے کر اس طرح آئے ہو؟ بالخصوص ایسی مجلس میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے۔ وہ نیک آدمی تھا اس نے فوراً جیب سے رومال نکال کر سر پر رکھ لیا۔

گویا فتویٰ دینا آسان ہے فتویٰ قبول کرنا مشکل ہے۔ آج کل کے علماء میں یہی چیز ہے کہ انہیں فتویٰ دینے کی توفیق تو ہے لیکن اس پر عمل کرانے کی ہمت نہیں۔

برداشت :۔

مرزا جلال الدین سہروردی نے چند خانگی پریشانیوں کا ذکر کیا۔

فرمایا: اگر کسی پر آزمائش ڈالی جائے تو یہ بھی علم اس کے پاس ہے کہ وہ اس کو برداشت کر سکتا ہے یا نہیں۔ اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے:

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا (۲۸۶:۲)

ہم کسی پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے [1]

استحقاق :۔

میاں عبدالستار سول جج حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے جلدی سیشن جج کر دے۔

فرمایا: قدرت کے آگے یہ کون سی بڑی چیز ہے۔ اس کی رحمت وسیع ہے۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

---

[1] لہٰذا رب العزت کی ذات پر بھروسہ کیجیے اس کی رحمت بڑی وسیع ہے وہ اس الجھن سے رہائی کے خود ہی اسباب پیدا فرما دے گا۔

جج صاحب نے کہا میں سینئر ہوں اور میرا حق بھی ہے۔
فرمایا: یہ ہم کسی وقت بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ ہمارا استحقاق ہے۔ یہ تو محض فضل ربی ہے اس کی رحمت ہے۔

قرآن کی منزل یوں :-

ایک مجلس میں راقم الحروف سے استفسار فرمایا کہ قرآن کی منزل کرتے ہو؟
میں نے عرض کی نہیں حضور؟
فرمایا آئندہ ضرور کیا کرو اور اس نظریے سے کرو کہ جہاں رب العزت جل علی شانہ نے خطاب فرمایا ہے ان آیات کا ترجمہ ادیبانہ رنگ میں کرو اس طرح کہ اصل مفہوم فوت نہ ہونے پائے۔

تعمیل پھر اپیل :-

ایک صاحب نے عرض کی کہ مجھے ایک کیس میں جرمانہ کی سزا ہوگئی ہے سخت پریشان ہوں۔
فرمایا: احسن طریقہ یہ ہے کہ پہلے حکومت کا حکم مان لو، خزانے میں جرمانے کی رقم جمع کرادو بعد میں اس حکم کے خلاف اپیل کردو بہتر یہ ہے کہ آدمی قانون کا احترام کرے۔
قائداعظم کو دیکھو کہ سیاسی تحریکوں میں تقریباً سب لیڈر قید ہوئے مگر وہ جیل نہ گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ قانون کا احترام کرتے تھے انہوں نے قانون سے ٹکر نہیں لی۔ پہلے قانون کو مان لیا اس پر عمل کیا اور بعد میں اس کے خلاف ایجی ٹیشن کردی اس لئے قانون کے منہ آنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے تعمیل کرو اور پھر اپیل اللہ رحم کرے گا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔

حقیقت کے قریب :-

ایک مجلس میں قرآن حکیم کے ترجمہ کی بات چل نکلی تو فرمایا:
میرے نزدیک اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ حقیقت کے زیادہ قریب ہے۔

خالص تعلق :-

ایک شخص کو فرمایا میرے نزدیک رب کو صرف رب کے لئے پکارا جاتا ہے۔ سکون کے

لئے نماز پڑھو۔ قرآن میں آتا ہے۔ واستعینو باالصبر والصلوۃ نماز اور صبر کے ساتھ استعانت پکڑو۔ اس لئے نماز پڑھو، اللہ کی رضا پر راضی رہو اور بس۔

تمنا یہ کرو:۔

ایک بی بی نے عرض کی کہ حضور میرا لڑکا فوت ہو چکا ہے مجھے اس کو خواب میں دیکھنے کی بڑی تمنا ہے۔

فرمایا: اس کا تمہیں کیا نفع پہنچے گا؟ تمنا یہ کرو کہ حضور علیہ السلام کا دیدار نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کا نور سامنے آئے، دنیا فانی ہے۔ فانی نے فنا کی طرف ہی جانا ہے۔ یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک کا دیدار نصیب کرے اور اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائے۔

صرف نبی معصوم:۔

راولپنڈی سے ایک بی بی آئی اور اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ اس سے حسن سلوک سے پیش نہیں آتا۔ اب وہ روٹھ کر گھر سے چلا گیا ہے دعا فرمائیں کہ وہ واپس گھر آجائے۔

فرمایا جب تک تیری بددعائیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتیں وہ گھر واپس نہیں آئے گا اور اگر یہی چیزیں اس کے شامل حال رہیں تو نہ وہ کمائے گا نہ تمہیں اور تمہارے بال بچوں کو کھلائے گا اور نہ ہی تمہارے گھر کا سلسلہ درست ہوگا۔

بی بی نے عرض کی قبلہ اگر وہ اپنی برائیوں سے باز آجائے تو میں بددعائیں دینا چھوڑ دوں گی۔

فرمایا: نبی کے سوا کوئی شخص معصوم نہیں ہوتا۔ اگر تمہارے خاوند میں کوئی عیب ہے تو تجھ میں بھی کوئی نقص ہے۔ دعا یہ کرنی چاہئے کہ یا اللہ اسے نیک کر اور جو نقص مجھ میں ہے اسے دور کرنے کی مجھے توفیق بخش۔

محبت اور عشق:۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ قبلہ فلاں دوستوں نے اپنی مالی کمزوری کی وجہ سے ختم شریف میلاد النبی کے موقع پر نان اور چنے کی دال تقسیم کی ہے۔

فرمایا: شاہ عبدالرحیمؒ نے لکھا ہے کہ میرا معمول تھا کہ میں ہر ماہ ختم شریف کراتا۔ ایک دفعہ اتفاقاً زیادہ رقم نہیں تھی۔ اس لئے لوگوں کے کہنے پر تھوڑے سے میٹھے چنے منگوا لئے اور

ختم پڑھ کر تقسیم کر دیئے۔ رات کو حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام کے سامنے وہ چنے پڑے ہیں اور حضور انہیں تناول فرما رہے ہیں اور مجھے ارشاد فرمایا عبدالرحیم! تیرے چنے بھی مقبول ہیں۔ اگر تیرے پاس زیادہ رقم ہوتی تو تو زیادہ خرچ کر دیتا۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا محبت اور چیز ہے اور عشق اور چیز۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق صبرِ حسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

محبت نا فراموش:۔

ملک اکبر سلطان سہروردی کے ایک عزیز ان کے ہمراہ حاضر خدمت ہوئے۔ ملک صاحب نے اپنے عزیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور آپ نے انہیں پہچانا ہے؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے دوستوں کے حلیے سامنے رہتے ہیں۔ آج اٹھارہ سال کے بعد پنڈ دادن خان کے علاقے کا ایک آدمی آیا جس نے اپنا تعارف کرانا چاہا۔ جس زمانے میں مجھے وہ ملا تھا اس وقت اس کی داڑھی نہیں تھی۔ اب داڑھی بڑھائے ہوئے تھا اور شکل و شباہت میں خاصی تبدیلی آچکی تھی مگر مجھے وہ یاد تھا چنانچہ میں نے اسے کہا کہ تم فلاں ہو اور مجھے فلاں جگہ ملے تھے۔

ملک صاحب نے کہا سرکار یہ اس کی بڑی خوش نصیبی ہے جو آپ نے اسے یاد رکھا۔

فرمایا کافی عرصے کی بات ہے ان دنوں گرمیوں میں جسٹس نسیم محمود صاحب دھرم سالہ گئے ہوئے تھے۔ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ میں جسٹس صاحب کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا۔ رانا محمود صاحب ان دنوں کانگڑہ میں تحصیلدار تھے۔ انہیں پتہ چلا کہ میں لاہور سے آیا ہوا ہوں اور جسٹس صاحب کے ہاں مقیم ہوں وہ مجھے ملنے کے لئے آگئے۔ میں اس وقت باہر برآمدے میں بیٹھا تھا۔ اور بھی کئی دوست میاں کلیم الدین ڈپٹی کمشنر اور آغا یوسف وغیرہ موجود تھے۔ رانا صاحب نے آتے ہی کہا السلام علیکم۔ میں نے کہا وعلیکم السلام۔

کہنے لگے آپ نے مجھے پہچانا ہے؟ میں نے کہا رانا صاحب پہلے تشریف رکھئے پھر پہچان لوں گا۔ بڑے حیران ہوئے کہ آپ نے تو مجھے آتے ہوئے نہیں دیکھا۔

میں نے کہا (ظاہری طور پر تو نہیں دیکھا لیکن) بھئی میں نے تو اسی وقت آپ کو دیکھ لیا تھا جب آپ مجھے ملنے کے ارادے سے اپنے گھر کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا محبت ایک ایسی چیز ہے جو بھولنے نہیں دیتی۔

رمضان اور عید کا چاند:۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ لوگ رمضان کا چاند شوق سے نہیں دیکھتے مگر عید کا چاند بڑی بے تابی سے دیکھتے ہیں۔

فرمایا: یہ ایمان کی کمزوری ہے ورنہ عید کرنے میں اتنا نفع نہیں جتنا روزہ رکھنے میں ہے اگر یہ سوچا جائے تو رمضان کا مکمل ہو جانا مسلمانوں کے لئے زیادہ باعث ثواب ہے۔ عید کی خوشی تو محض نفسانی ہے کہ دن کو کھانے پینے کی روک ٹوک نہیں رہتی۔

کون آکھے:۔

ایک نوعمر لڑکا جس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حاضر خدمت ہوا۔ حاضرین کو فرمایا: مالک کی مرضی یہ بچہ اچھا بھلا سکول پڑھتا تھا۔ رات کو سویا صبح اٹھا نظر چلی گئی تھی۔ ہمارے علاقے میں ایک حافظ صاحب ہوئے ہیں برخوردار ان کا نام تھا۔ پنجابی کے بڑے عمدہ شعر کہتے تھے۔ رب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

صاحب دی قہاری کولوں مچ ڈر
باجھ گناہوں کسن پھڑ پھڑ جانور

آدمی عاصی کھاون سیخاں لائے کر
پر حافظ کون صاحب نوں آکھے اینج، اینج کر

حسنؓ حسینؓ پیارے پاک رسول دے
فاطمہؓ دے فرزند علیؓ مقبول دے

امت تھیں کوہائیو ای اتے لت دھر
پر حافظ کون صاحب نوں آکھے اینج نہ اینج کر

مکہ جا بنائیوئی وچ پہاڑیاں
گرمی تیں بھٹ تپن تے سڑن جھاڑیاں

ایہ متھرا کول بہائیو ای جمنا نیر بھر
پر حافظ کون صاحب نوں آکھے اینج نہ اینج کر

اکناں دے گھر پتر نالے پوترے
اکناں دے گھر دھیاں نالے دوہترے
اکناں دے گھر اک اوہ بھی جائے مر
پر حافظ کون صاحب نوں آکھے اینج نہ اینج کر

اک رنگ محلاں تائیں اجاڑ دا
اک کھولیاں تائیں شیش محل اسار دا
آپے ڈھاندا تے آپے کردا بھن گڑ
پر حافظ کون صاحب آکھے اینج نہ اینج کر

اناللہ:-

ایک مجلس میں کسی شخص نے عرض کی کہ فلاں شخص مر گیا ہے۔
فرمایا: اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آدم سے لے کر آج تک پچھلی صف لپٹی ہی نظر آتی ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں رب العزت یہاں سے لے جانے کے بعد بھی زندہ رکھے۔ ایسا شخص سمجھے کہ کچھ خریدا ہے۔ جو لوگ حقیقت میں مر جاتے ہیں ان کا کیا۔ آئے، روٹی کمائی، کھایا پیا اولاد پیدا کی اور چل بسے۔

حضرت اکبر بھی کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی اور مر گئے

ڈھول کا پول:-

ایک صاحب نے عرض کی کہ میں ''یا حی یا قیوم برحمتک استغیث'' پڑھتا ہوں اور آیت کریمہ کا ورد کرتا ہوں۔
فرمایا کس لئے پڑھتے ہو؟
سائل نے عرض کی حضور! یونہی شوق سے پڑھتا ہوں۔
فرمایا: شوق کے ساتھ جو کام کیا جائے کم از کم اس کے ساتھ کوئی مطلب تو ہوتا ہے۔

کہنے لگا نہیں، حضرت صرف شوق ہے۔

فرمایا: اگر کوئی خاص مقصد ہے تو میں کوئی خاص بات بتا دیتا ہوں وہ پڑھ لیا کرو اور اگر محض تفریح مطلوب ہے تو جو جی میں آئے پڑھو۔

سائل نے عرض کی کہ اللہ کا کلام ہے برکت کے لئے پڑھتا ہوں۔

فرمایا: اللہ کا کلام تو سارا قرآن ہے۔

کہنے لگا حضرت بعض وظیفوں سے مجھے نقصان پہنچا ہے کیا انہیں چھوڑ دوں؟

فرمایا جوں جوں پڑھو گے نقصان ہوگا۔ اس طرح پڑھنے سے چھوڑ دینا بہتر ہے۔ اگر کوئی مقصد ہے تو بتاؤ۔

سائل نے عرض کی کہ مطلب دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔ دنیا کی تکلیفیں بھی رفع ہو جائیں اور دین بھی صحیح ہو جائے۔ ویسے کئی دفعہ مجھے بزرگوں کی زیارتیں ہوئی ہیں۔ جنت کے پھل بھی دکھائی دیتے ہیں اور غیبی آوازیں آتی ہیں جن میں پھلوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ اور قریب ہو جاؤ۔

فرمایا: ایک آدمی باہر سے آئے، اسے پیاس لگی ہو، وہ گھر آ کر پانی مانگے۔ گھر والے پانی دینے کی بجائے اس کا جسم اور ٹانگیں دبانی شروع کر دیں۔ بتاؤ اسے کیا نفع پہنچے گا؟ ہے تو یہ بھی خدمت لیکن یہ اس کی پیاس کی غرض کو پورا نہیں کرتی۔ یاد الٰہی یا ذکر و فکر سے مراد رب العزت کی تلاش ہے۔ بزرگان دین اور جنت کے درختوں اور پھلوں کو دیکھنا مقصود زندگی نہیں۔ اس لئے اس بات کو سوچو۔ اس مقصد کی طرف توجہ کرو اور اس راہ میں نہ دشواریاں، نہ مصیبتیں اور نہ پھل دیکھے جائیں۔ ہر قدم رب العزت کی طرف اٹھے۔ پھل وغیرہ دیکھنا مقصود زندگی نہیں یہ تو روح کی سیر ہے۔

اسی دوران قبلہؒ نے کاغذ کے پرزے پر اس کے لئے وظیفہ تحریر فرما کر اسے دینے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اس شخص نے اپنی دنیاوی تکلیفوں کا رونا شروع کر دیا۔ حضرت چھوٹے بھائی کے دماغ میں فتور ہے وہ ایک نوکری پر استقامت نہیں کرتا، سارے کنبے کا بوجھ مجھ پر ہے۔ ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میرا بوجھ ہلکا ہو جائے اور وہ نوکری پر لگ جائے۔ حضرت قبلہؒ دراصل اس کے مافی الضمیر کے مطابق پہلے ہی تعویز لکھ چکے تھے۔ مسکراتے ہوئے اسے وہ کاغذ دیا اور فرمایا: یہ اسی مقصد کے لئے ہے اللہ رحم کرے گا۔

دلوں کے جاسوس:-

ایک مجلس میں فرمایا: ایک دفعہ ایک شخص میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ مجھے ''دم عیسیٰ'' کا نسخہ سمجھا دیں اس کے عوض میں آپ کو ایک عمل حب بتاتا ہوں بڑا عجیب عمل ہے آپ کی لائن ہے آپ کو یہ بہت نفع دے گا۔ میں نے اسے کہا کہ مجھے تم سے اس کے پوچھنے کی ضرورت نہیں وہ مجھے خود سمجھ آجائے گا۔

میں نے اسے ایک ورد چند پابندیوں کے ساتھ بتادیا کہ اسے جاکر کرو۔ پردۂ غیب سے نسخے کے متعلق تمہاری رہنمائی ہو جائے گی۔ وہ اس بات پر بڑا پریشان ہوا کہ میں نے نسخہ پوچھا ہے۔ آپ نے ورد بتادیا ہے۔ مجھ سے یہ پابندیاں نہیں ہوسکتیں اور غصے میں اٹھ کر چلا گیا:

دوسرے دن وہ میرے ایک دوست سے ملا اور اسے کہنے لگا تم کہتے تھے کہ مولوی صاحب بڑے اچھے آدمی ہیں مگر وہ تو بہت ہی عجیب ہیں۔ اس نے پوچھا کیوں خیر تو ہے کیا بات ہوئی؟ کہنے لگا میں نے محض امتحان کے لئے عمل حب کا ذکر کیا کہ لالچ میں آکر وہ نسخہ بتادیں گے مگر انہوں نے مجھے ورد بتادیا۔ میرے اس دوست نے کہا بھئی اس میں ناراضگی کی کون سی بات ہے تم نے خود ہی کہا کہ مجھے عمل حب آتا ہے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اہل دل کے پاس احتیاط شرط ہے۔[1]

☆☆☆

---

[1] راقم الحروف کا ایک شعر ہے

ہوش سے بیٹھ اہل دل کے حضور!
ہر گماں کے حسیب ہوتے ہیں

خندہ ہائے گل

غیر مقلّد :-

ایک دفعہ فرمایا: ہم جموں ایک جلسے میں شرکت کے لئے گئے۔ جموں شہر میں ایک بازار ہے جسے ''اردو بازار'' کہتے ہیں۔ وہاں شاہدان بازاری بیٹھتی ہیں۔ جلسہ سے فارغ ہو کر کھانا کھانے کے لئے ہم اس بازار سے گزر رہے تھے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری اہل حدیث اور مولوی محمد شریف سیالکوٹی بھی ہمراہ تھے۔ بازار میں ایک ڈیوڑھی کے اندر ایک نوجوان طوائف بیٹھی تھی۔ خوب ہار سنگھار کیا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر مولوی ثناء اللہ صاحب مولوی محمد شریف سیالکوٹی کو کہنے لگے مولوی صاحب! یہ بھی حنفن بیٹھی ہے۔ یہ پیروں فقیروں کی بڑی تابعدار ہوتی ہیں۔ قبل اس کے کہ مولوی محمد شریف اس طعن کا جواب دیتے میں نے مولوی ثناء اللہ کو مخاطب کر کے کہا۔ مولانا!

شکوہ بیجا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

کہنے لگے کیوں؟ میں نے کہا یہ غیر مقلد ہے۔ اگر مقلد ہوتی تو ایک کی ہو کر رہتی۔ مولوی ثناء اللہ صاحب اتنا شرمندہ ہوئے کہ میزبان کے گھر تک انہوں نے سر نہیں اٹھایا۔ گھر پہنچ کر مولوی محمد شریف نے انہیں کہا مولوی صاحب کیا بات ہے؟ آپ یہاں تک بڑے چپ چپ پہنچے ہیں کوئی جواب تو دیا ہوتا۔ کہنے لگے جواب خاک دیتا۔ یہ حقیقت تھی میں اسے مقلد کیسے ثابت کرتا۔ تو بعض باتیں بڑی عجیب ہوتی ہیں کہ مذاق میں ہی مسئلہ بن جاتی ہیں۔

چھٹار کن :-

ڈاکٹر محمد طفیل سہروردی حاضر خدمت ہوئے۔ حضور نے پوچھا ڈاکٹر صاحب! کوئی مسئلہ

سنایئے؟

ڈاکٹر صاحب نے عرض کی قبلہ! اپنا روٹی کا مسئلہ ہی حل نہیں ہوتا دوسرے مسئلے کیا سناؤں؟

مسکراتے ہوئے فرمایا ہمارے ہاں ایک مولوی وہاب شاہ ہوتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اسلام میں کلمہ طیبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ پانچ رکن ہیں۔ ان کے ساتھ ایک چھٹا رکن ہے روٹی۔ روٹی حاصل ہو تو یہ ارکان بھی ادا ہوتے ہیں ورنہ یہ بھی ادا نہیں ہوتے۔

تو ڈاکٹر صاحب! بات یہ ٹھیک ہی ہے آج کل تو یہ مسئلہ پہلے نمبر پر ہے[1]

نصیب اپنا اپنا:-

اسماعیل سہروردی نے عرض کی کہ غیاث سہروردی نے پھل منگوایا ہے اگر ہماری قسمت میں ہوا تو مل جائے گا۔

فرمایا: ایک امیر کے پاس جب کوئی سائل آتا تو وہ داڑھی پر ہاتھ پھیرتا۔ اگر کوئی بال ہاتھ میں آتا تو ایک آدھ دام دے دیتا۔ نہ آتا تو کہتا تیرے نصیب میں کچھ نہیں۔ ایک دفعہ کسی منچلے نے سوال کیا۔ امیر نے اسی طرح داڑھی پر ہاتھ پھیرا۔ کوئی بال ہاتھ نہ آیا۔ کہنے لگا تیرا نصیب۔ منچلے نے کہا گستاخی معاف! داڑھی آپ کی ہو اور ہاتھ میرا تو پھر پتہ چلے کہ میرا نصیب کیسا ہے؟

انا ارسلنا نوحؑ:-

چودھری شاہ محمد سہروردی نے عرض کی کہ میں جمعہ پڑھ کر آرہا ہوں۔ بس آنے جانے والی بات ہوئی ہے۔

فرمایا: یہاں تو یہ بات ہے کہ ایک دفعہ ایک مولوی جماعت کرا رہا تھا۔ قرات میں اس نے یہ آیت تلاوت کرنا چاہی۔ انا ارسلنا نوح الی قومہ. (۷۱:۱) یعنی بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔ اتفاق کی بات اس آیت کے اگلے الفاظ اس کے ذہن سے اتر گئے اور وہ انہیں الفاظ انا ارسلنا نوح الی قومہ کی تکرار کرتا رہا۔ مقتدیوں میں ایک

---

[1] مریدے فاقہ مستے گفت با شیخ — کہ یزداں راز حال ما خبر نیست
بہ مانزدیک تر از شہ رگ ماست — ولیکن از شکم نزدیک تر نیست (اقبالؒ)

ایک ظریف جو قرآن کے معنے بھی سمجھتا تھا بول اٹھا کہ حضرت! اگر نوح نہیں جاتا تو نہ سہی کسی اور کو ہی بھیج دیں۔

کتے عربی نہیں جانتے:-

ایک شخص نے اپنی بیماری کی دعا کے لئے عرض کی۔ حضور نے اسے دعا کے علاوہ دوائی استعمال کرنے کی بھی تاکید فرمائی اور یہ قصہ بیان فرمایا کہ ایک شخص نے کسی بزرگ سے درخواست کی کہ قبلہ رات کو جب تہجد کی نماز کے لئے گھر سے مسجد جاتا ہوں تو راستے میں کتے کاٹنے کے لئے دوڑتے ہیں۔ کوئی تعویذ عنایت فرمائیں یا عمل بتائیں تاکہ کتوں سے چھٹکارا حاصل ہو جائے۔ اس بزرگ نے پڑھنے کے لئے کوئی عمل بتا دیا۔ وہ شخص ان سے رخصت ہو کر باہر نکلا تو راستے میں ان کا صاحبزادہ سائل کو مل گیا۔ اس نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ سائل نے بتایا کہ اس غرض کے لئے آپ کے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تھا انہوں نے کتوں سے محفوظ رہنے کے لئے یہ عمل بتایا ہے۔ صاحبزادہ کہنے لگا جو کچھ والد صاحب نے فرمایا ہے اس پر تو عمل کرو لیکن ایک بات میری طرف سے بھی کر لینا کہ مسجد جاتے وقت ایک ڈنڈا بھی ضرور اپنے پاس رکھ لینا وہ اس عمل سے زیادہ کام آئے گا اس لئے کہ کتے عربی نہیں جانتے۔

بھنگ نوں ستّے خیراں:-

ملک بسانے مسکراتے ہوئے عرض کی کیا غیر عورت سے بات چیت جائز ہے؟

فرمایا: بات یہ ہے کہ سیالکوٹ میں ہمارے ایک حکیم خادم علی نقشبندی ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ایک پوستی آیا کہ حضرت ایک مسئلہ پوچھنے آیا ہوں۔ کہنے لگے کیا ہے؟ پوستی نے کہا حضرت! بھنگ کا دور ہرا کچور (سبز کپور) سا بھر کے رکھا تھا۔ قریب سے ایک کتا گزرا۔ لڑکوں نے اسے بھگانے کے لئے ڈرایا وہ جاتے جاتے بھنگ میں ٹانگ ڈال گیا ہے۔ مسئلہ پوچھنے آیا ہوں کہ وہ پلید تو نہیں ہوئی' اس کا پینا جائز ہے؟ حکیم صاحب ماہر طب اور نباض بھی۔ مولوی صاحب بھی اور بڑے مزاقیہ۔ کہنے لگے ایک تو بھنگ کا نشہ حرام' دوسرے کتا حرام' تیسرا حرام یہ کہ اب میں اسے جائز بتاؤں۔ میاں میری بات سن! تیری بھنگ نوں ستے خیراں نیں (تمہاری بھنگ کو ساتوں خیریں ہیں) اس کا کچھ نہیں بگڑا۔ بھاگ کر کتے کو

ڈھونڈ اور جا کر اس کی ٹانگ دھوڈال وہ پلید ہو گئی ہے۔

ہمارا حسینؓ زندہ ہے:۔

ایک صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی قبلہ میں نے حضرت امام حسینؓ پر یہ مرثیہ لکھا ہے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

مسکراتے ہوئے فرمایا: شیخ صاحب! ہمارا حسینؓ زندہ ہے۔ مرثیہ تو مردہ شخص پر لکھا جاتا ہے۔

وہم:۔

ایک دوست نے عرض کی کہ سلیم سہروردی کی طبیعت بڑی وہمی ہے۔ میں نے انہیں کئی دفعہ کہا ہے کہ جب تک آپ کی طبیعت سے وہم نہیں جاتا آپ تندرست نہیں ہو سکتے۔

فرمایا: وہم دراصل بیماری کا پیش خیمہ ہے۔ آپ کو ایک دلچسپ کہانی سناتا ہوں۔ ہمارے گاؤں میں ایک پوستی رہتا تھا۔ پوست خوب پیا کرتا۔ ایک دفعہ رات کو چاند کی چاندنی میں اپنے کوٹھے پر لیٹا ہوا تھا اس حالت میں کہ اپنی دونوں ٹانگیں اور گھٹنے اوپر کو کئے ہوئے تھا۔ ادھر چاند آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا، چاند کی چاندنی میں اس کی اوپر کو اٹھتی ہوئی ٹانگوں اور ٹخنوں کی وجہ سے سایہ پیدا ہوا۔ اس کی طبیعت نے یہ وہم پیدا کر لیا کہ دو چور ہیں جو مجھے لوٹنے آئے ہیں۔ اس نے اپنے خیال میں بڑی دانش مندی سے ہاتھ بچا کر اپنے سرہانے سے لٹھ پکڑا اور زور سے دے مارا۔ وہ اپنے ہی گھٹنے پر لگا۔ چوٹ لگنے سے ٹانگیں سیدھی ہو گئیں۔ ادھر شور مچا دیا چور چور۔ لوگ بھاگم بھاگ اس کے پاس پہنچے اور پوچھا بابا محمد علی! کہاں ہے چور؟ کہنے لگا کچھ نہ پوچھو وہ تو میرا گھٹنا توڑ گیا ہے لیکن میں نے بھی وہ چوٹ لگائی ہے کہ کم بخت ساری عمر یاد کرے گا۔ اسی طرح ایک دفعہ وہ سردیوں کے موسم میں اپنے ہمسائے کے گھر آیا کہ میرے ہاں مہمان آیا ہے ایک چارپائی دے دو۔ اہل خانہ اندر کمرے میں تھے انہوں نے وہیں سے کہہ دیا بابا صحن میں دیوار کے ساتھ چارپائی لٹک رہی ہے وہیں سے لے جا۔ اس وقت عشا کا وقت تھا۔ گاؤں میں چارپائیاں صحن میں دیوار کے ساتھ ہی عموماً لٹکا دیتے ہیں۔ گھر والے سو گئے۔ میں ان کے گھر تھا۔ فجر کی نماز سے گھنٹہ پیشتر گھر والوں کی ایک لڑکی میرے وضو کے لئے پانی گرم کرنے کے لئے اندر کمرے سے

نکل کر باہر باورچی خانہ جانے لگی تو اس نے دیکھا کہ بابا محمد علی باہر صحن میں کھڑا ہے اور چارپائی کو ہاتھ ڈالا ہوا ہے۔ اس نے سمجھا کہ اس کا مہمان جلدی چلا گیا ہوگا اس لئے یہ علی الصبح ہی چارپائی واپس لے آیا ہے۔ کہنے لگی بابا اتنی جلدی کون سی تھی، دن چڑھ آتا تو دیکھی جاتی، ابھی تو فجر کی اذان ہونے والی ہے۔ کہنے لگا بیڑا غرق۔ فجر کی اذان کا وقت بھی ہو گیا ہے۔ میں نے تو ابھی چارپائی لے جانی ہے۔ تو یہ سب وہم کی ہی برکتیں ہیں نا؟

کھانے کا وقت:-

بمقام چمن ایک صاحب نے پوچھا کہ روزہ افطار کرنے کے لئے حضور میرے غریب خانہ پر کس وقت تشریف لے چلیں گے؟

مسکراتے ہوئے فرمایا: پہلے زمانے میں بچوں کا ایک قائدہ ہوتا تھا اس میں لکھا ہوا تھا کہ کسی شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ کھانا کس وقت کھانا چاہئے؟ اس نے جواب دیا امیر کو جب بھوک لگے اور غریب کو جب ملے۔ تو بھائی رمضان شریف تو ہم پر ویسے ہی مسلط ہے۔ باقی رہا کھانا تو وہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ افطار کے بعد جب چاہیں کھلا دیں۔

روٹی یا ایمان:-

ایک مجلس میں حاضرین کو ایک ایک اشتہار فی کس عطا فرمایا تو ایک صاحب نے ایک پر اکتفا نہ کرتے ہوئے دوسرا طلب کیا تو سائل کو مسکراتے ہوئے فرمایا: ایمان کی سلامتی ہو تو ایک ہی بہتر ہے۔

سائل نے عرض کی کہ دعا فرمائیں کہ ایمان کی سلامتی ملے۔

فرمایا: ایک میراثی نماز پڑھنے چلا گیا۔ دعا مانگنے لگا یا اللہ آٹا دے، یا اللہ روٹی دے۔ ایک نمازی اسے کہنے لگا بھلے آدمی ایمان کی سلامتی مانگا کر۔ میراثی نے کہا میرے پاس ایمان ہے آٹا اور روٹی نہیں۔ تیرے پاس ایمان نہیں تو ایمان مانگا کر۔

عورت اور جنت:-

مولوی فقیر اللہ سیالکوٹی تشریف لائے۔ حضور نے فرمایا میرا خیال تھا کہ آپ حج پر چلے گئے ہوئے ہیں۔

مولوی صاحب نے کہا: نہیں جی اپنی دو محرم بیبیوں کی وجہ سے نہیں جا سکا۔

فرمایا ان مائیوں نے جنت میں نہ رہنے دیا' اب بھلا یہ جنت میں کب داخل ہونے دیں گی۔

رحمت اللہ:-

ایک مجلس میں فرمایا: ایک عورت آئی اور کہنے لگی جی یہ جو نماز میں سلام پھیرتے ہیں نا۔ ''اسلام علیکم ورحمتہ اللہ'' وہ میں اس کی بجائے کوئی اور لفظ کہہ کے سلام نہ پھیر لیا کروں۔ میں نے کہا مائی اس کا مطلب؟ کہنے لگی میرے لڑکے کا نام رحمت اللہ ہے وہ نامراد بڑا نافرمان ہے۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ اس کا نام لوں۔ میں نے کہا مائی یہ نماز میں جو ''رحمتہ اللہ'' ہے یہ تیرے بیٹے کا نام نہیں۔ یہ رب کی رحمت کا نام ہے۔ کہنے لگی اچھا جی یہ بات ہے تو پھر کہہ لیا کروں گی۔

☆☆☆☆☆

جستہ جستہ

نقال

چودھری علی احمد سہروردی نے عرض کی مشہور تاریخ دان ''ٹوائن بی'' کہتا ہے کہ مسلمان دو قسم کے ہیں۔ ایک مذہب کے دلدادہ ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے اور دوسرے ہیں مغربی تہذیب کے پرستار۔ اس قسم کے مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

فرمایا: وہ ٹھیک کہتا ہے۔ فاتح اقوام ہمیشہ دوسری غلام قوموں کا تمدن' کیریکٹر اور کلچر اسی طرح تباہ و برباد کرتی ہیں اور ماتحت قومیں اس طرح برباد ہو جاتی ہیں۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا جن دنوں مسلمانوں کی حکومت تھی۔ عیسائی، ہندو، آریہ نسلیں اور باگڑیے وغیرہ یہ سب اسلام اور مسلمانوں سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ ہندو بھی گیارہویں دیتے تھے۔ مسجدوں کے دروازے کے آگے ہندو عورتیں کھڑی ہوتیں اور نمازیوں سے دم کراتی تھیں۔ خانقاہوں پر منتیں مانتیں اور چراغ جلاتی تھیں لیکن جب مسلمان حکومت سے ہاتھ دھو بیٹھا تو یہ قومیں بھی پیچھے ہٹ گئیں۔ اسی طرح آج کل کے مسلمانوں کا حال ہے۔ انگریز کے عہد حکومت میں انہوں نے بھی وہ رنگ اختیار کیا اور اپنے اسلامی مسلک سے ہٹ کر اپنے آپ کو انگریز کے تمدن میں رنگ لیا۔ اب ہندو تو قطعاً ہندو نہیں رہا یہ علیحدہ بات ہے کہ عرف عام میں وہ ہندو ہی کہلاتا ہے۔ ایک انگریز نے ''فیصلہ ہندوستان'' نامی ایک کتاب لکھی ہے اس میں اس نے ہندوؤں کی اتنی ذلت آمیز تصویر پیش کی ہے کہ ہندو کا کلچر، تمدن و تہذیب اور مذہب کا پول کھول کے رکھ دیا ہے۔ کانشی والوں کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ مجھے کانشی جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جو مندر ہے اس میں عورتوں اور مردوں کے پتھر کے بنے ہوئے ننگے مجسمے ہیں۔ بے اولاد عورتیں اور دیوداسیاں

بیسیوں کی تعداد میں وہاں ہیں اور وہاں کے مہنتوں سے زنا کرا کر اولاد حاصل کرتی ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی نفرت پیدا ہوئی۔ میں وہاں سے واپس آ رہا تھا کہ پٹیل مل گیا میں نے اسے کہا کہ یہ ہے تمہاری تہذیب اور تمدن جس کا عیسائیت سے مقابلہ کرتے ہو۔ پٹیل کہنے لگا یہ میرے مذہب کا معاملہ ہے میں اس پر بحث نہیں کر سکتا۔ اب بتاؤ پٹیل سا ہندو اپنی ذلت کے باوجود یہ جواب دیتا ہے کہ یہ میرے مذہب کا معاملہ ہے مجھے وہیں رہنے دو جہاں میں ہوں۔ گویا یہ مسلمان پر ہی دوسروں سے متاثر ہونے کی لعنت مسلط ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور مسلمانوں کی حالت پر رحم کرے۔ خیال کیجیے کہ اگر انگریز نے تو کوئی قانون نہیں بنایا کہ کوٹ پتلون اور ہیٹ اور ٹائی پہنو وہ تو صرف ان کا قومی لباس ہے، ماتحت قوموں نے اسی میں اپنی بلندی اور بہتری سمجھی کہ ان کی نقل اتار لی کہ اس طرح فاتح قوم کے افراد میں ہمارا بھی شمار ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ سنت رسول علیہ السلام پر صحیح معنوں میں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ ہماری بہتری ہماری نجات اور ہماری رفعت کا راز اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پوشیدہ ہے نہ کہ اتباع انگریز میں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبیست

نسبت اعلیٰ

چند منگتے عربی لباس پہنے آئے۔ حضور نے پوشیدہ طور پر کچھ رقم انہیں عطا فرمائی۔ وہ چلے گئے تو چودھری علی احمد سہروردی نے پوچھا کہ کیا یہ عربی ہیں؟ یہاں کیسے آئے ہیں؟۔

فرمایا: یہ معلموں کے ایجنٹ ہیں۔ آ کر حاجیوں کو ملتے ہیں اور اپنا پیٹ پالنے کے لئے گداگری کرتے ہیں لیکن ہمیں اس سے کیا۔

ہم نیک ہیں یا بد ہیں آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے گو حال برا ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کی خدمت صرف اس نسبت سے کرتے ہیں کہ انہیں سرکار دو عالمؐ سے نسبت ہے ورنہ کیا رشتہ داری ہے۔ اپنے دوستوں میں سے بابا غلام محمد ہے۔ اس کا چچا زاد حج کو گیا۔ واپس آیا تو مجھے بھی ملنے آیا۔ کہنے لگا میں بڑا حیران ہوں کہ

وہاں بعض لوگ تو بہت برے ہیں۔ وہ یہ کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یعنی ان کے اعمال پر نکتہ چینی کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں وہاں سے یہ سوچ کر چلا تھا کہ رسول علیہ السلام نے ایسے لوگوں کو اپنے پاس کیوں رکھا ہوا ہے؟ میں نے کہا تو بہت بیوقوف ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل پر نکتہ چینی ہے۔ یہ بات سن کر گھبرا گیا۔ کہنے لگا اللہ معاف فرمائے واقعی یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی آپ ہی سمجھا دیں۔ میں نے کہا تم حاجی بھی ہو، ماسٹر بھی ہو اور عمر رسیدہ بھی، لیکن کیا کسی ڈپٹی کمشنر یا گورنر یا اس کی میم کی جھولی میں تجھے بیٹھنے کا فخر ہے؟ کہنے لگا نہیں، حضور! میں نے کہا ان کی کوٹھی کا کتا ان کی جھولی میں بیٹھا رہتا ہے۔ تجھ جیسے حاجی سے وہ کتا اچھا ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ اسے صاحب سے نسبت ہے۔ اسی طرح اہل عرب کو حضورؐ کے ہم وطن ہونے کا شرف حاصل ہے اور ان سے خاص نسبت ہے۔ روضہ اقدس پر کوئی حملہ آور ہو کوئی چور اچکا آن پڑے تو انہیں لوگوں کی گردنوں کا خون روضہ مبارک اور کعبۃ اللہ کی بنیادوں اور دیواروں میں پڑتا ہے۔ آپ حاجی لوگ تو حج کر کے واپس آجاتے ہیں۔ وہ شخص اس بات سے اتنا متاثر ہوا کہ بے اختیار ہو کر سجدے میں گر پڑا اور رب العزت سے معافی مانگنے لگا کہ باری تعالیٰ ناسمجھی میں میری زبان سے ایسے الفاظ نکل گئے ہیں تو حضورؐ کی رحمت اللعالمینی کے صدقے مجھے معاف فرما۔

فتح اور شکست

راقم الحروف نے عرض کی کہ میرے ایک عزیز کا لڑکا دسویں کے امتحان میں فیل ہونے کی وجہ سے گھر سے بھاگ گیا ہوا ہے اور لاپتہ ہے۔

فرمایا: اللہ رحم کرے۔ اس قسم کے واقعات اکثر رونما ہوتے رہتے ہیں۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک ڈاکٹر صاحب کی لڑکی بھی امتحان میں فیل ہوگئی تھی اور وہ زہر کھا کر مرگئی۔ کسی حد تک یہ خودداری تو ہے مگر دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ آیا جس مقصد کے لئے جان جیسی عزیز چیز کو قربان کیا جا رہا ہے وہ مقصد اس سے زیادہ عظیم ہے یا نہیں۔ محض تعلیم میں ناکامی کی وجہ سے جان جیسی عزیز چیز کو ضائع کر دینا بزدلی کی دلیل ہے۔ خودداری تو یہ ہے کہ امتحان سے پہلے محنت کر لی جائے۔ فتح اور شکست لازم و ملزوم ہیں اور انسان کو زندگی میں ایسے نشیب و فراز سے قدم قدم دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بعض اوقات بڑے بڑے شاہسوار بھی

گر جایا کرتے ہیں۔ اگر ہر کام میں کامیابی ہی انسان کے قدم چومے تو انسان کو رب العزت کی ہستی کا احساس کیسے ہو؟ حضور علیہ السلام کا اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے۔ اگر جنگ احد کی ناکامی نہ ہوتی تو یہ گویا اصول فطرت کی ایک خامی ہوتی۔ تو معلوم ہوا کہ جب حضور علیہ السلام جیسا عظیم کمانڈر اور ایسی حسن انتظام، قابلیت، دور رسی، دلیری، عظمت اور بے پناہ صلاحیتوں کی مالک ہستی شکست سے دوچار ہو سکتی ہے تو اس کی تہہ میں یقیناً ایسے ظاہری اور باطنی اسباب موجود ہیں جن کا علم رب العزت یا اس کے حبیبؐ ہی کو ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اگر ہر موقع پر فتح ہی حاصل کرتے رہتے اور شکست کے پرخار ماحول سے روشناس نہ ہوتے تو تضاد کا پہلو جو:۔

کچھ اور چاہئے وسعت مرے بیاں کے لئے

کا حامل ہوتا ہے اور ہمت و خودداری کے لئے مہمیز و تازیانے کا کام دیتا ہے۔ تشنہ لب رہتا۔ اس لئے انسان کو ناکامیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ رب العزت سے صبر و استقلال کی توفیق مانگنا چاہئے۔

تاریخ پارینہ کے اوراق کو ذرا الٹئے اور دیکھئے کہ فتح و شکست اور انقلابات کی رنگ آمیزیاں ہر جگہ نظر آئیں گی۔ انگریز کی حکومت جس کے متعلق مثل مشہور تھی کہ اس کی راجدھانی میں کبھی سورج غروب نہیں ہوتا اس ضرب المثل کو کہاں تک دوام حاصل ہوا۔ کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ انگریز اس طریق سے جس کی مثال آج تک دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی یوں کان لپیٹ کر ہندوستان سے اپنا بوریا بستر گول کر کے چلا جائے گا؟ امان اللہ خان والیٔ افغانستان کی کسمپرسی کا اندازہ اس کے عہد حکومت میں کیا جا سکتا تھا؟ جہانگیر جس کا طوطی ہندوستان کے گوشے گوشے میں بولتا تھا آج راوی کے اس پار یوں پڑا ہوا ہے کہ اس کی اس ہیبت و شوکت جس کا ذکر تاریخ کے اوراق سے عیاں ہے خواہ مخواہ آج کے انسان کو شک و شبہ میں ڈالنے پر مجبور کرتا ہے۔

چُوں چُوں:-

کچھ توقف کے بعد فرمایا: انگریز کے دور حکومت کے اس زمانہ میں جن دنوں اس کا اقبال بام عروج پر تھا تحریک خلافت نے زور پکڑا۔ کانگریس بھی بظاہر کسی حد تک مسلمانوں کی ہم نوا تھی۔ ان دنوں میں سیالکوٹ میں تھا۔ جلسے اور جلوس زوروں پر تھے۔ ایک دن اسی قسم کا بڑا

زبردست جلسہ ہوا۔ اتفاق سے اس دن بارش تھی۔ مجھے اپنے گاؤں جانا پڑ گیا۔ اپنے ملنے والوں میں سے ایک چودھری سلطان علی تھے جوان دنوں سیالکوٹ میں مجسٹریٹ لگے ہوئے تھے۔ ان کا گاؤں میرے گاؤں کے راستے میں پڑتا تھا وہ بھی حسن اتفاق سے اس دن اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ وہ مجھے کہنے لگے آپ بھی ہمارے ساتھ اسی ٹانگے پر چلے چلیں۔ اگر آپ کے گاؤں تک کا راستہ بارش کی وجہ سے خراب نہ ہوا تو یہی ٹانگہ آپ کو آگے چھوڑ آئے گا۔ ابھی تھوڑی دور ہی چلے تھے کہ بارش زوروں پر ہوگئی۔ چودھری صاحب کہنے لگے یہ سامنے ڈپٹی کمشنر کی کوٹھی ہے یہیں بارش کے تھمنے کا انتظار کر لیتے ہیں۔ میں اس دوران صاحب کو مل لوں گا اور اسے کہوں گا کہ آپ کے سلام کو آیا ہوں۔ چنانچہ ٹانگے کا رخ کوٹھی کے اندر کی طرف موڑ دیا گیا۔ ٹانگے کو ڈیوڑھی میں کھڑا کر کے وہ چک اٹھا کر ڈپٹی کمشنر کے کمرے میں چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہیں کمرے کے دروازے سے اپنے بیٹے کو جو میرے ساتھ ٹانگے میں بیٹھا تھا۔ آواز دی کہ خورشید! ابھی آتا ہوں۔ صاحب سے ایک ضروری کیس کے متعلق مشورہ کرنا ہے آپ میرا انتظار کریں۔ دراصل اس آواز دینے سے ان کا مقصد یہ تھا کہ میرے ساتھ میرے کچھ مہمان بھی ہیں جو باہر کھڑے ہیں۔ صاحب نے کہا چودھری صاحب انہیں اندر ہی بلا لیں۔ چودھری صاحب کا مقصد دراصل بارش کے تھمنے کا انتظار کرنا تھا۔ اس لئے انہوں نے وقت کے حالات کا تذکرہ شروع کر دیا تا کہ صاحب کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ وہ ضروری مشورہ کے لئے آئے ہیں۔ چودھری صاحب نے کہا صاحب بہادر! یہ جو خلافت اور کانگرس نے شور شرابا ڈال رکھا ہے آخر اس کا کیا بنے گا؟ صاحب مسکرایا۔ ٹھیٹھ اردو میں کہنے لگا چودھری صاحب کیا آپ اتنی سی بات نہیں سمجھتے کہ ہر مکان یا ہر کمرے کا حدود اربعہ ہوتا ہے۔ چھت اس کے اوپر ہوتی ہے۔ جب تک دیواروں کو کوئی نقصان نہ پہنچے چھت کے گرنے کا خطرہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح حکومت کا بھی حدود اربعہ ہوتا ہے اور اس کی چار دیواری فوج، پولیس، زمیندار اور سرکاری ملازم ہیں۔ فوج ہمارے قبضہ میں ہے۔ پولیس اور سول انتظامیہ پر ہمارا پورا کنٹرول ہے۔ زمیندارہ اور نظام حکومت میں کوئی فتور نہیں۔ جب تک یہ دیواریں قائم ہیں چھت کے گرنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ یہ شہریوں کا واویلا اور جوش ہے، چند دنوں تک خود بخود ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تھوڑی دیر بعد چودھری صاحب نے کہا صاحب بہادر یہ کیا بات ہے کہ خدمت تو مسلمان کریں اور نفع ہندو

اٹھائیں۔ پولیس، فوج، زمیندارہ جہاں دیکھیں مسلمانوں کی اکثریت ہے مگر جب نفع اٹھانے کا موقع آتا ہے تو حکومت کی نظر عنایت ہندوؤں پر ہی ہوتی ہے۔ صاحب ایک دفعہ پھر مسکرایا اور پوچھا۔ چودھری صاحب آپ زمیندار ہیں، آپ نے جنس ڈھونے کے لئے چھکڑے رکھے ہوئے ہیں نا؟ آپ مجھے یہ بتائیں کہ چھکڑے کا جو پہیہ ''چوں چوں'' کرتا ہے آپ اسے ہی گریس اور تیل دیتے ہیں اور جو خاموش ہوتا ہے اس کی طرف دھیان ہی نہیں دیتے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ آپ کو چیخنا نہیں آتا ہندو کو چیخنا آتا ہے وہ چیخ چیخ کر نفع اٹھالیتا ہے اور آپ خاموش رہتے ہیں۔ اس لئے نقصان میں رہتے ہیں۔

موت سے پیار

ایک صاحب نے پوچھا حضور کیا پاکستان قائم رہے گا کیا اس کی وسعت ہوگی؟ یا موجودہ حالات جو پیدا ہوئے ہیں ان کی بناء پر یہ ہم سے چھن جائے گا؟

فرمایا: پاکستان ہماری قربانیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات جلد واپس نہیں ہوا کرتے۔ پاکستان ایک سرزمین ہے کسی جاندار کا نام نہیں۔ اس کی حفاظت ہمارے ذمے ہے۔ قرآن کہتا ہے تمہارے بیس افراد کفار کے دوسو افراد پر غالب آئیں گے۔ برابر بھی نہیں بلکہ غالب فرمایا ہے۔ انفرادی طور پر کسی کی غلطی سے کچھ نہیں بنتا۔ نیز محض خیالات کا اتباع کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز عمل ہوتا ہے۔ جنگ کریکہ کا ایک واقعہ ہے۔ مسلمانوں کی جماعت میدان میں ہے اور اہل کریکہ شہر میں۔ شاہی فوجیں آنے والی ہیں۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے ایک قاصد پیغام لاکر دیتا ہے کہ تمہارے پاس صرف پانچ سو آدمی ہیں۔ ہماری فوج بارہ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ہے کیوں ان مٹھی بھر انسانوں کو مرواتا ہے ان پر رحم کر۔ وہ قاصد ابھی کھڑا ہی ہے کہ آپ اپنے جوانوں کو حکم دیتے ہیں بہادرو تیار ہو جاؤ ہم یقیناً فتح حاصل کریں گے۔ قاصد حضرت خالدؓ کو کہتا ہے کہ ابھی تو لڑائی ہونی ہے جنگ کے بعد ہی فتح اور شکست کا پتہ چلے گا تم کس بل بوتے پر فتح کا نام لیتے ہو؟ حالانکہ تم تعداد میں صرف پانچ سو اور ہم بارہ ہزار اور وہ بھی پوری طرح مسلح۔ آپ نے فرمایا میں نے اس بنا پر کہا ہے کہ ہم یقیناً فتح حاصل کریں گے۔ اس لئے کہ ہم مرنے کے لئے آگے بڑھیں گے اور تم زندہ رہنے کے لئے پیچھے بھاگو گے۔ سبحان اللہ کیا ٹھوس الفاظ ہیں اور

سنہری حروف سے لکھنے کے قابل۔ چنانچہ لڑائی ہوئی اور مسلمان بے جگری سے آگے بڑھے۔ خوں ریز جنگ شروع ہوئی۔ دو گھنٹے کے بعد دشمن کی فوج نے اپنی جان بچانے کے لئے بھاگنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی اور پرچم اسلامی لہرانے لگا۔

پاکستان کی آبادی آٹھ کروڑ ہے انہیں مارنے کے لئے کتنے کروڑ یا ارب لوگ چاہئیں؟ یعنی بیس کے مقابلے میں ان کا دوسو۔ گویا آٹھ کروڑ کے مقابلے میں کم از کم اسی کروڑ ہندو چاہئیں اور پھر بھی ہم غالب۔ ہندو کی حیثیت یہ نہیں ہے جو عوام الناس سمجھتے ہیں۔ لوگوں کی محض کہانیاں ہیں۔ تاریخ ہند کے اوراق الٹئے علاؤالدین خلجی جب راج کرتا تھا تو ہندوؤں نے سازش کی کہ کسی طرح اسے بددل کیا جائے اور اپنے اثر کے نیچے رکھا جائے چنانچہ انہوں نے ایک من گھڑت افسانہ گھڑا۔ ہندو وزیروں نے سازش کی۔ راجپوتانہ کے راجے مہاراجوں کو خط لکھے کہ سلطان کمزور آدمی ہے اس کی سلطنت اکھیڑنے کے لئے یہ سنہری موقع ہے۔ ہندو راجوں کو تو بہانہ چاہئے تھا۔ انہوں نے چتوڑ گڑھ کو مرکز قرار دے کر وہاں اکٹھا ہونا شروع کیا۔ ادھر ہندو وزیر جنہوں نے اس سازش سے انہیں اکٹھا کرایا تھا سلطان کو کہا کہ مرہٹے چتوڑ گڑھ میں بغاوت کر رہے ہیں۔ وہ بڑے طاقتور ہیں۔ سلطان نے کہا ٹھیک ہے پھر کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگے بڑی خطرے کی بات ہے ہمیں کوئی ان کا انتظام کرنا چاہئے۔ سلطان علاؤالدین خلجی اس وقت کے تمام بادشاہوں سے زیادہ دماغی عیاش' زیرک' سیاست دان اور ہر بات کی تہہ کو خوب پہنچنے والا تھا۔ اس نے ہندو وزیروں کو کہا بس یہی بات ہے؟ کہنے لگے جی حضور ہم بہت خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ سلطان نے کہا ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ چنانچہ اس نے درباری چوکیدار کو حکم دیا کہ ہمارے حرم میں سے ایک لونڈی ''گل بہشت'' ہے اسے فوراً حاضر کرو۔ تعمیل حکم میں لونڈی حاضر ہوگئی اور مجرا بجا لائی۔ سلطان نے حکم دیا چتوڑ میں مرہٹے بغاوت کر رہے ہیں۔ فوجیں فال آن کرو اور مرہٹوں پر حملہ کر دو۔ لونڈی نے سلام کیا اور رخصت ہوگئی۔ فوجی وردی پہنی اور جتنی فوجوں کو حکم تھا ساتھ لے کر آندھی کی طرح روانہ ہوگئی اور اچانک چتوڑ پر حملہ کر دیا۔ کسی کو قتل کیا کسی کو قید کیا اور کسی کی مشکیں باندھیں۔ بغاوت فرو کرنے کے بعد پوری طرح امن وامان بحال کیا اور وہاں اپنا گورنر مقرر کر کے آٹھ دن کے بعد واپس لوٹ آئی۔ سلطان کو اطلاع ہوئی کہ گل بہشت بغاوت فرو کر کے واپس آ رہی ہے۔ بادشاہ اس کے استقبال کے لئے آگے

بڑھا۔ گل بہشت فوراً گھوڑے سے اتری۔ سلام کیا اور مجرا بجالائی۔ سلطان نے کہا شاباش! جاؤ اور اب حرم سرا میں اپنے فرائض سرانجام دو۔ واپس دربار میں آیا تو ہندو وزراء کی طرف مخاطب ہو کر کہا: تم جن مرہٹوں کا مجھے رعب جتا رہے تھے ان کا دماغ درست کرنے کے لئے میرے پاس ایسی ہزاروں لونڈیاں موجود ہیں۔ کم بختو تم نے کیا سمجھا تھا؟ ہندو وزراء سخت خائف ہوئے۔ کہنے لگے عالی جاہ! ہم نے تو حق نمک ادا کیا تھا۔ بجا ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی تو لونڈیوں میں بھی اتنی قوت ہے کہ وہ ہندو راجوں اور مہاراجوں کے دماغ درست کر سکتی ہیں۔

حضرت قبلہ نے سائل کو فرمایا: اپنی حماقت کی وجہ سے یہ مسلمان اگر خود زہر کھالیں تو اور بات ہے۔ اللہ رحم کرے اور اس ٹکڑے کی حفاظت فرمائے۔

کھرا کھوٹا:۔

سائل نے عرض کی حضور عام مسلمان تو پھر بھی اچھے ہیں مگر ہمارے حکمران اصل فتنے کی جڑ ہیں۔

فرمایا: وہ بھی تو مسلمان ہیں نا! سوال یہ ہے کہ بعض مواقع پر انفرادی سوچ و بچار کی غلطیاں ہوتی ہیں۔ مثلاً ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ ہمیں ایک شخص کہتا ہے کہ وہاں جا کر یہ کام کرنا چاہئے۔ دوسرا کہتا ہے نہیں یہیں بیٹھ کر کرنا چاہئے۔ تیسرا کہتا ہے نہیں ہمیں تعداد بڑھانی چاہئے۔ تو یہ مختلف آراء ہوتی ہیں۔ اب اگر کوئی بشری لحاظ سے انفرادی غلطی کرتا ہے تو تیسرے طبقے کے لوگوں کا کام اصلاح کرنا ہوتا ہے۔ رعایا تو ہر لحاظ سے تابعداری کرے گی ہی اور تابعداری سے حکومت مضبوط ہوگی۔ اگر اس کے جذبات غلط طور پر مشتعل ہو جائیں تو نہ صرف حکومت کو بلکہ خود بھی نقصان پہنچے گا۔ مثلاً مصطگی رومی آج کل بروزے کی آرہی ہے اور تباشیر چونے کی قلعی کا بنا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ بانس کے پانی سے بنتی ہے۔ اب کمپنی بناوٹی طور پر یہ چیزیں غلط بنا رہی ہے۔ تو کل جب ان کا کوئی اپنا بیمار ہوگا تو اسے بھی تو یہی دوائی ملے گی اس لئے اِس فعل سے ان کا بھی نقصان ہے۔ دودھ میں پانی ملا کر بیچنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ کل کو کھرا یا خالص دودھ ان کے لئے کہاں سے آئے گا؟ اس لئے اب جو اپنے اوضاع واطوار اور جذبات کو مشتعل کر رہے ہیں وہ غلطی کر رہے ہیں۔ حکومت تو ایک

Body ہے نا۔ اگر خدانخواستہ ایک غلطی کرتا ہے تو باقی دس لاکھ تو غلطی نہیں کرتے۔ اگر سب ایسا کرنا شروع کر دیں تو نقصان پہنچے گا۔ ہاں یہ دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری امداد کرے اور نیکی اور اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

نصیب یا قسمت

ایک صاحب نے عرض کی حضور نصیب والی بات کہاں تک درست ہے؟

فرمایا: یہ بات درست ہے لیکن اس رنگ میں وہ واقف نہیں کہ میرے نصیب میں کیا ہے؟ اس لئے کہنا پڑے گا کہ مل گیا تو نصیب میں ہے نہ ملا تو نصیب میں نہیں۔

سائل نے عرض کی حضور رزق تو اللہ نے معین کر دیا ہے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے؟

فرمایا: کمی بیشی اس میں نہیں ہوتی چونکہ پتہ نہیں کہ کتنا ہے؟

سائل نے عرض کی میرا ایک دوست کہا کرتا ہے کہ انسان کی قسمت اپنے ہاتھ میں ہے۔

فرمایا: یہ بات وہ لوگ کہتے ہیں جن کے پاس کھانے کو ہوتا ہے۔ نپولین بونا پارٹ کا یہ منقولہ کہ ''ناممکن'' کا لفظ بے وقوفوں کی لغت میں ہوتا ہے یہ اس وقت کی بات ہے جب سارے یورپ میں اس کی دھاک بیٹھی تھی لیکن جب تباہ ہوا تو پھر؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ قدرت کا کوئی ہاتھ انسان کے پیچھے کام کر رہا ہے۔

سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے پوچھا خدا کا ثبوت کیا ہے؟ فرمایا عرفت ربی بفسخ العزائم ''میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا ہے'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ میرے پیچھے کوئی طاقت ہے جو ان ارادوں کو کنٹرول کر رہی ہے۔ انگریزی کا مقولہ بھی تو ہے نا Man Proposes God Disposes انسانی ارادے کی بنا پر یہ کہنا کہ انسان اپنی قسمت کو آپ بناتا ہے محض خوش فہمی ہے۔ آپ دیکھیں کہ یہ پتنگ ہوتی ہے نا۔ پتنگ والے کا منشا اگر اسے بلندی پر لے جانے کا ہے۔ ہوا ہو یا نہ ہو وہ ہاتھ مارتا ہے۔ پتنگ اس کی مرضی کے مطابق اوپر جاتی ہے۔ جب مالک کا منشا اسے اتارنے کا ہوتا ہے تو وہ ڈور کو الٹی لپیٹنا شروع کر دیتا ہے۔ ہزار ہوا تیز ہو ہزار آندھیاں ہوں مگر ڈور کا دھاگہ لپٹتا جائے گا اور پتنگ نیچے آتی جائے گی۔ قدرت کو بچے کا بڑھاؤ مقصود ہوتا ہے۔ ہزار مٹی پر لٹائیں وہ بڑھتا جائے گا۔ بڑھاپے کے بعد اب اس کا گھٹاؤ

مقصود ہوتا ہے انسان کیک، پیسٹری، دودھ انڈے گوشت کھاتا ہے مگر دن بدن گھٹتا ہی جائے گا۔ کبھی دانت نکل گئے کبھی کوئی طاقت جواب دے گئی۔ کبھی کچھ ہو گیا۔ جب کھانے کا ہوش نہ تھا بڑھ رہا تھا جب کھانے کا شعور ہے تو گھٹ رہا ہے۔

کچھ توقف کے بعد فرمایا: عرب کے ایک مشہور قبیلے برامکہ کے سردار فضل برمکی کے ہاں پچھلی عمر میں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکے کی پیدائش پر اس نے بڑی خوشی منائی، شاعر بھی آئے۔ دعوت میں ایک شاعر نے قصیدہ پڑھا جس پر فضل نے اسے بڑی دولت بخشی۔ شاعر بہت مالدار ہو گیا۔ پندرہ بیس سال کے بعد وہ شاعر ایک دن ایک حمام میں نہانے کے لئے گیا۔ حمام والوں کو کہنے لگا مجھے دو تین آدمی دو جو میری مالش کر کے مجھے نہلائیں۔ انہوں نے ایک نوجوان لڑکے کے ذمے یہ کام لگایا لڑکے نے مالش کرنا شروع کر دی۔ ادھر شاعر نے اپنے خیال میں کوئی شعر پڑھنے شروع کر دیئے جنہیں سن کر وہ لڑکا بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ شاعر نے حمام والوں کو آواز دی اور کہا کہ کیا تمہارے اس نوجوان کو مرگی کا دورہ پڑتا ہے؟ اسے سنبھالو اور دوسرا آدمی دو جو مالش کا عمل پورا کرے۔ اتنے میں اس لڑکے کو ہوش آ گئی اور اٹھ کر پھر مالش کرنے لگا۔ حمام والے چلے گئے۔ مالش کرنے کے بعد اس نے پوچھا کہ آپ مالش کراتے وقت جو شعر پڑھ رہے تھے وہ آپ نے کہاں سے سنے؟ اس نے کہا یہ میرے شعر ہیں۔ لڑکے نے پوچھا یہ شعر آپ نے کب لکھے اور کس موقع پر پڑھے؟ شاعر نے کہا یہاں ایک برامکہ قبیلہ تھا جس کے سردار کا نام فضل برمکی تھا۔ اس کی پچھلی عمر میں لڑکا پیدا ہوا اس نے بڑی خوشی منائی اور شاندار ضیافتیں دیں۔ میں نے اس موقع پر ایک قصیدہ لکھا اور یہ شعر جو میں پڑھ رہا تھا۔ اسی قصیدے کا تھا۔ لڑکے نے کہا کہ قصیدے کے یہ شعر جس بچے کی پیدائش پر تو نے پڑھے تھے وہ لڑکا میں ہی ہوں۔

بر مال و منال خویش مغرور مشو

بے اعتدالی

ملک ظفر سہروردی نے عرض کی کہ آج کل کاروبار کا مندا ہے سب ہی روتے ہیں۔

فرمایا: وجہ یہ ہے کہ نظام کوئی نہیں۔ انگریز کسی کا رشتہ دار نہیں تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں ہم نے اپنے وقار کو قائم رکھنا ہے۔ حکومت کے خلاف کوئی بڑا آدمی دیکھا اگر وہ سکھ ہے تو

مسلمانوں سے چار جوتے لگوا دیتا۔ مسلمان ہے تو کوئی اور سکیم پیدا کر کے ہندوؤں سے جوتے لگوا دیئے۔ نہ کسی سے بیر نہ کسی سے محبت۔ اس نے حکومت کا تھرمامیٹر اعتدال پر رکھا۔ یہاں انہیں نہ کوٹھی بنانے کی اجازت۔ انگریز اگر وائسرائے بھی ہوتا تو مسافر کی حیثیت سے آتا۔ رشوت سے، مار دھاڑ سے غرض جس طرح سے اور جو کچھ کما لے اس کا ہے لیکن یہاں آباد نہیں ہو سکتا تھا۔ کروڑ ہا روپے کمائے اور ساتھ لے گیا اس لئے کہ اس کا یہاں کوئی رشتہ دار نہیں تھا۔ اب تمام رشتے داریاں نبھائی جاتی ہیں۔ اس کا نتیجہ؟ چھوٹی آواز سنی نہیں جاتی بڑی جہاں پہنچ جائے، جہنم میں جائے غریب۔ پرسوں گورنر جنرل مر گیا ہے لوگوں کو اس کے مرنے کا اتنا افسوس نہیں جتنا اس کے رشتے داروں کو اس کی گورنر جنرلی سے ہٹنے کا ہے کیونکہ اس کا کوئی رشتہ دار ایسا نہیں جسے اس نے نفع نہ پہنچایا ہو۔ کل اخباروں نے ایک چوکٹھا اس کے ماتم کا چھاپا اللہ اللہ خیر صلا۔

جہانِ تست در دست کسے چند　　کسانِ او بہ بند ناکسے چند
ہنرور درمیانِ کارگاہاں　　کشد خود را بہ عیشِ کرگسے چند

رسمی اسلام

ایک مجلس میں بذریعہ ڈاک بعض دوستوں کی طرف سے حضور کو عید کارڈ موصول ہوئے۔ ان میں ایک عید کارڈ نہایت خوشنما اور دیدہ زیب تھا۔ اس پر بیت اللہ شریف اور روضہ مطہرہ کی تصویریں انوکھے انداز سے چھپی ہوئی تھیں۔ حضور نے احتراماً انہیں ملاحظہ کرتے ہوئے فرمایا: آج کل صرف رسمیں ہی رہ گئی ہیں۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے؟

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی　　برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالیؓ نہ رہی　　فلسفہ رہ گیا تلقینِ غزالیؒ نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

لکھنو میں ایک میاں جعفر ہوا کرتا تھا۔ رمضان شریف میں سحری کے وقت لوگوں کو سحری کے لئے بڑی شد و مد سے جگایا کرتا اور روزہ رکھنے کی بڑی پابندی سے تلقین کیا کرتا۔ خود بھی سحری بڑے اہتمام اور باقاعدگی سے کھاتا۔ صبح ہوتی تو منڈیر پر بیٹھ جاتا اور سرِ عام حقہ پینا

شروع کر دیتا۔ ایک دفعہ کسی دل جلے نے اس سے پوچھا۔ میاں جعفر تم لوگوں کو تو روزہ رکھنے کی بڑی تاکید کرتے ہو آدھی رات کو ہی اٹھ کر شور مچانا شروع کر دیتے ہو کہ روزہ دارو اٹھو روزہ رکھو لیکن خود سحری کھا کر پھر روزہ نہیں رکھتے۔ کہنے لگا واہ صاحب یہ بھی ایک ہی کہی۔ تمہارا کیا مطلب ہے کہ روزہ نہیں رکھتا تو کیا سحری بھی نہ کھاؤں اور کافر ہو کر مروں؟ تو یہ بات ہے آج کل لوگوں نے اسلام کو محض رسم و روایات بنا کر رکھ دیا ہے اللہ رحم کرے۔

ایک دفعہ ایک پہلوان میرے پاس آیا۔ کہنے لگا کوئی تعویذ دیجیے کہ کشتی جیت لوں اور اسلام غالب رہے۔ اسی طرح طوائفوں کا گانا سنا جاتا ہے۔ ایک طوائف نام نہاد مسلمان ہے اور دوسری غیر مسلم۔ ان کے ناچ گانے کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور اسلام کے غلبے کا واسطہ دیا جاتا ہے۔ یہاں لاہور میں ایک دفعہ سر سکندر حیات کے زمانے میں ایک میوزک کنسرٹ (Concert) ہوئی جس میں تمام وزراء اور اعلیٰ افسر وغیرہ شامل ہوئے۔ سٹیج پر مسلم اور غیر مسلم رقاصاؤں اور گانے والیوں کا ناچ گانا ہوا۔ مسلم طوائفوں کی مسلمانوں نے جی بھر کر داد دی اور غیر مسلم طوائفوں کی ہندوؤں سکھوں نے۔ گویا اسلام اور کفر کا مقابلہ ہو رہا ہے۔ مسلم طوائف سٹیج سے اتری تو سر سکندر نے اسے اپنے قریب بٹھا لیا اور غیر مسلم اتری تو اسے دسوندھا سنگھ وزیر ترقیات نے اپنی بغل میں جگہ دے دی۔ اسلام کی ہار جیت کا موازنہ ان باتوں سے کیا جاتا ہے۔ توبہ۔ الامان، اللہ رحم کرے۔

سِٹّوں سمیت

ایک صاحب نے عرض کی کہ موسم بڑا خراب ہو گیا ہے، شاید ایٹم کا اثر ہے۔ غلہ خراب ہونے کا خطرہ ہے۔

فرمایا: ہمارے ہاں غلے کو سنبھالنے کا وہی پرانا طریقہ رائج ہے اور اس میں سر مو فرق نہیں آیا۔ قرآن نے بتایا ہے کہ اناج اگر سٹوں میں پڑا رہے تو خراب نہیں ہوتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا اناج کو کنٹرول کرنا اور چودہ سال تک اسے محفوظ رکھنا یہ ایک راز ہے کہ غلہ خراب نہیں ہوتا۔ یورپین ملکوں میں سٹوں سمیت رکھ لیتے ہیں اور بعد میں نالی دوسرے کاموں میں لاتے ہیں۔ ہمارے ہاں شروع سے آخر تک بے تدبیری کی وجہ سے بھگوڑا لتے ہیں۔ اگر سٹے سمیت اٹھالیں تو دانہ محفوظ ہو جائے گا۔ نالی یا بھوسہ الگ کر کے بعد میں

استعمال ہوسکتا ہے۔

حضورؐ کی غلامی شرط اول

پینشن ضبط:-

صوفی عبدالکریم سہروردی نے کہا کہ سرگنگا رام مرحوم نے رفاع عامہ کے لئے یہ بہت نیکی کا کام کیا ہے۔ کیا غیر مسلموں کو بھی نیکی کا اجر ملے گا؟

فرمایا: قرآن کی رو سے عذاب یا ثواب اس پر ایمان لانے والوں کے لئے ہے یا منکرین کے لئے بھی؟ ایک آدمی مرجاتا ہے اس کے بعد اس کی جگہ اس کے وارث نیکی کرتے ہیں مثلاً زید مرجاتا ہے اس نے اپنے ہاتھ سے کام نہیں کیا۔ اس کے وارث اس کے روپے سے سکول، سرائے یا ہسپتال اس کے نام پر بنوا دیتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے اسے اجر ملے گا؟ ایک آدمی کو یہ کہیں کہ تو بڑا اچھا ہے بڑا نیک ہے خاندانی ہے صالح ہے لیکن یہ بات بڑی معیوب معلوم ہوتی ہے کہ اسے کہیں کہ تمہارے خاندان میں بڑی نیکیاں معلوم ہوتی ہیں مگر تیرے باپ کے ساتھ تیری ماں کا نکاح نہیں تو وہ ساری تعریف گویا غارت گئی۔ اسی طرح ایک آدمی پچاس سال حکومت کی نوکری کرتا ہے ابھی اس کے پینشن پانے کی عمر تک پہنچنے میں دو چار مہینے رہ جاتے ہیں تو وہ حکومت کے خلاف کسی معاملہ میں بغاوت کر جاتا ہے تو ایسی صورت میں اس کی نوکری، جائیداد، پنشن وغیرہ سب ضبط کر لیتی ہے کیا وہ اس کے متعلق ان کا مستحق رہا؟ قرآن میں آتا ہے۔

یا ایھا الذین امنوا لا ترفعو اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروله القول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون. (۲:۴۹)

اے ایماندارو نبی کی آواز سے اپنی آواز بلند مت کرو۔ اگر کرو گے تو تمہارے تمام اعمال صالحہ ضبط کر لئے جائیں گے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کوئی چیز بھی تمہاری نجات کے لئے کام نہیں آئے گی چونکہ حضور علیہ السلام کی آواز سے تم نے اپنی آواز اونچی نکالی ہے۔ گویا ضبط ہونے سے تمام اعمال صالح ختم ہوجاتے ہیں۔ اگر ایک آدمی انہیں رسول نہیں سمجھتا۔ ان کی تعلیم کو قبول نہیں کرتا، کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتا۔ ان نظریات اور عقائد پر جو قرآن نے پیش فرمائے ہیں ایمان نہیں لاتا تو اس کا عمل صالحہ کیا کام دیتا ہے؟ عمل صالحہ اس صورت

میں عمل صالحہ ہے جس صورت میں وہ اس رب پر ایمان رکھتا ہو جس نے اس عمل کا نام عمل صالحہ رکھا ہے۔ یہ جب عمل صالحہ کے میدان میں آتا ہی نہیں اور اس اعمال صالحہ بنانے والے کو مانتا ہی نہیں تو اس زمرے میں کیسے شامل ہوسکتا ہے؟

سرکار دو عالمؐ کا باغی:۔

ایک صاحب نے سوال کیا ہندوؤں کا عاقبت سے کوئی تعلق ہے؟ وہ وظیفے بھی کرتے ہیں اور دان بھی دیتے ہیں۔

فرمایا: ہاں عاقبت سے تعلق ہے۔ اس کی مثال یہ سمجھئے کہ ایک آدمی فوج یا سول کی آٹھ دس سال ملازمت کرتا ہے۔ دوران ملازمت ایک وقت ایسا آجاتا ہے جب وہ باغیانہ خیالات سے تعلق رکھنے والی جماعت کے ساتھ منسلک ہوجاتا ہے۔ حکومت اس کے اس جرم کی پاداش میں اسے گرفتار کرلیتی ہے اور قید کردیتی ہے۔ پنشن بھی ضبط اور آزادی بھی ضبط کرلیتی ہے۔ اسی طرح اگر ایک ہندو تالاب بنواتا ہے، نلکے لگواتا ہے، سکول یا ہسپتال تعمیر کراتا ہے، یا خیرات وغیرہ کرتا اور ساتھ اپنا ''رام رام'' کرتا ہے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حکومت تو ''محمد رسول اللہ'' کی ہے۔ وہ اس کا باغی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے کہ دنیاوی حکومت کی بغاوت کا حشر تو یہ ہے جو میں نے پہلے بیان کیا ہے اور جو خدا اور اس کے رسول کی حکومت کا باغی ہے تو اس کا بھی سب کچھ ضبط ہوگا اور انجام کار اس کی سزا جہنم ہوگی۔ تو یہ ہے اس کی عاقبت کی حیثیت یا تعلق۔

شاہراہ:۔

ایک دوست نے عرض کی حضور! وارثی صاحبؒ کے ہندو بھی مرید تھے کیا انہیں بھی کوئی فائدہ پہنچے گا؟

فرمایا: فائدہ انہیں صرف دنیا میں ہی پہنچتا ہے۔ یہ مسئلہ یاد رکھو کہ جب تک کسی زمانے میں کسی نبی یا رسول کا ظہور نہ ہوگا وہ زمانہ فترت کا یا لاعلمی کا زمانہ ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے وما کنا معذبین حتیٰ نبعث رسولا۔ (۱۵:۱۷) ہم کسی قوم پر عذاب مسلط نہیں کرتے جب تک کہ ان کے پاس پیغامبر نہ پہنچے۔ جب نبی آجائے اور اس کی دعوت کو اگر وہ قوم قبول نہ کرے گی تو پھر اس پر عذاب نازل ہوتا ہے۔ حضورؐ کی دعوت نبوت تامہ مستقلہ ہے

اس لئے ہر وہ قوم جو حضورؐ کو رسول نہیں مانتی موجب عذاب ہوگی۔ اس کا انکار موجب عذاب ہوگا۔ اس لئے ان کی چھوٹی موٹی نیکیاں کوئی کام نہ دیں گی۔ ایک مریض کو حکیم کہتا ہے کہ کھٹی چیز نہ کھانا مگر مریض بد پرہیز ہے وہ دوائی تو استعمال کرتا ہے مگر کھچڑی کے ساتھ آم کا اچار کھاتا ہے۔ وہ اپنی بد پرہیزی کی وجہ سے صحت نہیں پا سکتا۔ عیسیٰؑ، موسیٰؑ اور رام چندر سب کی راہیں یا تعلیم اپنے اپنے وقت کے لئے تھی۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد تمام راہیں بند ہوگئیں۔ صرف ایک شاہراہ رہ گئی جو مدینے سے ہو کر خدا کی طرف جاتی ہے۔ اب ایک شخص رام چندر کے زمانے کا ہے اسے راہنما کہتا ہے وہ اپنے زمانے میں راہنما ہے اس کی قوم اس سے ہدایت لے گی مگر جب نبی آ گیا تو پھر اس کی اطاعت لازم ہوگی۔ میں نے اپنی کسی کتاب میں لکھا بھی ہے کہ کسی ہندو درویش سے میں نے پوچھا کہ کیا آپ کے مجاہدات و ریاضات میں آپ کے درمیان آخری منزل تک راستے میں کہیں دربارِ رسالت آتا ہے۔ سلسلہ کلام منقطع ہو گیا[1]

قائداعظم پر قرآن خوانی:-

حاضرین میں سے ایک نے پوچھا قائداعظم پر قرآن ختم ہوتا ہے۔ انہیں قرآن کا فائدہ پہنچے گا؟

فرمایا: یہ صورت اور ہے کفار کی صورت اور ہے۔ محمد علی جناح قرآن کے منکر نہیں تھے علیٰ ہذا القیاس وہ اسلام کے بھی منکر نہیں تھے بلکہ اسلامیوں کی ہمدردی میں انہوں نے بہت کچھ کیا۔ وہ قرآن حکیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ایک بندہ تھے۔ خود انہوں نے اعمال کے لحاظ سے کچھ کیا ہے یا نہیں بہر حال قوم نے جو کچھ ایصال ثواب انہیں پہنچایا اس کے وہ حقدار ہیں۔ یہ ان کے نامہ ءِ اعمال میں آ گیا اور اس کا ثواب انہیں پہنچے گا۔

---

[1] اپنی تصنیف ''جمال رسول'' کے صفحہ نمبر ۸۲ پر حضور یوں رقم طراز ہیں: ہم نے اکثر سادھوؤں اور فقیروں سے پوچھا کہ منزل فقر میں جب راستے طے کرتے ہو تو کیا کسی منزل میں پیغمبر عرب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہنمائی اور روشنی سے مدد ملتی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ چلتے چلتے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں ہندو اور غیر ہندو کا فرق باقی نہیں رہتا اور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ وہاں سے آگے ایک قدم بھی بغیر اقرار اور وسیلہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جا سکتے۔

گاندھی:۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اس کے برعکس گاندھی کو دیکھئے اس کا لڑکا مسلمان ہوا تو وہ برت رکھ بیٹھا کہ یہ دوبارہ کافر ہو تو پھر برت توڑوں گا۔ تو معلوم ہوا کہ اسے اسلام سے دشمنی تھی۔ دوسرے یہ کہ مہاتمائی رنگ جما کر آشرموں میں سورہ فاتحہ پڑھنی اور یہ ثابت کرنا کہ میرے نزدیک ہندو، مسلمان، بھنگی اور عیسائی ایک ہیں۔ میں گویا قرآن بھی پڑھ لیتا ہوں، وید بھی پڑھتا ہوں۔ یہ چیزیں جو تھیں یہ سب محض بناوٹ اور دوسری قوموں کو فریب دینے کے لئے تھیں۔ ورنہ حقیقت میں وہ ایک بدترین ہندو تھا۔ ہندوؤں کو موقع نہیں ملا کہ وہ گاندھی کو کچھ سمجھتے کہ یہ کیا ہے؟ نہ ہی اس نے موقع دیا۔ اب موقع آیا تھا کہ اسے سمجھا جائے اور اگر وہ زندہ رہتا اور پرامن دور جو آج کل ہندوؤں پر ہے اور کچھ عزت آبرو کا وقت ان پر ہے اس میں گاندھی پر پرزے نکالتا۔ چونکہ جو مقصد لے کر اس نے ''مہاتمائی رنگ'' اختیار کیا تھا وہ پورا ہو چکا تھا۔ اب اس نے یہ سوچنا تھا کہ ہندو کیسے کامیاب ہو سکتا ہے؟ مسلمان کو کیسے مارا جا سکتا ہے؟ لیکن قدرت نے کہا تو نے اپنی قوم کے لئے دوسری قوموں سے بڑے بڑے فریب کئے ہیں اسے موقع نہ دیا اور اس کی قوم نے اسے مار دیا۔ انسان اور دنیا کی حد یہیں تک ہے۔ آگے کا معاملہ پتہ نہیں کہ وہ کس حال میں ہے؟ کیا کر رہا ہے؟ بہرحال کفار کے لئے آگ کا وعدہ ہے۔ وہ دنیا سے ہی شروع ہو گئی ہے۔ واتقو النار التی اعدت للکافرین. (۱۳۱:۳) اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ اگر گاندھی مہاتمائی رنگ میں کہیں بیٹھ کر ''اللہ اللہ'' کرتا تو بڑا کامیاب ہوتا چونکہ بڑا سیانا تھا۔ اس نے اپنی مہاتمائی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور انجام نہ سوچا۔ آصف علی کے گھر ارونا ہندنی ہے۔ وہ جب ولایت چلا تو یہ گاندھی کہنے لگا کہ ارونا چلی تو گئی ہے۔ آصف علی کو مجبور کرو کہ وہ اسے ساتھ لے جائے ایسا نہ ہو وہاں سے کوئی میم لے آئے اور پھر ارونا ہمارے دروازوں پر پڑی رہے۔ یہاں تک وہ باریک اور دور کی سوچتا تھا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی ہی قوم کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہ اپنی قوم کا بڑا خادم تھا۔ اس نے اپنی قوم کے لئے بڑا کچھ کیا اور اپنی قوم نے ہی اسے مار دیا۔ اب یہ پتہ نہیں کہ مارنے والا حق بجانب تھا یا مرنے والا۔ قوم نے اپنے ہاتھوں مارا اور ادھر اپنے ہاتھوں چٹکی چٹکی اس کی راکھ بانٹتے رہے۔

معذرت کے ساتھ

آپ ہی اپنی جفاؤں پہ ذرا غور کریں
ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

شکایت کیسی؟

ایک صاحب نے عرض کی بعض مخالفین نے ابن سعود کے ہاں شکایت پیش کی ہے کہ علمائے بریلوی کے عقائد درست نہیں۔

فرمایا: یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ کے خلاف بھی ایک دفعہ شریف حسین والی ءِ مکہ کے روبرو شکایت پیش ہوئی تھی کہ ان کے عقائد درست نہیں یہ بڑا بدعتی ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرتؒ کو والی ءِ مکہ نے طلب کیا اور پوچھا۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا: اتنی لمبی بات میں زبانی نہیں کرتا۔ لکھ کر پیش کروں گا۔ چنانچہ آپ نے عقائد پر مشتمل ایک طویل میمورنڈم لکھ کر پیش کیا۔ والی ءِ مکہ نے پڑھا اور حکم دیا کہ شکایت کنندگان کو حاضر کرو مگر وہ بھاگ گئے۔ شریف حسین نے کہا اللہ یعطی وھذا یمنعون. اللہ ایک آدمی کو انعام عطا فرماتا ہے اور یہ لوگ منع کرتے ہیں۔ اس کے بعد شریف حسین نے حکم دیا کہ ان عقائد کو سرکاری خرچ پر چھپوا کر تمام ملک میں مفت تقسیم کرو۔ یہی عقیدہ حرمین شریف کے علماء کا ہونا چاہئے۔ چنانچہ انہیں رسالہ کی صورت میں چھپوایا گیا۔ جس کا نام ''عقائد متینہ العلماء مکہ و مدینہ'' رکھا گیا۔ اسی طرح مولانا سردار احمد لائل پوریؒ کے خلاف بھی امیر سعود کے پاس ایک شکایت پیش ہوئی تھی۔ امیر سعود نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت جائز ہے؟ مولانا نے فرمایا ہاں جائز ہے اور یہ حدیث پیش کی کہ حضور علیہ

السلام کے زمانے میں مسئلہ پیش ہوا اور حضورؐ سے استعانت مانگی گئی۔ امیر سعود نے کہا کہ وہ تو اس وقت زندہ تھے۔ مولانا نے کہا کہ ہمارا ایمان ہے کہ حضورؐ حیات النبی ہیں۔ اس پر امیر سعود چپ ہو گیا۔ مولانا نے پوچھا کہ کیا اب حضورؐ زندہ نہیں؟ جب سارے علماء اہل سنت کا ایمان ہے اور آپ بھی اس زمرے میں شامل ہیں تو وجہ اختلاف؟ امیر سعود چپ رہا اور کوئی جواب نہ دیا۔ تو نہ معلوم یہ لوگ کس قسم کی بات کرتے ہیں اور کیا شکایتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے حال پر رحم فرمائے۔

میں نہ مانوں

مولانا محمد اکرام صاحب رامپوری نے (جو حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے ہیں) کہا میت کے لئے خاص دنوں میں تلاوت قرآن پاک اور اشیاء سے ایصال ثواب بعض لوگوں کے نزدیک درست نہیں۔ آپ نے ملا علی قاریؒ کے ''فتاوٰہ اوزجندی'' میں درج جس حدیث کا حوالہ اپنی کتاب ''موعظتہ المتقین'' میں دیا ہے وہ اسے نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ اصل کتاب جس سے حوالہ درج کیا ہے دکھاؤ۔ مجھے باوجود کوشش کے اصل کتاب کا نسخہ نہیں مل سکا۔

فرمایا: ''صحاح ستہ'' کے علاوہ دیگر مختلف کتابوں مثلاً ''خزانتہ الروایت'' اور ''شرح برزخ کبریٰ'' میں بھی یہ مسئلہ درج ہے۔ بعض حدیثیں اگر ایک کتاب میں نہ پائی جائیں اور دوسری میں موجود ہوں تو وہ مستند ہی ہوتی ہیں اور متقدمین کی تمام جماعتوں نے اسے تسلیم کیا ہے۔ ''شرح برزخ'' میں یہ موجود ہے اور اس حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جب فوت ہوئے تو آپؐ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کھجوریں، جو کی روٹی، پنیر اور دودھ لاؤ۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے یہ چیزیں لا کر حضور علیہ السلام کے روبرو پیش کیں۔ آپؐ نے ان پر قرآن کریم کی آیات پڑھیں اور حضرت انسؓ کو فرمایا کہ ابراہیمؑ کی یہ روٹی لے جاؤ اور کسی مسکین کو دے آؤ۔ چنانچہ وہ دے آئے۔ وہ تیسرا دن تھا وفات ابراہیم علیہ السلام کا۔

بعض پرانی کتابیں نایاب ہیں۔ ان کی بعض احادیث اور عبارتیں جو کتابوں میں آئی ہیں وہ مل جاتی ہیں۔ یہ حدیث میں نے نقل کر کے کسی کتاب میں رکھی ہوئی ہے میں اسے

تلاش کروں گا۔ وہ مل جائے گی۔ جو چیز کسی کتاب کے حوالے سے لکھی جاتی ہے وہ اصل کتاب ہو یا نہ ہو اگر متقدمین میں سے کسی نے اسے نقل کر کے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہو تو اس کی صحت میں فرق نہیں آتا۔ پہلی کتاب اگر مل جائے تو وہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے۔ وہ تحریر غلط نہیں ہوتی۔ معترضین کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا یہ ان کی تحقیق ہے۔ اگر ایک کتاب کی عبارت سے یہ ثابت ہو جائے اور اس کے مقابلے میں دس آدمی اس کی تصدیق کریں تو اسے ضعیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس کتاب کا میں نے حوالہ دیا ہے یا جس کتاب سے میں نے اسے نقل کیا ہے وہ کتاب میں تلاش کروں گا۔ مجھے اس کتاب کو لکھے ہوئے کافی زمانہ ہو گیا ہے۔ پہلی مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلوی رحمتہ اللہ علیہ ''معین الاسلام'' کے جلسے میں تشریف لائے ان دنوں میں نے یہ کتاب لکھی تھی۔ آپ اس کو کسی رنگ میں پیش کریں اس کی صحت میں فرق نہیں آ سکتا لیکن جن لوگوں کا آپ ذکر کرتے ہیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

دیکھئے یہ ایک عام مشہور حدیث ہے۔ الفقر فخری و الفقر منی. (مجھے فقر پر فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) اسے ایک جلسہ میں ایک مولوی صاحب نے بیان فرمایا۔ اس جلسے میں دوسرے عقیدے کے لوگ بھی بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ یہ حدیث سچی ثابت ہوئی تو میں دو ہزار روپیہ دوں گا۔ اتفاق سے میں بھی اس جلسے میں شریک تھا۔ میں نے کہا کسی غیر جانبدار شخص کے پاس دو ہزار روپیہ جمع کرا دیں میں اس کی تصدیق کروں گا اور کتاب پیش کروں گا۔ اس پر وہ لگے ہونٹوں پر زبان پھیرنے۔ بات یہ ہے کہ کہنا کچھ اور ہوتا ہے اور اس پر عمل کرنا کچھ اور۔ اب دو ہزار کہ دینا تو دو لفظ ہیں مگر دو ہزار گن کر رکھنا کچھ اور۔ اصل کتاب یا مصنف کا حوالہ دینا ایک بات ہے۔ مستند کتابوں کا حوالہ جس میں یہ آئی ہے دوسری بات ہے اور متقدمین کا اجماع تیسری بات۔ ''کشکول بہاالدین عاملی'' میں یہ حدیث موجود ہے۔ اب اگر اصل کتاب زمانے یا پریس سے نایاب ہے تو اس کا کیا علاج۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آپ ہزار مرتبہ بھی ثابت کر دیں لا یومنون۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ہر بے علم کے سامنے اگر ہم کتابیں ہی رکھنا شروع کر دیں جسے وہ خود نہ پڑھ سکے تو یہ فضول شے ہے۔ مجھے جو آدمی یہ بات کہے تو میں ان سے صرف ایک ہی بات کہتا ہوں کہ میاں! میں نے لکھ دیا ہے، تم جاؤ اعتراض کو شائع کر کے اس کی تردید کرو پھر جواب دوں گا۔ اس قسم کے

لوگ ثبوت لانے پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ میں نے ایک دفعہ ایک کتاب ''دعوت الحنفیہ'' لکھی۔ یہاں میرے پاس کچھ لوگ آ گئے اور کہنے لگے کہ جو اعتراضات آپ نے کئے ہیں اس کا ثبوت دیں۔ میں نے انہیں کہا تم بے علم ہو اگر ثبوت چاہتے ہو تو اپنے کسی مجتہد کو لاؤ وہ اعتراض کریں۔ میں انہیں جواب دوں گا یا شامیانے لگاؤ وہاں انہیں بلاؤ میں آ کر وہاں جواب دوں گا۔ یہ جواب پا کر چلے گئے۔ تو مولانا! خیال فرمایئے کہ ایک دفعہ آدمی محنت کرے تحقیق کرے، کتاب لکھے، پیسے خرچ کر کے اسے چھاپے پھر اس کا جواب دے اور بعد میں ہر ایک کے ساتھ بک بک جھک جھک کرتا رہے۔ بات یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے پوری تحقیق سے لکھا جاتا ہے بلکہ میں تو کسی مجلس میں بات بھی بے تحقیق نہیں کرتا۔

مولانا نے عرض کی کہ مولوی عبدالحی نے لکھا ہے کہ حنفی غیر شرعی ہیں۔

فرمایا: میں کہتا ہوں کہ احناف اور غیر شرعی؟ بھئی! حنفی کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو غیر شرعی ہو اور اس کا فتویٰ چلے۔ یہ سب بناوٹی باتیں ہیں۔

چشمِ ماروشن

ایک صاحب نے عرض کی کہ ایک دفعہ میں ایک باجماعت نماز میں فوری طور پر شامل ہوا تو دوران نماز پتہ چلا کہ لوگ کسی اور مسلک کے ہیں۔ طبیعت پر بڑا بوجھ پڑا۔

فرمایا: بعض اوقات عقیدے کا پتہ نہیں چلتا۔ ایک دفعہ چودھری اقبال حمید صاحب کراچی والوں کے ساتھ یہی اتفاق ہوا۔ جماعت کھڑی ہوئی۔ پہلی رکعت تھی۔ یہ شامل ہوئے۔ مقتدیوں نے اس زور سے آمین کہی کہ یہ ڈر گئے۔ یہ دوسری صف میں کھڑے تھے وہاں سے نکلے اور دوسری جگہ جا کر نماز ادا کی۔ خاموش رکعتوں یا خاموش نماز میں پتہ نہیں چلتا۔ اللہ رحم کرے عصر اور ظہر میں خاص طور پر ان کا پتہ نہیں چلتا کہ امام کون ہے؟ کیا پڑھا رہا ہے؟ سوائے رفع یدین کے۔ خدا جانے لوگوں میں تحقیق کا مادہ نہیں رہا یا ہم تحقیق نہیں کر سکتے۔

ایک دفعہ ایک صاحب نے مجھ سے بلند آواز آمین کہنے کا مسئلہ پوچھا۔ میں نے کہا بھئی جھگڑے یا تقاضے کی کوئی بات نہیں۔ آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں یہ مسئلہ خود حل ہو جائے گا۔ کہنے لگے فرمایئے۔ میں نے کہا بات یہ ہے کہ ہر پہلا فعل دوسرے فعل سے منسوب اور ہر پہلا حکم دوسرے حکم کے ساتھ منسوب سمجھا جاتا ہے۔ بلند آواز سے ''آمین'' فاتحہ خلف الامام یا

''رفع یدین'' یہ جو اختلافی مسائل ہیں ان کا فیصلہ حضور علیہ السلام کی آخری نمازوں پر ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام بحیثیت امام جتنی آخری نمازیں پڑھاتے رہے ان میں اگر آمین بلند آواز میں کہی گئی ہے تو ''چشم ما روشن دل ما شاد'' ہم بھی بآواز بلند آمین کہیں گے۔ ہم کو آمین سے کیا بیر ہے، فاتحہ پڑھی گئی ہے، ہم پڑھیں گے۔ حضور علیہ السلام نے بحیثیت امام آخری نمازیں پڑھائی ہیں اور بحیثیت مقتدی حضرت صدیق اکبرؓ کے پیچھے نمازیں بھی پڑھی ہیں۔ یہ سترہ نمازیں ہیں۔ اگر ان میں بآواز بلند حضور علیہ السلام نے آمین کہی ہے تو ہم بھی کہیں گے۔ اسی طرح ''فاتحہ خلف الامام'' اور ''رفع یدین'' کا معاملہ ہے۔ اگر ان آخری نمازوں میں حضور علیہ السلام سے یہ فعل ثابت ہے تو ہم بھی کریں گے اور اگر حضورؐ کی ان نمازوں میں یہ فعل نہیں پایا جاتا تو پھر ان کے کرنے کا کیا جواز ہے؟ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اگر یہ فعل ثابت نہیں تو تم وہ کام کرتے ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ یہ کرنا چاہئے یا نہیں؟ کہنے لگا عجیب بات ہے یہ مسئلہ تو یہیں ختم ہو جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ کیوں کرتے ہیں؟ میں نے کہا یہ سوال ان کے متعلق ہے ان سے پوچھو۔ میں نے جو بات کہی ہے اس پر اگر اعتراض ہے تو بتاؤ۔ کہنے لگا جی نہیں۔ مگر ان سترہ نمازوں کے علاوہ کسی نہ کسی اور نماز میں تو کیا ہوگا۔ میں نے کہا ایک آدمی اپنے ایک عزیز کو کہتا ہے یہ لو چار آنے اور بازار سے آلو لے آؤ۔ جب وہ جانے لگتا ہے تو کہتا ہے ٹھہرو آلو نہیں پیاز لاؤ۔ اور وہ پیاز لے آتا ہے منگوانے والے کو بھی اعتراض نہیں کیونکہ اس نے پہلا حکم منسوخ کر دیا ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ بعض لوگ تحقیق کرتے ہی نہیں، سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے، جو کسی نے الٹی سیدھی زٹل یا بڑ ہانک دی اسی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ بہت سے مسائل ایسے ہیں جو دیکھے ہیں کہ ان کی انتہا ہو گئی ہے اور مسئلہ ختم ہو گیا ہے لیکن پھر بھی اس کی تقدیم و تاخیر کا پہلو لئے ہوئے یہ لوگ چلے جاتے ہیں۔

اُردو میں نماز

ایک مجلس میں فرمایا: لاہور میں آج کل اردو میں نماز پڑھنے کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔

صوفی نذیر سہروردی نے عرض کی: قبلہ اس کی مخالفت کرنی چاہئے۔

فرمایا: جتنی مخالفت کرو گے یہ بڑھیں گے۔ کسی نے ہمنوائی کرنی ہے اور کسی نے

مخالفت۔ اس کی بندش کا طریقہ یہ ہے کہ باطنی نگاہ سے اس کا گلہ گھونٹ دیا جائے تاکہ وہ اس بات کو چھیڑ ہی نہ سکیں اور نہ پھلیں پھولیں۔ پاکستان کی فضا تو فتنوں کی آماجگاہ بن گئی ہے کوئی ایسا فتنہ نہیں جو یہاں پیدا نہ ہوا ہو۔ بجائے اس کے کہ یہ ملک دیندار بنتا یہاں طرح طرح کی برائیوں کے دروازے کھل گئے ہیں۔

قرآن بغیر عربی متن

ڈاکٹر طفیل سہروردی نے عرض کی کہ بغیر متن کے قرآن شریف چھپتے ہیں اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

فرمایا عرصہ ہوا ایک دفعہ بغیر عربی متن کے طبع شدہ قرآن نظر سے گزرا تھا اس قسم کی طباعت کے خلاف میں نے چودہ خامیاں بیان کیں اور ان چودہ نکات کی بناء پر ثابت کیا کہ قرآن بغیر متن کے چھاپنا گناہ ہے۔ اس لئے کہ پھر اس ترجمے کی ادب نگاری پر ہی بحث رہ جائے گی۔ اصل قرآن نکل جائے گا۔ مزید برآں اگر ان ناشرین نے اسی صورت میں قرآن چھاپا تو ہم پکٹنگ کریں گے۔ چنانچہ جب یہ نکات اور میرا اعلان ناشرین تک پہنچا تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ آئندہ ہم اس صورت میں قرآن شائع نہیں کریں گے اور موجودہ طبع شدہ کاپیوں کو فروخت بھی نہیں کریں گے۔

تاویل

ایک مجلس میں سید ممتاز حسین سہروردی سے استفسار فرمایا کہ آپ کے پاس کوئی رسالے یا کتابیں ہیں؟

ممتاز صاحب نے عرض کی ''حقیقت اسلام'' اور ''طلوع اسلام'' کی چند جلدیں ہیں۔

فرمایا ''حقیقت اسلام'' پیکو کمپنی والوں کا ہے۔ ''طلوع اسلام'' میں اتنی بدعقیدگی ہے جس کی حد نہیں۔ ہر مسئلے پر نفسانیت کے تحت بحث کی جاتی ہے۔

زمن بر صوفی و ملا سلامے کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبریلؑ و مصطفیؐ را

عوام الناس کی عامی زبان چونکہ اردو ہے اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ ٹھیک لکھا ہے۔

ہر سال کا ماتم:-

مولانا عبدالحنان خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ حاضر خدمت ہوئے اور باتوں باتوں میں ہر سال مجلس ماتم برپا کرنے والوں کی مخالفت کی۔

فرمایا: ایک دفعہ میں حکیم محمد مودود (سہروردی) کے ہاں مزنگ گیا تھا وہاں حکیم صاحب نے ذکر کیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے چہلم پر مزنگ میں ایک مجلس منعقد ہوئی۔ وہاں لکھنو کے ایک مجتہد آئے ہوئے تھے انہوں نے بیان کیا کہ حضور علیہ السلام حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر روئے تھے اس لئے ہم اگر جنہیں روتے ہیں تو ہمارا رونا بھی جائز ہے۔ اتفاق سے وہ مجتہد صاحب اس وقت وہیں آ گئے۔ میں نے انہیں کہا کہ حضرت آپ نے جائز کی صورت خوب سمجھی ہے لیکن یہ تو فرمایئے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضور علیہ السلام جتنی عمر بجسم ظاہری زندہ رہے ان کی موت کو یاد کر کے کیا ہر سال انہیں روتے رہے؟ اگر نہیں تو ایک دفعہ آپ بھی رو بیٹھے ہیں (اب چھوڑیئے)

اللہ اللہ کرو!

ایک صاحب نے عرض کی کہ بعض حضرات فضیلت علی السلام بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے والد صاحب ایمان نہیں لائے تھے جبکہ حضرت علیؓ کے والد ابوطالب ایمان لائے تھے۔

فرمایا: وہ حضرت یہ ثبوت لائیں کہ سرکار علی علیہ السلام نے فرمایا ہو کہ میرا باپ ایمان لایا تھا۔ اس دوست کو جنہوں نے یہ کہا تھا' مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: میاں! اللہ اللہ کیا کرو۔ ان جھمیلوں میں نہ پڑو۔ حضور علیہ السلام نے تو سب کو یہی فرمایا ہے کہ اللہ کی پرستش کرو۔ حضرت عثمانؓ' حضرت حسین علیہ السلام اور تمام اہل بیتؑ اور صحابہ کبار رضوان اللہ علیہ اجمعین کو بھی کہ تم خدا کی پرستش کرو اور خدا سے تعلق صحیح کر کے دنیا سے رخصت ہو۔ یہ کہاں لکھا ہے؟ کہ دوسروں پر حاشیہ آرائی کرو۔ کیا دوسروں پر حاشیہ آرائی کرنا ہی معترضین کے نزدیک طحیح عبادت ہے؟ رب العزت کے حضور دنیا میں ایک ایسا مقام آتا ہے کہ ''نہ انا دین علیؑ نہ انا دین عثمانؓ'' تو میاں! اس کی تلاش کی کوشش کرو۔ اس بک بک میں تم نے کیا لینا ہے؟ ہرگز اس راہ سے نہ گزرنا وگرنہ گمراہی قریب تر ہے۔ جو ڈھور ڈنگر کھیتی کے اردگرد پھرنا

شروع کر دے اندیشہ ہوتا ہے کہ وہ کھیتی کے اندر داخل ہو جائے اور کھیتی کا مالک اسے پکڑ کر ''کانجی ہاؤس'' میں دے دے لہٰذا ان جھمیلوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھو۔

بے تکی تفسیریں

ایک مجلس میں فرمایا! گوجرانوالہ کا ایک شخص مولوی غلام رسول میرے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے ایک تفسیر لکھی ہے اگر اجازت ہو تو دکھاؤں۔ میں ان دنوں گوجرانوالہ ایک برات کے ساتھ گیا ہوا تھا۔ تو خیر وہ اپنی خوبی بیان کرنے لگا کہ بڑی بلند پایہ تفسیر لکھی ہے۔ میں نے کتاب کھولی۔ پہلے ہی یہ آیت نکلی واذا لو حوش حشرت (۵:۸۱) اس کا ترجمہ اس نے کیا ہوا تھا ''جب سکھوں کے جتھے نکلیں گے'' میں نے اسے کہا بھئی یہ کیا لکھا ہے؟ کہنے لگا حضرت آج کل کے لحاظ سے یہی صحیح ہے۔ میں نے کہا میاں یہ بھی کوئی بات ہے۔ سورہ یوسف کی اس آیت ولقد ھمت بہ وھم بھالولا ان را برھان ربہ (۱۲:۲۴) کی تفسیر میں لکھتا ہے زلیخا یوسف سے گلو گیر ہوئی اور یوسف بھی اس کے گلو گیر ہوا۔ میں نے کہا یہ کیا؟ برھان ربہ کیا تھا؟ کہنے لگا زلیخا بوڑھی تھی یوسف نوجوان لڑکا۔ خیال فرمائیے۔ تو یہ نبیوں کی تفسیر ہو رہی ہے۔ اس قسم کی بکواس لکھی ہوئی دو چار جگہوں سے پڑھ کر مجھے پوچھنے لگا کیوں صاحب اس زمانے کے مطابق میں نے اچھی تفسیر لکھی ہے نا؟ میں نے کہا اچھی والی بات غلام رسول یہ ہے کہ ایسی تو یوسفؑ کے بھائیوں نے بھی یوسفؑ کے ساتھ نہیں کی جو ستھری تم نے حضرت یوسفؑ کے ساتھ کی ہے۔ یہ تفسیر ہے یا لچریات؟ انبیاء کا کوئی لحاظ کرو کیا بے شرمی ہے۔ نادم ہوا۔ کہنے لگا اچھا آپ یہ سمجھا دیں میں ٹھیک لکھ لوں۔ میں نے خیر اس آیت کی تفسیر سمجھائی۔ کہنے لگا واقعی یہ ہوئی نا تفسیر پاکیزہ مگر آج کل کا جو یہ زمانہ ہے اس میں لوگوں کو ایسے ہی سمجھ آئے گی جس طرح میں نے لکھا ہے۔ میں نے کہا قیامت کو رب العزت کے حضور تم جواب دہ ہو گے کہ تم نے میرے الفاظ کو غلط پیش کیا۔ ایک بات بتاؤں کان کھول کر سن لو کہ خواہ تم ساری زندگی کوشش کرتے رہو انشاء اللہ یہ لچر نامہ ہرگز نہیں چھپے گا۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت وہ بیس سال مسلسل اسے چھپوانے کی کوشش کرتا رہا' پیسے بھی پلے' سامان بھی مہیا مگر رب العزت کی مہربانی سے نہ چھپ سکی۔ تو اس قسم کی بھی لوگ تفسیریں لکھ گئے ہیں۔

نبوّتِ کاذبہ

نبوت پر ہاتھ:-

ایک مجلس میں فرمایا: میرے نزدیک مذہبی مسائل پر کسی عورت سے بحث کرنا' اگر مرد عالم ہو تو یہ اس کی توہین ہے' اس لئے کہ عورت کا نظریہ نہایت بودہ اور ناکارہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اومن ینشوا فی الحلیته وهو فی الخصام غیر مبین. (سورہ زخرف آیت نمبر ۱۸) کیا وہ جو زیورات میں پلتی ہے اور بحث و مباحثہ میں صاف طور پر بات بھی نہیں کر سکتی اپنی بات کی خود تردید کر دیتی ہے۔

مسلیمہ کذاب کے زمانے میں سجاع ایک عورت ہوئی ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نبوت کے دعوے پر کہ جب لوگ ان کے زیر فرمان ہو گئے ہیں اور تابعدار بن گئے ہیں ہم بھی دعویٰ کر دیں۔ چنانچہ مسلیمہ کذاب نے بھی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ اس کی دیکھا دیکھی ایک رئیس عورت سجاع نے جو نہایت خوش شکل بھی تھی اور جوان بھی دعویٰ کر دیا کہ میں نبیہ ہوں۔ اب الگ الگ ان کی نبوت کے دعوے رائج ہونے لگے۔ مسلیمہ نے اسے لکھا کہ تم جو کام کرنے لگی ہو وہی کام میں کر رہا ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں ہی اپنے مشن میں فیل ہو جائیں اس لئے آؤ کوئی ایسی سکیم سوچیں جس سے ہماری نبوت کامیاب ہو جائے۔ بھلا کاہے کی نبوت اور کیسا دعویٰ ءِ نبوت۔ علیحدہ بات کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے۔ اس گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلیمہ نے جب بدکاری سے نبوت پر ہاتھ پھیرے تو سب کچھ وہیں ختم ہو گیا۔ ہفتہ بھر وہاں رہی۔ آخر لوگوں میں آ کر کہنے لگی کہ مسلیمہ پر بھی انکشاف ہوتے ہیں اور مجھ پر بھی۔ چنانچہ انہوں نے بڑے بڑے عجیب الہامات اور وحی نامے جاری کئے۔ آخر باطل باطل ہوتا ہے۔ دونوں تباہ ہو کر رہ گئے۔

مسلیمہ کذاب حضور علیہ السلام کو آ کر کہنے لگا کہ میں نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے آؤ مل جل کر کھائیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سچ کے ساتھ جھوٹ مل جائے تو بڑا خطرناک ہوتا ہے۔ میں تیری بطالت کو سچائی میں کیسے خلط ملط کروں۔ تو اس قسم کے لوگ پہلے بھی اٹھتے رہے ہیں اور فی زمانہ بھی اٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔

شجرۃ الزقوم:۔

مولانا عبدالحنان صاحب خطیب جامع مسجد حضرت داتا گنج بخشؒ صاحب تشریف لائے۔ دور حاضر کی نبوت کاذبہ کے متعلق بات چھڑ گئی۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

بدل کے بھیس پھر آتے ہیں ہر زمانے میں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات (اقبال)

ایک شخص نے مرزا غلام احمد قادیانی کی بیعت کے متعلق اسے لکھا کہ میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ آپ حق پر ہوں۔ بتایئے مجھے کیسے یقین آئے کہ آپ سچے نبی ہیں تاکہ آپ کی صداقت کے پیش نظر میں آپ کی بیعت کرلوں۔ مرزا نے اسے لکھا کہ تم استخارہ کرلو چنانچہ اس نے استخارہ کیا جس کا اسے جواب ملا کہ:۔

(۱) الحمد لله رب العالمين.

(۲) لا اله الا الله محمد رسول الله.

(۳) انت شجرة الزقوم.

چنانچہ اس شخص نے مرزا کو لکھا کہ مجھے استخارہ کا یہ جواب ملا ہے۔ آپ مجھے بتائیں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس نے لکھا کہ تمہارا استخارہ غلط ہے۔ مجھے الہام ہوا ہے کہ تم اس سے پھر جاؤ گے اور تین سال میں مرجاؤ گے۔ اس شخص نے پھر استخارہ کیا۔ جواب ملا کہ مرزا اپنی بطالت سمیت ایک سال میں مرجائے گا۔ چنانچہ اس نے لکھا تم ایک سال میں مرجاؤ گے، میری موت تمہارے قول کے مطابق تین سال میں ہوگی لہٰذا میں نے تمہاری موت دیکھنی ہے۔ اس لئے میں دیکھوں گا کہ تم صحیح ہو یا میں؟ مرزا کے ان خفیہ رازوں کے واقف عبدالکریم، حکیم نوردین اور غلام محمد خزانچی تھے۔ عبدالکریم اور غلام محمد دونوں نے اس کے اندرونی رازوں کو افشا کیا۔ مرزا مخالف ہوگیا۔ انہیں بھی قتل کی دھمکی دی۔ ان لوگوں نے مرزا کی بدکاری اور ریاکاری کے راز افشا کئے اور اس کی بڑی مٹی پلید کی۔

اسی طرح لائل پور کا ایک سپاہی نور محمد میرے پاس آیا۔ اس نے بتایا کہ ایک دفعہ اسے مرزا ملا اور کہنے لگا کہ میری بیعت کرلو۔ نور محمد نے کہا میں بیعت اس صورت میں کروں گا اگر

مجھے یہ بتادو کہ تیری بیعت کا ثبوت کیا ہے؟ کہنے لگا۔ استخارہ کر۔ اس نے استخارہ کیا۔ دیکھا کہ آگ کی ایک نالی ہے اس میں سخت تعفن ہے' خون اور پیپ بہہ رہی ہے' اس نالی میں ایک کال کوٹھڑی ہے جس میں سلاخیں لگی ہوئی ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ مرزا وہ بیٹھا ہے۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کا نہایت ہی برا حال تھا۔ جسم گلا سڑا اور اس پر لکھا تھا "ھذا شجرۃ الزقوم" یعنی یہ تھوہر کا درخت ہے۔ تھور کے درخت کے متعلق قرآن حکیم میں ہے کہ یہ دوزخیوں کی خوراک ہوگی۔ نور محمد سپاہی کہنے لگا اس کی یہ حالت دیکھ کر میں سخت خوفزدہ ہوگیا اور میں نے عہد کرلیا کہ اپنی نسلوں کو بھی لکھ کر دے جاؤں گا کہ مرزا کے متعلق جو میں نے دیکھا ہے وہ خدا کسی کو نہ دکھائے۔

مرتد:-

اسی طرح تقریباً دو سال ہوئے ایک عورت کی بات بتاتا ہوں یہ ایم اے پاس ہے۔ ابھی زندہ ہے اور صاحب اولاد ہے۔ اس کی روحانیت کا پہلو تو علیحدہ ہے مگر بڑی عبادت گزار ہے۔ اس کی روحانیت کی علت یہ ہے کہ بابا تاج الدین ناگپوری رحمتہ اللہ علیہ ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ ان کا کچھ دم کیا ہوا تیل تھا جو انہوں نے کسی کو دیا تھا۔ اس تیل کے متعلق اس عورت کو آگاہی ہوئی کہ فلاں شخص سے لے کر استعمال کرو۔ چنانچہ اس نے وہ استعمال کیا جس کا اثر یہ ہوا کہ تیل لگاتے ہی یہ بے ہوش ہوگئی۔ اس بے ہوشی کے عالم میں بابا تاج الدینؒ سامنے آئے اور اسے ایک وظیفہ سمجھایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ جس وقت چاہے تصور کر کے بیٹھ جاتی ہے۔ اس کیفیت کے عالم میں جو سوال اس سے کرتے جاؤ وہ اس کا جواب دیتی جائے گی۔ جواب صحیح ہوتا ہے خواہ ستر فیصدی ہو یا پچانویں فیصد۔ یہ فیصد میں نے اس لئے کہا ہے کہ ایک دفعہ وہ حاملہ ہوگئی۔ اپنے لواحقین کو کہنے لگی کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ تمہارے گھر امام آخر الزمان پیدا ہوگا۔ یہ تمہارا حمل یا بچہ "امام الوقت" ہوگا جب اس نے یہ بات کی تو اس کا خاوند اور دوسرے عزیز میرے پاس آئے اور اس کی اس بات کی صداقت کے متعلق پوچھا۔ میں نے کہا یہ حمل تو رہنے چڑھتا خارج ہو جائے گا۔ اسے کہنا کہ امام پھر کسی وقت جن لینا۔ اس عورت نے اپنے عزیزوں کو کہا کہ مجھے قلعہ گوجر سنگھ حضرت صاحب قبلہؒ کے پاس لے چلو میں اپنی ترقی اور حالات کے متعلق پوچھوں گی تاکہ میرے حالات کھل

جائیں۔اس کے عزیزوں نے اسے کہا کہ تم خود جاؤ لیکن وہ ڈرتی ہے خود نہیں آتی۔ خیر اس کا حمل گر گیا۔ کہنے لگی میں نے غلطی کی جو یہ بات ظاہر کر دی۔ میں نے اس کے عزیزوں کو کہا کہ اسے کہنا کہ خواہ تم کہتیں یا نہ کہتیں اسے جننا ہی نہیں تھا۔ لیکن بعض حالات وہ ایسے بیان کرتی ہے جو نہایت ٹھوس اور فی الواقع صحیح ہوتے ہیں۔

اس سے کسی نے کہا کہ مرزا قادیانی کو بلاؤ اس کا کیا حال ہے؟ ہاں وہ یوں جواب نہیں دیتی کہ فلاں یہ کہتا ہے بلکہ اس کے جواب کا پہلو یہ ہوتا ہے کہ اب غوث الاعظمؒ آ گئے ہیں۔ اب امام غزالیؒ بول رہے ہیں یعنی جس آدمی کے متعلق سوال کا جواب ہو اس قسم کا آدمی آ جاتا ہے۔ پتہ نہیں وہ کیسے آتا ہے۔ بہر حال منہ اس عورت کا ہوتا ہے اور بات آنے والے کی۔ تو خیر وہ اپنے قائدے کے مطابق بیٹھ گئی، خیال کیا اور مرزا حاضر ہو گیا۔ کہنے لگی عجیب قسم کا انسان ہے اسے یہاں آنے کی ضرورت پڑی ہے تو ہاتھوں کے بل چل کر آیا ہے۔ ٹانگیں اس کی بندھی ہیں۔ بتاؤ اس کم بخت سے کیا پوچھنا چاہتے ہو؟ کہنے لگی یہ مرتد ہے میں کیا پوچھوں؟ تمہیں کوئی بات یاد ہے تو پوچھو۔ اس کی ذات کی یہ حالت ہے مگر اب بھی یہ تائب نہیں ہوا۔ تو بعض کے نزدیک وہ بڑا اچھا اور بلند مرتبہ ہے اور بعض کے نزدیک گمراہ اور کافر حقیقت حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے تو اب یہ خیال آتا ہے کہ یہ جہان آب و گل کا مسئلہ یعنی آنا اور چلے جانا اور اعمال کے متعلق جائزہ لیا جانا یہ بھید کھلے تو پتہ چلے مولانا روم نے لکھا ہے:

اہلِ دنیا چہ کہین و چہ معین لعنت اللہ علیہم اجمعین

یعنی اہلِ دنیا کیا چھوٹے کیا بڑے اگر وہ محض اہل دنیا ہی ہیں تو سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت۔

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا۔

ادب گاہیست :-

ایک دفعہ مرزا کے خاندان کا ایک شخص آیا اور رشتہ داری کے لحاظ سے گفتگو کرنے لگا۔ مجھے کہنے لگا تحقیق آپ نے بھی کی ہوگی میں نے بھی کی ہے۔ ٹھوس بات سمجھ میں نہیں آئی نہ معلوم لوگ کیوں اسے مانتے نہیں۔ میں نے کہا مجھے تحقیق کی کوئی ضرورت نہیں جو آدمی سامنے دکھائی دیتا ہو اس کی مزید تحقیق کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ تحقیق اس امر کی میں نے کی ہے کہ اس نے اپنی کتاب ''ازالہ اوہام'' میں لکھا ہے کہ میں ''حنفی المذہب'' ہوں اگر اس

کا یہ قول صحیح ہے تو کوئی بھی حنفی نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر آئمہ مجتہدینؒ اور اولیاء کرامؒ تک تمام نبوت سے خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹتے رہے ہیں۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

یہ اگر حنفی تھا تو نبوت کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ کوئی حنفی نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگر نبی بن بیٹھا ہے تو اپنے حنفی ہونے پر جھوٹ بولا ہے اور جھوٹا شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ وہ مرزا کا دور کا رشتہ دار تھا' کہنے لگا یہ بات واقعی ٹھیک ہے۔

نیمے دروں نیمے بروں:-

اسی طرح ایک دفعہ ہم قصور گئے وہاں اپنے دوستوں (مریدوں) میں ایک سٹیشن ماسٹر تھے وہاں میں بیٹھا تھا کہ ایک ٹی ٹی اور ریلوے پولیس کا تھانیدار جو مرزائی تھے آ گئے۔ ہم پینتیس چالیس آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ تھانیدار کہنے لگا بزرگوں سے اچھی بات پوچھنی چاہئے۔ مجھے کہنے لگا آپ غصے تو نہیں ہوں گے۔ میں نے کہا غصے والی بات پوچھیں ہی نہیں۔ کہنے لگا شریعت کی بات ہے۔ میں نے کہا وہ تو میرا مشن ہے۔ کہنے لگا مرزا صاحب کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ میں نے کہا تم پڑھے لکھے آدمی ہو۔ سوال بڑا غلط کیا ہے؛ کہنے لگا وہ کس طرح؟ میں نے کہا میرا خیال شریعت میں حجت نہیں۔ تم یہ پوچھو کہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں مرزا کے متعلق آپ کی تحقیق کیا ہے؟ چنانچہ اس نے اسی طرح سوال کیا۔ ہاں وہ مجھے پہلے یہ بتا چکا تھا کہ میں ''لاہوری پارٹی'' کا مرزائی ہوں لاہوری پارٹی والے مرزا کو نبی نہیں مانتے گویا ''نیمے دروں ہیں اور نیمے بروں''۔ میں نے کہا قبل اس کے کہ میں باالوضاحت جواب دوں تم سے پوچھتا ہوں کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعوے کرے وہ کون ہے؟ کہنے لگا وہ کافر ہے۔ میں نے کہا جو اسے نبی مانے اور اس پر ایمان رکھے وہ؟ کہنے لگا وہ بھی کافر۔ میں نے کہا پھر نبی کے باوجود تم نبی کو نبی نہیں مانتے دوسروں کو تو چھوڑو۔ تیرے فتوے کے مطابق تم لاہوری پارٹی کے سب کافر۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسے نبی مانا جائے تو وہ قادیانی ہیں۔ جو اسے نبی مانتے ہیں۔ بقول تیرے وہ بھی کافر۔ باقی تو نے کہا ہے کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

نبوت کا دعویٰ کرے وہ بھی کافر تو وہ مرزا ہے۔ اب جو پوچھنا ہے پوچھ۔ بڑا شرمندہ ہوا۔ اسی کا فتویٰ تھا۔ کہنے لگا گاڑی کا وقت ہو گیا ہے اب اجازت چاہتا ہوں۔

تو بات یہ ہے کہ حقیقت کے پیچھے تو انہوں نے پڑنا ہی نہیں، وقتی ضرورت کے مطابق لچریات ہیں۔

یضرب یضربوا:-

ایک مجلس میں فرمایا: مجھے وہ زمانہ یاد ہے جس زمانے میں مرزا قادیانی کی ابتدا ہوئی اور یہ لاہور آیا۔ ایک اہل نظر بزرگ نے اسے فرمایا کہ یضرب یضربوا کی بحثیں چھوڑ۔ تیرا دعویٰ نبوت کا ہے، سامنے بیٹھ جا اور نبوت کا جو راز تجھ پر کھلا ہے مجھ پر کھول، یا اپنی زٹل (یاوہ گوئی) چھوڑ اور اپنے بزرگوں کے طفیل جو مجھے ملا ہے وہ دیکھ۔

یہاں اپنے دوستوں (مریدوں) میں ایک محمد نذیر غوری ہے۔ اس کے محلے کے دو مرزائی اسے کہنے لگے کہ خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود آئے ہوئے ہیں تجھے ان کے پاس لے چلتے ہیں۔ جب تجھ پر ان کا اثر پڑا تو تو خود مرزائی ہو جائے گا۔ نذیر کہنے لگا اس سے کچھ نہیں بنے گا۔ خیر وہ اسے لے گئے اور مرزا بشیر کے سامنے اسے جا بٹھایا اور کہا یہ لڑکا ہمارے محلے کا ہے، آپ سے کچھ سمجھنا چاہتا ہے اس پر ذرا خیال ڈالیں تا کہ اسے جماعت میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہو جائے۔ مرزا نے پوچھا کیا سمجھنا چاہتا ہے؟ نذیر نے کہا میں تو کچھ نہیں چاہتا یہ کہتے تھے چلو تمہیں کچھ سمجھا لائیں۔ میں نے جو کچھ سمجھنا تھا، سمجھ چکا ہوں۔ مرزا کہنے لگا نہیں حق کی تلاش بری چیز نہیں۔ نذیر نے کہا میں بالکل ان پڑھ ہوں تم خود کو نبی زادہ کہتے ہو۔ میری نبوت کو چودہ سو سال گزر چکے ہیں۔ تمہاری نبوت کل کی ہے۔ مجھے کوئی آیت یا حدیث نہ سنانا۔ میں ایک درویش کا ملنے والا ہوں۔ ذرا وہ جوہر جو تجھ میں ہے مجھ پر وارد کر پھر سمجھوں گا کہ تو سچا ہے ورنہ وہ کیفیت جو مجھے بتائی گئی ہے اگر تجھ پر وارد ہو جائے تو یقین کر لینا۔ مرزا کا رنگ اڑ گیا۔ لڑکوں کو کہنے لگا اسے کیوں لے آئے ہو؟ اس کا دماغ صحیح نہیں اسے باہر ہوا میں پھراؤ۔ نذیر نے کہا مرزا صاحب ناراض کیوں ہوتے ہیں؟ میں نے کوئی آپ کی توہین کی ہے؟ میں نے تو ایک حقیقت بیان کی ہے کہ میں ایک درویش کا ملنے والا ہوں آپ نبی زادہ ہیں۔ اگر آپ میں نبوت کے طفیل واقعی کوئی چیز ہے تو مجھ پر وارد کریں

ورنہ جو کیفیت درویشوں کے جوتوں کے طفیل مجھے حاصل ہے وہ اگر آپ پر وارد ہو جائے تو خود سیدھی راہ پر ہو جانا۔ مرزا دوسری دفعہ لڑکوں کو پھر ناراض ہوا کہ اسے لے جاتے کیوں نہیں؟ اسے جان چھڑانی مشکل ہو گئی۔

اس لئے علم اور چیز ہے عمل کچھ اور۔ الفاظ کے جھمیلے کچھ اور۔ وہ چیز جو منشائے ایزدی ہے اسے قرآن میں سمجھنے کی ضرورت ہے یا اس طرح الفاظ کے جھمیلوں میں پڑ کر سمجھنا ہے؟

☆☆☆☆☆

طبیب ظاہری

ملک الموت کو یہ ضد کہ میں جاں لے کے ٹلوں
سر بسجدہ ہے مسیحا کہ میری بات رہے

انوکھا سلسلہ

میاں عبدالستار سول جج حاضر خدمت ہوئے دریں اثناء دوائیاں کوٹی جا رہی تھیں جج صاحب نے پوچھا یہ کیسی دوائیاں تیار کرا رہے ہیں؟

فرمایا: میرے اس طب کا سلسلہ بالکل انوکھا ہے۔ ہمارے ساتھ ایک دوسرا جہاں مستورات کا ہے۔ ان میں بعض کو کئی اندرونی اور کئی بیرونی بیماریاں ہوتی ہیں۔ جب وہ یہاں آتی ہیں اور باتیں کرتی ہیں تو اظہار بیان میں فطری طور پر اپنے آپ کو مجبور اور پابند پاتی ہیں۔ والدین کو شادی کئے سال ڈیڑھ سال نہیں ہوتا کہ خاوند دوسری شادی پر مصر ہوتا ہے کہ اولاد نہیں ہوتی۔ اگر کسی کے ہاں اولاد ہے تو اسے اس کی فکر ہے۔ اسی طرح بعض اندرونی بیماریوں کا ذکر کرتی ہیں۔ کوئی سائلہ جو بات کرے تو اس کا جواب جو ہمیں اپنے محکمہ کی طرف سے ملتا ہے وہ اسے بتا دیتے ہیں۔ اسی طرح دوائی کے متعلق جو حکم ملتا ہے وہ اسے دے دیتے ہیں۔ کسی کی آواز ہوتی ہے ہمیں اس کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہیں کہ جائز ہے یا ناجائز، مفید ہے یا غیر مفید۔

طریق اسلاف

صوفی محمد نذیر غوری اپنے ایک دوست، اس کی بیوی اور ان کے بیمار بچے کو لے کر حاضر

ہوئے اور عرض کی ان کے بچے زندہ نہیں رہتے۔ بی بی کو اٹھراہ کی بیماری ہے۔
فرمایا: اٹھراہ کی اٹھارہ قسمیں ہیں۔ پرانے بزرگوں کی باتیں بھی خوب ہوا کرتی تھیں۔ بچہ پیدا ہوا تو کسی بزرگ کی جھولی میں ڈال دیا۔ اس کا مقصد یہ ہوتا کہ اس بزرگ کی توجہ اس کی گھٹی میں پڑ جائے۔ بیماریوں سے محفوظ رہے اور بے دین نہ ہو۔ اب وہ چیز مفقود ہے۔ عملیات اس طرح کے ہوتے تھے کہ بچوں کا جب وہ علاج کرتے تو حیرانی ہوتی تھی کہ قدرت کا نظام رب العزت کی طرف سے ان کے ہاتھ میں ہے۔
میرے نانا جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے نہایت بلند پایہ ولی تھے۔ کبھی کبھی میری والدہ کو ملنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک مائی جو ہمارے گاؤں کی تھی ایک دفعہ آئی۔ میں نے اسے ضعیف العمری میں دیکھا ہے۔ کہنے لگی اب ان بزرگوں کو کہاں سے تلاش کریں؟ اس نے اپنا واقعہ مجھے سنایا کہ ایک دفعہ میاں جی یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان کے پاس میں نے عرض کی کہ بھائی جی! آپ آئے ہیں لیکن کبھی نہیں پوچھا کہ بی بی تیرا کیا حال ہے؟ فرمانے لگے اب بتا دے کہ کیا حال ہے؟ کہنے لگی اب کیا بتاؤں۔ طلاق مل رہی ہے۔ خاوند کہتا ہے تیرے بطن سے لڑکیاں ہی پیدا ہوتی ہیں لڑکا نہیں ہوتا۔ اس لئے آئی ہوں کہ دعا کریں کہ رب مجھے طلاق سے بچائے۔ فرمانے لگے یہ بھی کوئی بات ہے۔ دوڑ کر ایک لال چادر لے آ۔ اللہ رحم کرے گا۔ میں چادر لے آئی۔ انہوں نے بیٹھے بیٹھے انگلی سے چادر کے چاروں کونوں پر ایک تعویذ لکھ دیا۔ نہ پانی، نہ سیاہی، نہ کچھ۔ فرمانے لگے جب خاوند کے پاس جاؤ تو یہ چادر تمہارے سر پر ہو۔ ہاں یہ یاد رکھنا کہ اسے آگ سے بچائے رکھنا۔ جب تک آگ کا داغ نہ لگے گا لڑکے ہی پیدا ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تین بچے پیدا ہوئے اور تینوں لڑکے تھے۔ تیسری دفعہ نہا کر فارغ ہوئی تو آگ کا ایک کوئلہ اڑ کر چادر پر لگ گیا بس وہ سلسلہ پھر وہیں بند ہو گیا۔ دوسری دفعہ پھر ان کے پاس آئی اور عرض کی کہ بھائی جی! یہ بات ہو گئی ہے۔ فرمانے لگے ٹھیک ہے رب نے اتنے ہی دینے ہوں گے۔ دوڑ جا اب چادر خواہ رکھ یا نہ رکھ تیری مرضی۔ تو وہ لوگ بچوں اور بڑوں کا یوں علاج کیا کرتے تھے۔
اسی طرح سیالکوٹ میں ایک محمد دین درزی ہے۔ اس کی عمر پچاسی سال ہے۔ چونکہ ہمارے گاؤں کا ہے اس لئے ہم اسے "ماما" ہی کہتے ہیں۔ جن دنوں وہ نوجوان تھا اسے سنگرہنی ہو گئی۔ بڑا علاج معالجہ کیا کچھ فرق نہ پڑا۔ ایک دن حضرت قبلہ نانا جیؒ اس کے مکان

کے قریب سے گزر رہے تھے۔ محمد دین کا باپ نور احمد جسے میں نے بھی دیکھا ہے وہ مشین کی چرخی چلا رہا تھا۔ پاس محمد دین بیٹھا تھا۔ نانا جیؒ پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا میاں نور احمد کیا حال ہے؟ کہنے لگا حضرت میرا یہ لڑکا مر جائے گا تو پھر پوچھنا کیا حال ہے؟ فرمانے لگے تیرے لڑکے کو مرنے کی کیا جلدی ہے۔ محمد دین بیماری کی وجہ سے سوکھ سڑ گیا تھا' وہیں چارپائی پر بیٹھا تھا۔ نانا جیؒ نور احمد کی یہ بات سن کر وہیں بیٹھ گئے۔ فرمانے لگے آج تو تو نے غصے سے بات کی ہے لیکن قصور تو تیرا ہے جو تو نے مجھے آج تک بتایا ہی نہیں۔

نانا جیؒ نے محمد دین کو فرمایا اٹھ لڑکے چلم ڈال۔ اس کا باپ کہنے لگا حضرت یہ تو اٹھ بھی نہیں سکتا۔ فرمانے لگے تجھے کیا؟ میں نے جو کہا ہے حقہ لے اور چلم ڈال تو اسے ڈالنے دے۔ خیر وہ اٹھا۔ بیچارہ بہت کمزور ہو گیا تھا اٹھا نہیں جاتا تھا۔ باپ کو ترس آیا اس نے حقہ تمباکو چمٹہ اس کی چارپائی کے پاس رکھ دیا۔ لڑکے نے چلم ڈال کر حقہ آگے کیا کہ حضرت پیجئے۔ فرمانے لگے یونہی کہتے ہو مر چلا ہے۔ یہ تو راضی خوشی ہے۔ پوچھا اسے کیا تکلیف ہے؟ نور احمد نے کہا حضرت سنگرہنی ہے۔ فرمانے لگے یہ بھی کوئی بیماری ہے۔ یہ واقعہ ہمیں محمد دین نے بتایا تھا۔ آپ نے تین گولیاں عطا فرمائیں اور لڑکے کو کہا ایک گولی ابھی میرے سامنے کھاؤ اور اگر پھر بھی تکلیف محسوس کرو تو بیس دن کے بعد دوسری گولی کھا لینا۔ تیسری سنبھال کر رکھ لینا اگر زندگی میں کبھی ضرورت پڑی تو استعمال کر لینا۔ محمد دین نے مجھے بتایا کہ آج ستر سال ہو گئے ہیں وہ گولی میں نے ابھی تک سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ جب سے وہ دو گولیاں کھائی ہیں آج تک پیٹ کی تکلیف نہیں ہوئی۔ تو ان لوگوں کی کچھ روحانیت بھی کام کرتی تھی۔ اب یہ چیز نہیں۔ اب تو صرف یورپ کے آلات اور دوائیوں پر بھروسہ ہے نہ تشخیص ہے نہ مرض کا پتہ ہے۔

سائلہ کو جسے ''اٹھراہ'' کا مرض تھا اور بیمار بچہ چھلے میں ہی لے کر دکھانے آئی تھی فرمایا: پہلی بیبیاں چھلے میں بچے کو باہر نہیں نکالتی تھیں۔ اس مدت کے دوران بچے کو باہر نکالنا ایک گناہ سمجھا جاتا تھا۔ اب اس کی پرواہ نہیں کی جاتی۔ ازاں بعد بی بی کو مناسب ہدایات اور تعویذ دے کر رخصت فرما دیا۔

اسقاط

بمقام چمن ایک صاحب اپنی بیوی کے ہمراہ حاضر ہوئے اور بیوی کے اسقاط حمل کے علاج کے متعلق عرض کی۔ حضور نے سوت کا ایک گنڈا گرہیں لگا کر انہیں مرحمت فرمایا اور ساتھ ہی تاکید فرمائی کہ نو مہینے پورے ہونے پر تعویذ کھول دیا جائے ورنہ بچہ پیدا نہیں ہوگا۔

اسی ضمن میں فرمایا: ایک مرتبہ میں سیکھا گیا جو ریاست پٹیالہ میں ایک گاؤں ہے۔ وہاں میرے ایک دوست تھے۔ گاؤں میں پانی نہیں تالاب بنے ہیں۔ وہاں بھیکا مستری تھا۔ کہنے لگا میرے ہاں اولاد نہیں ہوتی دوسرا نکاح کیا ہے۔ میں نے جو مناسب سمجھا اسے بتا دیا۔ اولاد کا عطا کرنا مولیٰ کریم کے ہاتھ ہے۔ اتفاق سے رب العزت نے رحم فرمایا۔ اس کی بیوی حاملہ ہوگئی۔ میں نے اسے تاکید کی تھی کہ نو مہینے بعد اس گنڈے کو کھول دینا۔ وقت معینہ پر بی بی کو درد رہ شروع ہوئی۔ ڈاکٹروں نے دوائی دی، ٹیکہ لگایا لیکن بچہ پیدا نہ ہوتا۔ گھر والوں نے سوچا کہ سیکھا منڈی میں ایک بڑی کہنہ مشق پرانی دائی ہے اسے بلایا جائے۔ چنانچہ اس بوڑھی دائی کو لے آئے اس نے آتے ہی پہلا سوال یہ کیا کہ کوئی گنڈا وغیرہ تو نہیں باندھا ہوا؟ عورت نے کہا ہاں باندھا ہوا ہے۔ دائی نے کہا نیک بخت! مری جا رہی ہے اسے کھولتی کیوں نہیں؟ دائی نے آگے بڑھ کر فوراً گنڈا کھول دیا۔ پانچ منٹ بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بچہ پیدا ہوگیا۔ سائل کو مخاطب کر کے فرمایا: اس گنڈا کو بوقت ضرورت استعمال کرائیں۔ اسقاط حمل انشاء اللہ ساری عمر نہیں ہوگا۔

مسیحائی

بمقام چمن محمد غیاث سہروردی اپنے ایک دوست جعفری صاحب کو اپنے ہمراہ لائے اور عرض کی کہ ان کی بیوی کافی عرصہ سے بیمار ہے۔ بیماری کی صحیح تشخیص نہیں ہو سکی۔ کئی علاج کئے ہیں کوئی افاقہ نہیں ہوتا۔

فرمایا: ایک دفعہ میانوالی سے ایک لڑکی کو اس کے والدین میو ہسپتال میں لائے۔ وہ جڑواں ہوگئی تھی۔ چلنے پھرنے سے بالکل معذور۔ ڈاکٹروں نے معائنہ کیا کہنے لگے اسے کوئی بیماری نہیں۔ لڑکی کہنے لگی میں پہلے بالکل تندرست تھی، چلتی پھرتی تھی اگر کوئی بیماری

نہیں تو اب معذور کیوں ہوگئی ہوں؟ ڈاکٹر کہنے لگے ہم کچھ نہیں بتا سکتے کہ یہ کیا ہے۔ وہاں میو ہسپتال میں ہمارے محلے کا ایک ہیڈ باورچی بھی ملازم تھا۔ وہ اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے پوچھا کیا بات ہے؟ لڑکی والوں نے سارا قصہ بتایا۔ اس نے لڑکی کے والدین کو میرا پتہ بتایا کہ آپ اسے ان کے پاس لے جائیں۔ موٹر ان کے پاس تھی وہ اسے موٹر میں ڈال کر میرے ہاں لے آئے۔ موٹر سے اتار کر لڑکی کو اس کا باپ اٹھا کر میرے پاس لایا۔ یہ باتیں ایسی ہیں جنہیں واضح کیا جائے تو چارہ نہیں ہوتا۔ میں نے لڑکی کے والدین سے پوچھا تمہارے خاندان میں اس حلیے کی کون عورت ہے؟ کہنے لگے جی اس کی تائی ہے۔ میں نے کہا آپ نے اس بچی کی منگنی اس کے لڑکے سے کی تھی پھر کیوں توڑ دی؟ کہنے لگے ناراضگی ہوگئی تھی۔ جب سے اس کا دوسری جگہ رشتہ کیا ہے اس کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ میں نے کہا اسی عورت نے عملیات کئے ہیں جس کا یہ نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس لڑکی کے حسب حال میں نے عملیات دے دیئے اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اکیس دن کے بعد وہ بچی خود چل کر میرے پاس آئی۔ تو بات یہ ہے کہ علت کچھ ہوتی ہے اور علاج کچھ ہوتا ہے۔

جعفری صاحب سے پوچھا آپ کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کی تئیس (۲۳) سال۔ فرمایا: آپ کے سسرال کے گھر کے پاس ایک مسجد ہے۔ اس مسجد کے قریب ایک مکان ہے جہاں ایک عامل رہتے تھے۔ ان چیزوں کا قیام اس مسجد میں تھا۔ آپ کی بیوی کنوارپن میں ایک دفعہ وہاں سے گزری اور اس سے کچھ بے ادبی ہوگئی۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ بہر حال گھبرائیے نہیں اللہ رحم کرے گا۔ میں غیاث صاحب کو عملیات اور ادویات تیار کر کے دے دوں گا آپ کل ان سے لے جائیے۔

تجاوز:۔

چودھری اسماعیل سہروردی نے عرض کی کہ آپ نے زکام کا علاج بنفشہ اور زوفہ بتایا تھا مگر کل میں نے اس میں ملٹھی اور عناب بھی ملا دیئے جس سے تکلیف پہلے سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔

فرمایا علاج اتنا ہی کیا کرو جتنا بتایا جائے۔ اب اگر عناب خالی چوسو گے تو وہ گلے کی خراش بڑھائے گا۔ اسی طرح ملٹھی زوفے کے اثر کو کم کر دے گی۔ علاج ہمیشہ طبیعت کے مطابق ہوتا

ہے اس معاملہ میں اپنے خیال کو وسعت نہ دیا کرو۔ میں اپنی طبیعت کے متعلق بتاتا ہوں کہ میں ٹیکے کا سخت مخالف ہوں۔ حج کے موقع پر حالانکہ حاجیوں کے لئے ٹیکہ جزو اعظم کی حیثیت رکھتا ہے مگر میں نے نہیں کرایا تھا۔ سادی چیزوں سے علاج کرو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک دفعہ پیٹ درد ہوئی۔ انہوں نے رب العزت کے حضور عرض کیا۔ حکم ہوا تمہارے پاؤں کے پاس جو بوٹی ہے اسے کھاؤ۔ چنانچہ انہوں نے وہ بوٹی استعمال کی آرام آ گیا۔ وقت گزر گیا کچھ مدت کے بعد پھر وہی تکلیف ہوگئی۔ آپ نے سوچا پرانا نسخہ یاد ہے وہی بوٹی کھالیتا ہوں آرام آ جائے گا۔ چنانچہ آپ نے وہی بوٹی استعمال کی مگر آرام نہ آیا۔ رب العزت کے حضور پھر عرض کی کہ مولیٰ کریم پھر وہی تکلیف ہوئی تھی اور وہی بوٹی کھائی جس سے پہلے آرام آیا تھا مگر اب اس سے کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اب کیا حکم ہے؟ حکم ہوا موسیٰ اس بوٹی کو تو نے ''بالفعل'' شافی سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ اس وقت ہمارے شفا دینے کی مرضی اس بوٹی کے ساتھ شامل حال تھی۔

تو چودھری صاحب! چیز میں شفا نہیں ہوتی۔ شفا تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اللہ مجھے آرام دیتا ہے۔ خیال فرمایئے۔ دوائی کا نام نہیں لیا۔ دوائی تو نفس کی تسکین کے لئے ہوتی ہے۔ شفا اس شافیءِ حقیقی کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ شفا نہ بخشے تو کون سی طاقت ہے جو اس کے سوا شفا دے؟ تو یہ صرف ایک تخیل انسانی ہے۔

عقرب گزیدہ:-

مرزا نجف علی نے عرض کی حضور بچھو کے کاٹے کا کوئی علاج بتایئے۔

فرمایا: علاج پر اعتراض نہ کرنا۔ جسے بچھو نے کاٹا ہو اسے بتائے بغیر جلدی سے ''رام، لچھمن، سیتا'' تینوں نام زمین پر لکھ دو اور اُس مریض کو کہو کہ زمین پر پانچ جوتے مارے۔ ایک سیکنڈ میں آرام آ جائے گا بلکہ مریض یہ بھی بھول جائے گا کہ اسے بچھو نے کاٹا ہے۔ ہاں! مریض کو پتہ نہیں ہونا چاہئے کہ کیا لکھا ہے کیونکہ مریض ہندو بھی ہو سکتا ہے۔

تاثیر کلام:-

مرزا نجف صاحب نے عرض کی کہ مدت ہوگئی مجھے کسی سندھی بزرگ نے سندھی زبان میں ایک علاج بتایا تھا جس کے دم کرنے سے مریض فوراً شفایاب ہو جاتا تھا مگر چونکہ وہ

الفاظ سندھی تھے اس لئے اب مجھے یاد نہیں رہے۔

فرمایا: بعض باتیں ایسی ہیں کہ ان میں اثر صرف مردان خدا کی زبان کی وجہ سے ہوتا ہے۔ الفاظ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ حضرت بہاؤالدین نقشبندؒ کسی گاؤں میں گئے۔ شام ہوگئی مسجد میں بیٹھ گئے۔ گدھا باہر باندھ دیا۔ ساتھ خادم تھا اس نے عرض کی آپ یہیں تشریف رکھیں میں گاؤں سے کھانا وغیرہ لے آؤں۔ وہ چلا گیا۔ اتفاق سے پہلے ہی گھر جہاں وہ طالب علم گیا وہاں لوگوں نے آمد و رفت دیکھی اور اہل خانہ میں پریشانی کے آثار پائے۔ اس نے انہیں کہا میں مسافر ہوں کچھ کھانا وغیرہ چاہئے۔ اہل خانہ نے کہا بات یہ ہے کہ ہماری لڑکی بیمار ہے اسے بچہ ہونے والا ہے مگر بچہ پیدا نہیں ہو رہا۔ دو تین دن سے ہم لوگ پریشان ہیں اس لئے گھر میں کھانا نہیں پکایا تم ہمیں معاف کرو۔ طالب علم نے کہا اچھا یہ بات ہے' آؤ پہلے تمہارا کام کردوں پھر اپنے کھانے وغیرہ کا کہیں اور سے انتظام کرلوں گا۔ ان سے کہا میرے ساتھ ایک بزرگ ہیں تم میرے ساتھ ان کی خدمت میں چلو میں تمہیں تعویذ لے دیتا ہوں انشاء اللہ فوراً بچہ پیدا ہو جائے گا۔ اہل خانہ کو اس کی بات دل لگی۔ انہوں نے بزرگ کی خدمت میں خالی ہاتھ جانا مناسب نہ سمجھا۔ ہمسایوں سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لیں اور اس خادم کے ہمراہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خادم نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ ان کے ہاں بی بی کو یہ تکلیف ہے۔ آپ نے فرمایا بہت اچھا۔ ان لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ یہ گدھا آپ کا ہے؟ آپ نے کہا ہاں۔ انہوں نے ایک لڑکے کو کہا کہ جاؤ اور گدھے کے لئے چارہ لادو۔ خیر چارہ آیا اور گدھے کو ڈال دیا۔ آپ نے

مرا جاشد خرم را نیز جا شد زن دہقاں بزاید یا نہ زاید

لکھ کر یہ تعویذ انہیں دے دیا کہ زچہ کی ران پر جا کر باندھ دو۔ تعویذ کا باندھنا تھا کہ فوراً بچہ پیدا ہو گیا۔ آج تک نقشبندی سلسلے کے تمام بزرگ ''عسر ولادت'' کے لئے یہی تعویذ لکھتے ہیں۔ خیال فرمایئے آپ فارسی زبان ہیں۔ (آپ کی مادری زبان فارسی ہے) یہ کوئی آیت نہیں' کوئی وظیفہ نہیں' اس مرد خدا کے الفاظ ہیں جو اس تصور کو سامنے رکھ کر اس نے لکھ دیئے۔ اللہ تعالیٰ کو تو ان بزرگوں کی ادائیں پسند ہیں۔ اسلام بزرگان دین کی ان پاکیزہ اداؤں کا مجموعہ ہے جو رب العزت کو پسند آگئیں۔ سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

آسیب زدہ:-

ایک دفعہ حضور علیہ السلام مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ جب حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو ایک عورت دوڑی ہوئی آئی اور ایک بچہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا کہ اسے آسیب کا اثر ہو گیا ہے۔ اسے دم کر دیں۔ حضور علیہ السلام نے سواری پر ہی بچہ کو پکڑ لیا اور اپنی گود میں لے کر صرف اتنا فرمایا: اے خبیث نکل جا میں اللہ کا رسول ہوں۔ بچہ اسی وقت تندرست ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس بی بی کو بچہ واپس دے دیا۔ خیال فرمایئے۔ صرف قوت کا اظہار فرمایا کہ میں کون ہوں اگر نہ نکلے گا تو دوسرا علاج بھی ہے۔ رسالت کے جوتے کے نیچے کائنات ہے۔ کوئی ہے جو مقابلے میں ڈٹ سکے۔ جن ہو، فرشتہ ہو، بھوت ہو گویا صرف اپنی حیثیت حضور علیہ السلام نے اس کے سامنے پیش فرمائی اور آسیب کا اثر جاتا رہا۔ جب حضور علیہ السلام رخصت ہونے لگے تو اس عورت نے شکریئے میں ایک بکری بطور نذرانہ پیش کی۔ آپؐ نے قبول فرمائی۔ اسے وہیں ذبح کرایا اور دوستوں کے ساتھ مل کر کھائی۔

تو مرزا صاحب! ان بزرگوں کی زبان یا الفاظ ہوتے ہیں۔ جن پر رب بولتا ہے انہی کی زبان ہوتی ہے جس پر کن فیکونی طاقتیں کام کرتی ہیں۔

معاہدہ:-

مرزا نجف علی نے عرض کی حضور ایک دو آدمی مجھے نقصان پہنچانے کے لئے شرارتیں کر رہے ہیں۔ دعا فرمائیں کہ ان کے شر سے محفوظ رہوں۔

فرمایا ایک علاج بتاتا ہوں۔ تنہائی میں رب العزت کے سامنے معاہدہ کرو کہ الٰہی اگر میری غلطی ہے تو مجھے معاف فرما اور ان کے شر سے محفوظ رکھ۔ رب العزت ہماری التجا ہر وقت سنتے ہیں۔ جب پورے خشوع و خضوع اور حضور قلبی سے رب العزت کے ساتھ معاہدہ کیا جائے تو شر پسندوں سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔

سگ گزیدہ:-

چودھری اسماعیل سہروردی نے پوچھا کیا باؤلے کتے کے کاٹے کا بھی کوئی علاج ہے؟ فرمایا: کیوں نہیں۔ کمہاروں کا چک جس پر وہ برتن بناتے ہیں اس پر تھوڑی سی مٹی رہ جاتی ہے۔ وہ مٹی لے کر اس مٹی میں تھوڑا سا پانی ملاؤ اور تین چھوٹی چھوٹی ٹکیاں بناؤ۔ ہر ٹکی پر سورہ

کہف کی یہ آیت و کلبھم باسط" ذراعیہ باالوصید. گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ کر دم کر دو اور جہاں باؤلے کتے نے کاٹا ہے اس زخم پر بھی گیارہ مرتبہ دم کرو۔ پھر دم شدہ مٹی کی ٹکیہ زخم پر لگا دو۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے اس زہر سے شفا ہوگی۔ جب مٹی کی وہ ٹکیہ اٹھاؤ گے تو مریض شفایاب ہوگا اور اس کتے کے رنگ کے بال جس نے کاٹا ہوگا اسی ٹکیہ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ ٹکیہ اتار کر پھینک دو۔

چودھری اسماعیل نے پوچھا حضور اگر گیلی مٹی نہ ملے تو پھر کیا کرنا چاہئے؟

فرمایا: کمہاروں سے ان کے چک کی خشک مٹی ہی لے لو اور اس میں خود پانی ملا کر ٹکیہ بنا لو۔ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔

مرزا نجف علی نے پوچھا حضور کیا ہمیں بھی اس نسخہ کو عمل میں لانے کی اجازت ہے؟

فرمایا: ہاں کیوں نہیں۔ بتانے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ مخلوق کو نفع پہنچے۔ ایک دفعہ میں چونڈہ ضلع سیالکوٹ میں اپنے سسرال کے ہاں گیا۔ گاؤں سے لوگ لاٹھیاں لے کر ایک باؤلے کتے کے پیچھے بھاگے آرہے تھے۔ میں ٹانگے پر سوار تھا۔ راستے میں ایک جگہ ریتلی زمین تھی، ٹانگے والے نے کہا یہاں ذرا اتر جایئے تاکہ گھوڑا آسانی سے گزر جائے۔ اتنی دیر میں وہ باؤلا کتا بھی آگیا اور سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ اس وقت میں اور میرا ہم زلف تھے۔ میں نے اس باؤلے کتے کو مخاطب کر کے کہا کیوں کیا صلاح ہے؟ اس نے صرف میری طرف دیکھا اور دیکھ کر دوسری طرف نکل گیا۔ سامنے جو آئے اسے کاٹتا ہے۔ درخت ہو پتھر ہو لکڑی ہو سب کو کاٹتا ہے۔ "ہر" نامی ایک گاؤں ہے وہاں ایک درویش بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص ان کے پاس آیا کہ سائیں جی باؤلا کتا کاٹ گیا ہے۔ کہنے لگے پھر کیا چاہتے ہو؟ وہ کہنے لگا دم کر دو تاکہ اثر نہ ہو۔ وہیں ایک چھوٹا سا پھلائی کا درخت تھا۔ سائیں صاحب نے کہا بیٹا ایسا کرو کہ اس پھلاہ کے درخت کے اڑھائی پتے توڑ لو اور میرے سامنے کھا لو۔ چنانچہ اس شخص نے اڑھائی پتے توڑے اور کھا لئے۔ سائیں صاحب کہنے لگے جاؤ بیٹا کچھ نہیں ہوگا۔ اتفاقاً اس گاؤں کا نمبردار بھی وہیں بیٹھا تھا۔ وہ کہنے لگا حضرت آپ تو یہاں سے کچھ دیر بعد چلے جائیں گے مگر ہم آپ کے بعد کیا کریں گے؟ سائیں جی نے فرمایا پورے درخت کو دم کر دیتا ہوں۔ اس کی حفاظت کرنا۔ ہر وہ شخص جسے باؤلے کتے نے کاٹا ہوگا اگر اس درخت کے اڑھائی پتے کھائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے شفا دے گا۔ وہ درخت اب بھی قائم ہے یہ اللہ تعالیٰ

کے بندے کی آواز ہے۔ ورنہ پھلائی کے درخت میں تو ایسا کچھ اثر نہیں۔

سورہ شفا:-

ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کہیں باہر جا رہے تھے کہ ایک گاؤں سے ایک عورت دوڑی ہوئی آئی اور کہنے لگی تم میں سے کوئی سر درد کا علاج جانتا ہے؟ حضرت جابرؓ نے کہا ہاں میں جانتا ہوں۔ دوسرے دوست بہت حیران ہوئے۔ عورت نے کہا ہمارے سردار کو کئی سالوں سے سر کا درد ہے اور آرام نہیں آتا۔ حضرت جابرؓ اس عورت کے ساتھ ہو لئے اور جا کر اس سردار کو دم کیا۔ وہ اسی وقت تندرست ہو گیا۔ سردار نے سو بکریاں بطور نذرانہ پیش کیں۔ یہ اب ان بکریوں کو آگے لگائے بڑی ٹھاٹھ سے دوستوں کی طرف آ رہے ہیں کہ میں نے دم کیا ہے اللہ تعالیٰ نے شفا بخشی ہے۔ دوست بہت حیران ہوئے اور پوچھا کہ وہ علاج کیا ہے؟ فرمانے لگے ایک مرتبہ میں حضور علیہ السلام کے دربار میں حاضر تھا۔ آپؐ نے فرمایا سورۃ فاتحہ موت کے سوا باقی تمام بیماریوں کا علاج ہے چنانچہ میں نے سورہ فاتحہ اس سردار کو دم کر دی اور اسے شفا ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن سرتا پا شفا ہے۔

اسہال:-

غیاث سہروردی کے بچوں کو اسہال (جلابوں) کی شکایت تھی اس کا علاج انہوں نے پوچھا۔

فرمایا: صندل سفید، صندل سرخ، سرمہ سفید، سرمہ سیاہ، زیرہ سفید ہر چیز دو تولے اور سونف پانچ تولے یہ سب چیزیں باریک پیس لیں اور کپڑ چھان کر لیں۔ ایک رتی بچے کو دے دیں انشاء اللہ اسہال کی شکایت دور ہو جائے گی۔ یا بھنڈی کی جڑ سکھا کر کوٹ لیں اور اس میں چینی ملا لیں۔ بوزن ایک رتی پانی میں گھول کر بچے کو پلا دیں جلاب بند ہو جائیں گے۔ ہاں اگر بچہ دانت نکال رہا ہو تو اس صورت میں جلاب بند نہیں کرنے چاہئیں ورنہ آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔

بھیکڑ:-

ایک شخص محمد علی نامی آیا اور کہنے لگا حضرت کافی عرصہ سے تھوک میں خون آتا ہے کافی علاج کیا ہے کوئی فرق نہیں پڑا۔

فرمایا: یہ خون دماغ سے آتا ہے اور قطرہ قطرہ ہو کر چھاتی پر گرتا ہے جب تک وہ خون نکل نہ جائے سانس بند رہتا ہے۔ پوچھا کیا علاج کرتے ہو؟ کہنے لگا یونانی علاج کرتا ہوں۔ فرمایا یہی علاج جاری رکھو۔ حکیم کو بتاؤ کہ خون نہیں آنا چاہئے۔ دماغ میں بلغم اکٹھی ہو جائے تو وہ گرم ہو کر خون بن جاتا ہے۔ ایک بوٹی ہوتی ہے بھیکڑ جسے عرف عام میں برگ بانسا کہتے ہیں۔ اسے چھوٹا سفید پھول بھی لگتا ہے۔ آج کل برسات میں عام ملتا ہے۔ وہ تازہ لے کر اسے کتر لو اور اس کا شربت یا عرق بنا لو۔ عرق یا شربت کے ہمراہ کشتہ مرجان ایک چاول کے برابر بالائی (ملائی) میں رکھ کر کھا لیا کرو انشاء اللہ دس بارہ دن میں آرام آجائے گا۔ ویسے شربت سے عرق بہتر رہے گا۔

متفرق نسخہ جات

ذیابیطس:-

نیم کے پتوں کا پانی نکال لیں۔ ایک تولہ مرجان اس پانی میں کھرل کر لیں۔ نیم کے اس گودے (پھوک) میں کھرل شدہ مرجان رکھ کر گولہ بنا لیں اور باہر گیلی مٹی چڑھا کر گولہ بنا لیں خشک ہونے پر بیس سیر اپلوں کی آگ دے کر کشتہ کر لیں۔ کشتہ کو دو بوتل عرق الائچی میں کھرل کر لیں۔ خوراک بمقدار ایک چاول بمعہ مکھن روزانہ۔

بچوں کے لئے قبض کشا:-

چوہے کی دو مینگن لے کر ہم وزن ''سن لائٹ'' صابن میں رکھ کر بچے کے پاخانے کی جگہ میں رکھیں۔ (اجابت ہو کر قبض دور ہو جائے گی)

بخار دافع تلی:-

ایک بڑا بینگن لیں ڈوڈی اتار دیں۔ دو تولے نشادر اس بینگن کے اندر رکھ کر بینگن کو لٹکا دیں۔ تیسرے دن پانی تیار ہو جائے گا۔ اس پانی کو چھان کر شیشی میں ڈال لیں۔ ہر روز صبح ایک بتاشے پر دو تین قطرے ڈال کر خالی پیٹ مریض کو کھلائیں۔ بچے کے لئے ایک قطرہ ڈالیں۔

چنبل کا علاج:-

مادہ گائے کی پانچ سات سیر ہڈیاں لے کر بطریق ''پتال جنتر'' تیل نکالیں اور زخموں پر

لگائیں۔

برائے کمزوری گردہ وزیادتی پیشاب:-

بھنگڑ سفید ۲ تولہ، بھنگڑ سیاہ ۲ تولہ، نمک سانبھر ۱ تولہ۔ تینوں کو جلا کر راکھ کرلیں اور نمک لاہوری حسب ذائقہ ملالیں۔ باسی پانی کے ہمراہ علی الصبح استعمال کریں۔

دافع جریان:-

سبوس اسبغول ۵ تولہ، کتیرا دو تولہ، کوکنار ۴ عدد، تمر ہندی بریان ۳ تولہ، نبات سفید ۱۰ تولہ باریک پیس کر کپڑ چھان کرلیں اور باہم ملالیں۔ علی الصبح ایک ماشہ ہمراہ شیر گاؤ اصل اسوس ۷ درم گلنار ۴ ماشہ، تخم کاہو ۴ ماشہ، گل سرخ ۵ ماشہ، تخم سداب ۵ ماشہ، تخم سنبھالو ۵ ماشہ، نبات سفید ۲ تولہ سب کو باریک پیس کر کپڑ چھان کرلیں اور باہم ملالیں۔ رات کو سوتے وقت ایک ماشہ ہمراہ شیر گاؤ استعمال کریں۔

درد پتہ:-

مُصَبّر ۶ ماشہ، نربسی ۶ ماشہ، ہینگ ۶ ماشہ تینوں کو باریک پیس کر کپڑ چھان کرلیں اور مسور کی دال کے برابر گولیاں بنالیں۔ علی الصبح بمعہ شربت بزوری ایک گولی کھلائیں۔ ایک ہفتہ کے بعد پھر بند کردیں۔ چند دن چھوڑ کر پھر ایک ہفتہ کھائیں۔ اس طرح دو ماہ تک تکرار کریں اور اس دوران گوشت کا شوربا اور سبزیاں کھائیں۔ دوران علاج دو ماہ انڈا، چاول، چائے اور گرم وقابض چیز کے استعمال سے پرہیز کریں۔

چورن:-

فلفل دراز ۱ تولہ، نوشادر ۶ تولہ، دانہ الائچی کلاں ۳ تولہ، فلفل سیاہ ۱ تولہ، قلمی شورہ ۱ تولہ، جوکھار ۱ تولہ، سوہاگہ ۱ تولہ، نمک دیسی ۹ ماشہ، ہرمچی ۲ تولہ، ست پودینہ ۴ ماشہ، تمام اشیاء باریک پیس کر کپڑ چھان کرلیں اور باہم ملالیں۔ کھانے کے بعد استعمال کریں ہاضمے کے لئے اکسیر ہے۔

چورن:-

مصطگی رومی ۳ تولہ، انار دانہ ۶ ماشہ، پوست ہلیلہ زرد ۶ ماشہ، آملہ ۶ ماشہ، پوست بلیلہ ۶

ماشہ، فلفل سیاہ ۳ ماشہ، فلفل دراز ۳ ماشہ، زنجبیل ۳ ماشہ، چوب چینی ۹ ماشہ، گردساق ۶ ماشہ، پوست ترنج ۳ ماشہ، نمک سیاہ ۳ ماشہ، سونف ۷ ماشہ، دانہ الائچی خورد ۳ ماشہ، برگ پودنہ ۳ ماشہ، ورق چاندی نصف دفتری، شکر دیسی ۶ تولہ سب کو باریک پیس کر کپڑ چھان کر لیں اور باہم ملالیں۔ خوراک کھانے کے بعد ۳ ماشہ۔ تبخیر معدہ اور سوئے ہضم کے لئے اکسیر ہے۔

چند مجرب نسخہ جات جو مختلف موقعوں پر عرض مندوں کو لکھ کر مرحمت فرمائے:۔

سیلان الرحم:۔

(۱) صبح۔

صندل سرخ ۲ تولہ، صندل سفید ۲ تولہ، زیرہ سفید ۲ تولہ، سونف ۵ تولہ، سرمہ سیاہ ۲ تولہ، سرمہ سفید ۲ تولہ سب کو باریک پیس کر ملالیں۔ خوراک ۴ رتی علی الصبح شربت صندل کے ساتھ۔

(۲) شام۔

دودھ کے ساتھ مندرجہ ذیل دوائی ۴ ماشہ فی خوراک استعمال کریں۔ تباشیر ۲ تولہ، کوزہ مصری ۳ تولہ، ورق نقرہ ۲۰ عدد، برادہ دندان فیل ۳ تولہ، حجر الکلب ۳ تولہ، گل دھاوہ ۲ تولہ سب کو باریک پیس کر باہم ملالیں اور ۴ ماشہ کی فی خوراک بنالیں۔

بواسیر:۔

ایک مجلس میں فرمایا: ایک دوست کو بواسیر کی تکلیف تھی۔ خواب میں ایک بزرگ نے یہ نسخہ بتایا۔ نمک سیاہ جو بالکل سیاہ ہو اس میں بعض جگہ سرخ اجزا ہوتے ہیں وہ نکال دیں اور صرف سیاہ حصہ لے کر پیس لیں۔ علی الصبح دو رتی نمک لیں اور تین مرتبہ سورہ کوثر بمعہ بسم اللہ شریف پڑھ کر اس پر دم کر کے دو چمچہ دہی میں ڈال کر کھالیں۔ ازاں بعد دو چمچہ دہی سادہ اور کھا لیں تاکہ دوائی نیچے چلی جائے۔ یہ بارہا میں نے تجربہ کیا ہے۔ بواسیر خونی ہو یا بادی ہو، مسوں والی اس کے لئے اکسیر ہے۔ البتہ علاج زیادہ دیر تک کرنا پڑتا ہے چونکہ یہ کشتہ تو ہے نہیں۔

☆☆☆☆☆

وما علینا اِلاّ البلٰغ

حال وقال

حضرت قبلہ علیہ رحمتہ نے ۱۹۳۳ء میں ''مرکزی مجلس سہروردیہ'' قائم فرمائی۔ اس کے سالانہ تبلیغی اجلاس کی تاریخ اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ میاں غلام محمد سہروردیؒ کی ایماء پر ۱۱۔۱۲ ربیع الاول مقرر فرمائی اور انہی کی سرپرستی میں پہلا جلسہ منعقد ہوا۔ ہر سال عید میلاد النبی علیہ السلام کا انعقاد ۱۱۔۱۲ ربیع الاول کو بڑی دھوم دھام سے کیا جاتا' جس میں دور و نزدیک کے جید علمائے کرام اور چوٹی کے خوش الحان نعت خوان تشریف لاتے جن میں ''لسان حسان'' سید ریاض الدین سہروردی اور میاں جان محمد سہروردی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ حال وقال کی ان محفلوں میں حاضرین پر عجیب سرور اور کیفیت طاری ہوتی۔ دن میں تین نشستوں کا اہتمام ہوتا۔ پہلی نشست صبح سے دوپہر دو بجے تک، دوسری عصر سے پہلے مغرب کی اذان تک اور تیسری عشاء کے بعد آدھی رات تک ہوتی۔ آغاز مجلس تلاوت قرآن اور ختم شریف خاندان عالیہ سہروردیہؒ سے ہوتا۔ نعتوں اور علمائے کرام کی تقاریر کے بعد ہر نشست کے اختتام پر حضرت قبلہ علیہ رحمتہ مختصر سی تقریر کے بعد مسنون دعاؤں کے علاوہ کچھ وقت ہاتھ اٹھائے خاموش کھڑے رہتے۔ اس وقت یوں محسوس ہوتا کہ رب العزت کی رحمت وسیع ہر ایک کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے اور بارگاہ ایزدی سے دعاؤں کی قبولیت کی سند مل رہی ہے۔

حضرت قبلہ باباجی حیات گڑھیؒ بھی ان مجالس میں شرکت فرماتے۔ ۱۹۳۳ء سے ۱۹۵۰ء تک آپ باقاعدگی سے تشریف لاتے رہے۔ گویا یہ مجالس ومحافل نہ صرف تبلیغ دین وترویج

سلسلہ عالیہ سہروردیہ تک محدود ہوتیں بلکہ روحانیت کا سرچشمہ تھیں جس میں ہر خاص و عام بقدر ظرف فیض یاب ہوتا۔

ان مجالس کا آغاز جو ۱۹۳۳ء میں مسجد محلہ آویاں بلند سٹریٹ اندرون قلعہ گوجر سنگھ لاہور سے ہوا حاضرین کی کثرت تعداد کے پیش نظر زاں بعد نزد یکی کشادہ جگہوں پر ہونے لگا۔

حضرت قبلہ میاں غلام محمد سہروردیؒ المعروف باباجی قبلہؒ کا وصال ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء (۱۲ ربیع الاول ۱۳۷۱ ہجری) کو بمقام حیات گڑھ تحصیل و ضلع گجرات ہوگیا چنانچہ ان کے وصال کے بعد حضرت قبلہؒ ہر سال ۱۳ ربیع الاول کو ان کے مزار اقدس بمقام حیات گڑھ تشریف لے جاتے اور وہاں ختم خواجگان سلسلہ عالیہ سہروردیہ اور عرس مبارک حضرت قبلہ باباجیؒ منعقد فرماتے۔

زیر نظر باب میں تبلیغی سرگرمیوں کی چند مجلسوں کی جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

عرس مبارک

حضرت شیخ الشیوخؒ کے عرس مبارک کے انعقاد کی بات چھڑ گئی۔

فرمایا: وقت ایسا آ گیا ہے کہ جو صحیح دین تھا وہ دلوں سے نکل گیا ہے اور نکلتا جا رہا ہے۔ طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ طرح طرح کے قصے اور رنگ برنگی کہانیاں "پرویزی فتنہ" الگ کام کر رہا ہے۔ دوسرے فرقے الگ مصروف کار ہیں۔ ہر چیز "لا الہ" کی حقیقت پر مبنی نہیں رہی۔ محض بناوٹ سے کام لیا جا رہا ہے۔ ہم نے یہ سلسلہ جو شروع کیا ہے اس سے کوئی دکھلاوا مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ ریاکاری سے محفوظ رکھے۔ مقصود اگر ہے تو وہ یہ کہ بندگان خدا کا اسلام عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انہیں پتہ چلے کہ علی ہجویریؒ کس طرح داتا گنج بخشؒ بنے۔ معین الدین، سلطان الہند، خواجہ غریب نواز کیسے بنے؟ عبدالقادر غوث الاعظمؒ گیارہویں والا پیر دستگیرؒ کیونکر ہوئے؟ وہ کیا چیز تھی جس نے شہاب الدین کو شیخ الشیوخؒ اور بہاؤ الدین کو غوث العالمین ذکریاؒ بنا دیا۔ آخر ان کی کیا ریاضتیں تھیں، ان کے کیا مجاہدے تھے، اور وہ کیا عمل تھا جو رب العزت کی بارگاہ میں مقبول ہوا؟ آج انہیں کی برکات سے آنے والے زمانے میں ایسے نیک بندے پیدا کرنے مقصود ہیں جو صحیح معنوں میں ان کے نقش قدم پر چل کر دین مبین کی خدمت کریں اور اپنے فرائض منصبی نبھائیں ورنہ عرس تو پہلے بھی ہوتے ہیں۔ خیال یہ ہے کہ مسلمان کی زندگی، روحانی زندگی بن جائے۔ یہی دین کی خدمت ہے

ورنہ محض عرس کرنا تو کوئی بات نہیں۔ یہاں میوہ منڈی میں ایک خانقاہ پر ایک دفعہ عرس ہوا وہاں کوئی کنجری، کوئی میراسی کوئی ڈھول ڈھمکا (کا اہتمام تھا) ایک شخص میرے پاس آیا اور مجھے کہنے لگا حضرت آپ عرس پر چلیں۔ میں نے اسے کہا میرا یہ خیال ہے کہ جو کچھ وہاں کیا جا رہا ہے وہ صاحب مزار کی مرضی سے نہیں کیا جا رہا۔ اس کا نہ تو کنجری سے یارانہ ہے نہ گانے والے میراثی سے، اور نہ اسے ڈھول ڈھمکے سے کوئی دلچسپی ہے۔ بزرگ کی زندگی سے سبق حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ اپنے گناہ سے اسے آلودہ کرنا۔

ہمارے عزیزوں میں ایک حکیم صاحب ہیں، خادم علی صاحب سیالکوٹی۔ نقشبندی سلسلہ کے پیر بھی ہیں۔ بڑے زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔ ایک دن ایک پوستی محمد علی ان سے مسئلہ پوچھنے آیا۔ اس مقام پر حضرت قبلہؒ نے ''تیری بھنگ نوں ستے خیراں والا واقعہ'' جو صفحہ نمبر (۴۰۵) پر درج ہے بیان کرنے کے بعد فرمایا: آج کل اسلام اس کونڈے ڈنڈے میں گھرا ہوا ہے۔ ہم کہتے ہیں اللہ مدد کرے شاید کوئی اللہ کا بندہ پیدا ہو جائے اور وہ کام کرے اور دین کی خدمت ہو جائے۔

ایک خطبہ صدارت

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کا سالانہ عرس یکم محرم ۱۳۷۶ ہجری مطابق ۱۸ اگست ۱۹۵۶ کو بعد نماز عشاء ہوا۔ نعتوں اور تقریروں کے اختتام پر حضور نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

حضرات! ہماری مجلس کا وقت جو اشتہار میں درج تھا ختم ہو چکا ہے۔ میں دو باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ ہماری اس مجلس کے متعلق عوام کے خیالات کیا تھے؟ اس وقت ٹائم نہیں کہ میں انہیں ذکر کر سکوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارا پروگرام ڈیڑھ بجے رات تک کا تھا اب ڈیڑھ بج چکا ہے اس لئے وہ لوگ جنہیں فقراء کے دامن سے وابستگی ہے وہ فقیروں کی محبت کے صدقے صبح تشریف لائیں۔ جن کے عقائد میں کچھ کجی ہے یہ ان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا مسلک کسی پر طعن کرنا نہیں بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ان اصحاب کو سوچنے کی ضرورت ہے کہ اب وہ سوچیں کہ اسلام کی تاریخ کیا ہے؟ صراط مستقیم کسے کہتے ہیں؟ کاش کہ مولیٰ کریم انہیں ہدایت فرمائے اور وہ سمجھ سکیں کہ اسلام کیا چیز ہے۔ ایک دفعہ

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ مسجد میں وعظ فرما رہے تھے کہ بادل آ گیا اور مینہ برسنا شروع ہو گیا۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا: عجیب شان ہے میں تیرا کام کرتا ہوں تیرے بندے اکٹھے کرتا ہوں، تو انہیں بھگا دیتا ہے۔ یہ ''لا الہ'' کا کام ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایک مرد خدا کے لفظوں کے اثر سے مسجد کے باہر بارش ہو رہی ہے اور مسجد کے اندر بارش نہیں۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام وعظ فرما رہے تھے، بارش آ گئی۔ حضورؐ نے آسمان کی طرف منہ کر کے فرمایا: ''حوالینا لا علینا'' تو اگر برسنے کے لئے آیا ہے۔ تو ہمارے گرداگرد برس ہمارے اوپر نہ برس۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسجد نبوی کے باہر بارش ہو رہی ہے اور اندر بارش کا پتہ تک نہیں۔ انعمت علیھم. یہ وہ لوگ ہیں در پردہ جن کے ہاتھوں اور جن کی زبانوں پر وہی خدا بولتا ہے۔ اگر یہ تمیز ہو جائے کہ بندہ خدا کا ہے اور خدا بندے کا تو کن فیکونی طاقتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ دعوت لانے والی محمد رسول اللہ کی ذات ہے اس دعوت لانے والے کو نماز کے لئے قبلہ کا رخ بدلنے کی ایک تمنا تھی۔ اقبال نے اللہ اس کو قبر میں خوش رکھے حضورؐ کی ایک حدیث کا کیا پیارا ترجمہ کیا ہے:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

یہاں یہ مسئلہ دیکھئے کہ حضورؐ کو نماز میں خیال آتا ہے۔ آسمان کو منہ اٹھتا ہے کہ تیرا قبلہ بیت المقدس کی بجائے کعبہء ابراہیمی بہتر ہے۔ فرمایا محبوب یہی تو ہمارا انعام ہے کہ کائنات سے جو تعلق تیرے ساتھ ہے وہ کسی سے نہیں، تیرے راستے کو ہم صراط مستقیم کہتے ہیں۔ تیری ذات سے ہمیں سب سے زیادہ پیار ہے۔ محبوب! قبلے کے لئے کیا چرچا ہے۔ محبوب کی مرضی میں ہماری مرضی ہے۔ تم ادھر کا منہ کر لو جہاں تیرا جی چاہے اس لئے کہ تو محبوب ہے جس طرف تیرا منہ ہو گا ہم ادھر کو ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ ہم نے تو تمہیں دیکھنا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ (۳:۳۱)

مجھے خدا نے محبوب بنایا ہے اگر تم میرے نقش قدم پر چلو تو اس کے محبوب بن جاؤ گے اس لئے کہ میرے طفیل تمہیں وہ چیز عطا کی گئی ہے جسے انعام کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ نے کوئی کام کیا ہے تو وہ رب العزت کی مرضی کا اعادہ کیا ہے۔ کائنات ان کے لئے ہے۔ میں کہتا ہوں اگر کوئی شخص اہل اللہ کی پاکیزہ زندگیوں کی مخالفت کرتا ہے تو اسے یقیناً اپنے ایمان کی فکر

کرنی چاہئے کہ اس کا ایمان کیا ہونا چاہئے' میں دو لفظوں میں کہہ دوں۔ اسے دل کے کانوں سے سنیں، قرآن پاک اور حدیث کی رو سے اور دنیا کے علم و عمل کی رو سے اسلام انہیں برگزیدہ ہستیوں کی ان پاک اداؤں کا مجموعہ ہے جو رب العزت کو پسند آ گئیں۔ اسلام' صراط مستقیم' انہیں بندگان خدا کی ان پاکیزہ اداؤں کا مرقع ہے جو رب العزت کو بھا گئیں۔ قرآن کریم کا دیباچہ قرآن حکیم کی پہلی سورت ''سورۃ فاتحہ'' ہے جس کے تیس نام اور بھی ہیں۔ اس میں ایک یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ جب بھی دعا مانگی گئی ہے:

اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط الذین انعمت علیھم.

جس پر چلنے والوں کو انعام فرمایا۔ رب العزت کا انعام کس جماعت پر ہے؟ وہ کون سے لوگ ہیں؟ کھانا کھانے کے لئے تمام لوگوں کو ملتا ہے، کپڑا سب کو ملتا ہے، حکم چلانے کے لئے، حکم ماننے کے لئے، ادب کرنے اور ادب کرانے کے لئے اس کی توفیق تمام لوگوں کو ہوتی ہے مگر انعام وہ ہے جس کو رب العزت نے انعام فرمایا ہے۔

انسان مولا کریم کے ساتھ ایسی وابستگی پیدا کر لے' اس کے ساتھ ایسا ہو جائے کہ جو اس کے منہ سے نکلے' مولا اسے مانے۔ یہ ہے ''انعام'' جو رب العزت کو مان کر اس کے اتنے قریب ہو گئے ہیں کہ ان کی زبان پر خدا بولتا ہے۔ وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ ہو کر رہتا ہے۔

کسی شخص کے گھر تنگدستی تھی۔ اس کی بیوی نے اسے کہا کہ لوگ کمائی کے لئے باہر جاتے ہیں تم بھی جاؤ اور کما کر لاؤ تا کہ ہمارے بھی دن پھریں۔ میاں الٹی کھوپڑی کے مالک تھے۔ کہنے لگے تیری مرضی ہو گی کہ میں باہر چلا جاؤں وہاں جا کر مر جاؤں اور تو دوسرا خاوند کر لے۔ وہ بیچاری خاموش ہو گئی۔ اتفاق سے اسی رات اس نے مسور کی دال پکائی۔ مسور کی دال میں کچھ دانے سخت رہ گئے۔ خاوند نے شکایت کی کہ دانے نہیں گلے۔ بیوی نے موقع غنیمت جانا۔ کہنے لگی دال کا نقص ہے یا نہیں' یہ تو میں نہیں جانتی' البتہ اتنا جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ جنہیں بچانا چاہتا ہے اسے جلتی آگ سے بھی بچا لیتا ہے۔ میاں کہنے لگا کملی تو نہیں سمجھی۔ میں ان میں سے ہوں جو اس ہنڈیا میں گل گئے ہیں۔

مصیبت یہ ہے کہ ''لا الہ'' بھی پڑھا جاتا ہے ''محمد الرسول اللہ'' بھی کہا جاتا ہے' قرآن بھی پڑھا جاتا ہے' حدیث بھی پڑھی جاتی ہے' سر سے پاؤں تک دعوے اسلام کے ہیں مگر جب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا کی پرستش کرو جس طرح بزرگان دین نے کی ہے تو انہیں گمراہی نظر

آتی ہے۔ایک شخص میرے پاس آیا کہنے لگا ہم سرہند حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے دربار پر جارہے ہیں۔ میں نے کہا جایئے لیکن ان سے یہ سوال کرنا کہ حضرت ہمیں بھی ''لا الہ'' کا وہ ڈھب سکھا دیجئے جس سے آپ مجدد الف ثانیؒ بن گئے ہیں۔

حضرت علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھئے کہ آپ داتا گنج بخش کیوں کر بن گئے؟ بجائے اس کے کہ ان کے نقش قدم پر چلیں گمراہی، بطالت اور ضلالت میں پڑے ہیں۔

دعا کے بعد جلسہ کا اختتام فرمایا۔

اصلاح

سالانہ جلسہ کے سلسلہ میں دعوت نامہ کی چٹھی لکھ کر لانے کے لئے مجھے حکم دیا۔ ۵ ستمبر ۱۹۵۶ء کو میں نے برائے اصلاح چٹھی کے مندرجات پڑھے۔ جب یہ فقرہ پڑھا:

یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ان جلسوں اور عرسوں سے ہمارا مقصد عامۃ المسلمین کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا ہے کہ ان کے سامنے بزرگان دین کا وہ صحیح اسلام پیش کیا جاسکے جس سے پتہ چلے کہ انہوں نے ''تقرب الی اللہ'' میں کیا کیا جانی اور مالی قربانیاں کیں۔ تو اس کی اصلاح یوں فرمائی:

''یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ان جلسوں اور عرسوں سے ہمارا مقصد کیا ہے یعنی بزرگان دین کا وہ صحیح اسلام پیش کرنا جس سے پتہ چلے کہ انہوں نے ''دعوت الی الحق'' میں کیا کیا جانی اور مالی قربانیں کیں؟ مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''تقرب الی اللہ'' تو ایک مقام ہے ''دعوت الی الحق'' کہئے''۔

چودھری علی احمد سہروردی نے کہا: ''اصلاح یافتہ فقرہ'' یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ان جلسوں اور عرسوں سے ہمارا مقصد کیا ہے؟ نامکمل ہے اور وضاحت طلب ہے چونکہ اس میں ''کیا ہے؟'' کے الفاظ استفہامیہ ہیں اور صرفی نحوی قوائد کی رُو سے مشارع الیہ کا ذکر لازمی ہے۔ اس لئے ''کیا ہے؟'' کے آگے کچھ اور الفاظ بڑھانے چاہئیں''۔

فرمایا: ''کیا ہے؟'' یہاں استفہامیہ حیثیت کا حامل نہیں بلکہ یہاں یہ کہنے سے ''کہ ہمارا مقصد کیا ہے'' سے مراد یہ ہے کہ جو ہمارا مقصد ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہیں یا وہ آپ پر اظہر من الشمس ہے۔ حضور علیہ السلام ایک دفعہ مسجد سے نکلے۔ دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔

حضورؒ نے فرمایا کیوں لڑتے ہو؟ ''اس کیوں'' کا مفہوم استفہامیہ نہیں بلکہ لڑائی کا برا بیان فرمانا ہے یعنی لڑنا نہیں چاہئے۔ لڑنا بری بات ہے۔ اس مقام پر آپ نے واقعہ مندرجہ صفحہ نمبر ۲۶۵۔ بعنوان ''کیوں لڑ رہے ہو'' بیان فرمایا۔

بابرکت

محمد غیاث سہروردی نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو تو مہینے میں ایک بار ہم ختم شریف خواجگان سہروردیہ یہاں چمن (بلوچستان) میں کرلیا کریں۔

فرمایا: مہینے میں نہیں بلکہ ہر ہفتے ہر دوست باری باری ختم شریف کا اہتمام کرلیا کرے۔ کراچی میں دوستوں میں یہ میں نے شروع کرایا تھا کہ قرآن شریف ختم کیا کرو۔ ایک ایک سپارہ، اس کے بعد ختم خواجگان پڑھ کر کوئی نعت پڑھ لو۔ اگر زبانی تقریر کرنے کا ملکہ کم ہو تو (میری تصنیف) ''جمال رسولؐ'' کا کوئی باب نصف یا ایک ورق بطور تقریر تبرکاً پڑھ لیا۔ اس کے بعد سارے سلسلہ کے دوستوں کے لئے سلسلے کے قیام و برکت کے لئے اور ہر قسم کے ظاہری باطنی فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ اے اللہ! حضورؐ کے طفیل ہم پر رحمت فرما۔ یا پھر یہ صورت بن جائے کہ ایک ہفتہ ایک دوست کے مکان پر اور دوسرے ہفتے دوسرے کے ہاں، تو اس طرح کافی عرصہ کے بعد ایک کی باری آئے گی۔ اس طرح ایک تو برکت ہوتی ہے دوسرے اتحاد قائم رہتا ہے۔ ثواب ہوتا ہے اگر یوں کرو تو بہتر ہے یا کوئی ایک جگہ متعین کرلو اور ہر آٹھ دن بعد فجر یا عصر کے وقت کرلیا کرو بڑی برکت والی چیز ہے۔

مذاق فنون لطیفہ

ٹائٹل پیج:۔

مولوی فقیر اللہ سیالکوٹی خطیب جامع مسجد ارائیاں سیالکوٹ حاضر خدمت ہوئے۔ دوران گفتگو انہوں نے حضور کی تصنیف ''الفقر فخری'' کے ٹائٹل پیج کی تعریف کی اور غار حرا کی تصویر کو کتاب کے موضوع کی مناسبت و موزونیت کے لحاظ سے سراہا۔

فرمایا: ''جمال رسول'' کے ٹائٹل پر حضور علیہ السلام کے روضہ مبارک کا فوٹو ہے لہٰذا خیال کیا کہ اس پر غار حرا کا فوٹو ہو کیونکہ حضورؐ کے ابتدائی چلے، مراقبے اور عبادتیں غار حرا میں

ہوئیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اصل غار حرا کا فوٹو کہاں سے حاصل کیا جائے؟ میں ان دنوں کراچی گیا ہوا تھا۔ وہاں پتہ چلا کہ سفارت خانہ عربیہ کے ''الریاض'' پر جو ابن سعود کا سرکاری رسالہ ہے غار حرا کا فوٹو ہے۔ ایک دوست نے کہا یہ کون سی بڑی بات ہے۔ ہوائی جہاز پر رات کو تین بجے جاتا ہوں کل وہاں پہنچ کر اسے لے کر پرسوں واپس آجاؤں گا چنانچہ وہ دوست یہ فوٹو لایا اور اس کا بلاک بنوایا گیا۔

مختار علی سہروردی نے حضور کی ہدایات کے مطابق آپ کی تصانیف ''جمال الٰہی'' اور ''نور مستور'' کے ٹائٹل پیج بنائے۔ جمال الٰہی کے ٹائٹل پیج پر لفظ ''اللہ'' چھوٹے چھوٹے گول دائروں میں بنوایا اور ان دائروں میں اسماء الحسنیٰ لکھوائے گئے۔ لفظ ''اللہ'' کی درمیانی جگہ میں کعبۃ اللہ کی تصویر ہے یہ انداز بھی نرالا اور بڑا دیدہ زیب ہے۔

لیٹر ہیڈ پیڈ:۔

لیٹر ہیڈ پیڈ جس پر احباب وغیرہ کو خطوط لکھتے اس کے اوپر نہایت دیدہ زیب اور جاذب نظر تصویر چھپوائی۔ مکہ معظمہ کی پہاڑیوں کی قطار جس کے بائیں جانب درمیان میں غار حرا دکھائی گئی ہے نیچے پہاڑیوں کے دامن میں لکڑی کی ریل پر قرآن حکیم کا کھلا ہوا نسخہ جس کے ساتھ ہی نیچے تلوار اور تسبیح پڑی ہوئی ہے۔ دائیں طرف پہاڑیوں کے دامن میں کھجوروں کے درخت ہیں جن کے عقب میں ہلال، قرآن حکیم اور ساتھ ہی نیچے کعبۃ اللہ دکھایا گیا ہے۔ تصویر کے اوپر عربی رسم الخط میں حضرت قبلہ کا اسم گرامی اور اس کے نیچے باریک اردو رسم الخط میں ایڈریس لکھا ہوا ہے۔ یہ ڈیزائن حضرت قبلہ نے خود تجویز فرما کر دین محمدی پریس لاہور والوں سے کراؤن بانڈ پیپر پر مختلف رنگوں میں چھپوایا۔ نمونہ حسب ذیل ہے:۔



صاحبِ قلم

تصنیفات :-

تصنیفات اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں ہیں، نثری بھی اور منظوم بھی۔ بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ۔ تصنیفات کے ضمن میں سب سے پہلی مستقل تحریر اپنے آباؤ اجداد کا شجرۂ نسب ہے جس کا کچھ حصہ اردو میں ہے اور کچھ فارسی میں۔ یہ ۲۹ دسمبر ۱۹۳۵ء کو مکمل ہوا اور دین محمدی پریس لاہور سے شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔ زاں بعد شجرہ شریف سلسلہ عالیہ سہروردیہ منظوم تحریر فرمایا مزید برآں اسماء الحسنٰی کو اشعار میں ترتیب دے کر اسے ختم خواجگان عالیہ سہروردیہ کا جزو قرار دیا دعائے مغنی مع منظوم اردو ترجمہ شجرہ طریقت منظوم پہلی بار کوآپریٹو سٹیم پریس لاہور سے ۱۳۵۱ ہجری مطابق ۱۹۳۳ء میں کتابی شکل میں طبع ہوا، زاں بعد ان دونوں کو اپنی تصنیف ''تعارف سہروردیہ'' میں شامل کر دیا جو ۱۹۵۲ء میں پہلی بار شائع ہوا۔

جملہ تصانیف مشتمل بہ کتب و رسائل وغیرہ حسب ذیل ہیں۔

نثری تصانیف بزبان اردو

(الف) رسالے

(۱) دعوت الحنفیہ :- یہ رسالہ شیعہ عقائد کی اصلاح کے لئے بالوضاحت تحریر کیا گیا ہے۔

(۲) رسالہ علم غیب :- یہ رسالہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق ایک فیصلہ کن تحریر ہے۔

(۳) پردہ نسواں :- اس رسالے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حامیوں کے لئے مسکت جواب ہے۔

(۴) زکوٰۃ کا اسلامی نظام :- قرآن اور حدیث کی روشنی میں زکوٰۃ کی اہمیت، نصاب زکوٰۃ اور مصارف زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۵) شعبان المبارک :- یہ رسالہ شعبان معظم کی فضیلت وغیرہ کے متعلق نہایت مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

(۶) رمضان المبارک :- اس رسالے میں روزے کی فضیلت، احترام رمضان، لیلتہ

القدر اور عید الفطر وغیرہ کے متعلق بیان ہے۔

(۷) اسلامی عورت:- اس رسالے میں اسلامی عورت کے حقوق اس کی عزت و مرتبت شادی بیاہ وغیرہ کی رسومات کے متعلق روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۸) لباس التقویٰ:- یہ رسالہ داڑھی کی شرعی حیثیت پر مبنی ہے۔

(۹) کتاب الصوم:- اس میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ماہ رمضان کی فرضیت، فضائل، سحری و افطاری، تراویح اور اعتکاف پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ رسالہ مولانا مہر الدین صاحب نے تحریر فرمایا اور حضرت قبلہ کی نظر ثانی کے بعد مفت تقسیم ہوا۔

(۱۰) میلاد الرسول:- یہ رسالہ مسئلہ میلاد شریف، مبشرات اور زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اجمالی انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔

(۱۱) صوت ہادی:- اس رسالے میں نہایت عمدہ انداز میں ''دعوت الی الحق'' دی گئی ہے۔

(۱۲) مسئلہ میراث:- مولانا عبید اللہ سندھی نے سوشلسٹ نظریات سے متاثر ہو کر ایک کتاب لکھی تھی جس کا نفس مضمون یہ تھا کہ عام ضرورت سے زیادہ جائیداد مزروعہ زمین اور دولت عوام میں تقسیم کر دی جائے۔ اس کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا لیکن اب ناپید ہے۔

(مندرجہ بالا رسائل بجز ''دعوت الحنفیہ''، ''علم الغیب''، ''پردہ نسواں'' اور ''مسئلہ میراث'' باقی سب ماہانہ بنیادوں پر شائع ہوئے اور سال ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء کے دوران منظر عام پر آئے اور مفت تقسیم ہوئے)

(ب) کتابچے (اردو میں):-

(۱) تعارف سہروردیہ:- اس میں حضرت قبلہ بابا جی میاں غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی کی مختصر سوانح حیات شجرہ عالیہ سلسلہ سہروردیہ دعائے مناجات بمعہ اسماء الحسنیٰ اور دعائے مغنی معہ منظوم ترجمہ و طریقہ خواندن ہے۔ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوئی۔

(۲) تذکرۂ سہروردیہ:- اس میں صوفیائے کرام کے دینی کارناموں پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے چند نعتیں اور نظمیں بھی ہیں۔ ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

(۳) انوار سہروردیہ:- اس میں عرفان کی راہ میں قدم رکھنے کی دعوت دی گئی ہے اور

روحانی انسان معرفت نفس تصوف کی وجہ تسمیہ فیوض ربانی کے حصول اور رب العزت کو پانے کے وسائل پر مختصراً بحث کی گئی ہے۔ ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

(۴) دختر ملت :۔ مستورات کیلئے دعوت فکر و عمل کے سلسلہ میں ایک نادر تصنیف ہے جس میں ان کے حقوق اور فرائض پر سیر حاصل تبصرہ فرمایا ہے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔

(ج) کتابچہ پنجابی زبان میں :۔

(۱) حلیۃ النبی منظوم :۔ یہ چھوٹی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے عمدہ اور مقبول پیرائے میں لکھی گئی۔ نایاب ہے۔

(د) کتابیں اردو زبان میں :۔

(۱) سیاح لامکان :۔ یہ نادر کتاب مسئلہ معراج جسمانی پر نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ تبصرہ ہے۔ سائنس اور معجزات میں فرق، معجزہ کی حقیقت، لفظ عید اور اسریٰ پر لغوی بحث، خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی تاریخ، سیر جنت اور دیگر پہلوؤں پر نہایت دلکش انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ تین مرتبہ چھپ چکی ہے۔ پہلی مرتبہ ۱۹۴۴ء میں، دوسری مرتبہ ۱۹۵۷ء میں اور تیسری مرتبہ ۱۹۸۳ء میں۔

(۲) موعظۃ المتقین :۔ یہ کتاب پہلی بار ۱۳۵۷ ہجری مطابق ۱۹۳۷ء میں شائع ہو کر مفت تقسیم کی گئی چند اختلافی مسائل پر نہایت مدلل تحریر اور برہان قاطع ہے۔ اس کے متعلق بعض جید علماء کی رائے ہے کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے علماء پر بڑا احسان کیا ہے اور ان کے لئے گویا ایک ''ریفرنس بک'' ہے دوسری مرتبہ غالباً ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی۔ ازاں بعد اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۳) صحیفہ غوثیہ :۔ یہ کتاب پیران پیر دستگیر حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کی شرح ہے۔ پہلے ہر عربی شعر کا اردو میں ترجمہ لکھا ہے پھر ہر شعر کے ترجمے کو اردو قطعہ کی صورت میں منظوم تحریر فرمایا ہے۔ اس کے بعد ہر شعر کی تشریح نہایت فصیحانہ، عالمانہ اور ادیبانہ رنگ میں کی ہے۔ اس کا مطالعہ سالکان طریقت کے لئے مشعل راہ ہے۔ کئی حضرات کو اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت غوث پاکؒ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ۱۹۴۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۵) الفقر فخری:- یہ کتاب تصوف کے موضوع پر کتاب وسنت کی روشنی میں علم تصوف کا بہترین سرمایہ ہے۔ ایسی باخدا بنانے والی کتاب کئی سو سالوں کے بعد ضبط تحریر میں آئی ہے۔ اس کے متعلق حضرت قبلہؒ نے فرمایا کہ اس کتاب کا خلوص سے مطالعہ معرفت الٰہی کے ہر متلاشی کے قلب و دماغ میں ایک ایسا نورانی و روحانی انقلاب پیدا کرے گا جو طالبوں کی اجتماعی اور انفرادی، شاہانہ وفقیرانہ، عالمانہ وصوفیانہ زندگی میں اسلامی اخلاق، شرافت، خداشناسی، حق پرستی، سنجیدگی، عملی پاکیزگی اور ضبط ونظم کو تخلیق کرتا ہے۔ ۱۹۵۶ء کے وسط میں شائع ہوئی اور دوسری دفعہ ۱۹۷۷ء میں۔

(۶) جمال رسول:- اس کتاب میں حضور علیہ السلام کی سوانح حیات کے مختلف پہلوؤں پر انتہائی عاشقانہ رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے یہ کتاب اہل محبت کے لئے ایک بے نظیر تحفہ ہے، سرمایہ حیات ہے تاکہ ان کی محبت میں تاکید، ایمان میں مضبوطی اور اعمال میں زیادتی ہو۔ اس کتاب کے متعلق جید علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ سیرت پر اس طرح کی جامع اور بلند پایہ کتاب اڑھائی سو سال کے بعد منظر عام پر آئی ہے۔ یہ کتاب ۱۹۵۶ء میں پہلی بار شائع ہوئی اور دوسرا ایڈیشن ۱۹۵۷ء میں طبع ہوا۔

(۷) جمال الٰہی:- ذات وصفات باری تعالیٰ کی وضاحت وعرفان کے ضمن میں ایک نادر تصنیف ہے۔ انتہائی نازک، دقیق اور پیچیدہ مسائل اس طرح بیان فرمائے گئے ہیں جو اس بلند مرتبہ ''مرد خود آگاہ وخدا آگاہ'' کا ہی حصہ ہیں۔ مذہب اور روح کے ابتدائی تصورات، عبد ومعبود کے تعلقات، تصور الٰہی کا تدریجی ارتقاء، توحید، موحد اور مسئلہ وحدت الوجود، اسماء الحسنیٰ، ذات وصفات باری تعالیٰ، ہستی باری تعالیٰ پر استدلال، دیدار الٰہی، کرسی کی حقیقت، مسئلہ کشف ساق، استویٰ علی العرش، خیر وشر، جبر وقدر، حشر ونشر اور علامات وتفصیلات قیامت کا بیان اور مسائل کی وضاحت کچھ اس انداز میں کی گئی ہے جو ماسوائے عارف باللہ کسی دوسرے کے لئے ممکن نہیں۔ ۱۹۵۸ء کے شروع میں شائع ہوئی۔

پنجابی زبان میں:-

گنج شہیداں:- واقعات شہادت کے متعلق ایک جامع کتاب ہے جس میں

احادیث و مستند روایات سے حضور علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کے حالات، حضرت فاطمۃ الزہراؓ، خلفائے راشدینؓ، حضرت حسنین علیہم السلام و بہتر ۷۲ شہدائے کربلاؓ کے حالات و واقعات شہادت نہایت دلکش و دل سوز پنجابی زبان میں لکھے گئے۔ یہ کتاب تین سو صفحات پر مشتمل ہے اس کا پتہ ''دعائے مغنی و شجرہ طریقت''، مطبوعہ ۱۹۳۱ء کو آپریٹو سٹیم پریس لاہور کے آخری صفحہ بطور اشتہار سے پتہ چلتا ہے یہ کتاب تادم تحریر نایاب ہے۔

غیر مطبوعہ تصانیف:-

(۱) قمیصِ یوسفی:- ہیر وارث شاہ کے وزن پر پنجابی زبان میں حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت بی بی زلیخا کا یہ منظوم قصہ نہایت عمدہ پیرائے اور درد انگیز لہجے میں تحریر فرمایا گیا ہے۔ اس کا مسودہ صاحبزادہ عالی مقام سید فیض احمد سہروردی کی تحویل میں ہے۔

(۲) نُورِ مستور:- یہ کتاب اولیاء اللہ مستورات کے حالات پر مبنی ہے۔ بڑی محنت کاوش اور بے حد تحقیق کے بعد مستند حوالوں سے تحریر کی گئی۔ مستورات کے دلوں میں عرفان الٰہی کا ذوق و شوق پیدا کرنے کے لئے ایک گراں قدر اور بہترین تحفہ ہے۔ اس کا مسودہ بھی صاحبزادہ سید فیض احمد سہروردی کی تحویل میں ہے۔

(۳) کتاب الصلوٰۃ:- نماز کے متعلق مسائل پر مبنی رسالہ۔

(۴) قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے جو قسمیں کھائی ہیں ان کی دلکش وضاحت اور تفسیر پر مبنی رسالہ ہے۔

(۵) حروف مقطعات کی تاویلات پر مبنی رسالہ۔

یہ تینوں رسالے بعض معتقدین و احباب کی فرمائش پر مختلف اوقات میں تحریر فرما کر انہیں دیئے گئے مگر ان کو طبع کرانا تو درکنار ان اصحاب نے وہ مسودے بھی اپنی لاپرواہی سے ضائع کر دیئے۔ لہٰذا نایاب ہیں۔

(۶) صلوٰۃ الجمعہ:- اس رسالے کے متعلق ۱۳ ستمبر ۱۹۵۵ء کی ایک مجلس میں فرمایا کہ تقریباً بیس سال ہو گئے ہیں کہ نماز جمعہ کے متعلق یہ رسالہ لکھا پڑا ہے لیکن جس کی فرمائش پر تحریر کیا گیا اس کی طرف سے آج تک کوئی صدائے بازگشت نہیں۔

(اس کا مسودہ نہ معلوم اب محفوظ بھی ہے یا نہیں)

ایک غیر مطبوعہ نظم :-

(۳) ذیل کی نظم بعنوان ''حکم قربانی کا عاشقانہ عمل'' راقم الحروف کو ۱۲۷ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو عطا فرمائی اور فرمایا کہ یہ نظم آج سے تقریباً پانچ چھ سال پیشتر لکھی تھی مگر کاغذوں میں کہیں پڑی رہی آج اتفاق سے ملی ہے:

حکم قربانی کو قربانی سے آگاہی نہ تھی
جذبہء ایثار کو اپنی شناسائی نہ تھی

امتحاں گاہ محبت میں ہوا اک انقلاب
پیت کی ہر ایک چنگاری بنی صد اضطراب

ناگہاں حکم الٰہی ابتلا کا آگیا
خوف سے ہر ذرہ ارض عرب تھرا گیا

یوں ہوا ارشاد باری خواب میں ''اے ابراہیم!''
انقطاع ماسوا میں کر کوئی ذبح عظیم

ابن آذر ہوگئے آمادۂ ذبح پسر
عمل قربانی پہ یعنی باندھ لی اپنی کمر

ہو کے قربانی پہ آمادہ یہ بیٹے سے کہا
خواب کی تعبیر کو کیا تو نے سمجھا ہے بھلا؟

ہاجرہ کا لال بولا با ادب یوں باپ سے
حکم خالق کو کیا میں سمجھوں گا بہتر آپ سے؟

آپ ارشاد خدا پر مستعد ہو جایئے
خواب کی تعبیر میں مجھ کو ذبح فرمایئے

آپ جب حکم الٰہی کو عمل میں لائیں گے
انشاءاللہ اس ذبیح کو صابروں میں پائیں گے

باپ کو تسکیں ہوئی بیٹے کی جرأت دیکھ کر
اور خدا کی ذات سے اس کی محبت دیکھ کر

راہیء مذبح ہوئے سرشاریاں ہونے لگیں
امتحان نفس کی تیاریاں ہونے لگیں

ہاتھ میں کارد سنبھالی اور چڑھائی آستیں
پھر لٹایا باخدا بیٹے کو بر فرش زمین

عشق کے انوار سے ہونے لگے دل تابناک
ہوگیا خطہ منیٰ کا اس ادا سے سینہ چاک

پڑ گیا قدوسیوں میں غلغلہ و اکتیاب
حائلان عرش نے بھی لے لیا منہ پر نقاب

باپ نے رکھ کر چھری حلق پسر پر یوں کہا
کر قبول اس کو الٰہی، نام تیرا ہے بڑا

گوش بر آواز تھے قوارۂ خوں کے لئے
بند تھیں آنکھیں رضائے رب بے چوں کیلئے

ناگہاں دھارا چلا دل پر مسرت چھا گئی
خوں چکاں اک لاش، بند آنکھوں کے آگے آگئی

آنکھ کھولی، دیکھا اسماعیل کو تو زندہ تھا
اس کی پیشانی میں نورِ معرفت تابندہ تھا

جس کا فدیہ جنتوں سے لائے جبرئیل امیں
تا کہ شکر رب ادا کرتے رہیں اہل زمیں

ختم قربانی ہوئی تعجیل دھیمی پڑ گئی
جہاں میں جس سے شانِ ابراہیمی بڑھ گئی

وحی کا درجہ دیا دونوں نے مل کر خواب کو
دعوت تسلیم پہنچی جس میں شیخ و شاب کو

کر دیا ظاہر جہاں میں زندگی ابدی کا راز
تھا شہادت اور قربانی کے خوں پر جس کو ناز

باپ کو اس جذبہ ایثار سے خلت ملی
اور بیٹے کو وراثت باپ کی ملت ملی

برکاتِ مطالعہ

مختار علی سہروردی نے عرض کی میں آج کل حضور کی تصنیف ''صحیفہ غوثیہ'' پڑھ رہا ہوں دوران مطالعہ کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔

فرمایا: نقش بندی سلسلہ کے ایک صاحب محمد دین ''صحیفہ غوثیہ'' پڑھتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ پڑھتے پڑھتے سو گئے کتاب سینے پر پڑی تھی۔ اس حالت میں وہ دیکھتے ہیں کہ ایک جنگل ہے جس میں میں جا رہا ہوں۔ ایک سڑک ہے آگے جاتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ سڑک پر ایک بڑا دروازہ بنا ہوا ہے جس طرح کسی بڑے آدمی کی آمد پر سڑک پر بنایا جاتا ہے۔ دروازے کے پرلی طرف بڑا کھلا میدان ہے میں اسی دروازے سے گزر کر میدان میں داخل ہوتا ہوں۔ دیکھا کہ وہاں حضرت غوث الاعظمؓ کھڑے ہیں۔ حضورؓ نے مجھے پوچھا کیسا آئے ہو؟ میں نے عرض کی حضرت کے ایک شعر کا ترجمہ پوچھنا ہے۔ فرمانے لگے: وہ شعر پڑھو۔ میں نے وہ شعر پڑھا۔ آپ فرمانے لگے اس کا ترجمہ قلعہ گوجر سنگھ جا کر ''علی احمد'' سے پوچھو۔ میں حیران ہوا اور عرض کی حضور خود ہی بیان فرما دیں۔ فرمانے لگے: وہی تمہیں اس کا مطلب سمجھائے گا۔ میں نے عرض کی قلعہ گوجر سنگھ میں ''علی احمد'' تو کوئی نہیں؟ ذرا وضاحت فرما دیجئے تا کہ ان کے پاس پہنچ جاؤں۔ چنانچہ حضور نے میرا دوسرا پیدائشی نام ''قلندر علی'' لیا۔

حضور غوث الاعظمؓ نے اس شخص کو فرمایا کہ تمہاری سمجھ میں علی احمد نہیں آیا تو وہ قلندر علی ہیں۔ انہیں کہنا کہ اس شعر کی وضاحت کر دیں۔ رات کو یہ بات ہوئی۔ صبح ہوئی وہ شخص میرے پاس آیا اور یہ واقعہ سنایا۔ خیر جو بات میرے ذہن میں آئی وہ میں نے اسے سمجھا دی۔

ایک دفعہ ہمارا ماشکی (بہشتی) عبدالغنی بیٹھا ہوا تھا۔ اسے میں نے ایک بات سمجھائی، وہ سن کر چلا گیا۔ اسی دھن میں وہ گھر جا کر قصیدے کے شعر پڑھتا رہا اور اس کی تشریح سے جو میں نے اسے سمجھائی تھی لطف اندوز ہوتا رہا۔ دوسرے دن میرے پاس آیا کہنے لگا میں کل اپنے گھر کھڑکی کے پاس چارپائی پر بیٹھا قصیدہ پڑھ رہا تھا کہ اچانک ایسی روشنی نمودار ہوئی جو اس سورج کی روشنی پر جو اس وقت کھڑکی کے ذریعے اندر کمرے میں آ رہی تھی غالب آ گئی۔ اس روشنی نے مجھ پر اس قسم کا اثر ڈالا کہ میں دیکھ بھی رہا ہوں مگر حواس سے باہر ہو گیا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ دائیں طرف دروازے کے پاس کمرے میں جہاں میری چارپائی بچھی تھی ایک بزرگ کھڑے ہیں، بڑی خوبصورت شکل سادہ عربی لباس اور واسکٹ پہنی ہے۔ مجھے شرم محسوس ہوئی کہ میں بیٹھا ہوا ہوں اور یہ کوئی بزرگ ہیں جو کھڑے ہیں۔ اسی غنودگی کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا۔ فرمانے لگے بیٹھا رہ۔ ہم اس لئے آئے تھے کہ تم نے قلندر علی سے بات سن کر طبیعت میں ایک جذبہ لے کر وہ کتاب پڑھنا شروع کر دی، میں نے سوچا چلو ذرا اسے تسلی دے دوں۔ عبدالغنی نے مجھے بتایا کہ حضور کو دیکھ کر اور ان کے یہ الفاظ سن کر میں نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ کتاب میرے گھٹنوں پر پڑی تھی میں نے حضور کے جانے کی طرف توجہ نہ کی کہ کس وقت آپ تشریف لے گئے۔

راہنمائی:-

سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: سرکار کی بڑی کرم نوازی ہے کہ قصیدہ شریف جس جس نے پڑھا ہے اس نے کوئی نہ کوئی کیفیت بیان کی ہے میں جب اسے لکھ رہا تھا تو لکھتے وقت مجھے کچھ پتہ نہیں ہوتا تھا۔ ایک نیم غنودگی کی سی کیفیت ہوتی اور قلم چل رہا ہوتا۔ اسی طرح ایک موقع پر جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو ایک مقام پر حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کا قصیدے کے ایک شعر کی تشریح میں حوالہ دیا۔ یہ حوالہ ''کشف المحجوب'' کے اردو ایڈیشن کے متعلق تھا۔ نیم غنودگی کا عالم تھا، قبلہ رخ بیٹھا تھا، دیکھتا ہوں کہ ایک بڑے خوبصورت نورانی چہرہ بزرگ کھڑے ہیں۔ مجھے پوچھا کیا لکھا ہے؟ میں نے پڑھ کر سنایا۔ فرمانے لگے یوں نہیں لکھنا چاہئے۔ اگر کسی کتاب کی عبارت نقل کرنی ہو تو اس کتاب کا حوالہ یوں دینا چاہئے کہ فلاں صاحب اپنی کتاب میں فلاں صفحہ اور فلاں سطر میں یوں فرماتے

ہیں۔ میں نے عرض کی بہتر حضور! اب ایسے لکھ دیتا ہوں۔ چنانچہ مسودے پر سے وہ الفاظ ربڑ سے میں نے مٹا دیئے اور حسب ارشاد وضاحت سے لکھے۔ فرمانے لگے اب ٹھیک ہے میں نے عرض کی قبلہ حضور کا اسم مبارک؟ فرمانے لگے میرا نام عبدالقادر ہے۔ مجھے ہی غوث الاعظم کہتے ہیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ اللہ کا شکر ہے کہ یہ کتاب صحیح رہنمائی میں لکھی جا رہی ہے جس کے قصیدے کی تشریح کی جا رہی ہے اسے بھی دھیان ہے کہ میں غوث الاعظم ہوں لکھنے والا یونہی نہ پکڑا جائے۔ الحمدللہ کہ میری غلطیوں پر دھیان رکھا اور صحیح نگرانی کی وجہ سے غلط سلط لکھنے کا سوال پیدا نہ ہوا۔ سلسلہء کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

بندگان خدا کی ارواح مبارکہ اور ان کی برکتیں کام کرتی ہیں اور راہنمائی بھی فرماتی ہیں جبھی تو ان کے فیوض باطنی ابھی تک قائم ہیں۔ اگر یہ طاقتیں عوام پر اثر انداز نہ ہوں تو عوام نے درویشی کیا لینی ہے اور کیا حاصل کرنا ہے۔

مختار صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بڑا اچھا ہے کوشش کیا کرو۔ مطالعہ بھی کیا' اپنے اسباق کی پابندی پورے ذوق وشوق سے کی اور اس سے توفیق بھی مانگی۔ اللہ رحمت کرے' جوں جوں آدمی اس راہ میں چلتا ہے وہ کیفیتیں ظاہر ہوتی ہیں اور وہ مطمئن ہو کر چلتا جاتا ہے۔ جس مسافر کو چلتے چلتے اپنی منزل کے نشانات ملتے جائیں تو وہ مطمئن رہتا ہے۔ اگر دو تین راستے ہو جائیں تو وہ متردد ہو جاتا ہے اور پوچھتا ہے کہ صحیح راستہ کون سا ہے؟ اگر نشان ملتا جائے اور اسی طرح اس کی راہنمائی ہوتی جائے تو وہ حضور علیہ السلام کے صدقے گمراہ نہیں ہوتا۔ اس کی نوازش سے یہ کام چلتا ہے ان بزرگوں کی تاویلیں' وضاحتیں' ان کی طاقتیں اور ان کے فیوض باطنی عوام الناس کی رہنمائی کرتے رہے ہیں' جبھی تو اسلام آج تک قائم ہے' ورنہ جن دشواریوں سے اسلام گزرا ہے اگر ان بزرگ و برتر ہستیوں کی پاک جوانیوں کے صدقے اس کی محافظت نہ ہو' اور ان کی راہنمائیاں موجود نہ ہوں' تو اسلام مٹ گیا ہوتا۔ اسلام کی باقی ماندگی کا سبب انہیں کی پاک جوانیاں' نفوس اور انہیں کے ارواح کی صداقت ہے۔

☆☆☆☆☆☆

چوں رختِ خویش بربستم

چوں رخت خویش بربستم ازیں خاک
ہمہ گفتند با ما آشنا بود
ولیکن کس نداند ایں مسافر
چہ گفت و با کہ گفت و وَز کجا بود؟

(اقبالؒ)

سالِ وداع:-

حیات ظاہری کے آخری سال یعنی ۱۹۵۸ء میں موجودہ رہائش گاہ تبدیل کرنے کا خیال شدت اختیار کر گیا۔ کئی مرتبہ اس امر کا اظہار فرمایا کہ طبیعت کھلی فضا کی متمنی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہ رہائش گاہ چھوڑ دیں۔ اب یہاں گھٹن اور تنگی کا احساس ہو رہا ہے۔ چنانچہ حاجی یوسف علی سہروردی کو بھی کسی کشادہ بنگلے کا سودا کرنے کے لئے فرمایا۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے گڑھی شاہو میں ایک زیر فروخت کوٹھی پسند کی اور قلعہ گوجر سنگھ آ کر حضرت قبلہؒ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے ہی اس کوٹھی کا تمام حدود اربعہ بیان فرما دیا جس پر حاجی صاحب نے عرض کی حضور آپ کو یہاں بیٹھے بٹھائے ہی جب علم ہے تو پھر موقع ملاحظہ فرمانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور مسکرائے اور فرمایا: انشاء اللہ چلیں گے۔

اسی سال دوبارہ حج کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس بات کا بھی ایک آدھ مرتبہ اظہار فرمایا کہ اب یہاں دل نہیں لگتا۔ جی چاہتا ہے کہ یہاں سے ہجرت کر کے مدینہ شریف میں مستقل رہائش اختیار کر لی جائے چنانچہ حج فارم منگوائے اور پر کر کے متعلقہ دفتر بھجوا دیئے۔

سالانہ جلسہ کے دعوت ناموں میں بعض دوستوں کو لکھوایا کہ آپ کی جلسہ میں حاضری

ضروری ہے۔ ہم دوبارہ آپ کو آنے کی تکلیف نہیں دیں گے اس سال ضرور آئیں۔ شاید ہم جلسہ کے بعد ارض مقدسہ میں ہی مستقل رہائش کا انتظام کرلیں اور وہاں چلے جائیں۔

ہجرت کا خیال:۔

ایک مجلس میں راقم الحروف سے دریافت فرمایا کہ اخبارات کی رو سے روز مرہ کے حالات کیا ہیں؟

میں نے عرض کی کہ بین الاقوامی حالات مخدوش ہیں اور پاکستان میں بھی بے اطمینانی اور شور ہی شور ہے۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے پاکستان میں تو ہر یوم "یوم الابتر" والی بات ہے۔ کسی وقت خیال آتا ہے کہ یہاں سے مدینہ طیبہ ہجرت کر جائیں۔

حاضرین میں سے صوفی عبدالکریم سہروردی نے عرض کی قبلہ! کیا وہاں کے ہر باشندے کو اطمینان قلب حاصل ہے؟

فرمایا: اطمینان قلب اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی قلوب اطمینان پکڑتے ہیں۔ جو لوگ دنیاوی نکتہ نگاہ سے سکون یا اطمینان قلب چاہتے ہیں ان کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ:

ہفت اقلیم ار پذیرد پادشاہ
ہم چناں باشد اَزُو بندِ دگر

یعنی اگر بادشاہ اپنی مرضی کے مطابق سات ولائتیں بھی فتح کرلے تو بھی اس کو تمنا ہوتی ہے کہ اگر کوئی اور ولایت ہو تو وہ بھی فتح کرلوں۔ گویا فتح حاصل کرنے کے بعد بھی اسے اطمینان نہیں ہوتا بلکہ اس کی ایک خواہش ہے جو بغیر اطمینان قلب کے کہیں بھی نہیں ٹھہرتی۔ اگر وہ ٹھہرے گی تو اس مقام پر ٹھہرے گی جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر اسے اطمینان بخشے۔

اسی طرح مدینہ منورہ میں بھی بعض وہ لوگ ہیں جنہیں اطمینان قلب حاصل نہیں۔ بعض وہ ہیں جنہیں اتنا اطمینان قلب حاصل ہے کہ وہ دو کھجوروں پر بھی گزارا کرنا چاہیں تو کرتے ہیں لیکن وہاں سے نکلنا پسند نہیں کرتے۔ ایک وہ ہیں جو رزق کے لئے سکون قلب نہیں رکھتے اور اس طرف آجاتے ہیں۔ کوئی کابل چلا جاتا ہے اور کوئی ایران۔ ان کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ہم مالدار ہو جائیں گویا وہاں بھی تاجر ہیں اور یہاں بھی تاجر۔ بعض وہ ہیں اللہ تعالیٰ

رحم کرے اور معاف فرمائے کہ وہاں رہتے ہوئے حج کے موقع پر بیمار ہو جاتے ہیں۔ حج کا موقع آتا ہے تو باہر جانا پڑتا ہے۔ ایک وہ ہیں جن کے پلے کچھ نہیں مگر وہاں رہنا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

جن دنوں میں حج پر گیا تو راستے میں جہاز پر ایک شخص کو دیکھا جو ضعیف العمر تھا۔ سفید رنگ، سفید داڑھی اور نورانی چہرہ، نسواری چادر اوڑھے، ایک معمولی سی دری اور میلے سے تکیے پر سر رکھے، جہاز کے ایک سرے پر لیٹا ہوا تھا۔ تین کپڑے اور بھی پاس پڑے تھے۔ واللہ اعلم اور بھی کوئی سامان ہوگا، بہر حال مجھے وہ اللہ کا بندہ بہت پسند آیا۔ میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ کہنے لگا بریلی کا رہنے والا ہوں، رضا علی نام ہے، اس مقصد کے لئے جا رہا ہوں، جس مقصد کے لئے آپ جا رہے ہیں۔ میں نے اسے پوچھا کہ کیا پہلی دفعہ جا رہے ہو؟ کہنے لگا چوبیسویں مرتبہ جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بیوی بچے بھی ہیں۔ میں جب حج کے بعد واپس جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتا ہے۔ کبھی دو کبھی چار آدمی آجاتے ہیں کہ دم کر دو، دعا کر دو، اس طرح حج کے پیسے بن جاتے ہیں۔ ساڑھے تین مہینے مدینہ شریف میں رہتا ہوں، چھ مہینے اپنے گھر بریلی میں اور ڈیڑھ ماہ سفر میں لگ جاتا ہے۔ اسی طرح ہر سال شغل ہے۔

حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: تو ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے سوچا ہے کہ سرکار دو عالمؐ کے حضور پہنچنا ہے، دربار میں حاضری دینی ہے اور سال کے سال زیارت کرنی ہے۔ گویا حج کیا اس رنگ میں تجارت کر لی، جو ملا حاصل کیا تو یہ بڑی خوش قسمتی ہے کہ سرکار دو عالمؐ کا ساتھ نصیب ہو۔

جدہ کو ہی لیجیے بڑی تجارت گاہ۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور دنیا کی سب سے بڑی منڈی، ہر ملک کا سکہ وہاں چلتا ہے۔ حج کرنے کے بعد جب فارغ ہوتے ہیں تو وہ لوگ جو ہجرت کے ارادے سے یا سال رہنے کے ارادے سے گئے ہوں وہ وہیں رہ پڑتے ہیں۔ عام لوگوں کا تو یہ ہوتا ہے کہ حج کر لیا تو پھر انہیں واپسی کی عجلت ہوتی ہے۔ گویا جاتے ہوئے ادھر کی خوشی اور آتے ہوئے ادھر کی خوشی۔ اگر سب حاجی وہیں رہنے لگ جائیں اور ان کا دل لگ جائے تو ساری دنیا کے مسلمان وہاں چلے جائیں مگر یہ بھی ایک راز الٰہی ہے جنہیں اجازت ہوتی ہے صرف وہی ادھر رہ سکتے ہیں۔

آخری ایام:-

۱۰ اگست ۱۹۵۸ء اتوار کی پہلی نشست کا ذکر ہے کہ میری طبیعت میں اگرچہ بظاہر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے مگر اس کے باوجود دل کھویا کھویا اور اداس سا تھا حالانکہ محفل میں پہنچتے ہی ہر قسم کی اداسی یا پریشانی دور ہو جاتی تھی دل پُرسرور اور پُرسکون ہو جاتا۔ اسی دوران حضور کے چند مہمان آ گئے اور آپ ان سے محو گفتگو ہو گئے۔ اس دن ظفر سہروردی بھی جہلم سے آئے ہوئے تھے اور میرے ساتھ بنچ پر بیٹھے تھے۔ ہم دونوں اٹھ کر باہر گلی میں آ گئے۔ میں نے ظفر صاحب کو کہا آج دل اداس سا ہے اور کچھ عجیب سی کیفیت طاری ہے۔ مجلس میں بار بار میرے ذہن میں یہ آیت کریمہ الیوم اکملت لکم دینکم بار بار گردش کرتی رہی ہے، کہیں ہمارا قلبی لگاؤ اس امر کی نشاندہی تو نہیں کر رہا کہ حضرت صاحب قبلہ کا مشن اب پورا ہو گیا ہے اور اب وہ زیادہ دیر ظاہری طور پر ہمارے درمیان نہیں رہیں گے۔ ظفر صاحب نے میری بات کی تصدیق کی اور کہا یہ آیت تو میرے ذہن میں نہیں آئی البتہ دلی تاثرات کچھ اسی قسم کے ہیں کہ اب آپ ظاہری طور جلد ہی ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔ دونوں کی طبیعتیں پہلے ہی رقت انگیز تھیں اس تبادلہ خیال پر بے اختیار ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، باوجود کوشش ضبط کے ہم گلی میں کھڑے دو تین منٹ تک روتے رہے، آخر آنسو پونچھتے ہوئے اور اپنا خیال بدلنے کے لئے بازار میں آ گئے۔ پان کھایا، سگریٹ سلگائے اور طبیعت کو قابو میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔

طبیعت جب قدرے سنبھلی تو پھر مجلس میں حاضر خدمت ہو گئے۔

۲۴ اگست ۱۹۵۸ء بروز اتوار دوپہر کی نشست کے اختتام پر جب سب دوست رخصت ہو گئے تو حضور چارپائی پر لیٹ گئے، آنکھیں بند کر لیں، میں اکیلا اس وقت سامنے بنچ پر بیٹھا تھا۔ غیر ارادی طور پر ذہن میں یہ خیال آ گیا جیسے میں یہاں پر نہیں ہوں بلکہ حضرت قبلہ کے مزار اقدس پر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے گھبرا کر اس خیال کو جھٹک دیا۔ اس کے بعد پھر یہی خیال آ گیا۔ بار بار اسے ذہن سے جھٹکنے کے باوجود اپنی کوشش میں ناکام رہتا اور یہی خیال پھر جاگزین ہو جاتا۔ اسی کشمکش میں جب تقریباً دس پندرہ منٹ گزر گئے تو حضرت قبلہؒ نے آنکھیں کھولیں۔ میری طرف خاموش نگاہوں سے دیکھا اور اشارے سے رخصت کی

اجازت فرمادی۔

وصال سے چند دن پیشتر مختار علی سہروردی نے ڈرتے ڈرتے حضرت قبلہؒ کو اپنا خواب بیان کیا کہ حضور میں نے آپ کو اس دنیا سے انتقال فرماتے دیکھا ہے اور اسی خواب کی حالت میں چودھری یوسف سہروردی صاحب کو میں کہتا ہوں کہ یار اب ہمارا کیا ہوگا؟ ہم دونوں خواب میں بہت روتے ہیں۔ اسی گھبراہٹ میں آنکھ کھل گئی۔

خواب سن کر حضور نے فرمایا: گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ درازی عمر کی دلیل ہے اور ساتھ ہی کنایتاً ایک مثال بیان فرمائی کہ لیمپ کی بتی اگر چمنی کے بغیر ہو تو روشنی کم ہوتی ہے اگر اس پر چمنی کا خول چڑھا دیں تو روشنی تیز ہو جاتی ہے۔

سپردگیِ امانتِ سلسلہ سہروردیہ:۔

۳۱ اگست ۱۹۵۸ء بروز اتوار دوپہر کی جب مجلس برخواست ہوئی تو مجھے فرمایا تم ذرا ٹھہر جاؤ ایک ضروری بات کرنی ہے۔ جب سارے دوست رخصت ہو گئے تو فرمایا: دروازے بند کر دو اور چارپائی بچھا دو۔ حضور چارپائی پر بیٹھ گئے اور میں سامنے بنچ پر۔

فرمایا: خاور صاحب! توجہ سے بات سننا۔ منزل سلوک کی ابتداء میں مجھے ایک باطنی الجھن آپڑی۔ طبیعت بڑی پریشان ہوئی چنانچہ میں حضرت قبلہ بابا جیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی کیفیت عرض کی۔ آپ نے ایک سبق تلقین فرمایا اور حکم دیا کہ اسے دریا میں دن رات مسلسل چلہ کر کے پورا کر لو بس یہی کسر رہ گئی ہے۔

اس مقام پر آپ نے ''سلسلہ سہروردیہ'' کا خصوصی سبق (جو آپ کو حضرت غوث العالمین بہاء الحق ذکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ نے تلقین فرمایا تھا) کا واقعہ مندرجہ صفحہ نمبر (۵۵) بیان کرنے کے بعد فرمایا: کہ میں نے حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ سے عرض کی کہ مجھے جس طرح حکم ہو اسی طرح کرنے کو تیار ہوں، یہ سبق کی تبدیلی بھی تو آپ کی ہی نظر کرم سے ہے ورنہ مجھ میں کون سی خوبی ہے؟ بابا جیؒ مسکرائے۔ فرمانے لگے نہیں بیٹا وہ کہتے تو ٹھیک ہی ہیں تم وہی کرو جو وہ تمہیں کہہ گئے ہیں، جاؤ اب شہری آبادیوں میں ہی جا کر رہو، فقیری میں شہنشاہی اور شہنشاہی میں فقیری کرو۔

حضرت قبلہؒ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد راقم الحروف کو فرمایا: وہ سبق امانت سلسلہ

سہروردیہ میں آج تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ اس کی پوری طرح حفاظت کرنا۔ میں نے تم سے بڑے کام لینے ہیں۔ راقم الحروف کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے مجھے رخصت کی اجازت عطا فرمادی۔

یوم وصال

آخری ملاقات:-

۹ ستمبر ۱۹۵۸ء بروز منگل بمطابق ۲۴ صفر ۱۳۷۸ ہجری (۲۴ بھادوں ۲۰۱۵ بکرمی) میری طبیعت کھوئی کھوئی سی تھی اور دل بے قرار سا۔ دفتر جانے کو جی نہ چاہتا تھا چنانچہ رخصت لے لی۔ عید میلاد النبی اور سالانہ جلسہ ۱۱، ۱۲ ربیع الاول میں چند دن رہ گئے تھے جس کے لئے مختلف رنگ میں تیاریاں ہو رہی تھیں۔ دو تین دن پیشتر حضور نے مجھے فرمایا تھا کہ جلسے پر کتابچہ شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ مختلف دوستوں کی طرف سے موصول شدہ نعتوں اور نظموں کے علاوہ شروع میں ایک مختصر سا مقالہ بھی ہونا چاہئے جس میں دختران ملت کو تہذیب حاضر کی خیرہ کن روشنی سے متاثر ہونے کی بجائے حقیقت کے نور کی طرف متوجہ ہونے کا احساس دلایا جائے۔ مضمون کا مکمل خاکہ (Out Lines) مجھے سمجھایا تھا اور فرمایا تھا کہ اسے مکمل کر کے مجھے دکھا دینا تاکہ بعد اصلاح اس کو زیر طبع کتابچے میں شامل کر دیا جائے۔ وہ مضمون میں نے مکمل کر لیا تھا اور عنوان کے نیچے حضور کا اسم گرامی لکھ دیا تھا۔ طبیعت چونکہ اداس و بے چین تھی اور رخصت بھی لے لی تھی لہٰذا صبح آٹھ بجے کے قریب حاضر خدمت ہو گیا۔ حضور کی طبیعت ناساز تھی، ململ کا کرتہ اور سفید پاپلین کا تہبند زیب تن تھے۔ چوبی تخت پوش کی بجائے بیٹھک کے بیرونی دروازے کے قریب چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ بستر نہیں تھا صرف تکیہ تھا اور آرام فرما رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد اس مقالے کے متعلق مجھے پوچھا۔ میں نے مسودہ پیش کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ فرمایا خود پڑھ کر سناؤ۔ مقالہ سننے کے بعد فرمایا۔ ''جزاک اللہ!'' اس کے بعد مسودہ مجھ سے لیا اور عنوان کے نیچے جہاں میں نے یہ الفاظ ''از ابوالفیض سید قلندر علی صاحب سہروردی مدظلہ العالی'' لکھے ہوئے تھے ان کی بجائے ''از جناب خاور صاحب سہروردی'' تحریر فرما دیا۔ اور مقالہ[1] مجھے واپس کر دیا۔ صبح کی یہ نشست تقریباً ڈیڑھ

---

[1] یہ مقالہ جو ابھی تک غیر مطبوعہ تھا بطور ضمیمہ صفحہ نمبر ۵۳۱ تا ۵۳۵ شامل کر دیا گیا ہے۔

بجے دوپہر برخواست ہوگئی۔ حضور سے یہ میری آخری ملاقات تھی اس لئے کہ عصر کی نشست میں بدقسمتی سے حاضر نہ ہوسکا چونکہ میرے بھانجے کو اس کے ایک ہمسایہ نے زخمی کر دیا تھا جس کی وجہ سے اس سلسلہ میں تگ و دو میرے لئے ناگزیر ہوگئی۔ اس نشست سے غیر حاضری کا قلق مجھے آج تک ہے۔

آخری نشست:۔

عصر کی مجلس اور سانحہ ارتحال کا ذکر چودھری محمد یوسف سہروردی نے اپنی کتاب ''اجتماع ضدین'' کے صفحہ نمبر ۲۸۶ تا ۲۸۷ پر ان الفاظ میں کیا ہے:

''منگل کی شام تھی، حسب معمول دفتر سے قلعہ گوجر سنگھ در اقدس پر حاضری دی۔ ستمبر کا مہینہ تھا ابھی گرمی پوری طرح دور نہ ہوئی تھی۔ فرمانے لگے کہ کرسیاں ذرا گلی میں کرلیں تاکہ باہر کی ہوا آئے۔ چنانچہ حسب ارشاد چار پانچ کرسیاں باہر گلی کی دیوار کے ساتھ دونوں طرف لگا دیں۔ آپ رونق افروز ہوئے، میں نے کچھ دفتر کے شکوے شکایات شروع کر دیئے اور افسران بالا کی دین سے بے توجہی کا بھی ذکر کیا۔ آپ نے آہستہ آہستہ اپنے انداز میں ہمیں ایک ایک افسر کا بتایا۔ فرمایا کہ پاکستان بننے سے ان کو پیٹ بھر کر روٹی مل گئی ہے اور یاد خدا بھلائے بیٹھے ہیں۔ مجھے آپ کے آخری الفاظ جو رخصت ہونے سے پہلے آپ نے فرمائے نقش کالحجر ہوگئے۔ آپ نے فرمایا ''یوسف صاحب! راستہ یہی سیدھا ہے یہ اور بات ہے کہ کسی کو کم یا کسی کو زیادہ مل جائے اس سے نہ پھرنا''۔

سالانہ عرس میں چند دن رہتے تھے اسی آخری محفل میں عرس کے متعلق بھی تھوڑی سی گفتگو فرمائی۔ مغرب کی نماز سے پیشتر اجازت طلب کر کے گھر آ گیا۔ ابھی نماز عشاء سے فارغ ہی ہوا تھا کہ باہر سے ہمارے ایک دوست نے آواز دی۔ باہر گیا اس نے آپ کے وصال کی غیر متوقع خبر دی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون.

راقم الحروف کے تاثرات:۔

میں اپنے گھر سویا ہوا تھا۔ رات بارہ ساڑھے بارہ بجے کے قریب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا اور بستر سے چھلانگ لگا کر ننگے پاؤں باہر کی طرف بھاگا۔ غیر ارادی طور پر اس وقت زبان سے یہ الفاظ نکلے ''یا اللہ حضرت صاحب قبلہ کی خیر''۔ میری

بیوی بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور میرے پیچھے بھاگی۔ باہر گلی میں محمد اسماعیل سہروردی اور اکرام سہروردی کھڑے تھے۔ دل دھڑکا' انہوں نے حضرت قبلہ کے وصال کی خبر سنائی۔

گویا: جس سے ڈرتے تھے وہی بات ہوئی

ہم تینوں قلعہ گوجر سنگھ پہنچے وہاں کافی دوست جمع ہو چکے تھے۔ میری بیوی نے بعد ازاں مجھے بتایا کہ آپ کے چلے جانے کے بعد میں پھوٹ پھوٹ کر روئی کہ حضرت صاحب قبلہؒ وصال فرما گئے ہیں' اب ہم ان کی زیارت سے محروم ہو گئے ہیں' اپنا دکھ درد کسے سنائیں گے؟ اسی اثناء کیا دیکھتی ہوں کہ حضرت قبلہؒ میرے پلنگ کے سرہانے کھڑے ہیں اور میری طرف دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔ میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت صاحب قبلہؒ کے وصال کی خبر غلط تو نہیں؟ آپ تو یہاں ہمارے گھر تشریف فرما ہیں۔ میں از روئے ادب فوراً اٹھ کھڑی ہوئی جھک کر سلام عرض کیا۔ سر اٹھایا تو قبلہؒ موجود نہیں تھے۔

آخری لمحات:-

محترمہ اماں جیؒ نے راقم الحروف کی بیوی کو آخری لمحات کے متعلق بتایا کہ کھانا کھانے کے بعد میں اور سجاد (سب سے چھوٹے صاحبزادے) آپ کے پاس برآمدے میں بیٹھے تھے۔ آپ نے مجھے پوچھا کہ کچھ برفی ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں۔ فرمایا قلاقند؟ میں نے کہا وہ بھی نہیں۔ سجاد کو میں نے کہا کہ جاؤ بازار سے قلاقند لے آؤ۔ اس نے قلاقند لا کر پیش کی۔ آپ نے اس میں ایک ٹکڑا نکالا اسے توڑا کچھ سجاد کو دیا اور کچھ کھا لیا۔ باقی مجھے دے دیا کہ تم کھا لو۔ میں نے کہا نہیں رہنے دیں ٹھہر کے کھا لیں۔ آپ زیر لب مسکرا دیئے۔ دستی رومال کے ایک کونے میں اسے باندھ کر تکیے کے نیچے رکھ دیا اور لیٹ گئے۔ چند لمحوں کے بعد بآواز بلند کلمہ شہادت "اشهدان لا اله الا الله محمد الرسول الله" پڑھا۔ میں نے گھبرا کر پوچھا کیوں خیریت تو ہے؟ فرمانے لگے کچھ نہیں مجھے نہ بلائیں۔ میں نے یہی سمجھا کہ حسب معمول اوراد و وظائف کے لئے تخلیہ چاہتے ہیں چنانچہ میں برآمدے سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ دل میں ایک بے چینی اور گھبراہٹ سی تھی اس لئے تھوڑی دیر کے بعد پھر ان کے پاس برآمدے میں چلی آئی۔ دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کئے پڑے ہیں۔ میں نے آواز دی "فیض کے ابا!" خیریت تو ہے؟ لیکن کوئی

جواب نہ ملا۔ گھبرا کر میں نے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھا' پھر ان کے بازو کو پکڑ کر ہلایا۔ زندگی کے آثار نہ پا کر میں نے بچوں کے نام پکار پکار کر آوازیں دینا شروع کیں۔ سب بھاگے ہوئے آ گئے۔ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ چہرے پر ایک دائمی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

نشان مرد حق دیگر چہ گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یا ایتھا النفس المطمئنہ ترجعی الیٰ ربکِ راضیۃ مسرضیہ فادخلی فی عبادی و دخلی جنتی (۸۹:۳۰)

اعلان وصال:۔

وصال کی خبر شہر بھر کے مختلف حصوں میں احباب کی زبانی' اعلانات بذریعہ لاؤڈ سپیکرز اور ٹیلی فون وغیرہ بجلی کی طرح پھیل گئی۔ اخبارات میں بھی خبر دے دی گئی جو صبح ۱۰ ستمبر آخری چہار شنبہ ۲۵ صفر المظفر کے اخباروں میں شائع ہوگئی۔ ہزارہا کی تعداد میں مختلف اطراف و جوانب سے مریدان باصفا اور عقیدت مند جمع ہونے شروع ہو گئے۔

غسل مبارک:۔

غسل مبارک مولانا محمد شفیع سہروردی ساکن گڑھی شاہو نے دیا۔ غسل کے لئے پانی مرزا جلال الدین سہروردی فراہم کرتے رہے اور چادر کا سایہ صاحبزادہ تاج میاں نے کیا۔

مدفن:۔

تدفین کا مسئلہ خاصی دیر تک زیر غور رہا۔ مختلف جگہوں کی تجاویز پیش ہوئیں۔ بعض حضرات قبرستان میانی صاحب کے حق میں تھے۔ سید شریف حسین سہروردی مالک روزنامہ ''مغربی پاکستان'' نے اپنے آبائی قبرستان احاطہ ملحقہ مزار مبارک حضرت طاہر بندگی رحمتہ اللہ علیہ میں دفن کی پیشکش کی۔ محترمہ اماں جیؒ کا خیال تھا کہ حضرت بیبیاں پاک دامنؒ کے احاطہ میں دفن کیا جائے کیونکہ قلعہ گوجر سنگھ سے نزدیک ہونے کی وجہ سے اہل خانہ کو آسانی رہے گی چنانچہ وہاں قبر کی کھدائی شروع کرادی گئی۔ قبر کو لحد تک پہنچایا بلکہ کچھ اینٹیں بھی درست کر دی گئیں۔ ملک اکبر سلطان سہروردی اور صوفی محمد نذیر سہروردی احاطہ مزار مبارک

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے حق میں تھے۔ غرضیکہ مریدین اور متعلقین نے اپنی اپنی رائے اور خلوص کا اظہار کیا۔ خلیفہ مجاز چودھری محمد شفیع سہروردی گلی میں خاموش تماشائی بنے دیوار سے ٹیک لگائے کھڑے تھے اور رائے زنی سے گریز فرما رہے تھے۔ راقم الحروف ان کے ساتھ کھڑا تھا۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کے خیال میں کون سی تجویز بہتر رہے گی؟ چودھری صاحب نے اداس نگاہوں سے میری طرف دیکھا اور فرمایا میاں تم چپ رہو سائیوں نے اپنی مرضی سے لیٹنا ہے ہمیں تو حکم کا منتظر رہنا چاہئے۔ میں نے پھر عرض کی کہ آپ صاحب نظر ہیں پوچھ لیجئے تاکہ مسئلہ حل ہو جائے۔ چودھری صاحب نے میری بات کا جواب نہ دیا اور خاموش رہے۔

اسی اثناء صوفی عبدالکریم سہروردی المعروف ''برماوالا پیر'' نے فرمایا کہ میں ابھی ابھی بیبیاں پاک دامن والی مجوزہ جگہ دیکھ کر آیا ہوں وہاں مزار تعمیر نہیں ہوسکتا۔ شہر سے باہر کھلی فضا میں بہتر ہوگا۔ کھلی فضا میں بالکل علیحدہ اور وسیع قطعہ اراضی کا انتظام خلیفہ مجاز حاجی میاں معراج الدین سہروردی ساکن سمسانی کی وساطت سے کیا جائے کہ وہ اپنے علاقہ کے بااثر اور متمول زمیندار ہیں۔ اسی ضمن میں حاجی صاحب موصوف نے فرمایا کہ ۱۹۵۰ء میں میں نے اپنے گاؤں سمسانی کھوئی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سلسلے میں جلسہ کا اہتمام کیا تھا جس میں کئی اکابر علماء مدعو تھے۔ صدارت حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمائی تھی۔ حضرت قبلہؒ حضرت باباجی حیات گڑھی اور دیگر دوستوں کے ہمراہ تانگے سے موضع ہنجر وال ملتان روڈ پر اترے۔ میں بھی ان کے ہمراہ تھا۔ پختہ سڑک سے براستہ مزار مبارک ہنجر پیر قادریؒ پیدل رستہ تھا چنانچہ ہم سب ان کی ہمراہی میں گاؤں جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ جس وقت مزار پر ہنجر قادری رحمتہ اللہ علیہ کے بالمقابل مشرقی جانب تقریباً تیس چالیس گز کے فاصلے پر پہنچے تو حضرت قبلہ باباجی غلام محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو فرمایا کہ اہل مزار (باباہنجر پیرؒ) کی خواہش ہے کہ بعد وصال آپ کا قیام یہاں ان کے پاس ہونا چاہئے۔ اپنے متعلق باباجی قبلہؒ نے فرمایا کہ میں نے تو اپنے لئے اپنے گاؤں حیات گڑھ میں اپنی ملکیتی زمین میں ٹالیوں کے نیچے ہی اپنا مقام منتخب کرلیا ہے لہٰذا آپ بھی اپنے قیام کے متعلق سوچ لیں۔ حضرت صاحب قبلہؒ خاموش رہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حاجی صاحب نے فرمایا کہ حقیقتاً حضرت قبلہؒ کی تدفین اسی

مقام پر ہونی چاہئے جس کے متعلق حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت قبلہ گو اشارتاً و کنایتاً آگاہ فرما کر معاملہ ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔ مزار مبارک کے لئے وسیع قطعہ زمین کا انتظام میں کردوں گا۔ چنانچہ باتفاق رائے اسی وقت قبر شریف کی کھدائی کے لئے دو تین دوستوں کو ہنجر وال بھیج دیا گیا۔ یہ مقام ضلع کچہری لاہور سے ملتان روڈ پر ساتویں میل پر واقع ہے۔

جنازہ:-

دوپہر تک ایک جم غفیر اکٹھا ہو چکا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ شہر کا شہر ہی امڈ آیا ہے۔ ہر ایک کے لئے فرداً فرداً جنازے کو کندھا دینا چونکہ مشکل تھا اس لئے چارپائی کے ساتھ بڑے بڑے لمبے بانس باندھ دیئے گئے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دینے کی سعادت حاصل کرسکیں۔ راقم الحروف نے چارپائی کے نیچے نیچے چلنے کی سعادت پائی۔ کلمہ شہادت کا بآواز بلند ورد کرتے ہوئے لوگ رواں دواں شامل ہوتے۔ حضور کی اقامت گاہ سے جنازہ پولیس لائنز قلعہ گوجر سنگھ کی وسیع پریڈ گراؤنڈ میں لایا گیا۔ نماز جنازہ عصر سے پہلے ادا ہوئی۔ امامت مفتی اعظم ابوالحسنات سید احمد صاحب قادری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی۔ ایک عجیب کیفیت طاری تھی اور انتہائی رقت کا سماں تھا۔ بعد نماز جنازہ ہزاروں مشتاقان دید نے رخ انور کی زیارت کی۔ رخسار سرخ، چہرہ روشن اور لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ بابا جی رحمتہ اللہ علیہ کی نماز جنازہ مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۵۱ء بمقام حیات گڑھ پڑھانے کے بعد اپنی مختصر سی تقریر میں فرمایا تھا کہ کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ جنازہ پڑھنے والوں کی دعاؤں سے بخشی جاتی ہے اور کوئی میت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے طفیل تمام جنازہ پڑھنے والے بخشے جاتے ہیں۔

تدفین:-

جسد مبارک بذریعہ ٹرک ہنجر وال لایا گیا۔ قبر کے ساتھ ساتھ پختہ چار دیواری چنی گئی۔ چوبی صندوق بھی تیار کرایا گیا تھا جس کے اندر نیچے اور چاروں طرف خاصی روئی لگائی گئی۔ مغرب کی نماز کے بعد جسم اطہر کو چوبی صندوق میں رکھا گیا۔ پھر رسوں کی مدد سے صندوق نیچے لحد میں اتارا گیا چھت کو پختہ کر دیا گیا اور لحد مبارک پر عشاء کی نماز کے بعد مٹی

ڈال دی گئی۔

مجاوری:-

اسی رات میاں رحیم بخش سہروردی نے مجاوری کا منصب سنبھالا۔ انہوں نے تازیست ۲۱ سال تک یہ فریضہ انجام دیا۔ ۱۳ دسمبر ۱۹۷۹ء کو وفات پائی اور مزار اقدس کے احاطے کے باہر مشرقی جانب سیڑھیوں کے قریب دفن ہوئے۔

پہلا ختم شریف:-

اگلے دن جمعرات کو صبح آٹھ بجے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے دوسرے ملکیتی مکان میں زیر صدارت خلیفہ مجاز چودھری محمد اقبال حمید سہروردیؒ ختم قرآن مجید اور ختم شریف خواجگان سہروردیہ کے بعد ایصال ثواب ہوا۔ میاں جان محمد سہروردی اور لسان حسان سید ریاض الدین سہروردی نے نعتیہ کلام پڑھا۔ اثر اور سوز و گداز کا یہ عالم تھا کہ بعض آنکھیں پرنم تھیں، بعض سرور کیفیات و واردات میں مگن اور کہیں کہیں دبی دبی سسکیوں کی آواز بھی۔

میاں جان محمد سہروردی نے جب حضرت خواجہ غلام فریدؒ کی مندرجہ ذیل کافی اور بیدم وارثیؒ کی نعت پڑھی تو ضبط کے دامن چھوٹ گئے اور محفل میں اکثر سامعین دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

کافی

اچیاں لمیاں لال کھجوراں پتر جناں دے سادے
جس دم نال تانگ اساں دی اج دم نظری نہ آوے
ایہہ گلیاں سنج اجاڑ ڈسن میں کو ویہڑا کھاون آوے
یار فرید اوتھے کیہہ وسنا جتھے یار نظری نہ آوے

نعت

نہ کرو جدا خدا را مجھے اپنے آستاں سے
نہیں پھر کوئی ٹھکانا جو اٹھا دیا یہاں سے

تو ہزار بار ٹھکرا، میرا سر یہیں جھکے گا
میرے دل کو ہے محبت تیرے سنگ آستاں سے

یہی میری بندگی ہے، یہی میری سجدہ ریزی
کہ ذرا لپٹ کے رو لوں تیرے سنگ آستاں سے

نہ ہو پاس پردہ ان کے، نہ یہ پردہ داریاں ہوں
میری دکھ بھری کہانی جو سنے میری زبان سے

مجھے خاک میں ملا کر میری خاک بھی اڑا دے
تیرے نام پر مٹا ہوں مجھے کیا غرض نشاں سے

اسی خاک آستاں میں اک دن فنا بھی ہوگا
کہ بنا ہوا ہے بیدم اسی خاک آستاں سے

☆

سجادہ نشینی:-

اسی مجلس میں خلیفہ مجاز حضرت قبلہ محمد اقبال حمید سہروردی صاحب نے اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہوئے اسے اشارتاً اور کنایتاً سجادہ نشینی کی دستار مبارک سب سے بڑے صاحب زادے سید فیض احمد صاحب کو عطا ہونے کی آگاہی کا اظہار فرمایا۔ چنانچہ چودھری صاحب قبلہ نے اپنے ہاتھوں سے صاحبزادہ عالی مقام کے سر پر دستار مبارک باندھی۔

مزار شریف:-

۱۱، ۱۲ ربیع الاول کی محفل میلاد النبی اور سالانہ جلسے کی تقریبات اب مزار مبارک پر منعقد ہوئیں۔ اسی میں حضور کے مزار پر انور کی تعمیر اور ملحقہ مسجد کی تجویز پیش ہوئی۔ بوجوہ یہ سلسلہ ۱۹۵۸ء سے وسط ۱۹۶۱ء تک معرض التوا میں رہا۔ آخر ۴ جون ۱۹۶۱ء بروز اتوار بعد از ختم قرآن شریف وختم خواجگان سلسلہ عالیہ سہروردیہ مزار اقدس کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ چھ فٹ چوڑی بنیادوں پر ہشت پہلو تعمیر اٹھائی گئی اور اسی طرح باہر والا برآمدہ بھی۔ گنبدِ خضرا کی پیمائش ونمونے پر مزار پر انوار کا گنبد بنایا گیا۔ چھ ماہ کے عرصہ میں تعمیر کا ڈھانچہ تیار ہوا۔ مزار شریف نہایت کشادہ، دیدہ زیب اور اعلیٰ جدید فنی مہارت وتعمیر کا نمونہ ہے۔ گنبد کے

اوپر سنہری کلس عجیب شان سے نمایاں نظر آتا ہے اور اطراف و جوانب میں دور دور سے وابستگان اہل فقراء کو دعوت نظارہ دے رہا ہے۔

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجو!
در سینہ ہائے مردماں عارف مزارِ ماست

اہل وعیال

محترمہ اماں جیؒ:-

مجسمہءِ شرافت وشفقت!

چشمِ فلک نے آج تک دیکھی نہیں جن کی جھلک

حضرت قبلہ سید نعمت علیؒ صاحب کی دختر نیک اختر تھیں۔ ۱۹۲۳ء میں حضرت قبلہ کے نکاح شریف میں آنے کا شرف حاصل ہوا۔ صوم وصلوٰۃ کی انتہائی پابند، منکسر المزاج، شفیق اور نہایت ہی حلیم الطبع، حد درجہ مہمان نواز، گفتگو میں مٹھاس، لہجہ دھیما، سادہ لباس، وضع داری کا آئینہ دار، تادم زیست صرف اشد ضرورت کے تحت اپنے خویش واقارب کے سوا گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہیں رکھا۔ رفیقہءِ حیات ہونے کا صحیح معنوں میں حق ادا فرمایا۔

وصال جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب ساڑھے سات بجے ۱۵ رمضان المبارک مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۶۴ء کو ہوا۔ نماز جنازہ پولیس گراؤنڈ قلعہ گوجر سنگھ لاہور میں اگلے دن یعنی ۳۱ جنوری کو برادر طریقت صوفی فضل الرحمن سہروردی نے پڑھائی۔ بعد نماز عصر حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پرانوار کے بالکل قریب مغرب کی جانب دفن ہوئیں۔ قبر شریف کے گرداگرد چھوٹا سا کمرہ بھی تعمیر کر دیا گیا اور اب نہایت دیدہ زیب مزار تعمیر ہو چکا ہے۔

خدا رحمت کند ایں مادرِ ما پاک طینت را

اولاد:-

پانچ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں ہیں اور تمام شادی شدہ۔ صاحبزادوں کے اسم ہائے گرامی یہ ہیں:

(۱) صاحبزادہ ابو الشاہد سید فیض احمد سہروردی، سجادہ نشین آستانہ عالیہ قلعہ گوجر سنگھ

لاہور۔ آپ چیف اکاؤنٹینٹ واپڈا ہاؤس لاہور میں ملازم تھے۔ تادم زیست فریضہ تبلیغ اور خدمت دین کرتے رہے۔ ۶ اگست ۱۹۸۲ء بروز جمعہ مطابق ۱۶ شوال ۱۴۰۲ھ صبح ۸ بجے وصال فرمایا اور حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے احاطہ میں دفن ہوئے اب پختہ اور نہایت دیدہ زیب مزار شریف بھی تعمیر ہو چکا ہے۔

(۲) صاحبزادہ سید فیاض احمد سہروردی الیکٹریکل انجینئر تھے۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۷۸ء کو وصال ہوا اور حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے مزار مبارک کے احاطہ میں مدفون ہوئے۔

(۳) صاحبزادہ سید امتیاز احمد تاج سہروردی۔ آپ حضرت قبلہؒ اور حضرت بابا جی حیات گڑھیؒ سے فیض یاب ہوئے۔ خلیفہ مجاز میاں معراج الدین سہروردیؒ سے بیعت ہوئے اور انہی سے ۱۹۶۴ء میں خلافت بھی حاصل کی۔ سلسلہ عالیہ کی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۹۸ء کو وصال ہوا اور احاطہ مزار مبارک حضرت قبلہؒ مدفون ہوئے۔

(۴) صاحبزادہ سید اعجاز احمد سہروردی المعروف علی اعجاز فلمی لائن سے منسلک ہیں۔

(۵) صاحبزادہ سید سجاد احمد المعروف سجاد گیلانی سہروردی پاکستان ٹیلی ویژن کارپوریشن کے شعبہ عکاسی سے وابستہ ہیں۔ آپ صوفی فضل الرحمن خان سہروردی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ رہائش چک لالہ راولپنڈی میں ہے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی خاصی خدمت کر رہے ہیں۔

صاحبانِ تلقین وارشاد

خلفائے مجاز:۔

پاکستان بننے سے پیشتر ہی چند منتہی مریدان باصفا کو جنہیں حضور ارادت ومجاہدہ نفس میں کامل سمجھتے تھے خلافت کی ذمہ داریاں سونپنے کا خیال تھا اور باطنی طور پر حضور علیہ السلام کے دربار سے اجازت کے منتظر تھے۔ حسن اتفاق سے انہیں دنوں سرہند شریف جانے کا پروگرام بن گیا۔ حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ صاحب مزار کی طرف سے بھی چند مریدان باصفا کو دستار خلافت عطا فرمانے کی اجازت ہوگئی مگر اس اجازت کے بعد بھی کافی عرصہ تک حضور اس عظیم ذمہ داری کو ان اصحاب کو سونپنے پر توقف فرماتے رہے، کیونکہ بعد عطائے خلافت صاحب اجازت پر ذمہ داریوں کا بوجھ بہت بڑھ جاتا ہے۔

حضوران کی ترقی ءِ باطنی کے لئے مزید محنت وتوجہ باطنی فرماتے رہے۔ آخر اوائل ۱۹۵۰ء میں جب دربار رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست ان اصحاب کو عطائے خلافت کی نہ صرف تصدیق بلکہ تاکید ہوئی تو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے سالانہ جلسہ اور عرس کے انعقاد سے کچھ عرصہ پیشتر احباب سے اس امر کا اظہار فرمایا کہ چند دوستوں (مریدوں) کی خلافتوں کی امانتیں میرے پاس کافی دیر سے محفوظ ہیں۔ چاہتا ہوں کہ وہ ان حق داروں کو اب پہنچا دی جائیں۔ چودھری محمد یوسف سہروردی جنرل سیکرٹری مرکزی مجلس سہروردیہ نے اس تقریب کا اہتمام اپنے غریب خانہ پر کرنے کے متعلق گزارش کی جسے شرف قبولیت بخشا گیا۔ چنانچہ عرس اور سالانہ جلسہ عید میلاد النبی کے دوسرے دن یعنی ۴ جنوری ۱۹۵۰ء بمطابق ۱۴ ربیع الاول ۱۳۶۹ ہجری چودھری صاحب کے مکان واقع دھرم پورہ لاہور میں یہ تقریب سعید منعقد ہوئی اور بعد ختم قرآن شریف وختم خواجگان سہروردیہ مندرجہ ذیل سات اصحاب حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے مبارک ہاتھوں دستار خلافت سے شرف یاب ہوئے۔

(۱) الحاج چودھری محمد اقبال حمید سہروردیؒ بی اے (ریٹائرڈ سیکشن آفیسر حکومت پاکستان) ۴ مئی ۱۹۰۱ء کو گورداسپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۳ء کو حضرت قبلہؒ سے بیعت ہوئے۔ ۱۲۔ ۱۱ جولائی ۱۹۸۵ء کی درمیانی شب کراچی میں وصال فرمایا اور کراچی PCH سوسائٹی کے قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ نے سلسلہ سہروردیہ کی ترویج میں نمایاں کردار ادا فرمایا۔ آپ کا حلقہ ارادت بہت وسیع ہے۔

(۲) الحاج مرزا غلام محی الدین سہروردیؒ سکنہ سید مٹھہ لاہور۔ ۱۹۰۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ۱۹ مارچ ۱۹۵۲ء کو وصال فرمایا۔ احاطہ دربار غوثیہ قبرستان میانی صاحب میں مدفون ہوئے۔ آپ حضرت قبلہؒ کے حاضر باش اور محبوب مریدوں میں سے تھے۔

(۳) الحاج صوفی فیروز الدین سہروردیؒ آپ ۱۸۹۰ء کے لگ بھگ لاہور میں پیدا ہوئے۔ وصال ۱۹ اگست ۱۹۷۴ء کو ہوا اور حضرت قبلہؒ کے مزار مبارک کے احاطہ کے باہر مغربی جانب مدفون ہوئے۔ ترویج سلسلہ میں خاصہ کردار ادا فرمایا۔

(۴) الحاج چودھری محمد شفیع سہروردیؒ ایم ایس سی ریٹائرڈ PWI محکمہ ریلوے بٹالہ کالونی

فیصل آباد ۱۴ مئی ۱۹۰۸ء کو پیدا ہوئے اور جمعرات ۲۷ اگست ۱۹۹۲ء کو وصال فرما گئے اور بٹالہ کالونی کے نزدیک قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ انتہائی منکسر المزاج، مہمان نواز، باذوق، زیرک اور صائب الرائے تھے۔ ہر موضوع پر نپی تلی، بے ساختہ اور عالمانہ و فاضلانہ گفتگو کا پورا ملکہ حاصل تھا۔ جس محفل میں بیٹھتے اپنا رنگ جما لیتے اور شمع محفل قرار پاتے۔ راقم الحروف کے دونوں بیٹوں حسیب خاور سہروردی BSc الیکٹریکل انجینئر اور رمیز خاور سہروردی (آئی کام) کو آپ کی بیعت کا شرف حاصل ہے۔

(۵) الحاج میاں معراج الدین سہروردی سکنہ موضع سمسانی حال ہنجر وال لاہور ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے ۳ فروری ۱۹۸۹ء کو وصال فرمایا اور حضرت قبلہ کے احاطہ سے ملحقہ مدفون ہوئے جہاں ۱۹۹۳ء میں عظیم الشان مزار شریف تعمیر ہو چکا ہے۔ آپ کا حلقہ ارادت خاصہ وسیع ہے۔ ترویج سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں نمایاں کردار ادا فرمایا۔

(۶) میاں سعید احمد قریشی سہروردیؒ آپ قصبہ کوٹ محمد خان تحصیل ترن تارن ضلع امرتسر بھارت میں ۱۸۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء میں حضرت قبلہؒ کی بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ وصال جون ۱۹۵۲ء کو ہوا اور موضع جلال پور نو (ضلع گوجرانوالہ) میں مدفون ہوئے۔ آپ کے فیوض باطنی کا بڑا چرچا ہوا۔ لوگ جوق در جوق حاجت برآری کے لئے حاضر ہوتے۔ گم شدہ بچوں کی بازیابی، مایوس العلاج مریضوں کا علاج باطنی اشارہ کے تحت فرماتے اور لوگ بفضل تعالیٰ فیض یاب ہوتے۔

(۷) مولانا غلام نبی سہروردیؒ گوجرہ منڈی ضلع فیصل آباد۔

مزید برآں:-

ان کے علاوہ مزید عطائے دستار خلافت کی نشاندہی مندرجہ ذیل دو واقعات سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) جناب صوفی فضل الرحمان خان صاحب سہروردی نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ وہ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہمراہ سندھ میں تبلیغی دورے پر تھے وہاں آپ نے صوفی عبدالقدیر سہروردی خزانچی RCA ڈگری (سندھ) کو دستار خلافت عطا

فرمائی۔ ۷ دسمبر ۱۹۷۳ء کو وصال فرمایا۔ مزار لودھراں میں ہے۔

(۲) کراچی کے خواجہ شمس الدین عظیمی اپنی کتاب ''تذکرہ قلندر بابا اولیا'' (مطبوعہ مکتبہ تاج الدین بابا اولیا ناظم آباد کراچی) کے صفحہ نمبر ۳۰ پر جناب سید محمد عظیم برخیا المعروف قلندر بابا اولیاء جو حضرت بابا تاج الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے تھے کی بیعت اور عطائے خلافت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں۔

۱۹۵۶ء میں سلسلہ سہروردیہ کے بزرگ قطب ارشاد حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ کراچی تشریف لائے۔ حضور بابا صاحب (حسن اخری سید محمد عظیم برخیا المعوف قلندر بانا اولیاء) ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت حاصل کرنے کی درخواست پیش کی۔ حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے فرمایا کہ رات کے تین بجے آؤ۔ سخت سردی کا عالم تھا کہ حضور بابا صاحب گرانڈ ہوٹل میکلوڈ روڈ (کراچی) کی سیڑھیوں پر رات کے دو بجے جا کر بیٹھ گئے۔ ٹھیک تین بجے سہروردی بزرگ نے دروازہ کھولا اور اندر بلالیا۔ سامنے بٹھا کر حضور بابا صاحبؒ کی پیشانی مبارک پر تین پھونکیں ماریں۔ پہلی پھونک میں عالم ارواح منکشف ہوگیا۔ دوسری پھونک میں عالم ملکوت و جبروت سامنے آگیا اور تیسری پھونک میں حضور بابا صاحبؒ نے عرش معلیٰ کا مشاہدہ کیا۔ حضرت ابو الفیض قلندر علی سہروردیؒ نے قطب ارشاد (قلندر بابا اولیاء) کی تعلیمات تین ہفتے میں پوری کر کے خلافت عطا فرمادی۔

صوفی حضرات:-

مندرجہ ذیل حضرات کو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ ''صوفی'' کے لفظ سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

(۱) صوفی عبدالکریم سہروردی ۱۵ مین گلبرگ لاہور۔ آپ کو برما میں تبلیغ دین اور خدمت سلسلہ سہروردیہ کے لئے تفویض فرمایا گیا جہاں آپ تقریباً پانچ سال مقیم رہے آپ کو ''برما والا پیر'' بھی کہتے ہیں۔ آپ کو خرقہ ءِ خلافت حاجی میاں معراج الدین سہروردی نے ۱۹۸۴ء میں عطا فرمایا۔

(۲) صوفی حبیب احمد سہروردی (وصال پاگئے ہیں)

(۳) صوفی روشن دین سہروردی۔ موضع لال سگھو تحصیل میلسی ضلع وہاڑی (وصال پاگئے ہیں)

(۴) صوفی محمد نذیر غوری سہروردی اعظم مارکیٹ (کراچی بلاک) لاہور آپ کو خلیفہ مجاز حاجی میاں معراج الدین سہروردی نے ۱۹۸۴ء میں خلافت عطا فرمائی۔

(۵) صوفی فضل الرحمان سہروردی (ویلفیئر آفیسر محکمہ ریلوے) ریلوے کالونی مغل پورہ لاہور۔ آپ کو خرقہ ءِ خلافت ۱۹۸۴ء میں حاجی میاں معراج الدین سہروردی نے عطا فرمایا۔

(۶) صوفی قمرالدین سہروردی انارکلی لاہور (وصال فرما گئے ہیں)

(۷) صوفی محمد رمضان سہروردی۔ آر سی اے خانیوال۔ وصال فرما گئے ہیں۔

مریدین:۔

حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ''دوست'' کے لفظ سے یاد فرمایا کرتے۔ مریدین کی تعداد خاصی زیادہ ہے جن میں کئی حضرات وفات پا چکے ہیں۔ چودھری محمد یوسف سہروردی نے اپنی کتاب ''اجتماع ضدین فی شان قلندر'' کے آخری باب میں ایک مختصر سی فہرست جو تین سو پچپن اصحاب پر مشتمل ہے درج کی ہے جس میں بعض عقیدت مندوں کے نام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ بہر حال یہ فہرست نامکمل ہے مستورات مریدین کی بھی تعداد خاصی ہے۔

ایک ضروری گذارش:۔

راقم الحروف کی کتاب ''یادگار سہروردیہ'' جو سات سو چار (۷۰۴) صفحات پر مشتمل ہے۔ ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکی ہے جس میں حضرت قبلہؒ (سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ) کے سلسلہ طریقت کے مشائخ سہروردیہؒ کا بالخصوص اور دیگر مشائخ سہروردیہ اور کبرویہؒ کا بالعموم اجمالی تذکرہ مزید برآں حضرت قبلہ علیہ رحمتہ کی اولاد امجاد اور خلفائے عظام اور چند قابل ذکر مریدان باصفا کا اجمالی تذکرہ بھی کیا گیا ہے جو تادم تحریر دستیاب ہے۔

برمزار ما

ہجوم عاشقاں:۔

عرس مبارک ہر سال دو مرتبہ ہوتا ہے ایک تو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کے یوم وصال

یعنی ماہ صفر کی آخری منگل اور بدھ کو جس کا اہتمام صاحبزادہ ابوالشاہد سید فیض احمد سہروردیؒ سجادہ نشین اور اب ان کے صاحب زادے ابواویس سید شاہد رسول سہروردی صاحب کرتے ہیں جس میں دور دراز سے مریدان باصفا اور محبان اولیاء کرام بڑی کثیر تعداد میں حاضر ہو کر فیض یاب ہوتے ہیں۔

دوسرا عرس مبارک ۱۱، ۱۲ ربیع الاول کو بھی مزار مبارک پر مریدان باصفا زیر صدارت خلیفہ مجاز حاجی معراج الدین سہروردی کرتے تھے اور اب ان کے صاحبزادے حاجی انور سلطان اور حضرت قبلہؒ کے صاحبزادے سید سجاد احمد سہروردی اور پوتے سید کاشف رسول کی صدارت اور سرپرستی میں منعقد فرماتے ہیں۔

۱۱ ربیع الاول کو بعد دوپہر مزار اقدس پر چادر چڑھائی جاتی ہے اور ختم قرآن شریف ہوتا ہے بعد نماز عشا تا ایک بجے شب نعت خوانی علمائے کرام کی تقاریر، درود و سلام اور ختم شریف خواجگان سہروردیہ ہوتا ہے۔ یہ نشست سالانہ جلسہ اور عید میلاد النبیؐ کے دوش بدوش حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت قبلہ باباجی میاں غلام محمد سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے عرس ہائے مبارک کے سلسلہ میں بھی ہوتی ہے۔ ۱۲ ربیع الاول کو نماز تہجد کی ادائیگی کے بعد درود و سلام ہوتا ہے جو بسلسلہ عید میلاد النبیؐ ہوتا ہے۔

۱۲ ربیع الاول کو پہلی نشست میں نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن حکیم اور ختم خواجگان سہروردیہ اور اس کے بعد دوسری نشست ۹ بجے صبح سے ایک بجے بعد دوپہر تک نعت خوانی اور علمائے کرام کی تقاریر ہوتی ہیں۔ یہ نشستیں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں ہوتی ہیں۔

یہ بارگاہِ قلندرؒ پہ عاشقوں کا ہجوم!
ثنا و ذکرِ محمدؐ کی محفلوں کا ہجوم!
ز فیضِ حضرتِ بوالفیضؒ مرشدِ خاور
ہے سہروردی طریقت کے سالکوں کا ہجوم!

☆☆☆

ختم شریف خواجگان سلسلہ سہروردیہؒ

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :- (۷۸۶ مرتبہ)

(۲) درود شریف خضری :- (۵۱۱ مرتبہ)

صلی اللہ تعالی علی حبیبہ محمدٍ و آلہ و اصحابہ وسلم.

(۳) سورہ فاتحہ :- (۱۱۱ مرتبہ)

الحمد للہ رب العالمین. الرحمن الرحیم. مالک یوم الدین. ایاک نعبد و ایاک نستعین. اھدنا الصراط المستقیم. صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین.

(۴) سورہ الم نشرح :- (۱۱۱ مرتبہ)

الم نشرح لک صدرک. ووضعنا عنک وذرک الذی انقض ظھرک. ورفعنا لک ذکرک. فان مع العسر یسرا. ان مع العسر یسرا. فاذا فرغت فانصب. والی ربک فارغب.

(۵) سورہ اخلاص :- (۱۱۱ مرتبہ)

قل ھو اللہ احد. اللہ الصمد. لم یلد ولم یولد. ولم یکن لہ کفوًا احد.

(۶) درود شریف ہزارہ :- (۱۱۱ مرتبہ)

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمدٍ و علٰی آل سیدنا و مولانا محمدٍ وَ اصحاب سیدنا و مولانا محمدٍ بعدد کل ذرۃٍ مائۃ الفَ الفِ مرۃٍ وَبارک وسلم.

(۷) یا قاضی الحاجات (۱۱۱ مرتبہ)

(۸) یا کافی المہمات (۱۱۱ مرتبہ)

(۹) یا شافی الامراض (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۰) یا حل المشکلات (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۱) یا رافع الدرجات (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۲) یا دافع البلیات (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۳) یا سامعَ المناجات (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۴) یا مجیبَ الدعوات (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۵) یا مفتح الابواب (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۶) یا مسببَ الاسباب (۱۱۱ مرتبہ)

(۱۷) یاالرحم الرحمین (۱۱۱ مرتبہ)
(۱۸) واللہ غالب علیٰ امرہ (۱۱۱ مرتبہ)
(۱۹) یاحی یاقیوم برحمتک استغیث (۱۱۱ مرتبہ)
(۲۰) لا الٰہ انت سبحانک اِنی کنتَ من الضالمین (۱۱۱ مرتبہ)
(۲۱) حال ماخستہ دلاں للہ نگر المدد شیخ شباب الدین عمرؒ
(۲۲) مناجات اسماء الحسنٰی (ایک مرتبہ)
(۲۳) شجرہ شریف خاندان سہروردیہؒ (ایک مرتبہ)

سبحان ربکّ رب العزت عماّ یصفون و سلامٌ علی المرسلین والحمد للہ رب العالمین. (ایک مرتبہ)

نوٹ: یہ ختم شریف حلقہ بگوشان سلسلہ عالیہ سہروردیہؒ کو باوضو پورے خشوع وخضوع سے نماز فجر یا عصر حلقہ کی صورت میں بیٹھ کر پڑھنا چاہئے۔ رب العزت جل علیٰ شانہٗ کے فضل وکرم سے جملہ دینی اور دنیاوی حاجات کے لئے ازبس کافی ہے۔

☆☆☆☆☆

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات بواسطہ اسماء الحسنیٰ

مجھ کو یا اللہ اپنا عشق دے
ہے عبادت صرف تیرے واسطے

مستحق تو ہی عبادت کا ہوا
ہے تو ئی معبود ساری خلق کا

بخش یا رحمٰن میں ہوں خوار تر
یا رحیم مہربانی مجھ پہ کر

خلق ہے یا مالک کہتی تجھے
لے بچا دوزخ سے جنت دے مجھے

مجھ کو یا قدوس کر عیبوں سے پاک
تو مجسم نور میں اک مشت خاک

یا سلام دین و ایماں کو مرے
رکھ سلامت اپنے فضل و لطف سے

امن دے یا مومن مجھ کو سدا
یا مہیمن ہو نگہباں تو مرا

یا عزیز میرے دشمن ہو ویں ست
کام یا جبار میرے کر درست

تو ہے یا متکبر سب سے بڑا
مجھ کو مغروروں کی صحبت سے بچا

جز ترے یا خالقِ ارض و سما
کس نے سب خلقت کا اندازہ کیا

کن سے یا باری تو پیدا کرے
یا مصور صورت و فطرت گرے

بخش یا غفار میں عصیاں سر بسر
نفس پر غالب تو یا قہار کر

بے عوض تو رزق یا وہاب دے
رزق یا رزاق دے دو قسم کے

کھول یا فتاح تو روزی کا در
یا علیم علم دے کر باخبر

تنگ کر یا قابض ہر شے پلید
رزق کر یا باسط طیب مزید

پست ہوں یا خافض دشمن میرے
دے مجھے یا رافع رتبے بڑے

یا معز مجھ کو عزت کر عطا
یا مذل مجھ کو ذلت سے بچا

یا سمیع سن مری فریاد کو
یا بصیر دیکھ مجھ ناشاد کو

یا حاکم حکم پر اپنے چلا
ڈر ہے یا عادل ترے انصاف کا

یا لطیف مجھ پہ اپنا لطف کر
یا خبیر جلد لے میری خبر

یا حلیم بردباری کر عطا
یا عظیم ہے توئی سب سے بڑا

یا غفور بخش دے میرے گناہ
یا شکور شکر کر مجھ کو عطا

یا علی رتبہ ہے تیرا بڑا
یا کبیر تو بڑا سب سے بڑا

یا حفیظ آفتوں سے رکھ نگاہ
یا مقیت تن میں دے قوت کو راہ

یا حسیب سہل ہو مجھ پر حساب
یا جلیل تو بڑا عالی جناب

یا کریم تو سخی محتاج سب
یا رقیب تو نگہباں روز و شب

یا مجیب کر دعا میری قبول
دین و دنیا میں نہ کر مجھ کو ملول

علم کر یا واسع مجھ پر فراخ
بعد مردن قبر میری ہووے کاخ

یا حکیم تو ہے دانائے عمل
یا ودود تو محب بے بدل

یا مجید ذات میں ہے تو بڑا
قبر سے یا باعث مومن اٹھا

یا شہید حاضر و آگاہ کل
تو ہی ہے یا حق شاہنشاہ کل

یا وکیل کارساز بیکساں
یا قوی قوت بے مایگاں

یا متین دین پر رکھ استوار
یا ولی کر مدد لیل و نہار

یا حمید حمد ہے تیری سدا
تو ہے یا محصی محیط ماسوا

پہلے بھی یا مبدأ پیدا کیا
یا معید تو ہی ہے مرجع ہو

زندہ یا محیی ہوں جب تک شاد رکھ
جب مروں میں یا ممیت یاد رکھ

تو ہی یا حیُ ہے زندہ تا ابد
تو ہی یا قیوم قائم ہے احد

رکھ غنی مجھ کو سدا یا واجدُ
سب بڑائی تجھ کو ہے یا ماجد

ہے تو ہی یا واحد عالی صفات
یا احد مطلق یگانہ پاک ذات

یا صمد ہے سب کو تیری جستجو
سب ترے محتاج بے پرواہ ہے تو

نفس پر یا قادر قادر رہوں
اس طرح یا مقتدر نادر رہوں

یا مقدم ہووے اگلوں میں گزر
یا موخر پیچھے والوں میں نہ کر

ہے توئی یا اوّل اول قدیم
پھر توئی یا آخر ہوگا مقیم

سب پہ تو یا ظاہر ظاہر ہوا
تیری صفتوں سے ہر اک ماہر ہوا

وہم سے یا باطن تو پاک ہے
عقل کو تیرا کہاں ادراک ہے

تو ئی ہے یا والی ولی ءبندگاں
کار ساز و مالک ہر دو جہاں

تیرا یا متعالی ہے رتبہ کمال
کس طرح یا بر ہو تیری مثال

میری یا تو آب توبہ کر قبول
رحم کر یا منعم میں ہوں ملول

یا عفو کر گناہ سے درگزر
یا رئوف ہو عنایت کی نظر

مالک الملک ہے صحیح یہ تیرا نام
دے مجھے اقلیم میں عالی مقام

ذوالجلال ہے اور والاکرام ہے
دے مجھے جنت کہ تیرا کام ہے

عدل سے یا مقسط ڈرتا ہوں میں
فضل کی امید بس کرتا ہوں میں

جمع کر یا جامع دل کو میرے
یا غنی کر دے بے پرواہ مجھے

مجھ کو یا مغنی تو بے پرواہ بنا
ہو نہ کچھ یا مانع نقصان مرا

جو ضرر "یا ضار" ہے وہ دور رکھ
نفع سے یا نافع مسرور رکھ

کر دے یا نور منور دل مرا
راہ یا ہادی مجھے سیدھی دکھا

یا بدیع تو بڑا ہے لازوال
کر دیا عالم کو پیدا بے مثال

تو ہی ہے یا باقی باقی سدا
ہے تو ہی یا وارث وارث مرا

یا رشید راہ نیکی کی دکھا
ہر برائی سے قلندرؒ کو بچا[2]

یا الٰہی از طفیل مصطفیٰ
معرفت اپنی مجھے تو کر عطا

☆☆☆

---

[1] یہ مناجات حضرت قبلہ علیہ رحمتہ نے ۱۹۲۹ء میں تحریر فرمائی۔

[2] اب یہ مصرع یوں پڑھا جاتا ہے: مرتبے پیر قلندرؒ کے بڑھا۔

شجرہ شریف خاندان عالیہ سہروردیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمدٍ وّ علٰی آل سیدنا و مولانا محمدٍ وّ اصحاب سیدنا و مولانا محمدٍ بعدد کل ذرۃٍ مائۃ الفَ الفِ مرّۃٍ وّ بارک وسلم.

	تاریخ ولادت	تاریخ وصال	مدفن مبارک	حوالہ
یا خدا اس گنجِ وحدت پُرضیا کے واسطے	۱۳۰ اپریل ۵۷۱ء	۱۲ ربیع الاول ۱۱ ہجری (بعمر ۶۳ سال)	مدینہ المنورہ	''مشائخ قادریہ'' (محمد دین کلیم لاہوری)
باعثِ تخلیقِ آدم مصطفٰی کے واسطے				
ہیں مزمل والضحیٰ یٰسین وطٰہٰ جس کے وصف	بروز پیر			
رحمت اللعالمین و مجتبیٰ کے واسطے	مکہ معظمہ			
افتخار انبیاء و محرمِ اسرارِ حق				
ساقیء کوثر شہِ ہر دو سرا کے واسطے				
وجہء نزول اِنّما ممدوحِ مدحِ لافتیٰ		۲۱ رمضان ۴۰ ہجری ۶۶۱ء	نجف اشرف	ایضاً و تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوتی (عوارف المعارف) (ترجمہ علامہ شمس بریلوی
صاحب شان نزول ہل اَتی کے واسطے	۱۳ رجب ۵۹۹ء			
چشمہء صبر و رضا و نقطہء مہر و وفا	مکہ معظمہ			
مرتضٰی زیبائشِ دین ہدیٰ کے واسطے				

سلسلۃ الذہب

سید الشہداء شہید کربلا یعنی حسینؓ	۴ ہجری	جمعہ ۱۰		مشائخ قادریہ
رہنمائے اولیاء و اصفیا کے واسطے	مدینہ منورہ	محرم الحرام		
	۶۲۵ء	۶۱ ہجری		
	۳۳ ہجری	۶۸۰ء		
آفتاب دین نبوی گوہرِ علم و عمل	۶۵۱ء	۱۸ محرم ۹۹		ایضا (بحوالہ علامہ
شاہ زین العابدینؒ آل عبا کے واسطے	۵۷ ہجری	ہجری		عبدالوہاب)
اس محمد باقرؒ والا حسب عالی نسب	مدینہ ۶۷۶ء	۷۱۷ء		ایضا (بحوالہ امام
دافع رنج و بلا صاحب سخا کے واسطے	۸۰ ہجری	۱۱۴ ہجری		بخاری)
جعفر صادقؒ کے صدقے عشق کر اپنا عطا	۶۹۹ء مدینہ	۷۳۲ء		مشائخ قادریہ
چشمہء فیض نبی ماہ لقا کے واسطے		۱۵ رجب		
	۱۲۸ ہجری	۱۴۸ ہجری		
مظہر انوار احمد موسیٰ کاظمؒ کے طفیل	۷۴۵ء	۷۶۵ء		مشائخ قادریہ
سینہ کر روشن مرا اپنی رضاؒ کے واسطے		۲۵ رجب		
		۱۸۸ھ		
کر امام المتقین کے نام سے یارب قبول	۱۵۳ ہجری	۸۰۳ء		مشائخ قادریہ
ہر دعا مری علی موسیٰ رضا کے واسطے	۷۷۰ء	۲۳ ذی		(بحوالہ ابن خلکان)
		القعد		
		۲۰۳ھ		
حب دنیا کا نشان دل سے تو میرے محو کر		۸۲۷ء		
حضرت معروف کرخیؒ با صفا کے واسطے		محرم ۲۰۰		نفحات الانس مولانا
		ہجری		جامی عوارف و معارف
				مقدمہ و ترجمہ علامہ
				شمس بریلوی

سلسلۃ المشائخ

افتخارِ اولیاء و واقف رازِ خفی	ذوالحج	یکم رجب	احوال العارفین (حافظ
حسن بصریؒ عاشقِ ذات اللہ کے واسطے	۲۱ ہجری	۱۱۰ ہجری	غلام فرید جھاوریاں
کر عطا وہ جام جس سے مست میں ہر دم رہوں	۶۲۲ء	۷۳۶ء	سرگودھا) ومقدمہ بر
شاہ حبیب عجمیؒ حبیب مصطفیٰ کے واسطے		ربیع الثانی	عوارف المعارف ترجمہ
		۱۵۶ ہجری	(علامہ شمس بریلوی
عشق احمد اور درد دل عنایت ہو مجھے		ربیع الثانی	نفحات الانس ومقدمہ بر
حضرت داؤد طائیؒ با سخا کے واسطے		۱۶۵ ہجری	ترجمہ ''عوارف المعارف
			از علامہ شمس بریلوی
حب دنیا کا نشان دل سے تو میرے محو کر		محرم	ایضاً
حضرت معروف کرخیؒ با صفا کے واسطے[1]		۲۰۰ ہجری	
معدن سرِ حقیقت تو مرے دل کو بنا		۳ رمضان	احوال العارفین
خواجہ سری سقطیؒ خوش ادا کے واسطے		۲۵۲ھ	
		۸۹۴ء	
اپنے عارف کا مجھ درجہ عطا کر اے کریم		شنبہ ۲۷	تذکرہ بہاء الدین ذکریا
عارف باللہ جنیدؒ با خدا کے واسطے		رجب	ملتانی مصنفہ نور احمد فریدی
خاتمہ کیجو الٰہی تو مرا ایمان پر		۲۹ ہجری	تذکرہ اولیاء فرید الدین
خواجہء ممشاد علویؒ مہ لقا کے واسطے		۹۰۹	عطار کبروی سہروردی
ہو میرا حشر ونشر آلِ نبی کے ساتھ		محرم ۲۹۹ھ	اولیائے سہرورد مصنفہ
شاہ علی رود باریؒ رہنما کے واسطے			محمد دین کلیم (بحوالہ
			طبقات الکبریٰ)

---

[1] حضرت خواجہ معروف کرخیؒ ''سلسلۃ الذہب'' میں امام علی بن موسیٰ رضاؑ سے بیعت تھے اور ''سلسلۃ المشائخ'' میں حضرت داؤد طائیؒ کے مرید وخلیفہ تھے۔

قبر ہو نورِ نبی کے نور سے روشن مری		ذی الحج	مقدمہ بر "عوارف المعارف"
حضرت احمد علیؒ اسود نما کے واسطے		۳۴۰ ہجری	نفحات الانس مولانا جامی
بخش دے سودائے عشقِ سرورِ عالم مجھے		یکم رجب	نفحات الانس مولانا جامی
شیخ زنجانی فرخؒ باصفا کے واسطے		۴۵۷ ہجری	
ناؤ ہے منجدھار میں بادِ مخالف سے بچا		۴۵۰ ہجری	تذکرہ بہاالدین ذکریا سہروردی
گورگانی پیر بوالقاسمؒ ہما کے واسطے		۱۰۵۷ء	مصنفہ نور احمد خان فریدی
حُبِ یارانِ نبی سے ہو مجھے جنت عطا		۴۸۷ ہجری	ایضاً
بوبکر نسابؒ ذوالفضل و علا کے واسطے		۱۰۹۴ء	
خرمنِ ہستی کو برقِ عشق سے کردے فنا		رجب	مقدمہ بہ سلسلہ ترجمہ
دل کو زندہ کر محمد عمویہ[1] کے واسطے		۳۷۳ ہجری	عوارف المعارف
			ازمترجم علامہ شمس بریلوی
دور کر فکرِ غنا اور کر عطا صبر و رضا		۴۶۲ ہجری	ایضاً
شاہ وجیہہ الدینؒ صاحب بے ریا کے واسطے			
سینہ تاریک ہو جائے منور نور سے	۴۹۰ ھ	۱۷ جمادی	تذکرہ اولیائے سہروردیہ
اس ضیاء الدینؒ پیر پُر ضیاء کے واسطے	۱۰۹۶ء	الثانی ۵۶۳ ھ	(محمد دین حکیم لاہوری)
		۱۱۶۷ء	(بحوالہ اطبقات الکبریٰ
			وسفینۃ الاولیاء)
حجت الفقر فخری کعبۂ علم و عمل	۱۰ رجب	یکم محرم ۶۳۲	تذکرہ شیخ الشیوخ
شمس چرخ سہروردی پارسا کے واسطے	۵۲۰ ھ	ہجری ۲۷	مصنف سلام سہروردی
حاملِ علمِ رسالت عاشقِ نورِ خدا	بروز بدھ	ستمبر	
شہ شہاب الدینؒ کامل رہنما کے واسطے	۱۸ جنوری	۱۲۳۴ بروز	
	۱۱۴۵ء	بدھ	
دم بدم چلتا رہے دل پر یہ آرہ عشق کا	۲۷	۷ صفر	تذکرہ بہاالدین ذکریا
شاہ بہاالدینؒ صاحب ذکریا کے واسطے	رمضان	۶۶۱ ھ	ملتانی (نور احمد خان فریدی)
	۵۶۶ ھ	بروز منگل	

---

[1] شیخ محمد عمویہ "حضرت احمد اسود دینوریؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔

صفحہء دل سے مٹا دے نقش حُب غیر سب شیخ صدر الدینؒ اکمل باصفا کے واسطے	۶۲۱ ہجری ۱۲۲۴ء	۲۳ ذوالحج ۷۰۹ھ ۱۳۰۹ء		تذکرہ صدرالدین عارف از مولانا نور احمد وتذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت مصنفہ پروفیسر محمد ایوب قادری
نفس و شیطاں پر ہمیشہ کر عطا غلبہ مجھے شاہ رکن الدینؒ اکمل باصفا کے واسطے	جمعہ ۹ رمضان المبارک ۶۴۹ھ ۱۲۵۱ء	۱۴ جمادی الاول ۷۳۵ھ ۱۳۳۵ء		تذکرہ رکن عالم منصفہ نور احمد خان فریدی وتذکرہ جہانیاں جہاں گشت
نور عرفان سے منور کر میرے باطن کو تُو شاہ جلال الدینؒ احمد باد پا کے واسطے	۱۴ شعبان ۷۱۷ھ ۱۹ جنوری ۱۳۰۸ء بروز جمعرات	۱۰ ذوالحج ۷۸۵ بروز بدھ ۳ فروری ۱۳۸۴ء		تذکرہ مخدوم جہانیاں جہاں گشت (پروفیسر محمد ایوب قادری)
ہر مصیبت میں الٰہی تو میری امداد کر شیخ ناصر دینؒ احمد باوفا کے واسطے	۲ ذیعقد ۷۴۰ھ	۲۲ رمضان ۸۰۰ھ ۱۳۹۸ء		ایضاً تذکرہ رکن عالم ۵۲۸ پیدائش ۲۳ رمضان ۸۰۹ھ وصال یکم ذیعقد ۸۸۰ھ اور صفحہ ۶۲۹ پر ۸۴۷ھ
رکھ مجھے ثابت قدم توحید پر اپنی سدا سید برہان الدینؒ قطبِ وریٰ کے واسطے	دوشنبہ ۱۴ رجب ۷۹۰ھ	۸ ذوالحج ۸۵۰ ہجری		تذکرہ رکنِ عالم (مصنفہ نور احمد خان فریدی)
کبر و نخوت اور ریا سے صاف رکھ دل کو مرے غوث رکن الدینؒ نوری پر ضیا کے واسطے		۸۰۱ ہجری		آپ کا پورا نام رکن الدین اسماعیل بن صدرالدین محمد ہے (تذکرہ صدرالدین عارف)

متقی شاہ ولایت عالم رازِ نہاں		۹۶۰ ہجری	تذکرہ رکن عالم مصنفہ نور احمد خان فریدی
شاہ حسام الدینؒ فخر اولیا کے واسطے		۹۸۳ ہجری	حدیقۃ الاولیاء
گوشۂ تاریک میں سیر جہاں بیٹھا کروں			
حضرت بہلول پیرؒ پارسا کے واسطے			
علم حق خلق نبی صبر و توکل اور رضا	۹۴۵ ہجری	۱۰۰۸ ہجری	سلام سہروردی
کر عطا خواجہ حسینؒ باصفا کے واسطے			
عالمِ علم لدنی کاشفِ بابِ عمل		۸۹۲ ہجری	تذکرہ صدر الدین عارف (نور احمد خان فریدی)
حضرت برہان الدینؒ ثانی ہما کے واسطے			
خاتمہ عشق محمدؐ پر ہو مرا اے خدا		۸۴۷ھ	تذکرہ صدر الدین عارف
یوسف ثانیؒ جہاں کے مقتدا کے واسطے			
ہر طرف تیری محبت میں میری تشہیر ہو		۲۳ ذی الحج	صدر الدین عارف
حضرت شہر اللہؒ اس کان ہدا کے واسطے		۹۲۰ھ	خان فریدی کبیر الدین ثانی ولد یوسف شہر اللہ
غیر ہوں اپنا بنالے اے خدائے بے نیاز			
شہ کبیر احمدؒ کی ذات بے خطا کے واسطے			
(شیخؒ کبیر کے بھائی کا نام لال عیسنؒ ہے)			
لعل و یاقوت و زبرجد کی مجھے پرواہ نہ ہو			
دامن موزگاؒ کو پکڑوں بس خدا کے واسطے			
سید سرمستؒ کے صدقے نہ میں در در پھروں	تقریباً	۱۰۱۵	احوال العارفین مصنفہ
دل میں استغنا ہو بے برگ و نوا کے واسطے	۹۲۵ھ	ہجری	حافظ غلام فرید (سرگودھا)
دولت عرفان ملے گر شاہ دولاؒ کے طفیل	۹۸۹	۱۰۷۵	تذکرہ رکن عالم
اور پھر کیا چاہئے تیرے گدا کے واسطے	ہجری	ہجری	(مولانا فریدی)
شیر صحرائے کرامت اور نہنگ بحر کشف	۱۵۸۱ء	۲۸۱ ہجری	تذکرہ اولیائے سہروردی
پیر جنگو شاہ قلندرؒ باصفا کے واسطے		۱۸۶۴ء	(محمد دین کلیم)
وارث علم نبوت کامل و دانائے راز	۱۸۴۱ء	۱۳۷۱ ہجری	اجتماع ضدین فی
شیر صحرائے کے طریقِ انبیاء کے واسطے		۱۲ ربیع الاول	شان قلندرؒ مصنفہ
واقف راز حقیقت کاشف اسرار حق		۱۲ دسمبر	محمد یوسف سہروردی
رہنمائے گمرہان و اشقیا کے واسطے		۱۹۵۱ بدھ	

یاالٰہی سب مصائب اور نوائب دور کرے اس محمد کے غلام باصفا کے واسطے (میاں غلام محمد سہروردیؒ)				
اپنے فیض خاص سے کر ہم کو یارب فیض یاب حضرت بوالفیضؒ فیض کبریا کے واسطے[1]		۲۵/۲۴ صفر ۱۳۷۸ ہجری ۹ ستمبر ۱۹۵۸ء منگل اور بدھ کی درمیانی شب ۹ بجے		

واسطہ دوم

واسطہ ہے ان بزرگان طریقت کا تجھے
جن سے پایا فیض خواجہ نے رضا کے واسطے

اپنی رحمت سے بنا دے میری بگڑی اے کریم
سید برہان الدینؒ ظلِ خدا کے واسطے

مرشد کامل کے قدموں میں پیوں جام فنا
حضرت مخدوم طیبؒ پارسا کے واسطے

غرق ہوں بحر گناہ میں لطف کی فرما نظر
خواجہ عبدالکریمؒ باصفا کے واسطے

عشق تیرا ہو مرا دمساز و مونس ہر گھڑی
حضرت عبدالخلیلؒ اولیاء کے واسطے

خواہش دنیا و مافیہا سے یہ دل پاک ہو
شاہ علی احمدؒ، معینِ اصفیا کے واسطے

---

[1] یہ شعر بعد از وصال حضرت قبلہؒ ''شجرہ شریف'' میں شامل کیا گیا۔

شمعِ دانش، زینت علم و عمل، فاضل نبیل
شاہ محمد فاضلؒ علم خدا کے واسطے

ہے تیری رحمت وسیع گو ہیں گنہ میرے بہت
بخش دے اس جملہ شاہؒ صاحب سخا کے واسطے

فیض نور سہروردی حشر تک جاری رہے
خواجہءِ رمضان شاہؒ نوری لقا کے واسطے

خشک کھیتی کر میری باران رحمت سے ہری
اس محمدؐ کے غلامِ خوش لقا کے واسطے

فیضِ ابو الفیضؒ سے پیہم رواں ہے جوئے فیض
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ صفا کے واسطے[1]

واسطہ سوئم

ہوگیا اک سال دریا میں طغیانی کا زور
امتحان بندوں کا تھا بیم و رجا کے واسطے

تھے محمد شاہؒ اک درویش بھیرہ میں مقیم
پاس ان کے آئے دیہاتی دعا کے واسطے

آپ نے فرمایا ایسا ہے کوئی مرد خدا
جاں کرے قربان جو خلق خدا کے واسطے

ایک صاحب جن کا حامدؒ نام تھا بولے حضور!
کرتا ہوں میں جاں فدا اپنی خدا کے واسطے

دے کے اک تعویذ شاہ نے حکم حامد کو کیا
کود جا دریا میں اب تو کبریا کے واسطے

کود کر دریا میں وہ پہنچے مقام خاص پر
جو کہ تھا مخصوص خضرؑ رہنما کے واسطے

---

[1] یہ شعر بعد از وصال حضرت قبلہؒ ''شجرہ شریف'' میں شامل کیا گیا۔

خضر نے ان کو سبق دے کر کہا اب جاؤ تم
جانبِ مشرق تلاش مدعا کے واسطے

پہنچے رانیوال میں مسعودؒ کی خدمت میں وہ
پایا جن سے فیض حامدؒ نے خدا کے واسطے

خضرؑ سے حامدؒ نے پایا جو سبق وہ دراصل
تھا محمدؐ کے غلام[1] بے ریا کے واسطے

وہ امانت اس نے رکھا بابا قطب الدین کے پاس
میرے خواجہ دستگیر ہر گدا کے واسطے

دولتِ دنیا و دیں سے ہو قلندر بے نیاز[2]
سن دعا میری الٰہی مصطفیٰ کے واسطے

آج گر خالی گیا یا رب ترے دربار سے
کون در باقی رہا مجھ پُر خطا کے واسطے

واسطے سب ہو چکے اب تو یہی ہے آرزو
تجھ سے مانگوں تجھ کو میں تیری رضا کے واسطے

سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین
والحمد للہ رب العالمین

☆☆☆

---

[1] حضرت میاں غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی۔

[2] اب یہ مصرع یوں پڑھا جاتا ہے: روز محشر حشر میرا شاہ قلندرؒ کے ہو ساتھ

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا

ابوالفیض قلندرؒ

ہر درد کا درمان ابوالفیض قلندرؒ
ہر قلب کا ارمان ابوالفیض قلندرؒ

احمد کی ہے پہچان ابوالفیض قلندرؒ
اللہ کا عرفان ابوالفیض قلندرؒ

ہر آن ہے دربار نبوت میں حضوری
کیا آن ہے کیا شان ابو الفیض قلندرؒ

پابندیءِ احکام شریعت کا یہ عالم
قرآن ہی قرآن ابوالفیض قلندرؒ

اوصافِ جلالی و جمالی کا یہ پیکر
اک آیہءِ رحمٰن ابوالفیض قلندرؒ

کردار میں، گفتار میں اور جود و سخا میں
احسان ہی احسان ابوالفیض قلندرؒ

طالب کو کرے عارفِ کامل جو نظر سے
وہ مرشدِ ذی شان ابوالفیض قلندرؒ

ہم عشق کے ماروں کا ٹھکانہ درِ حضرت
اپنا ہے نگہبان ابوالفیض قلندرؒ

نے فکر و غم دوش نہ امروز نہ فردا
میرا تو ہے سامان ابوالفیض قلندرؒ

خاور کو اٹھاؤ نہ درِ یار سے لوگو
خاور تو ہے دربانِ ابوالفیض قلندرؒ

روپے کی ریل پیل

ناڑہ تحصیل پنڈ دادن خان ضلع جہلم کا ایک گاؤں ہے جو دشوار گزار گھنے جنگلوں میں واقع ہے۔ دسمبر ۱۹۵۰ء میں راقم الحروف بحیثیت گیم انسپکٹر گشت کرتا ہوا ایک بستی میں پہنچا جو صرف ایک ہی گھر پر مشتمل تھی۔ عصر کا وقت تھا۔ بستی کا مکین ایک اسی (۸۰) سالہ شخص تھا۔ جس کا قد چھ فٹ سے لمبا داڑھی مہندی سے سرخ، اکہرا جسم اور رنگ سرخ و سفید۔ اس کی آنکھوں سے دہشت محسوس ہوتی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا مجھے تمہارا کئی دنوں سے انتظار تھا۔ تمہارے پاس ستاروں کے زائچے بنانے کا علم ہے جو کشمیر کے پنڈتوں کا لکھا ہوا ہے اور پشت در پشت ان کے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔ مجھے وہ تم سے حاصل کرنا ہے۔ اس بستی میں وارد ہونے کا میرا پہلا موقع تھا اس لئے مجھے اس کی اس بات پر تشویش ہوئی۔ غور کرنے پر یہی بات ذہن میں آئی کہ یہ درویش نہیں کوئی عامل ہے۔

یوں تو مجھے ستاروں کے علم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی مگر میرے ایک دوست راجہ محمد اکرم (جہلم موٹر ورکس ریلوے روڈ) کی تحویل میں یہ علم تھا۔ ان کے آباؤ اجداد کشمیر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بیان کے مطابق ان کے کسی خاندانی بزرگ کو یہ علم کشمیر کے کسی پنڈت نے لکھ کر دیا تھا اور وہ حساب کتاب راجہ صاحب کی قلمی بیاض میں نقل تھا۔ گہرے مراسم کے ناتے ایک دن انہوں نے مجھے اپنی وہ بیاض دی اور کہا کہ اس میں ستاروں کے علم کے علاوہ بڑے نادر اور مجرب طبی نسخے بھی ہیں۔ جو چیز چاہو نوٹ کر لو اور پھر بیاض مجھے واپس کر دینا۔ چنانچہ میں نے تفریحاً چند یونانی نسخے اور ستاروں کے زائچے بنانے کا علم بھی نوٹ کر لیا۔ اسے سمجھنے کے لئے بنیادی علم کی ضرورت تھی جس کے بغیر وہ حساب کتاب اور زائچہ تیار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس علم کے مبادیات سمجھنے پر نہ تو کبھی توجہ دی اور نہ ہی کبھی تگ و دو کی۔

ستارہ کیا میری تقدیر کی خبر دے گا
وہ خود فراخیءِ افلاک میں ہے خوار و زبوں

لہٰذا کافی عرصہ سے وہ علم میرے پاس یونہی لکھا پڑا تھا۔

میری خاموشی پر اس بزرگ نے مجھے کہا کہ یہ علم میرے پاس ہر صورت پہنچنا ہی پہنچنا ہے اس لئے وہ مجھے دے دو۔ اس کے عوض میں تمہیں سورہ یٰسین کا ایک عمل بتاؤں گا جس کے موکل تمہارے تابع ہو جائیں گے اور پھر دولت میں کھیلو گے۔ کچھ توقف کے بعد میں رضامند ہو گیا۔ چنانچہ اس نے مجھے عمل بتا کر طریقہ سمجھایا کہ رات کو دو بجے اٹھ کر نہانا ہے اور سرسوں کے تیل کا دیا جلا کر یکسوئی سے اس کی لاٹ کو دیکھتے ہوئے یہ عمل کرنا ہے۔ جسم کو صرف ایک سفید چادر سے ڈھانپنا ہے۔ مزید وضاحت یہ کی کہ دوران عمل تمہیں طرح طرح سے ڈرایا دھمکایا جائے گا مگر تمہیں ہر صورت ثابت قدم رہنا ہوگا۔ اگر کوئی لغزش ہو گئی تو پھر پاگل ہو جاؤ گے یا ممکن ہے جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو۔ مسلسل اکتالیس دن کے اس عمل کے بعد موکل انسانی شکل میں نمودار ہو کر تمہارے حکم کا منتظر ہوگا بس پھر ساری عمر دولت کی ریل پیل رہے گی۔

مجھے بیعت ہوئے ابھی چند ماہ ہی ہوئے تھے گویا بالکل مبتدی اور درویشی لائن کے اسرار و رموز سے نا آشنا تھا۔ سوچا کہ چلو روپے پیسے کی فکر سے تو آزاد ہوئے اب گھر پہنچ کر یہ عمل شروع کروں گا۔

اگلی صبح اس سے رخصت ہوا مختلف علاقوں کی گشت کرتا ہوا تیسرے چوتھے دن گھر جہلم پہنچا تو ہیڈ آفس سے بذریعہ تار مجھے فوری طور پر دفتر میں طلب کیا گیا تھا۔ دوسرے دن صبح کو حسب وعدہ میں نے وہ ستاروں کا علم بذریعہ رجسٹری اس بزرگ کو بھیج دیا اور خود شام کی گاڑی سے لاہور آ گیا۔ دوسرے دن دفتر سے فارغ ہو کر بوقت عصر حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دی۔ اس وقت کافی حاضرین تھے۔ مجھے فرمایا تمہارے ساتھ ایک ضروری کام ہے اس لئے رک جانا۔ جب سب دوست فارغ ہو کر چلے گئے تو فرمایا تمہیں ہم نے ہی بلایا ہے کس چکر میں پھنس گئے ہو؟ دولت کی ضرورت ہے؟ درویش کا تعلق تو خالصتاً اللہ سے ہوتا ہے۔ رب العزت کے ساتھ اگر صحیح تعلق قائم ہو جائے تو دنیا پھر اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔

یہ مال و دولت دنیا یہ رشتہ و پیوند
بتان وہم و گماں لا الہ الا اللہ!

وہ عمل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر یہی شوق ہے تو میں تمہیں سورہ یٰسین کا عمل بتاتا ہوں جو نہایت آسان ہے۔ انشاء اللہ روپے پیسے کی کمی نہیں رہے گی۔ تین چار دن لاہور رہ کر میں واپس جہلم آ گیا اور حسب طریق فرمودہ عمل شروع کر دیا۔ اکیسویں دن عجیب رنگ ظاہر ہوا۔ کوئی کتاب کھولتا ہوں تو اس میں بالکل نئے نوٹ پڑے ہوئے ہیں۔ چائے دانی لے کر باورچی خانے آیا ڈھکن اٹھایا تو اس میں نئے نوٹ۔ صندوق میں سے کپڑے نکالنے لگا تو بعض کپڑوں کی تہہ میں نئے نوٹ۔ ان کیفیات کے ظہور میں تقریباً ایک ہفتہ میں نے عمل جاری رکھا۔ روپے پیسے کی ریل پیل ہوگئی۔ غیر شادی شدہ تھا کوئی ایسی خاص ذمہ داری بھی نہیں تھی جس کے لئے وافر دولت کی ضرورت ہوتی۔ اٹھائیسویں دن دل میں خود بخود یہ بات پیدا ہوگئی کہ کلام الٰہی کی تلاوت کسی جلب منفعت کے لئے مناسب نہیں بلکہ صرف رب العزت کی خوشنودی کے لئے کرنی چاہئے۔ غیر ارادی طور پر علامہ اقبال کا یہ شعر بھی زبان پر آ گیا:

مرد درویش کا سرمایہ ہے آزادی و مرگ
ہے کسی اور کی خاطر یہ نصاب زر و سیم

چنانچہ اسی دن راقم الحروف نے یہ عمل ترک کر دیا۔

یوں بھی ہوتا ہے

دھیاں پتر:-

جون ۱۹۵۱ء میں مجھے فرمایا: خاور صاحب! آپ شادی کیوں نہیں کرتے؟ شادی کر لینی چاہئے اس لئے کہ بعض اوقات غلط قدم اٹھنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کی قبلہ! میں شادی کا ارادہ نہیں رکھتا۔ حضور کے چہرے پر جلالی رنگ نمایاں ہوگیا۔ قدرے بلند آواز میں بطریق سرزنش فرمایا: میں تمہارے گھر دھیاں پتر کھیلتے دیکھ رہا ہوں تم کیسے کہتے ہو کہ میں نے شادی نہیں کرنی؟

یہی حلیہ ہے نا؟:-

اس واقعہ کو تقریباً ڈیڑھ ماہ گزر گیا۔ ایک دن حاضر ہو کر عرض کی کہ میری والدہ نے لڑکی پسند کر لی ہے۔ حضور میری طرف دیکھتے ہوئے معنی خیز نظروں سے مسکرائے اور پوچھا تمہیں بھی پسند ہے نا؟ اس کا پورا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا یہی حلیہ ہے نا؟ اللہ مہربانی کرے گا ازدواجی زندگی انشاء اللہ کامیاب رہے گی۔

دودھ والیاں گاواں:-

شادی کے کچھ عرصہ بعد راقم الحروف کے اپنی بیوی سے تعلقات کشیدہ ہو گئے جو ذہنی پریشانی کا باعث بن گئے۔ ایک دن جب مجلس میں حاضر ہوا تو حسن اتفاق سے ایک اور صاحب حاضر خدمت تھے جو اپنی بیوی سے کشیدہ تعلقات کا رونا رو رہے تھے اور اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ بیوی سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ آپ نے اس شخص کو باہمی مفاہمت اور حوصلہ کی تلقین فرمائی اور اسی دوران مجھے بھی مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''خاور صاحب! دودھ دین والیاں گاواں چھڑاں وی ماردیاں نیں۔ جیڑھیاں سہنیاں ای پیندیاں نیں'' (یعنی دودھ دینے والی گائیں دولتیاں بھی جھاڑتی ہیں جو برداشت کرنی ہی پڑتی ہیں)

یہ الفاظ آپ نے کچھ اس انداز سے فرمائے کہ راقم الحروف کی اپنی بیوی کے متعلق ساری کدورت اسی وقت دھل گئی۔

کامل پیر محمد بخشا!

جون ۱۹۵۵ء سے خدمت اقدس میں تقریباً روزانہ حاضری کا موقع ملتا رہا۔ ابتداء میں صرف فجر کی نماز پڑھ لیتا کیونکہ اس کے ساتھ تلقین شدہ وظیفہ پڑھنا ہوتا تھا عصر اور مغرب کی نمازوں کا وقت دوران مجلس ہی آ جاتا۔ دوسرے برادرانِ طریقت اذان ہونے پر نماز کے لئے قریبی مسجد میں چلے جاتے اور حضور اپنی علالت طبع اور نقاہت کی وجہ سے اکثر اپنی نشست گاہ پر ہی نماز ادا کر لیا کرتے۔ میں ننگے سر آستینیں چڑھائے بے تکلفانہ انداز میں وہیں بیٹھا رہتا اس خیال سے کہ جب طبیعت ہی اس طرف راغب نہیں تو محض بھیڑ چال میں نماز کے لئے کیوں جاؤں۔ اکثر فرمایا کرتے ''کہہ کے کرایا تو کیا کرایا''۔ اسی طرح

تقریباً تین مہینے گزر گئے۔ ایک دن اتوار کو حسب معمول جب حاضر خدمت تھا تو دوپہر کی نشست برخواست ہونے پر مجھے فرمایا تم ذرا رک جاؤ ایک ضروری کام ہے۔ جب سب دوست رخصت ہو گئے تو میرا دایاں بازو مضبوطی سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: ''بندہ بن جا تیرے کولوں بڑے کم لینے نیں''۔

ایک خاص قسم کی کرنٹ لگی جس سے سارا بدن کانپ اٹھا اور انتہائی رقت طاری ہو گئی۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو — ید بیضا لئے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کہ موج نفس ان کی — الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہل دل کے سینوں میں

گھر واپس آ کر اگلی صبح تک یہ کیفیت قائم رہی۔ انتہائی رقت' آنسوؤں کا سیلاب اور خود میں گم سم اس کیفیت کے ختم ہونے پر طبیعت بالکل ہلکی پھلکی محسوس ہونے لگی۔ ایک خاص قسم کا سرور پیدا ہو گیا اور طبیعت خود بخود نماز کی طرف راغب ہو گئی۔

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال
صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

بندہ بن جا

صاحبزادہ سید فیض احمد صاحب اکتوبر ۱۹۵۶ء میں پھوڑے کے آپریشن کے لئے البرٹ وکٹر وارڈ میو ہسپتال لاہور میں داخل ہوئے۔ میری ڈیوٹی بطور اٹینڈنٹ لگی کہ رات کو ان کے پاس سویا کروں۔ چودہ پندرہ راتیں وہیں ہسپتال گزاریں۔ جوانی دیوانی ہوتی ہے اس قیام کے دوران ایک نوجوان خوبصورت نرس سے جس کی ڈیوٹی صاحبزادہ صاحب کے بیڈ پر تھی میری راہ و رسم پیدا ہو گئی۔ تعلقات روز بروز استوار ہونا شروع ہو گئے۔ پندرھویں دن اس کے ساتھ پروگرام طے پایا کہ کل چونکہ تمہاری نائٹ شفٹ بدل جائے گی اس لئے شام کو جب میں یہاں آؤں گا تو انگریزی فلم دیکھنے چلیں گے۔ ہسپتال پہنچا تو یہ دیکھ کر بڑا حیران ہوا کہ وارڈ میں مجھ سے پیشتر دو صاحبزادے امتیاز احمد تاج اور سجاد احمد بستر جمائے بیٹھے ہوئے ہیں۔

میں جونہی ان کے قریب پہنچا تو صاحبزادہ تاج میاں نے کہا خاور صاحب ابا جی آپ پر سخت ناراض ہیں اور فرمایا ہے کہ خاور جونہی وہاں پہنچے اسے کہہ دینا کہ یہاں سے دفع ہو

جائے آئندہ اس کے یہاں سونے کی ضرورت نہیں۔

یقین کیجیے یہ الفاظ سنتے ہی مجھے پسینہ آ گیا۔ شرمندگی کا یہ عالم کہ کافی دیر نظریں جھکائے وہیں کھڑا رہا۔ آخر جب طبیعت قدرے بحال ہوئی تو اپنا بستر جو میں نے وارڈ میں رکھا ہوا تھا بغل میں دبایا اور واپس گھر آ گیا۔ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا کہ صبح حضرت قبلہ کی خدمت میں کس منہ سے جاؤں گا؟ اسی کشمکش میں رات بیت گئی۔ ڈرتے ڈرتے اگلی صبح جب حاضر خدمت ہوا تو ابھی بیٹھک کی بیرونی دہلیز پر قدم ہی رکھا تھا کہ حضور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ انتہائی شرمندگی کے عالم میں مصافحہ کرتے ہوئے جب دست بوسی کے لئے جھکا تو آہستہ سے فرمایا: ''بندہ بن جا تیرے کولوں بڑے کم لینے نیں'' (انسان بن جا تجھ سے بہت کام لینے ہیں)

لاتبدیلا

راقم الحروف سونے سے پیشتر چند سورتیں جو زبانی یاد تھیں ان کی دل میں تلاوت کیا کرتا۔ موسم سرما میں ایک رات لحاف میں منہ سر لپیٹے دل ہی دل میں تلاوت کرتے ہوئے سورہ فتح کی جب اس آیت پر پہنچا ھو الذی ارسل رسولہ با الھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و کفی باللہ شھیدا. محمد رسول اللہ والذین معہ تو محمد رسول اللہ کے بعد دوران تلاوت اسی تسلسل میں ہی اپنی طرف سے صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ پڑھے اور پھر بقایا سورت ختم کی۔ اگلی صبح حاضر خدمت ہوا تو فرمایا! خاور صاحب! قرآن میں ترمیم و ایزاد کا آپ کو کیا حق حاصل ہے؟ میں گھبرا گیا اور ملتجیانہ نظروں سے حضور کی طرف دیکھا۔

فرمایا: قرآن شریف میں جب صرف محمد رسول اللہ آیا ہے تو آپ نے رات کو دوران تلاوت اسی تسلسل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں پڑھا؟ سورہ احزاب میں ایک جگہ صرف محمدؐ کا لفظ آیا ہے۔ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبین تو کیا اس مقام پر ما کان محمد رسول اللہ یا ما کان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھو گے؟ یہ رب العزت کا کلام ہے وہی بہتر جانتا ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو کس موقع پر کن الفاظ یا کس القاب سے مخاطب فرمانا ہے کہیں یا

ایھا المزمل اوریا ایھا المدثر کہہ کر پکارا اور کہیں حروف مقطعات میں یٰسین اور طٰہٰ کے الفاظ سے لہٰذا قرآن کو رب العزت کے کلام پاک کے مطابق ہی پڑھنا چاہئے۔

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغِ تجلی بسوزد پرم

دوبارہ فرض

راقم الحروف ایک دفعہ مال روڈ سے ہوتا ہوا پیدل انارکلی کے قریب پہنچا تو ایک مسجد کے قریب سے گزرتے ہوئے مغرب کی اذان ہوگئی چنانچہ مسجد میں داخل ہوکر حوض پر وضو کیا۔ وضو کے بعد جب اُٹھنا چاہا تو ایسے محسوس ہوا گویا نچلا دھڑ بے حس ہوگیا ہے۔ سخت گھبرا گیا کہ کہیں فالج وغیرہ کا حملہ تو نہیں ہونے لگا۔ اسی پریشانی میں اپنے سلسلہ کے مطابق حضرت قبلہؒ کی طرف رجوع کیا۔

یقین کیجیے اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور طبیعت بالکل بحال ہوگئی۔ اٹھ کر فوراً جماعت میں شامل ہوگیا۔ نماز فرض باجماعت ادا کرنے کے بعد جب فارغ ہوا تو یوں محسوس ہوا گویا ابھی نماز نہیں پڑھی۔ وہی تشنگی، وہی طلب جو نماز ادا کرنے کے لئے پیدا ہوتی ہے قائم تھی۔ عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ عقل نے کہا نماز فرض پڑھ لی ہے مگر دل تھا کہ نامطمئن۔ آخر یہی فیصلہ کیا کہ دل کی مان لو۔ چنانچہ فرض دوبارہ لوٹائے اور زاں بعد بقایا نماز پوری کی۔ اگلی صبح در اقدس پر ابھی قدم ہی رکھا تھا کہ حضور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ دست بوسی کے لئے جب جھکا تو آہستہ سے فرمایا: تم نے اچھا کیا فرض دوبارہ پڑھ لئے۔ امام بدعقیدہ تھا۔ اسی لئے تمہیں فرض لوٹانے پر مائل کیا گیا تھا۔

سالک بے خبر نبود

کئی دنوں سے میرے دل و دماغ میں اس قسم کے خیالات اور وسوسے پیدا ہو رہے تھے کہ کئی دوست جنہیں بیعت ہوئے تین چار سال ہوئے ہیں وہ حضور کی نظر کرم سے بڑی ترقی کر گئے ہیں۔ جن کیفیات اور انکشافات کا ذکر وہ حضور سے بغرض وضاحت کرتے رہتے ہیں مجھ میں وہ چیز اس حد تک پیدا نہیں ہوئی۔ ان وسوسوں نے طبیعت میں ایک انقباض سا پیدا کر رکھا تھا۔ عرضِ حال کی جرأت بھی نہیں تھی۔ اسی پریشانی کے عالم میں ایک دن ۱۳ اگست ۱۹۵۶ء سہ پہر کے وقت جب حاضر ہوا تو اتفاق سے اس وقت سوائے بابو

اسماعیل سہروردی کے اور کوئی دوست نہیں تھا۔ حضور چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اسماعیل سہروردی کو فرمایا کہ دوسرے کمرے سے ''الفقر فخری'' کا نسخہ لے آؤ۔ وہ کتاب لے آئے تو انہیں فرمایا: خاور صاحب کو دے دو۔ میں نے عرض کی حضور! کہاں سے پڑھوں۔ فرمایا: جہاں سے جی چاہے۔ میں نے یونہی کتاب کو کھولا یہ صفحہ نمبر ۲۰۰ تھا۔ پوچھا کون سا باب ہے؟ میں نے عرض کی ''روابط مصاحبین شیخ'' فرمایا: پڑھو۔ میں نے پڑھ کر سنانا شروع کیا بخوف طوالت صرف چند اقتباسات پر ہی اکتفا کرتا ہوں۔

کسی گزشتہ باب میں آداب شیخ اور فرائض مرید پر مفصل بحث ہو چکی ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس ضمن میں پیر بھائیوں کے باہمی تعلقات کا ذکر نہ کرنا کتاب میں ایک خامی کا موجب ہوگا لہٰذا یہ چیز بڑی قابل وضاحت معلوم ہوتی ہے کہ ان حالات و تعلقات کا بھی ذکر کر دیا جائے جو ایک شیخ کے دو ارادتمندوں میں پیدا ہوتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔

یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ انسان صحبت کے لحاظ سے بہت کچھ تاثرات قبول کرتا ہے جس میں سے بعض اس کی متجسس طبع پر مطابق اور بعض مخالف ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ پھر مطابق اثرات بھی اس کی طبیعت دو طریق پر قبول کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ خواہ اس کے لئے طریقۂ ناجائز ہی ہوں مگر اس کی نفسانیت انہیں پسند کرتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی بات اس کی سمجھ میں مفید مطلب آئے یا نہ آئے وہ محض یہ سمجھ کر کہ اس کے شیخ کی تعلیم کی ترجمانی ہو رہی ہے اسے اعتقاداً قبول کر لیتا ہے حالانکہ یہ میدان محض علم کا نہیں بلکہ اس میں جہاں تک عملی طور پر کسی چیز کو پایا جائے وہی قابل قبول ہونا چاہئے۔

متابعت شیخ تو ایک لابدی چیز ہے جس سے کسی حالت میں بھی وہ سرمو انحراف کرنے کا مجاز نہیں ہوگا مگر تمام تر تذکار اور ان کی صحبت میں رہ کر تمام اعمال کو اپنانا بعض اوقات ایک مبتدی کے لئے مفید ہونے کی بجائے مضر اثرات بھی پیدا کرتا ہے' اس لئے اس کو یہ لازم ہوگا کہ پیر بھائیوں کے وہ ارشادات اور معاملات اپنانے کی کوشش کرے جو اس کے ابتدائی کوائف کے عین مطابق ہوں ورنہ ہر پیر بھائی کے معاملات و حالات اور مقامات کو دیکھ کر اگر پیروی کے لئے آمادہ ہوگا تو نہ وہ پچھلوں کے اتباع کے قابل رہے گا اور نہ اگلوں کی مطابقت کر سکے گا۔ کیونکہ یہ ایک یقینی امر ہے کہ کسی شیخ کے تمام متبعین طریقت کسی ایک منزل پر چلنے والے نہیں ہوتے۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہوں گے جو مبتدی ہوں گے اور

بعض وہ جو انتہائی منازل پر چل رہے ہوں گے۔ لہٰذا اس کے لئے اپنی حقیقت اور ابتدائی منزل کا احساس ایک نہایت ضروری شے ہوگی۔

پیر بھائیوں کے لئے یہ امر بھی موجب پرہیز ہے کہ اگر وہ کسی پیر بھائی پر شیخ کے انعام و اکرام کو زیادہ دیکھیں تو حسد کریں۔ ان کے لئے بہتر یہ عمل ہوتا ہے کہ وہ ان معاملات کو اپنانے کی کوشش کریں جو شیخ کے دربار میں ان کی ظاہری و باطنی عزت افزائی کا موجب ہوں۔

مندرجہ بالا عبارت تک پڑھتے پڑھتے راقم الحروف کی حالت یہ تھی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن۔ حضور ہمہ تن گوش سن رہے تھے اور زیر لب مسکرا رہے تھے۔ عبارت کے الفاظ مجھے حلق میں اٹکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے ندامت کے مارے یہ حالت تھی کہ پڑھتے ہوئے آواز دب گئی:

سخن اندر گلوے من گرہ بست
تو احوال مرا ناگفتہ دانی

عبارت کے وہ الفاظ یہ تھے:

پیر بھائیوں کے لئے یہ امر بھی موجب احساس نہیں ہونا چاہئے کہ ان کے اسباق و وظائف جداگانہ کیوں ہیں اور پیچھے آنے والے اگلی صف میں کیوں جگہ پا گئے ہیں؟ یہ چیز شیخ کی ذرہ نوازی اور عمل شناسی کی دلیل ہوتی ہے جس کو وہ جس شے کا اہل سمجھتا ہے اس کے لئے ویسی ہی تلقین فرماتا ہے۔ بعض مبتدی وہ ہوتے ہیں جن کی استعداد فطری طور پر اگلی صف میں جگہ پانے کی مقتضی ہوتی ہے اور بعض پیشین آنے والے منتہی وہ ہوتے ہیں جن میں استعداد بھی شیخ کو خود ہی پیدا کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا ان نوازشات پر پیچ و تاب کھانا گویا شیخ کی حقیقت شناسی و گرم گستری پر معترض ہونا ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں:

''سالک بے خبر نبود زراہ و رسم منزلہا''

کا پتہ چلتا ہے۔

قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال

پاکستان اور بھارت کی سرحدوں پر اکتوبر ۱۹۵۶ء میں فوجوں کی کافی نقل و حرکت شروع ہوگئی تھی۔ انہیں دنوں کسی کام کے سلسلے میں عصر کے وقت میں گوالمنڈی چوک لاہور سے

پیدل گزر رہا تھا کہ ایک لمبا تڑنگا مجذوب درویش جس کی عمر چالیس سال کے لگ بھگ ہوگی۔ ننگا جسم صرف گھٹنوں کے اوپر تک دھوتی، گداز جسم، بھرپور کالی سیاہ داڑھی، کھلتا ہوا گندمی رنگ، گول چہرہ، موٹی موٹی آنکھیں جو سرخ تھیں۔ اچانک میرے سامنے آ کھڑا ہوا اور میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بھاری بھرکم آواز اور پرجلال لہجے میں مجھ سے یوں مخاطب ہوا۔ ''مسلمانوں کو وہ دن بھول گئے ہیں جب انہیں جوتیاں لگی تھیں اور مار مار کر بھرتہ نکال دیا تھا؟'' اپنی دھن میں اس نے یہ الفاظ کہے اور پھر فوراً میری نظروں سے غائب ہوگیا۔ گویا رجال الغیب سے تھا۔ شام کے قریب جب حضرت قبلہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خود ہی مجھ سے سوال کیا کہ وہ درویش کیا کہتا تھا؟ اس وقت حضور کے چہرے پر جلال کی جھلکی نمایاں تھی۔ میں نے اس کی بات عرض کر دی۔ فرمایا پھر تم نے کیا جواب دیا؟ میں نے عرض کی حضور کچھ بھی نہیں۔

فرمایا: اسے کہہ دینا تھا کہ ان ناخوشگوار حادثات کا ذمہ دار کون ہے؟ مسلمانوں کی پگڑی کی بجائے کیا نہرو کی دھوتی کی تمہیں زیادہ لاج ہے؟ معین الدین چشتی کے لوٹے مصلے سے پیار ہونا چاہئے یا پرتھوی راج کے زُنار سے؟

کچھ توقف کے بعد مسکراتے ہوئے فرمایا: اس مجذوب کی ڈیوٹی دہلی میں لگی ہوئی ہے وہیں سے آیا تھا اپنی بولی بول کر چلا گیا ہے اور جواب بھی لے گیا ہے اللہ بہتر کرے گا۔

سانپ ہی سانپ

ایک مجلس میں صرف راقم الحروف اور صوفی فضل الرحمان سہروردی حاضر خدمت تھے کہ سانپوں کے متعلق بات چھڑ گئی۔

فرمایا: میرے نانا جی رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے بڑے بلند پایہ ولی تھے۔ سانپ کے کاٹے ہوئے مریض کا علاج بڑے عجیب طریقے سے فرماتے تھے۔ مریض خواہ کہیں بھی ہو اور ان کے پاس پہنچے یا نہ پہنچے وہ اطلاع لانے والے شخص کو ادھر دھپہ لگاتے ادھر مریض جہاں کہیں بھی ہوتا اللہ کے فضل سے شفایاب ہو جاتا۔ اس کا عمل دیوالی کی رات کو کرنا پڑتا ہے۔ اس عمل کی برکت سے دنیا میں جتنے بھی سانپوں کی قسمیں ہیں ان کے سردار اپنے خواص کے ہمراہ الگ الگ ٹولیوں کی شکل میں حاضر ہوتے ہیں جس سانپ نے کاٹا ہوتا

ہے وہ بطور ملزم پیش ہوتا ہے اور بعض اوقات اسے حسب جرم سزا بھی دے دی جاتی ہے۔ یہ عمل بڑا حوصلہ و ہمت طلب ہے اور بڑے دل گردے کا کام ہے۔ جس بزرگ کو اس عمل کی بخشش ہو وہ کسی دوسرے کو جس کا وہ اہل سمجھیں اجازت فرما دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور بزرگوں کی توجہ شامل حال ہو تو جبھی یہ مشکل عمل پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔ مسکراتے ہوئے فضل الرحمان صاحب کو فرمایا کیوں کیا صلاح ہے؟ آئندہ دیوالی کی شب یہ عمل کرنا چاہو تو کسی وقت بتا دیں گے۔ فضل الرحمان صاحب مسکرا کر خاموش رہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے آپ کو پیش کر دوں مگر ہمت نہ ہوئی۔

ایک دفعہ سانپوں کا ایک واقعہ حضرت محترمہ اماں جیؒ نے میری بیوی کو یوں بتایا:

ایک رات اچانک میری آنکھ کھلی تو تمہارے ابا جی (حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ) کو اپنے پلنگ پر نہ پایا۔ میں نے کروٹ بدل کر دیکھا تو آپ جائے نماز پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کمرے کا سارا فرش عجیب قسم کے رنگ برنگے سانپوں سے بھرا پڑا تھا۔ ان میں ایک بہت خوبصورت چھوٹا سا سانپ جس کے سر پر تاج نما کلغی تھی۔ ایک بڑے سانپ کے سر پر بیٹھا تھا اور اس کے گرداگرد دوسرے سانپ بڑے ادب سے سر جھکائے چل رہے تھے۔ اس سردار سانپ نے تمہارے ابا جی کو جھک کر سلام کیا۔ تمام سانپوں نے بھی سر زمین پر ڈال دیئے۔ اس کے بعد سردار نے بمعہ اپنے ہمراہیوں کے واپسی کے لئے بیرونی دروازے کا رخ کر لیا میں سخت ڈر گئی۔ آواز دینا چاہتی تھی کہ تمہارے ابا جی نے مجھے انگلی کے اشارے سے خاموش رہنے کا اشارہ فرمایا: تھوڑی دیر کے بعد دوسری ٹولی آ گئی اور اس طرح پھر کمرہ سانپوں سے بھر گیا۔ میں بہت ہی ڈر گئی تھی اور لیٹے لیٹے دل ہی دل میں تمہارے ابا جی کی خیریت کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ ڈر کے مارے میں نے چادر چہرے پر اوڑھ لی کیونکہ مجھ میں یہ سلسلہ دیکھنے کی ہمت نہ تھی۔ نیند بھی نہیں آتی تھی۔ نہ جانے اس دوران کتنی ٹولیاں آئیں اور کتنی چلی گئیں۔ آخر خدا خدا کر کے دو تین گھنٹے بعد جب یہ سلسلہ ختم ہوا تو تمہارے ابا جی نے مجھے فرمایا۔ یہ راز کی باتیں ہوتی ہیں انہیں اپنے تک ہی محدود رکھنا ڈرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کسی کے حکم کے تحت یہ سلسلہ ہو رہا تھا۔ خلق خدا کو نفع پہنچانے کے لئے رب العزت ان چیزوں کو مسخر فرما دیتے ہیں۔

داڑھی

راقم الحروف ایام جوانی میں شیو بنایا کرتا تھا۔ حضور کے وصال کے پندرہ ماہ بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۵۹ء کو علی الصبح حسب معمول نماز فجر کے بعد میری بیوی نے بیڈ ٹی اور شیو کے لئے پانی میرے پاس رکھ دیا۔ چہرے پر برش سے صابن لگا کر سیفٹی ریزر سے شیو بنانے کے لئے ہاتھ چہرے پر رکھا ہی تھا کہ دایاں ہاتھ بالکل شل ہو گیا۔ میں گھبرا گیا۔ اپنے طریقے کے مطابق حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا اور یہ بات سمجھ میں آئی کہ اب شیو بنانے کی مناہی ہو گئی ہے اور داڑھی بڑھانے کا حکم ہے، میری بیوی اس وقت دروازے کے قریب کھڑی تھی میں نے اسے مخاطب کر کے کہا اگر میں داڑھی رکھ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟ میرے یہ الفاظ سن کر میری بیوی کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ جوانی میں، میں بہت کرخت اور تند مزاج ہوا کرتا تھا۔ میں نے اسے ڈانٹ کر کہا اس میں ہنسنے کی کون سی بات ہے ہاں یا نہ میں جواب دو۔

کہنے لگی بات اصل میں یہ ہے کہ چھ سات دن ہوئے حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ خواب میں تشریف لائے تھے اور مجھے فرمایا: بیٹا! خاور صاحب اگر داڑھی رکھ لے تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا؟ میں نے عرض کی حضور کا حکم سر آنکھوں پر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس دن سے شیو کے لئے پانی دینے کے بعد میں آپ کے قریب ہی کھڑی رہتی تھی یہ دیکھنے کے لئے کہ آپ شیو بناتے ہیں یا خط؟ اور جب آپ شیو بنانے لگتے تو پھر میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی اور دل ہی دل میں سوچتی کہ حضرت صاحب قبلہؒ کے ارشاد کے مطابق تو اب خط بننا چاہئے تھا۔ یہ شیو کیوں بناتے ہیں؟ آپ نے گزشتہ چھ سات دنوں میں میرا دروازے کے پاس خاص طور پر کھڑے ہو کر آپ کو دیکھتے رہنا شاید نوٹ نہیں کیا۔ آج بے اختیار کھل کھلا کر اس لئے ہنس پڑی کہ بعینہ یہی الفاظ آپ نے دہرائے ہیں جن الفاظ میں حضرت قبلہؒ نے مجھ سے استفسار فرمایا تھا۔

یقین کیجئے بیوی کے یہ الفاظ سن کر نہ صرف میرا غصہ دور ہو گیا بلکہ رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ میں نے چہرے سے صابن صاف کیا اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھ کر خط بنا لیا۔ ازاں بعد دو نفل پڑھ کر دعا کی کہ اے رب العزت جل

علیٰ شانہ! تیری رحمتِ بے پایاں کے طفیل آج تیرے محبوب پاکؐ کی اس سنت پر عمل پیرا ہو رہا ہوں۔ اسے قبر تک ساتھ لے جانے کی ہمت اور توفیق عطا فرما۔ آمین۔

شیخ المشائخ پیرِ قلندرؒ

شانِ قلندرؒ اللہ اکبر شمعِ تجلی نورِ پیمبرؐ
مشعلِ حسنِ زہراؓ و حیدر عکسِ جمال سید و سرور
مظہر ذات مولائے انور
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

تفسیر باطن تصویر ظاہر معنیءِ قرآں اظہر و مضمر
عمل مزمل راز مدثر خلق نبی کا نقشہ سراسر
رحم مکمل چشمہءِ کوثر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

محور عشقِ حضرت شبرؒ مرکز جود و سخا شیخ قادرؒ
وارث علم حیدرؓ و صفدرؒ مخزن علم احمدؐ اطہر
حامل سنت قاطع منکر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

چشم و چراغ خانہءِ علوی اعجاز نبوی شہکار ربی
رفتار صالح گفتار حقی مِن امر احمدؐ من امر ربی
سیرت نبوی کے اِک زندہ پیکر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

خلق محمدؐ صل وسلم شان و جلال فاروق اعظمؓ
ظل و غنائے عثمانؓ اکرم مانند حیدرؓ ایمان محکم
صدق و صداقت صدیق اکبرؓ
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

فیض رسالت لطف کریمی　　کنز ولایت رمز حکیمی
نور ہدایت شمع یتیمی　　کشف و تجلی نخل کلیمی
شمس شفاعت　　شافعِ محشر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

شمع حریم ذات خدائے　　ہم کبریائے ہم مصطفائے
مصباح ظلمت منزل رسائے　　خضر طریقت رہبر راہے
مرشد کامل　　ہادی اکبر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

جانِ گلستان رشک بہاراں　　ماہِ درخشاں مہرِ فروزاں
رحم و کرم کا ابرِ بہاراں　　رحمت بدوشے رحم بداماں
نائبِ ساقیٔ تسنیم و کوثر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

تقدیرِ ملت توقیرِ ملّت　　تدبیرِ ملّت تنویرِ ملّت
چشمۂ الفت فیضِ مودّت　　رازِ طریقت سرِّ حقیقت
مبداءِ مدحت اجمالؔ منظر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

ضبط مجسم ایمان و تقویٰ　　ربطِ مقالات دنیا و عقبیٰ
وہ ہے اک صراط اسوۂ حسنہ　　وہ ہے اک کتابِ اسماء الحسنیٰ
اولیٰ و اعلیٰ اکمل و برتر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

ہر دو جہاں کے سرائر سے آگاہ　　مردِ خدا اور مردِ حق آگاہ
لاریب فرزندِ یٰسینؐ و طٰہٰؐ　　وقتاً فوقتاً "لی مع اللہ"
سبحان اللہ　　اللہ اکبر
شیخ المشائخ　　پیر قلندرؒ

دافعِ الم ہے اس کا تبسّم　　راحتِ دل ہے چشمِ ترحم
وجہِ سکوں ہے طرزِ تکلّم　　مشعلِ رہ ہے ذوقِ ترنّم
نزہت جاں ہے اس کا تصور
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

فانوسِ عرفانِ شہ سہروردی　　ملبوس شرع و مہ سہروردی
تمہیدِ بابِ رہِ سہروردی　　شاہدِ پیکِ ''اسریٰ بعبدی''
تابعِ ''الفقر فخری'' پیمبر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

انوارِ نوری و خاکی کے محرم　　عرفاں مجسم رہبر معظّم
دینِ نبیؐ کے ضبطِ منظّم　　سنّت سراپا دین مکرّم
اقوال اس کے اقوالِ حیدرؓ
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

اے شیخ! تیری دامان گیری　　فخرِ امیری فخر فقیری
تیری حضوری روشن ضمیری　　یعنی بشیری یعنی نذیری
خدّام تیرے رشکِ سکندر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

تیرے یہ داسی تیری دیا سے　　آنچل گرائے آنچل سنبھالے
دھرتی میں بس کر دھرتی سے بچتے　　سنسار بھر کو مکتی ہیں دیتے
کیا شانتی ہے کیا پبیت چندر!
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

یہ ڈال تیرے یہ پات تیرے　　تو ساتھ ان کے یہ ساتھ تیرے
ان کا یہ پت جھڑ ان کے بکھیڑے　　تو ہی سمیٹے تو ہی نبیڑے
اپنی دیا کا برسا دے بادر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

"لا تقنطوا" میں دیوانے تیرے　　لا تحزنوا میں پروانے تیرے
تجھ پاس آئے مستانے تیرے　　افتاں و خیزاں پیمانے تیرے
تھامو انہیں اور بھر دیجے ساغر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

پیر قلندرؒ میخانہ دربر　　مینا بہ مینا ساغر بہ ساغر
ایسی پلانا اِس طور بھر کر　　جس کو یہ پی کر جس کو چڑھا کر
ہو جائیں تیرے خود کو گنوا کر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

ظاہر چھپا ہے نہ باطن چھپا ہے　　تجھ پاس سب کا دفتر کھلا ہے
حرفِ تمنا کس نے کہا ہے؟　　پاسِ ادب ہے مانع حیا ہے
تیرے حوالے ہر اک کا دفتر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

غوثِ زمانہ ہمری کہانی　　للہ سن لو میری زبانی
داد و عطا کی کر مہربانی　　ہوں بے نیازِ اینی و آنی
فیضِ عطا سے اب کامراں کر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

خاورؔ سکھی ری! بیمار و بے جاں　　تو جس کا دارو تو جس کا درماں
خاورؔ سکھی ری! بے ساز و ساماں　　تیری عطا کا طالب و جویاں
کر دستگیری حل مشکلیں کر
شیخ المشائخ پیر قلندرؒ

☆☆☆

ذکرِ جاناں از زبانِ دیگراں

آبِ شیریں

مکھڈ ضلع اٹک کا علاقہ بارانی ہے اور پہاڑی بھی۔ زمینیں خشک اور غیر آباد۔ آس پاس میلوں تک پانی کا نشان نہیں ملتا۔ لوگ پینے کے لئے پانی کا اہتمام بالعموم جوہڑوں وغیرہ سے کرتے ہیں۔ کنواں لگانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ خوش بختی سے پانی نکلنے کے آثار اگر ظاہر بھی ہو جائیں تو کافی گہری کھدائی کے علاوہ، چٹانوں کو کھودنا نہ صرف محنت طلب ہے بلکہ خاصا مہنگا بھی پڑتا ہے، جو وہاں کے غریب عوام کے بس کی بات نہیں۔

۱۹۴۵ء میں خلیفہءِ مجاز چودھری محمد شفیع صاحب سہروردی وہاں بطور PWI محکمہ ریلوے تعینات تھے۔ ریلوے ملازمین کے لئے پانی کا انتظام ریلوے ٹینکر کے ذریعے سے ہوتا تھا جو دور دراز کے ریلوے سٹیشنوں سے آتا چنانچہ چودھری صاحب قبلہ نے بطور صدقہ جاریہ اپنی گرہ سے ریلوے کالونی کی حدود میں کنواں لگوانے کا ارادہ فرمایا۔ کنویں کی نشان دہی کے لئے کہ پانی نزدیک سے دستیاب ہو جائے اور میٹھا بھی ہو، اس سلسلہ میں انہوں نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کی طرف رجوع فرمایا۔ چودھری صاحب کے الفاظ میں ہی یہ واقعہ سنئے:

۱۹۴۵ء میں، میں مکھڈ روڈ سٹیشن پر تعینات تھا۔ وہاں سٹیشن سٹاف اور اردگرد کی آبادیوں کو پینے کے پانی کی تکلیف تھی۔ میں نے حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ اگر ممکن ہو تو کسی ایسی جگہ کی نشان دہی فرمائیں جہاں کنواں کھودنے سے پانی مل سکے۔

حضرت صاحب قبلہؒ نے خط کے ذریعے مطلع فرمایا کہ تمہارے بنگلے کے پاس جو ایک ریلوے کا پھاٹک ہے اس کے نزدیک راکھ کے ڈھیر والی جگہ پر کھدائی کرنے سے قریباً تیس فٹ کی گہرائی پر پانی مل جائے گا۔ جو جگہ حضرت صاحب قبلہؒ نے فرمائی تھی وہ لائن کے بہت قریب تھی اس لئے اس سے قریباً پندرہ فٹ پرے ہٹ کر ہم نے کھدائی شروع کر دی۔ پتھر کو کاٹ کر کھدائی کرنے سے بمشکل چھانچ روزانہ کام ہوتا تھا۔ جب تیس فٹ کے قریب کھود چکے تو پانی کا کوئی نشان نہ ملا۔ ہم نے کام بند کر دیا اور حضرت صاحب قبلہؒ کو خط لکھا کہ اب آپ خود تشریف لائیں۔ چند روز کے بعد حضرت صاحب قبلہؒ تشریف لائے اور میں ان کو ٹرالی پر داؤد خیل ریلوے سٹیشن سے مکھڈ روڈ ریلوے سٹیشن پر لایا۔ ابھی ہمارے بنگلے سے کچھ فاصلے پر ہی تھے کہ ٹرالی پر بیٹھے ہوئے ہی دور سے اشارہ کر کے بتایا کہ وہ راکھی کا ڈھیر ہے جہاں کھودنے کے لئے میں نے نشاندہی کی تھی۔

میں نے اس جگہ سے پرے ہٹ کر کھدائی کرنے کی وجہ بیان کی تو فرمایا کہ اب جہاں کھدائی کی ہے وہیں کام جاری رکھو لیکن اب پہلے بتائی ہوئی گہرائی سے قریباً دگنی گہرائی پر پانی ملے گا۔ حضرت صاحب قبلہؒ چند دن میرے ہاں قیام فرما کر واپس لاہور تشریف لے گئے۔ بعد میں اس جگہ جب قریباً ساٹھ فٹ کی گہرائی تک کھدائی پہنچی تو پانی مل گیا۔ پانی کے سوتے پہلی جگہ (یعنی وہ اصل جگہ جس کی حضرت قبلہؒ نے نشاندہی فرمائی تھی) کی طرف سے ہی آتے تھے۔

کنواں پکا کرنے کے بعد میں نے کنواں ریلوے کے محکمے کے حوالے کر دیا۔

چراغِ جن

حضرت محترمہ اماں جیؒ نے میری بیوی کو جولائی ۱۹۶۳ء میں یہ واقعہ سنایا کہ بیٹا تم تو جانتی ہی ہو کہ ہر سال عید میلاد النبی کے سالانہ جلسہ کے دوران باہر سے کافی مہمان آتے ہیں۔ اسی طرح ایک دفعہ بہت زیادہ مہمان آئے اور جھوٹے برتن اتنے زیادہ اکٹھے ہو گئے کہ بچیاں سارے دن کی تھکی ہاری رات کو انہیں دھو نہ سکیں۔ یہی سوچا کہ علی الصبح انہیں اب دھولیں گے چنانچہ رات کو گیارہ ساڑھے گیارہ بجے سب سو گئے۔ تقریباً ڈھائی تین بجے رات کو اچانک میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ باورچی خانے کی بتی جل رہی ہے اور برتنوں کے

الٹنے پلٹنے کی آواز آرہی ہے۔ باورچی خانے اور ہمارے سونے والے کمرے کے درمیان سیڑھیوں کا دالان ہے۔ مجھے خیال آیا کہ کوئی چور ہی نہ ہو جو برتن اکٹھے کر رہا ہے۔ تانبے کے بڑے بڑے برتن ہیں جو فی زمانہ کافی قیمتی ہیں چنانچہ میں نے بستر سے اٹھ کر باورچی خانے جانے کا ارادہ کیا۔ تمہارے ابا جی (حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ) اس وقت جائے نماز پر تھے' انہوں نے اشارے سے منع فرما دیا اور مجھے سو جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ میں سو گئی۔ علی الصبح اٹھی اور باورچی خانے میں گئی تو دیکھا کہ تمام برتن یعنی تانبے کے گھڑے' مٹکے' دیگچے اور پلیٹیں وغیرہ سب کی سب بالکل صاف ستھری ہیں اور قرینے سے لگی پڑی ہیں۔ میں سخت حیران ہوئی اور جلدی جلدی تمہارے ابا جی کے پاس آئی۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ رات کو چراغ یہ سب برتن صاف کر گیا ہے۔ تم سب لوگ بہت تھکے ہوئے تھے اس لئے یہ کام اس سے لیا ہے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کون چراغ؟ فرمانے لگے وہ جن ہے کبھی کبھی سلام کے لئے آجاتا ہے۔ رات کو جب تمہاری جاگ کھلی تو وہ برتن دھو رہا تھا۔ میں نے اسی لئے تمہیں باورچی خانہ میں جانے سے روک دیا تھا کہ تم اسے دیکھ کر ڈر جاؤ گی۔ میں نے کہا آپ بھی کمال کرتے ہیں گھر میں بچے اور بچیاں ہیں سامنے کمرے میں سوئے ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی جاگ کر کسی حاجت کے لئے باہر آجاتا اور اس کی نظر ''جن'' پر پڑ جاتی تو پھر کیا ہوتا؟ آپ مہربانی کر کے آئندہ اسے نہ بلائیں ہم خود ہی سارا کام کر لیا کریں گے۔

آپ مسکرا کر خاموش ہی رہے۔

میں اس کرم کے کہاں تھا قابل

حاجی چودھری محمد یوسف سہروردی اور حاجی چودھری شاہ محمد سہروردی ۱۹۵۷ء میں اکٹھے حج پر گئے۔ ارض مقدس میں ان کے ساتھ پیش آمدہ دو واقعات کا تذکرہ چودھری محمد یوسف سہروردی کی زبانی سنئے:

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں ہم دونوں پیر بھائی اکثر قبلہ حضرت صاحبؒ کا ذکر چھیڑ دیتے اور کہتے کہ سنا کرتے تھے کہ پیر مرید سے پہلے حج و زیارت کے لئے پہنچا ہوتا ہے۔ ہمیں قبلہ حضرت صاحب یہاں کہیں نہیں ملے۔ دور سے اگر کوئی شخص قبلہ کی شباہت کا نظر

آتا تو ارادتاً اس تک پہنچتے تا کہ تصدیق ہو جائے اور مغالطہ نہ رہے۔ آخر ڈیڑھ ماہ گزارنے کے بعد واپس پاکستان آئے۔ لاہور ریلوے سٹیشن پر ہجوم سے ایک طرف حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ کھڑے تھے۔ میں گاڑی سے اترا، قدم بوسی لی اور انتہائی مسرت میں رقت طاری ہوگئی۔ سٹیشن سے سیدھا اپنے گھر جانے کی بجائے قلعہ گوجر سنگھ پہنچے جہاں حضرت صاحب قبلہ نے حج سے واپس آنے والے دوستوں کی دعوت کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ قبلہ حضرت صاحب نے ہر دوست سے جو اس سال حج کرنے گیا تھا اس کی کہانی سنی لیکن جب میں کوئی وہاں کی بات کرنے کی اجازت مانگتا تو آپ مجھے خاموش کر دیتے۔ آخر ایک روز میں نے چودھری شاہ محمد سے کہا کہ آپ ہی پوچھ دیں کہ دربار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا آپ نے ہمارا ساتھ دیا تھا؟ چودھری صاحب نے جب یہ بات پوچھی تو فرمایا کیوں نہیں؟ ہم ہر وقت تمہارے ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ جاتے وقت راستہ میں مقام بدر پر بعد دوپہر جب تمہاری لاری قیام کے لئے ٹھہری تو تم دونوں بدر کی پانی والی کاریز پر نہانے کے لئے گئے۔ نہانے کے بعد قریب ہی کچی مسجد میں نماز ظہر کے لئے تم دونوں داخل ہوئے اور نماز سے فارغ ہو کر تم دونوں نے تلاوت شروع کر دی۔ کیا تم نے وہاں نہیں دیکھا تھا کہ دو اصحاب آپس میں عربی زبان میں کچھ باتیں کر رہے تھے؟ شاہ محمد نے کہا کہ حضور یہ سب کچھ وہاں کیا بھی اور دیکھا تھا۔ فرمایا کہ ان دو شخصیتوں میں ایک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔

دوسرا واقعہ یوں ہے کہ مدینہ منورہ میں ہر شام ہم سارے پیر بھائی حضور علیہ السلام کے قدوم میمنت لزوم کی جانب جالی سے ہٹ کر مسجد کی دیوار کے ساتھ کھڑکی کے نیچے بیٹھا کرتے اور روضہ اقدس کو روبرو رکھتے۔ ہم دیکھا کرتے کہ دو اصحاب روزانہ عین جالی کے قریب بیٹھے تسبیح پھیرا کرتے ہیں اور ہماری طرف دیکھ کر کبھی کبھی مسکرا بھی دیا کرتے ہیں۔ حضرت صاحب قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ واقعہ بھی شاہ محمد صاحب کو بیان فرمایا کہ تم سب دوست ان دو شخصیتوں کو دیکھ کر حیران بھی ہوتے تھے کہ یہ کیسے جالی کا قرب حاصل کئے ہوئے ہیں؟ اور شرتی (محافظ سپاہی) ان کو یہاں سے کیوں نہیں اٹھاتے؟ ان میں سے ایک حضرت صدیق اکبر اور دوسرے حضرت فاروق اعظم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ ان کا وجودِ باجود صرف تمہیں نظر آتا تھا۔ شرتی یا دوسرے لوگوں کی نظروں سے وہ

شخصیتیں اوجھل تھیں۔

بچہ تندرست

راقم الحروف کے حاضر دربار ہونے سے پیشتر حضور ایک واقعہ بیان فرما رہے تھے جس کے متعلق مجھے فرمایا کہ تم بعد میں چودھری یوسف صاحب سے پوچھ لینا چنانچہ چودھری صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت قبلہ بیان فرما رہے تھے کہ چند دن پیشتر جب آپ کراچی گئے ہوئے تھے تو وہاں حکیم محمد مودود سہروردی کی طرف سے تار ملا کہ میرا بچہ سخت بیمار ہے دعا کریں اللہ رحم فرمائے۔ بعد میں ان کا تفصیلی خط ملا جس میں لکھا تھا کہ آج جب بارش ہو رہی تھی میرا پانچ سالہ بچہ باہر کھیل رہا تھا کہ یکا یک اس کے ہاتھ پاؤں سن ہو گئے اور بے ہوش ہو گیا۔ اتفاق سے ایک جھاڑ پھونک کرنے والا شخص آ گیا۔ اس نے میرے گھر والوں کو کہا کہ اسے جن کا سایہ ہو گیا ہے میں اسے حال میں لاتا ہوں۔ یہ ٹھیک ہو جائے گا چنانچہ وہ بچے کو حال میں لاتا رہا۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ بچہ حال میں کھیلتا رہا مگر اسی طرح بے ہوش رہا۔ میں نے اسے کہا کہ یہ تو اس حال کی کیفیت میں وجد کر کر کے مر جائے گا۔ تو اپنی کاریگری رہنے دے۔ میرے پیر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے انہیں اس کی بیماری کی اطلاع بذریعہ تار دے دی ہے۔ جب تک ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی میں اسے اب کھیلنے نہیں دوں گا۔ چنانچہ حضرت قبلہؒ کو جب حکیم صاحب کا تار ملا تو انہوں نے بذریعہ تار بواپسی جواب بھیجا ''گھبراؤ نہیں ہم آ رہے ہیں'' ادھر حکیم صاحب کو وہ تار ملا ادھر بچہ ہوش میں آ گیا اور بفضل تعالیٰ بالکل تندرست ہو گیا۔

ٹھیک ٹھاک

بابو محمد اسماعیل سہروردی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ چودھری امتیاز علی سہروردی جوان دنوں لاہور میں ڈپٹی ڈائریکٹر ایکسائز و ٹیکسیشن تھے بڑی پریشانی کے عالم میں آستانۂ عالیہ پر آئے۔ ان کی اکلوتی بیٹی جو ایم اے میں پڑھتی تھی راولپنڈی اپنی والدہ کے ہمراہ گئی ہوئی تھی جہاں وہ سخت بیمار ہو گئی۔ چودھری صاحب اس کی صحت یابی کی دعا کے لئے حاضر ہوئے۔ اتفاق سے حضرت صاحب قبلہ اس وقت کسی کام سے مزنگ گئے ہوئے تھے۔ چودھری

صاحب نے کچھ دیر انتظار کیا' آخر مایوس ہو کر واپس لوٹے۔ ابھی باہر گلی میں سیڑھیاں اتر ہی رہے تھے کہ حضرت صاحب قبلہؒ تشریف لے آئے۔ حضور نے مسکراتے ہوئے بغیر استفسار کے چودھری صاحب کو فرمایا: چودھری صاحب! کیوں پریشان ہو (بچی کا نام لے کر) وہ بفضل تعالیٰ بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ اس کی صحت یابی کی اطلاع آپ کو مل جائے گی۔ دوسرے دن بچی کا خط مل گیا کہ میں اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔

یہ پُراسرار بندے

خواجہ عبدالرشید سہروردی انجینئر (سمن آباد لاہور) نے اپنی بیعت کا واقعہ یوں بیان کیا:

میں ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۳ء تک سندھ میں بسلسلہ ملازمت رہا۔ رتو ڈھیرو اور نوڈھیرو کے درمیان نہر پر میری ڈیوٹی تھی۔ وہاں جاتے ہوئے راستے میں تقریباً چار میل کے فاصلے پر ایک قبر نما کچی ڈھیری تھی۔ وہاں سے گزرتے ہوئے بے اختیار دلی کشش سی محسوس ہوتی چنانچہ میں اسی ڈھیری سے چند قدم ورے ہی گھوڑے سے اتر پڑتا اور فاتحہ خوانی کے بعد پھر آگے روانہ ہوا کرتا۔ میرا یہ معمول تقریباً سات سال تک رہا۔ اس کے بعد میں نوکری چھوڑ کر لاہور آ گیا اور مزنگ میں اپنے سسر کے ہاں رہائش اختیار کر لی۔ رمضان شریف قریب تھا۔ میرے اہل وعیال انڈیا چلے گئے اور میں گھر میں اکیلا ہی رہ گیا۔ گھر کے قریب بھونڈ پورہ میں مسجد تھی جہاں نماز کے لئے چلا جاتا۔ اس مسجد میں صوفی فیروزالدین سہروردی امامت کراتے تھے۔ بازار میں صوفی صاحب کی بیکری کی دکان تھی۔ اس سے پہلے میری ان سے شناسائی نہیں تھی۔ مسجد میں ہی علیک سلیک ہوئی۔ نماز پڑھنے کے بعد مسجد سے باہر جاتے ہوئے میں نے نوٹ کیا کہ کوئی شخص نمازیوں کی جوتیاں سیدھی کر جاتا ہے تاکہ انہیں پہننے میں آسانی رہے۔ میں اس ٹوہ میں رہا کہ دیکھوں کہ یہ کون شخص ہے؟ آخر ایک دن میں نے دیکھ ہی لیا کہ جوتیاں سیدھی کرنے والے صوفی فیروزالدین سہروردی[1] ہیں جو امامت کراتے ہیں۔ ان کی اس منکسر المزاجی کا مجھ پر بڑا اثر ہوا۔ میں نے ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا شروع کر دیا اور چند صحبتوں میں محسوس ہوا کہ یہ کوئی صاحب دل ہیں۔ اگلے دن جمعۃ الوداع تھا۔ میں نے صوفی صاحب سے پوچھا کہ آپ جمعہ کہاں پڑھتے ہیں؟ فرمانے لگے قلعہ گوجر سنگھ مسجد

---

[1] آپ کو جنوری ۱۹۵۰ء میں خلافت عطا ہوئی۔

چودھریاں میں جہاں میرے پیر و مرشد حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردی جمعہ پڑھاتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ کل مجھے بھی ہمراہ لے چلیں۔ اگلے دن میں ان کے ہمراہ مسجد چودھریاں میں پہنچا اور حضرت قبلہ کا وعظ سنا جس سے طبیعت پر بہت گہرا اثر پڑا۔ نماز سے فارغ ہوا تو دیکھا کہ حضرت قبلہؒ دوسرے نمازیوں کے گھیرے میں ہیں۔ چنانچہ میں نے نفل ادا کرنے شروع کر دیئے۔ نفلوں سے فارغ ہوا تو معلوم ہوا کہ صوفی صاحب حضرت قبلہؒ کے ہمراہ جا چکے ہیں۔

میں چونکہ اس علاقے میں پہلی دفعہ گیا تھا اس لئے کسی سے حضرت قبلہؒ کے گھر کا پتہ نہ پوچھا اور سیدھا اپنے گھر واپس آ گیا۔ عصر کی نماز پر صوفی صاحب سے جب ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں عرض کی کہ حضرت آپ مجھے اکیلے ہی چھوڑ کر چلے گئے۔

کہنے لگے بھئی! میں حضرت صاحب قبلہ کے ساتھ ہی مسجد سے باہر نکل آیا۔ مجھے تمہارا خیال تھا اور میں نے حضرت قبلہ سے آپ کے متعلق عرض بھی کی مگر وہ فرمانے لگے آج انہیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے نفل پڑھنے دو۔ آج ان کے متعلق اپنے بزرگوں سے پوچھیں گے۔

صوفی صاحب کی یہ بات سن کر میں چونک گیا اور ایک کسک سی دل میں محسوس کی۔ صوفی صاحب کو میں نے کہا کہ آپ اب ان بزرگوں کے پاس کب جائیں گے؟ صوفی صاحب نے کہا کل صبح فجر کی نماز کے بعد۔ چنانچہ اگلے دن فجر کی نماز کے بعد میں ان کے ہمراہ قلعہ گوجر سنگھ پہنچا۔ صوفی صاحب نے صاحبزادہ فیض میاں کو آواز دی۔ جواباً حضرت قبلہؒ نے اوپر کی منزل سے بیٹھک کی چابی صوفی صاحب کو پھینکی کہ آپ وہاں بیٹھیں ہم ابھی آتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت قبلہ بھی وہاں بیٹھک میں تشریف لے آئے ان سے گویا بالمشافہ یہ پہلی ملاقات تھی۔ حضرت قبلہؒ نے پہلا سوال مجھ سے یہ کیا کہ ''جمعہ سائیں'' کون تھے۔

میں نے عرض کی کہ وہ میرے پردادا تھے۔

فرمایا: کشمیر سے وہی آئے تھے؟ بڑے پائے کے بزرگ تھے۔ پیدل بہت سفر کرتے تھے۔ حج بھی انہوں نے پیدل ہی کیا تھا۔ تمہیں بیعت کرنے کی وہ سفارش کرتے ہیں۔

میں نے عرض کی کہ قبلہ میں نے انہیں دیکھا نہیں ہے لیکن سنا یوں ہی ہے جیسا کہ آپ

فرمارہے ہیں۔

مجھ سے پھر پوچھا دوران ملازمت سندھ بھی رہے ہو؟

میں نے عرض کی جی قبلہ!

فرمایا: جس بزرگ کی کچی قبر پر تم ازراہ عقیدت گھوڑے سے نیچے اتر کر فاتحہ خوانی کیا کرتے تھے وہ حضرت محمد بن قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہی تھے' انہوں نے بھی تمہیں بیعت کرنے کے لئے میرے پاس سفارش کی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت لال شہباز قلندر رحمتہ اللہ علیہ نے بھی سفارش کی ہے کہ تمہیں بیعت کرلوں۔

میں بہت زیادہ متاثر ہوا۔ حضور نے اپنے دست بیعت سے مشرف فرمایا اور ایک نور کا شعلہ دل کی جگہ سے نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کے بعد حضرت قبلہ نے سبق تلقین فرما کر رخصت کی اجازت دے دی۔

شانِ قلندری

صوفی فضل الرحمان سہروردی نے بیان کیا کہ حضرت قبلہؒ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں کیمیا گر ہوں۔ آپ نے فرمایا ہو گے مجھے اس سے کیا واسطہ؟ کہنے لگا کہ شاید آپ کو یقین نہیں آیا۔ میں نے اپنی کیمیا گری سے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنی بہنوں کی شادی کی ہے۔ اور یہاں لاہور میں کئی مکانات بھی بنائے ہیں۔ اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ وافر دولت کے باوجود سکونِ قلب نصیب نہیں۔ اسی غرض کے لئے میں پنجاب کے مختلف سجادہ نشینوں سے ملا ہوں مگر جب اپنا تعارف ان سے بحیثیت کیمیا گر کرایا تو انہوں نے میری بات سننے کے بعد کیمیا کا نسخہ ہی مجھ سے پوچھا۔ آپ پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے بڑی بے نیازی سے میری کیمیا گری کو ٹھکرا دیا ہے۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوا ہوں اور آپ کو صحیح نسخہ بتا دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا: حضرت سلیمان تونسوی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص آیا اور عرض کی کہ حضرت میں آپ کا وسیع لنگر دیکھ کر بڑا متاثر ہوا ہوں۔ آپ کا خرچ بہت وسیع ہے۔ میرے پاس ایک عمل ہے جس سے ہر روز دو اشرفیاں مصلے کے نیچے سے مل جاتی ہیں۔ یہ عمل میں آپ کو بتا دیتا ہوں تا کہ آپ کے لنگر کے اخراجات کے لئے آسانی رہے۔ آپ

نے فرمایا کہ وہ عمل کر کے دکھا۔ چنانچہ اس نے وہ عمل کیا اور مصلے کے نیچے سے واقعی دو اشرفیاں مل گئیں۔ آپ نے فرمایا تیرا عمل سچا ہے' میرے پیر نے بھی مجھے ایک عمل بتایا تھا وہ دیکھ! چنانچہ آپ نے زمین پر ہاتھ مارا اور چاروں قل پڑھنے شروع کئے اور آہستہ آہستہ زمین سے اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھانے شروع کئے۔ جہاں وہ چار قل ختم ہوئے وہاں تک اشرفیوں کا ڈھیر لگ گیا۔

وہ شخص بڑا حیران ہوا۔ آپ نے فرمایا حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اگر میں اس عمل کو کرتا تو میرا توکل خدا پر سے اٹھ جاتا۔ میرے عزیز! یہاں جو کوئی بھی آتا ہے وہ اپنا رزق ہمراہ لے کر آتا ہے، اپنا ہی رزق کھا کر چلا جاتا ہے اور ذات باری تعالیٰ پر میرا توکل کامل کر کے چلا جاتا ہے۔

یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد حضرت قبلہؒ نے اس کیمیا گر کو فرمایا کہ میاں! اگر مجھے ایک روپے کی ضرورت ہو تو شام تک ایک روپیہ آجاتا ہے اور اگر ایک ہزار کی ضرورت پڑے تو ایک ہزار آجاتا ہے مجھے تیری کیمیا گری کا کیا فائدہ؟

وہ شخص اٹھ کر باہر چلا گیا اور جا کر قلعہ گوجر سنگھ کے گرد و نواح کی دکانوں سے دریافت کیا کہ حضرت کا ذریعہ معاش کیا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ آپ کی لمبی چوڑی جائیداد نہیں یہی رہائشی مکان ہیں۔ ان کا کام اللہ تعالیٰ چلا رہا ہے۔ آپ نہ تو کسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں اور نہ قرض لیتے ہیں۔ وہ شخص آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت میں قسم کھا کر کہتا ہوں میرے پاس صحیح نسخہ کیمیا ہے اور میں آپ کو بتا کر ہی جاؤں گا۔

آپ نے فرمایا: میاں! تم اپنی کیمیا گری اپنے پاس رکھو اور میرا سکون میرے پاس رہنے دو۔

اس شخص نے پھر اپنے طمانیت قلب کے لئے عرض کی۔ آپ نے اسے پڑھنے کے لئے سبق فرما دیا اور وہ اٹھ کر چلا گیا۔

سکونِ قلب کی دولت اُنہیں ہی ہاتھ آتی ہے
جو ذکرِ دوست میں خاور ہمیشہ محو رہتے ہیں

قصیدہ مدحیہ

(از جناب ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب سلیمی قادری شیخوپورہ)

عاشق ہوں میں نبیؐ کا ثنا خواں علی کا ہوں　　ادنیٰ سا اک غلام میں ہوں غوثِ جلی کا ہوں
یعنی سگِ حقیر اک ان کی گلی کا ہوں　　اور اس پہ مفتخر ہوں قسمت بھلی کا ہوں
خدمت گزار، معتقد اک اک ولی کا ہوں
مدّاح آج صوفی قلندر علی کا ہوں

عالم، فقیہ، عارفِ کامل جناب ہیں　　صوفی ہیں باکمال، سخی لاجواب ہیں
سر پر ہے تاجِ فقر، فضیلت مآب ہیں　　اہلِ نصیب ان سے سبھی فیض یاب ہیں
بٹتا ہے صدقہ نام محمدؐ کے فیض سے
حضرت میاں غلام محمد کے فیض سے

بوالفیض ہیں یہ، منبعِ لطف وعطا ہیں یہ　　گم گشتگاں کے رہبر و قبلہ نما ہیں یہ
عین الکرم ہیں، چشمۂ جود وسخا ہیں یہ　　اہلِ نظر پہ رحمت و فضلِ خدا ہیں یہ
در پہ جو آئے بخرے مقدر کے لے گئے
سب اپنی اپنی جھولیاں بھر بھر کے لے گئے

منظورِ بارگاہِ معلّٰی حضور ہیں　　ہم عاجزوں پہ رحمتِ ربِ غفور ہیں
سرکارؐ دو جہاں کے کرم کا ظہور ہیں　　ان کی عطا سے راہ ولایت کا نور ہیں
ان پر ہیں بالخصوص عنایات غوثیہ
الطافِ سہروردیہ فیوضاتِ غوثیہ

مقبول ہیں خدا کے یہ اور عاشقِ رسول　　عشقِ رسول ان کی طریقت کا ہے اصول
اس کے سوا ہے ان کے لئے اور سب فضول　　ہیں آپ گلستانِ حقیقت کا ایک پھول
کیا رنگ و بو ہے پھول میں کیا آب و تاب ہے
ہو کیوں نہ سہروردی چمن کا گلاب ہے

ہیں آپ سہروردی نیابت سے بہرہ ور ان پر ہے خاص مرشدِ فیاض کی نظر
اسرارِ معرفت کے ہیں دانا بزرگ تر قرآن حدیث کے ہیں معارف سے باخبر
ہو منکرِ حدیث یا ہو اہلِ قادیاں
مرعوب ان کے سامنے ہر ایک بے گماں
ہے شان رعب آپ کی علمی کمال سے حق کی عطا سے فقر کی تیغِ جلال سے
زورِ دلیلِ علم سے شیریں مقال سے اللہ کے دیئے ہوئے نورِ جمال سے
درگاہِ ذوالجلال میں ان کے قبول کی
برہان ہے کتاب ''جمالِ رسول'' کی
اللہ نے یہ شان بڑھائی ہے آپ کی دربارِ مصطفیٰ میں رسائی ہے آپ کی
اس واسطے خدائی فدائی ہے آپ کی کیا مرتبت خدا نے بنائی ہے آپ کی
ہم کو ہے فخر و ناز کہ ہیں آپ کے غلام
رحمت خدا کی آپ پر ''وعلیکم السلام''

○

تکملہ

آخری اصلاح کردہ مقالہ:-

راقم الحروف کا وہ مقالہ جو حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے وصال سے چند گھنٹے پیشتر سماعت فرما کر برائے اشاعت قبول فرمایا:

بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

تہذیب حاضر کی خیرہ کن چمک سے صنف نازک جس شدت سے متاثر ہوئی ہے اور وہ غلط روی کا شکار ہو کر رہ گئی ہے' اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ دختران ملت کو ان کے صحیح مقام سے آگاہ کیا جائے۔ اس سے پیشتر عامتہ المسلمین کی مذہب سے غفلت شعاریوں کے پیش نظر ''مرکزی مجلس سہروردیہ'' نے گزشتہ کئی سالوں سے اپنے ہر سالانہ جلسہ پر مختلف موضوعات پر ایک تبلیغی کتابچہ طبع کرا کر تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے چنانچہ یہ موجودہ قسط بھی اسی عظیم سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ خدا کرے کہ دختران ملت جو احکام دین سے لاعلمی

زمانے کی مسموم ہوا سے متاثر، تہذیب مغرب کی اندھا دھند تقلید کی بناء پر جادۂ مستقیم سے دور ہوگئی ہیں انہیں اپنے محاسبہ کی توفیقِ رفیق عطا ہو۔ ان کے اس جوہر نسوانی کو جلا حاصل ہو جو عصر حاضر کی نام نہاد روشنی سے مرعوب ہونے کی بنا پر نہ صرف ماند پڑ گیا ہے بلکہ یکسر برباد ہو کر رہ گیا ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی۔

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے "شمعِ انجمن"، پہلے "چراغِ خانہ" تھی

خدا کرے کہ انہیں اپنی اس غلط روی کا احساس ہو اور وہ اس نور حقیقی سے منور ہونے کی سعی کریں جس کی ضوفشانی نے اسلاف خواتین عظام کو وہ حیات ابدی بخشی کہ آج ان کے کارہائے نمایاں آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے تا قیامت مشعل راہ بن گئے ہیں۔

آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر اقبالؒ

تاریخ شاہد ہے کہ عورت مختلف ادوار میں مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھی جاتی رہی ہے اور نوع انسانی میں بالعموم اکثریت ایسے ہی لوگوں کی رہی ہے جو عورت کو فقط اس کے آب و رنگ اور خد و خال ہی کی وجہ سے اہمیت دیتے رہے ہیں اور اسی چیز کا حسن و قبح ان کے نزدیک اس ہستی اعلیٰ کی عزت و ذلت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ عہد عتیق کی عورتیں جس کسمپرسی اور بدحالی میں مبتلا تھیں اس کے اذکار سے آج خفت محسوس ہوتی ہے اور سر بے اختیار فرط ندامت سے جھک جاتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق الٹنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے راہ رو عورت کے ہاتھ میں جب زمامِ اقتدار آتا ہے تو وہ اپنی ہوس رانیوں کے باعث بیسوں مخلوق خدا کے لئے اک عذاب ثابت ہوتی ہے۔ ہیلن یونان کی حسین ترین عورت کی وجہ سے ٹرائے کا ملک تباہ ہو جاتا ہے۔ محض اس لئے کہ دو طاقتور شہزادے اس کی محبت کا دم بھرتے تھے اور اس کے حسن فانی سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ قلوپطرہ مصر کی حسین ترین ملکہ جس کے اشارۂ ابرو پر سلطنتیں زیروزبر ہو جاتی تھیں۔ اپنی ہوس رانیوں سے خود اپنی سلطنت کو زیروزبر کر گئی۔ قرۃ العین ایران کی وہ بے مثال حسینہ جس کے گرد لاکھوں جانثاروں کی فوج ظفر موج تھی۔ جو جنسی میلان کی تسکین دہندہ موجودہ تہذیب کی داعی تھی جن کے نزدیک عورت باغِ دنیا کا

ایک بہترین پھول تھا اور ہر فرد اس سے متمتع ہونے کا حق دار تھا۔ ایران کے لئے اپنی غلط روش کی وجہ سے تباہی کا سامان ثابت ہوئی۔ دور حاضر کو ہی لیجئے کیا یہ کرۂ ارض ہوس پرستیوں، عیش کوشیوں اور بے حیائیوں کی وجہ سے جہنم کدہ نہیں بنا ہوا؟ کیا ان کے نتائج نے فضا کو ایسا مسموم و مکدر نہیں کر دیا کہ بے اختیار دم گھٹتا ہے۔

جس تہذیب کے فن کا پہلا اور آخری نقش، عورت کی برہنہ تصویر اور مختلف زاویوں سے اسے نمایاں کرنا ہو، جس تمدن کا ابتدائی اور انتہائی معراج، عورت کو رقص گاہوں، پارکوں، کلبوں اور قحبہ خانوں کی زینت بنانا ہو، جس معاشرت میں نفسانی خواہشات کی فراوانی نئے سورج کے ساتھ نئے زوج کی متلاشی ہو، جو تہذیب حجاب و پردہ کی دلدادہ اور ایک پیکر عصمت و عفت کو اس کی حقیقی راہ سے بھٹکا کر اسے ہر مذہبی، قومی اور ہر اخلاقی پابندی سے آزاد کرانے کی دعوت دے اور اپنے برہنہ شباب اور عریاں حسن کے مظاہروں کے لئے غیرت و حمیت کی تمام بندشوں سے بے نیاز ہونا، سر عام مرکزوں میں مردوں کے جذبات کو مشتعل کرنا، نگاہوں کو روندنا اور اپنی ترقی شباب کی امنگوں کو منظر عام پر لانا ہی اس کے ''سوشل'' ہونے کی دلیل ہو۔ اپنی ہوس کاریوں اور جنسی اشتہا کو پورا کرنے کو محبت کا نام دے، کیا یہی تہذیب ان کے نزدیک ترقی کا زینہ ہے؟ کاش وہ ان ابوالہوسوں کے مفہومِ محبت اور ہم رنگ زمین دام ترقی کا شکار ہونے سے پیشتر یہ سوچتیں کہ:

گو فکرِ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد اقبالؒ

جنسی میلان اور جنسی بھوک، ملحدانہ معاشرت کے وہ جذبات انگیز الفاظ ہیں جن میں حیوانیت اور شہوانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ یہ دو مرکب موجودہ دور کے تصورات اور تخیلات فلسفہ کی تفسیر تو ہو سکتے ہیں لیکن محبت جیسے پاکیزہ لفظ اور لطیف شے کے لئے ایسے کثیف الفاظ کا استعمال موجودہ صدی کے ''ادب برائے زندگی'' کا اعجاز ہے، لیکن نہایت ذلیل۔ ماں کی محبت، باپ کی محبت، بھائی کی محبت، بہن کی محبت ان میں جنسی میلان کہاں ہے؟

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر اقبالؒ

کاش وہ سمجھتیں کہ محبت جنسی میلان سے ماورا ایک جذبہ ہے جس کی جھلک سے یہ

خاکدانِ تیرہ کئی بار چمکا۔ ایک بار کئی ہزار برس پہلے بابل کی سرزمین پر حقیقی محبت نے نار کو گلزار بنایا اور محبوب سے خلیل اللہ کا لقب پایا۔ ایک بار پھر یہ جذبہ ایک لق و دق صحرا میں پرتو فگن ہوا جب کہ گردن تسلیم خنجر کے نیچے رکھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحرا کا وہ بے آب و گیاہ خطہ آج مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ پھولوں طراوتوں اور تازگیوں سے سرسبز و شاداب اور مبارک ترین پانیوں سے سیراب ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ پر غور کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ فلسفہ محبت کی گہرائیاں کیا معنے رکھتی ہیں؟ عزیز مصر کے فردوس نظر محل میں کیا کچھ موجود نہیں تھا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی بصیرت اور فراست' محبت اور فریق ثانی کے اس پیدا شدہ جذبہ کے نازک امتیاز کو خوب سمجھتی تھی۔ ان کے عمل نے مصر کی قسمت کو بہتری کے لئے بدل ڈالا۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ صرف اسلام ہی تھا جس نے سوسائٹی میں عورت کا درجہ بلند کیا۔ اسے عزت بخشی' اس کے چہرے کے غصب شدہ آب و رنگ کو جسے حریص انسانوں نے اپنی سیاہ کاریوں سے مسخ کر ڈالا تھا دوبارہ زینت بخشی۔ جنس اشراف میں شمار کرایا۔ اس کی فریاد رسی کے حقوق منوائے اور ہر قسم کی خانگی اور سماجی مراعات کا مستحق ٹھہرایا۔ اور یہ اسلام ہی تھا جس نے عربوں کی زندہ درگور کر دی جانے والی لڑکیوں کو موت کے مہیب چنگل سے بچا کر حیات نو بخشی۔ جس نے یہودیوں کی ٹھکرائی ہوئی خواتین جو اسے گندی اور ناپاک مخلوق سمجھتے تھے اپنی آغوش محبت میں جگہ دی۔ جس نے مجوسیوں کے ننگِ انسانیت عذاب سے انہیں نجات دلائی۔ جس نے کلیسا کی در پردہ سیاہ کاریوں کو بے نقاب کر کے اسے اپنے دامنِ ایمن میں پناہ دی۔ جس نے ہندوازم کی مظلوم اور ''منوشاستر'' کی دُھتکاری ہوئی عورت کو عزت بخشی۔ ستی کی ظالمانہ رسم یعنی آگ میں کود کر حرام موت مرنے سے بچایا۔ باوقار زندگی بخشی اور وراثت کا حق دار ٹھہرایا۔ نہ صرف معاشرۂ عالم میں باوقار جگہ دی بلکہ عرفان الٰہی کی راہ سجھائی اور مختلف اقوام جنہوں نے اسے ہوس رانیوں کا ایک آلہ اور جذبات کے پورا کرنے کا ایک مزین کھلونا بنا رکھا تھا اسے اس کے صحیح مقام سے روشناس کرایا۔ معاشرے کو اس بات کا احساس دلایا کہ عورت کی دلجوئی' اس کی حرکات و سکنات کا ضبط' اس کے کیریکٹر کی نگرانی اور اچھی نسلوں کا امکان زیادہ تر مرد کی اپنی توجہ اور تنظیم پر موقوف ہے۔ اس کے برعکس عورت کو یہ ذہن نشین کرایا کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور حدود اللہ سے اجتناب' گریز یا

زیادتی' تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ عورت اور مرد کے حقوق متعین کر کے معاشرے کی اس مستقل خرابی کو جس نے روز مرہ زندگی کے نظام کو درہم برہم کر ڈالا تھا' ایک مستقل ضابطہءِ حیات عطا فرما کر ضبطِ دوام بخش ڈالا۔ عورت معاشرتی لحاظ سے جن مختلف ادوار سے گزری اس پر سیر حاصل تبصرہ کی اس مختصر سے مقالے میں گنجائش نہیں۔ اسلامی نقطہءِ نظر سے عورت کی حیثیت اور اس کے حقوق کے متعلق تفصیلی بحث ''میرے سیدی و مرشدی حضرت قبلہ سید[1] ابوالفیض قلندر علی صاحب سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے'' اپنی کتاب ''دختر ملت'' اور ''نور مستور'' میں کردی ہے جو انشاء اللہ العزیز! اہل ذوق کی اس ضمن میں تشنگی بجھانے کا موجب بنے گی۔

یہاں ہمیں صرف یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ اسلام کے مکمل ضابطہءِ حیات پر عمل پیرا ہو کر اور تقلید و اتباعِ سنت نبویؐ میں ہماری مشاہیر و مقتدر مادرانِ ملت نے جو انمٹ نقوش چھوڑے ہیں دخترانِ ملت کو ان پر فکر و عمل کی دعوت دی جائے تا کہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ بزعمِ خویش جس ''راہ ترقی'' پر وہ گامزن ہیں وہ درحقیقت ''قعرِ مذلت'' کا ایک سنگِ میل ہے۔

ترسم کہ بکعبہ نرسی تو اے اعرابی!
کیں راہ کہ تُو می روی بہ ترکستان است

علم اگر علم ہو تو آدمی کا راہنما بنتا ہے اور اگر محض کسی زبان کے سیکھنے تک محدود رہا تو وہ علم نہیں زبان دانی ہے اور ایسے علم کا ذخیرہ آدمی کے لئے ''حجابِ اکبر'' بن جاتا ہے۔ علم وہی ہے جو انسان کو معرفتِ الٰہی کا درس دے اور حضور علیہ السلام کے اتباع میں فقر و فخر کا قوام کر کے رکھ دے۔ کیا ایم اے یا اس سے اوپر تک پڑھ لینا علم ہے یا کلام الٰہی سے عرفان حاصل کرنا علم ہے؟ اگر یہی علم ہے تو ان ڈگریوں سے وہ باخدا کیوں نہیں بن جاتیں؟ خدا کرے کہ وہ مغربی تہذیب کی رنگ آرائیوں میں محو ہونے کی بجائے اسلام کے آئینے میں اپنی مسلمانی کے اس حقیقی خدوخال کو دیکھنے کی کوشش کریں جو ان کی سعادت دارین کا باعث بن سکے۔

دستِ ہر نا اہل بیمارت کند سوئے ما در آ کہ تیمارت کند

☆☆☆

---

[1] مقالے میں حضرت قبلہ رحمتہ اللہ کے اسم گرامی کی جگہ راقم الحروف نے یہ الفاظ لکھے تھے ''فقیر نے''، جنہیں بعد ازاں خط کشیدہ الفاظ میں بدل دیا گیا۔

شجرۂ طریقت سلسلۂ عالیہ سہروردیہ

سرکار دو عالم رحمت العالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ | حضرت عمر فاروق رضؓ | حضرت عثمان رضؓ | حضرت علی مرتضےٰ رضؓ

سلسلۃ آبائی حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی

- محمد بن ابو بکر
- القاسم
- عبدالرحمٰن
- نضر
- سعد
- قاسم
- نضر
- قاسم
- حسین
- سعد
- شیخ عبداللہ بکری المعروف شیخ عمویہ
- شیخ محمد
- شیخ عبداللہ (برادر وجیہ الدین)
- شیخ محمد الدین
- شیخ الشیوخ

سلسلۃ الذہب

حضرت امام حسنؓ | حضرت امام حسینؓ

- امام زین العابدین
- امام محمد باقر
- امام جعفر صادق
- امام موسیٰ کاظم
- امام علی بن موسیٰ رضا

سلسلۃ المشائخ

حضرت کمیل بن زیاد رضؓ | حضرت حسن بصری

- خواجہ حبیب عجمی
- خواجہ داؤد طائی
- خواجہ معروف کرخی
- خواجہ سری سقطی

سید الطائفہ خواجہ خواجگان حضرت جنید بغدادی

مشاد علوی

- احمد اسود دینوری

ابو محمد رویم

- عبداللہ خفیف
- ابوالعباس نہاوندی
- اخی فرخ زنجانی

علی رودباری

- ابو علی کاتب
- ابو علی عثمان
- ابو القاسم گورگانی
- ابو بکر بناج
- احمد غزالی

ابو بکر شبلی

- عبدالعزیز تمیمی
- عبدالواحد تمیمی
- ابوالفرج طوسی
- ابوالحسن نیکاری
- ابو سعید ابوالخیر مخرومی

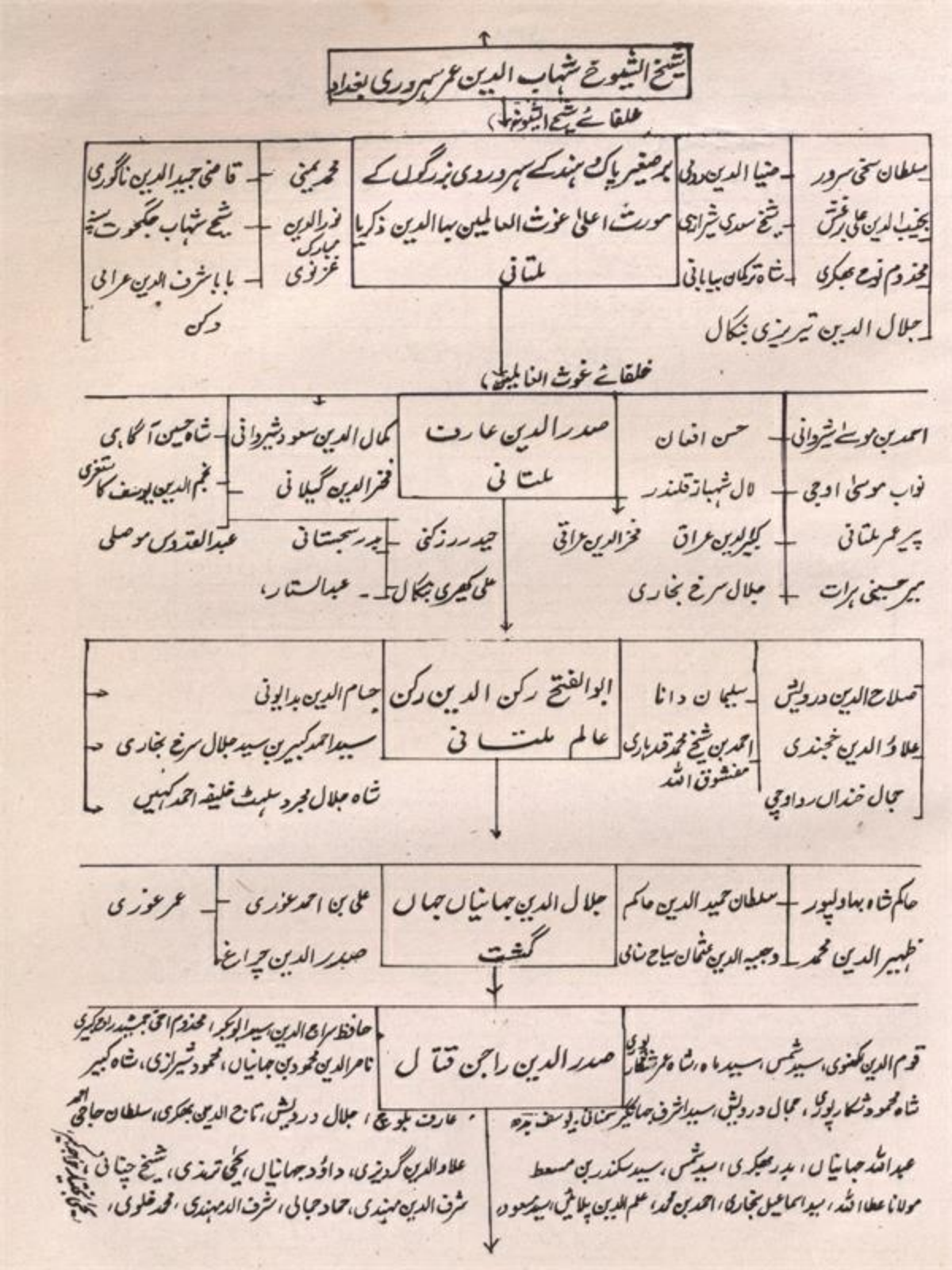
شیخ وجیہ الدین

شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی بانی سلسلہ عالیہ سہروردیہ

غوث الاعظم پیران پیر سید عبدالقادر جیلانی

شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی بغدادی

عمار یاسر | روزبہان کبیر مصری | اسماعیل قصری


شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی بغداد
خلفائے شیخ الشیوخ
برصغیر پاک و ہند کے سہروردی بزرگوں کے مورث اعلیٰ غوث العالمین بہاالدین ذکریا ملتانی
سلطان سخی سرور
نجیب الدین علی برغش
مخدوم نوح بھکری
ضیاالدین دری
شیخ سعدی شیرازی
شاہ ترکمان بیابانی
جلال الدین تبریزی بنگال
محمد یمنی
نورالدین مبارک غزنوی
بابا شرف الدین عراقی دکن
قاضی جیدالدین ناگوری
شیخ شہاب جگجوت سنبھل
خلفائے غوث الثقلین
صدرالدین عارف ملتانی
احمد بن موسیٰ شیروانی
نواب موسیٰ اوجی
پیر عمر ملتانی
میر حسینی ہرات
حسن افغان
لال شہباز قلندر
بکیرالدین عراقی
جلال سرخ بخاری
کمال الدین سعود شیروانی
فخرالدین گیلانی
حیدر زنگی
علی کھیری بنگال
بدر سجستانی
عبدالستار
شاہ حسین آگاہی
نجم الدین یوسف کاشغری
فخرالدین عراقی
عبدالقدوس موصلی
ابوالفتح رکن الدین رکن عالم ملتانی
سلیمان دانا
احمد بن شیخ محمد قندہاری مفشوق اللہ
صلاح الدین درویش
علاؤ الدین خجندی
جمال خنداں رداوجی
جمام الدین بدایونی
سید احمد کبیر بن سید جلال سرخ بخاری
شاہ جلال مجرد سلہٹ خلیفہ احمد کہیں
جلال الدین جہانیاں جہاں گشت
سلطان حمید الدین حاکم
وجیہ الدین عثمان سیاح ثانی
حاکم شاہ بہاولپور
ظہیر الدین محمد
علی بن احمد غوری
صدرالدین چراغ
عمر غوری
صدرالدین راجن قتال
حافظ سراج الدین سید ابوبکر، مخدوم اخی سجیہ الدین کبیری
نامرالدین محمود بن جہانیاں، محمود شیرازی، شاہ کبیر
قوم الدین لکھنوی، سید شمس، سید ماہ، شاہ عمر شکار پوری
شاہ محمود شکار پوری، جمال درویش، سید اشرف جہانگیر سمنانی یوسف بدھ
عبداللہ جہانیاں، بدر بھکری، سید شمس، سید سکندر بن مسعط
مولانا عطاء اللہ، سید اسماعیل بخاری، احمد بن محمد، علم الدین پلائیں، سید مسعود
عارف بلوچ، جلال درویش، تاج الدین بھکری، سلطان حاجی احمد
علاؤ الدین گردیزی، داؤد جہانیاں، یحییٰ ترمذی، شیخ چنائی
شرف الدین مہندی، حماد جمالی، شرف الدین مہندی، محمد خلوی،

سید ناصر الدین محمودؒ بن جہانیاں جہاں گشتؒ (اوچ شریف)

برہان الدین قطب العالم (گجرات کاٹھیاواڑ)

غوث رکن الدین نوریؒ	شاہ عالم گجراتیؒ (کاٹھیاوار)
حسام الدین فخر اولیاءؒ	حسام الدین متقیؒ
بہلول شاہ دریائیؒ	شیخ میلونؒ
خواجہ حسینؒ	مخدوم چنیؒ

مخدوم برہان الدین ثانیؒ

واسطہ اول	واسطہ دوم	واسطہ سوم
محمد یوسف قریشی ملتانیؒ	مخدوم طیبؒ	خضر علیہ السلام والا سبق
مخدوم شہر اللہؒ	خواجہ عبدالکریمؒ	میراں محمد شاہؒ بھیروی
شاہ کبیر احمدؒ	عبدالجلیلؒ	حامد شاہؒ
مونگاوئیؒ (سیالکوٹ)	علی احمدؒ	شیخ مسعودؒ (رانی وال)
سید سرمستؒ (سیالکوٹ)	محمد فاضلؒ	نوٹ: مندرجہ بالا کے علاوہ بابا قطب الدین وڑائچ پور گجرات نے بھی میراں محمد شاہ والا سبق ۱۔ میراں محمد شاہ والا سبق ۲۔ خضر علیہ السلام والا سبق اور ۳۔ شیخ مسعود والا سبق بھی تلقین فرمائے۔
شاہ دولاؒ (گجرات)	جملہ شاہؒ	
بابا جنگو شاہ قلندرؒ	بابا رمضان شاہؒ	

بابا جی میاں غلام محمد سہروردیؒ حیات گڑھی

چودھری غلام رسولؒ (رسول پور گجرات)	چوہدری محمد حسینؒ (گنیانوالہ گجرات)
میاں فضل الٰہیؒ (پورہ ہراں سیالکوٹ)	سید حسین شاہؒ (گجرات)
سید مہدی شاہؒ (گجرات)	صوفی فیروز الدینؒ (چیلہ)
سید احمد شاہؒ (بھلوال)	سائیں علی گوہرؒ (جھینڈر)
سید باغ علیؒ (بھاگووال)	غلام محمد (ملکوال)

مجدد سلسلہ سہروردیہ غوث زمان قلندر رسول نما حضرت ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ

چوہدری اقبال حمیدؒ (کراچی)	صوفی فیروز الدینؒ (لاہور)
مرزا غلام محی الدینؒ (لاہور)	چودھری محمد شفیعؒ (فیصل آباد)
میاں معراج الدینؒ (جنجر وال لاہور)	سعید احمد قریشیؒ (پنڈی بھٹیاں)
مولوی غلام نبیؒ (گوجرہ منڈی)	صوفی عبدالقدیر خزانچیؒ (لودھراں)
قلندر بابا اولیاءؒ (کراچی)	

راقم الحروف کے ریکارڈ کے مطابق حضرت قبلہؒ کے خلفاء نے اپنے اصحاب میں سے اور حضرت قبلہؒ کے اصحاب میں سے جن حضرات کو ازاں بعد خرقہ ءخلافت عطا فرمایا اُن میں چند ایک حسب ذیل ہیں۔ تفصیل کی عدم دستیابی کی وجہ سے معذرت خواہ ہوں۔

چودھری محمد اقبال حمیدؒ کراچی | صوفی فیروز الدینؒ لاہور | میاں معراج الدینؒ سنجر وال | قلندر بابا اولیاء کراچی
شمس الدین عظیمی کراچی

صاحبزادہ فیض احمدؒ
شیخ محمد یعقوبؒ کراچی
صاحبزادہ محمد منظور احمدؒ
میاں محمود عالمؒ "
عبدالسلامؒ راولپنڈی
خواجہ صغیر احمد کراچی
جاوید اقبال کراچی

صوفی چنن دینؒ لاہور
میاں عبدالقیومؒ لاہور

صاحبزادہ امتیاز احمد تاجؒ
(مرید حاجی معراج الدین)
صوفی عبدالکریمؒ
(مرید حضرت قبلہؒ)
صوفی محمد نذیر غوری لاہور
صوفی فضل الرحمٰنؒ
حاجی نظام الدینؒ
(بورے والا)
چودھری شاہ محمدؒ
مولانا محمد یوسفؒ
میاں جمیل احمد
حاجی میاں منیر احمد
(مرید حاجی معراج الدین)
میاں محمد حسینؒ

خلفاء سید فیض احمدؒ سہروردی
صاحبزادہ شاہد رسول
ڈاکٹر یعقوب علی خانؒ سکھر
سید ممتاز حسین خانیوال
سید ریاض الدینؒ کراچی
چودھری غلام رسولؒ
(بورے والا)
صوفی محمد رمضانؒ خانیوال
چودھری محمد نواز لاہور
خواجہ محمد یونس معدوم"

خلفاء سید ممتاز حسین شاہ
سید اظہر حسین
سید اسلم حسین سعیدی
مولانا محمد حنیف
حاجی ناصر محمود
سید ذوالفقار حسین
سید مصباح الحسنین

خلفاء صوفی فضل الرحمٰن
صاحبزادہ سجاد احمد گیلانی
صاحبزادہ کاشف رسول
میاں اعجاز احمد حیات گڑھی
حاجی محمد انور سلطان
(مرید حاجی معراج دینؒ)
ڈاکٹر عبدالحمید قریشی جہلم
چودھری محمد رشید (بوریوالا)
(مرید حضرت قبلہؒ)
الحاج میاں ظفر اقبال
(سنجر وال)
غازی سید سراج الدین
(مرید حضرت قبلہؒ)
سید محمد اویس
(مرید محمد صوفی نذیر غوری)

صاحبزادہ شاہد رسول سہروردی نے متعدد حضرات کو خرقہ خلافت سے نوازا جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(الف) حضرت قبلہؒ کے مریدوں میں سے (۱) غلام محمود صالح قریشی لاہور (۲) صوفی محمد صادق دادو (۳) احسان الحق خاور (لاہور) (۴) صوفی محمد شریف (لاہور)۔

(ب) اپنے والد محترم صاحبزادہ فیض احمد سہروردیؒ کے مریدوں میں سے (۱) چودھری محمد سعید (لاہور) (۲) ملک محمد انور اعوان (لاہور)۔

(ج) اپنے مریدوں میں سے۔ محمد طفیل (ملتان)، چودھری شہباز خان (بھکر) راجہ محمد ابراہیم (لاہور) سید ضیاء الحق (لاہور)، سید محمد انور شاہ (سکھر) سید دلاور حسین شاہ (سکھر) مشتاق علی خان (ایبٹ آباد)، عبدالستار خان (فیصل آباد) چودھری محمد اسماعیل (فیصل آباد)، صاحبزادہ عبدالرشید خان (جلالپور جٹاں)، محمد نعیم طاہر (سنجر پور)، امیر اکبر (لاہور)۔

ملت کے ساتھ رابطہ اُستوار رکھ پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

"مرشد"

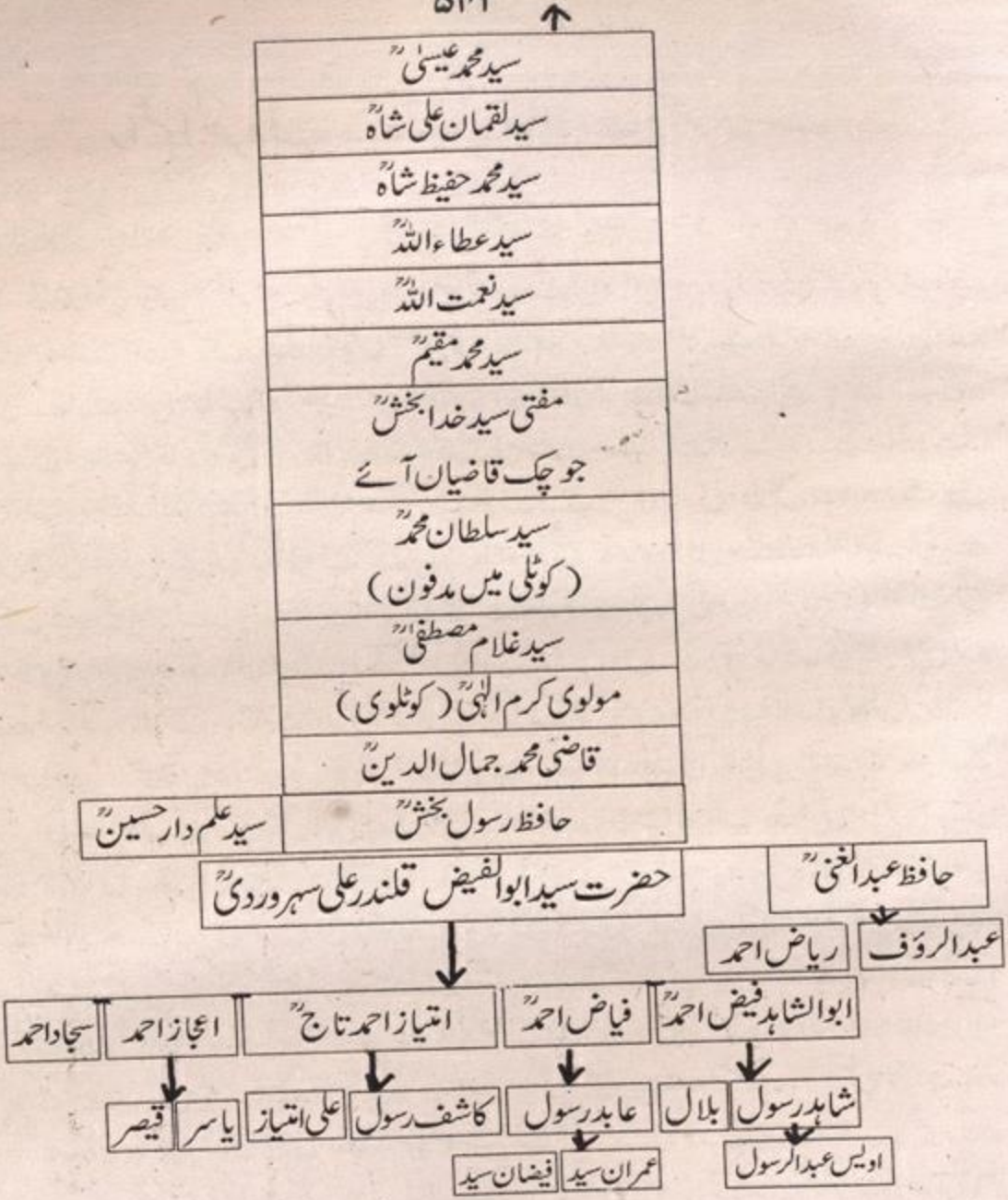
(اقبالؒ)

نسب نامہ سادات کرام گیلانی (کوٹلوی)

حضرت قبلہ رحمتہ اللہ علیہ نے جو اپنا نسب نامہ مرتب فرمایا ہے وہ سیدنا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کیا ہے علاوہ ازیں اپنے آبا مفتی سید خدا بخش (جو چک قاضیاں آئے) ان کی جملہ اولاد بالتفصیل اپنے نسب نامہ میں درج فرمائی ہے مگر اس مختصر نامہ میں چونکہ تفصیل کی گنجائش نہیں اس لئے راقم الحروف نے اسے حضرت غوث الاعظم پیران پیر دستگیرؒ سے شروع کر کے صرف حضرت قبلہؒ کی لڑی تک محدود رکھا ہے۔ اس خاندانِ عالیہ کے جو اصحاب تفصیلی نسب نامہ ملاحظہ کرنے کے خواہش مند ہوں وہ صاحبزادہ امتیاز احمد تاج سہروردی یا صاحبزادہ سید شاہد رسول سہروردی کے ہاں مکمل نسب نامہ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

غوث الاعظم پیراں پیر دستگیر سید ابو محمد محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ
ابوبکر عبدالرزاقؒ
ابونصر سید محمد صالحؒ
ابو محمد عبداللہ محی الدین ثانیؒ
ابوالفضل احمد ضوؒ
محمد ضو عرف شمس الدینؒ
سید عباس میر مسعودؒ
سید علیؒ
سید محی الدین ثالثؒ
سیدنا ابوالحسن علی قاری شاہؒ بدیع الدین آغا شہیدؒ
ابوالفتح خان بہادر فیروز الدینؒ

↓


سید محمد عیسیٰ ؒ
سید لقمان علی شاہؒ
سید محمد حفیظ شاہؒ
سید عطاء اللہؒ
سید نعمت اللہؒ
سید محمد مقیمؒ
مفتی سید خدا بخشؒ
جو چک قاضیاں آئے
سید سلطان محمدؒ
(کوٹلی میں مدفون)
سید غلام مصطفیٰؒ
مولوی کرم الٰہیؒ (کوٹلوی)
قاضی محمد جمال الدینؒ
حافظ رسول بخشؒ
سید علم دار حسینؒ
حضرت سید ابوالفیض قلندر علی سہروردیؒ
حافظ عبدالغنیؒ
عبدالرؤف
ریاض احمد
ابوالشاہد فیض احمدؒ
فیاض احمدؒ
امتیاز احمد تاجؒ
اعجاز احمد
سجاد احمد
شاہد رسول
بلال
عابد رسول
کاشف رسول
علی امتیاز
یاسر
قیصر
اویس عبدالرسول
عمران سید
فیضان سید

راقم الحروف کے آبائی حالات وشجرہ نسب

لاکھ آوارہ و رسوا سہی پھر بھی اک نسبت ہے تیرے نام سے

خاندانی پس منظر:- راقم الحروف مؤلف کے آباؤ اجداد دور اکبری میں مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا تعلق راجہ ٹوڈرمل کھشتری سے تھا جو شہنشاہ اکبر کے وزیر مال اور نورتنوں میں سے تھے۔ یہ اصحاب دور مغلیہ میں قانونگو Law Makers تھے۔ اسی نسبت سے بعد از قبول اسلام ''قانونگو شیخ'' کہلائے۔ ''وقائع زمستان حصار'' ''الموسوسہ'' ''تواریخ سیالکوٹ'' (مولفہ عبدالصمد غلام محمد جو ''مطبع صمدی'' سیالکوٹ سے ۱۳۴۰ ہجری مطابق ۱۸۸۷ عیسوی میں شائع ہوئی) میں راقم الحروف کے آباؤ اجداد جو شیخ قانونگو وڈیہرہ تھے کا اکثر جگہ بحیثیت رئیس و جاگیردار ذکر آیا ہے۔ چنانچہ شیخ عزت اللہ وڈیہرہ رئیس و جاگیردار سیالکوٹ، شیخ اسلام یار وڈیہرہ اور مائی پھلاں کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے دور شاہجہانی میں اپنی گرہ سے مساجد، تالاب، باغات اور کئی کنویں تعمیر کرائے (کھیم چند وڈیہرہ بعد از قبول اسلام) المعروف ''کھیماں وڈیہرہ'' کا تذکرہ حضرت شاہ دولا دریائی گجراتی رحمتہ اللہ علیہ کے ابتدائی حالات کے ضمن میں آیا ہے کہ حضرت موصوف رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی اوائل عمر میں شیخ کھیماں کے ہاں ملازمت اختیار فرمائی اور اسی دوران شاہ سید اسرمست رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ اسی طرح شیخ رنگا وڈیہرہ کا بھی ذکر آیا ہے جن کے نام پر محلہ رنگ پورہ سیالکوٹ میں آج بھی مشہور ہے۔ وڈیہرہ ذات کے کھشتری زیادہ تر پنجاب اور جموں و کشمیر میں آباد ہوئے۔ سیالکوٹ کے قانونگو شیخ وڈیہرہ کا شمار شہر کے رؤسا و مشاہیر اور جاگیرداروں میں ہوتا ہے۔ قانونگو شیخ' برادری بڑی وسیع ہے اور برصغیر بالخصوص پنجاب اور کشمیر میں جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔ سیالکوٹ کے شیخ محمد سوداگر ریاست جموں وکشمیر کے وزیراعظم تھے۔ سیالکوٹ کا مشہور ''تالاب شیخ سوداگر'' انہوں نے ہی تعمیر کرایا تھا۔ شام چوراسی والے الشیخ العارف الکبیر عبدالنبی رحمتہ اللہ علیہ کھشتریوں کی گوتھ ''بہل'' سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی اولاد شامی کہلاتی ہے۔ ''بابائے اردو'' مولوی شیخ عبدالحق قصبہ ہاپڑ ضلع میرٹھ کے رہنے والے تھے۔ آپ کے آباؤ اجداد شاہجہان کے عہد میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ دیوان سر شیخ عبدالحمید وزیراعظم کپورتھلہ، جالندھر کی قانونگو برادری سے اور سر شیخ

عبدالقادر لدھیانہ کی ''قانون گو'' برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ قصور کے ''قانونگو شیخوں'' کا تعلق شیخ شہاب الدین جاگیردار اور کرنل الٰہی بخش کمانڈر بہاولپور سے ہے۔ جموں کشمیر کے قانونگو بالعموم ''ودادن'' ہیں۔ گوجرانوالہ اور ملتان کے اکثر قانونگو شیخوں کا تعلق دیوان ساون مل والی ءملتان سے ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں گورنر ملتان تھے۔ ملتان کے اروڑہ کھتری حضرت شاہ شمس سبزواریؒ کے دست حق پرست پر ۶۷۰ ہجری (۱۲۷۱ عیسوی) کے لگ بھگ مسلمان ہوئے اور ان میں سے بعض خاندان دور مغلیہ میں ضلع گورداسپور (مشرقی پنجاب بھارت) میں مستقل طور پر نقل مکانی کر آئے۔

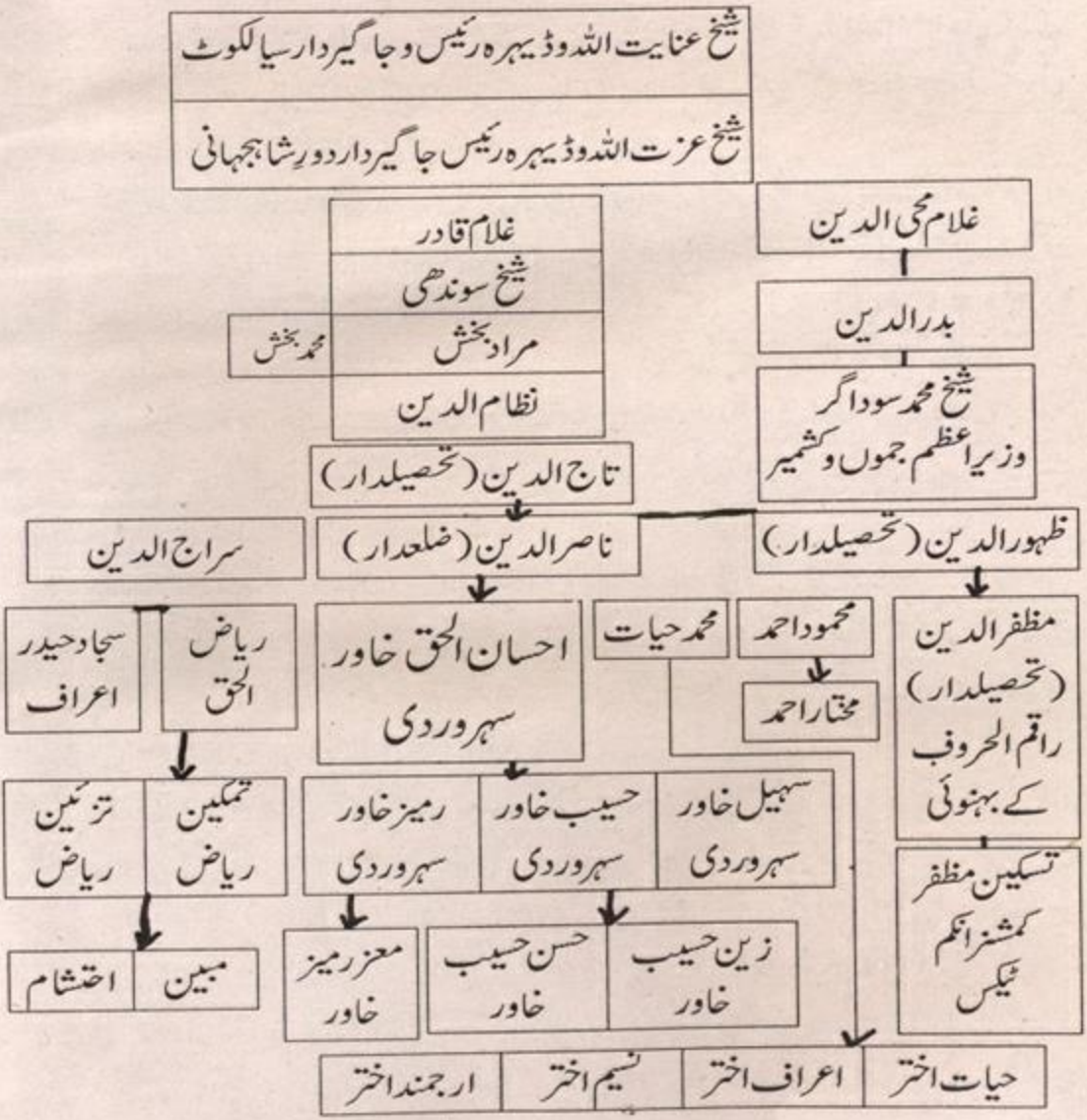
حقیقت یہ ہے کہ قانونگو شیخ برادری بڑی وسیع ہے اور برصغیر بالخصوص پنجاب اور جموں و کشمیر میں جا بجا پھیلی ہوئی ہے۔ ان میں ہر ایک کی گوتھ (Sub Cast) کے مورث اعلیٰ کا مشرف با اسلام ہونا اور ازاں بعد اس خاندان کی دینی، علمی، ثقافتی یا سماجی خدمات وغیرہ کا تذکرہ ایک علیحدہ اور سیر حاصل تبصرہ کا محتاج ہے، جس کی اس مختصر نامہ میں گنجائش نہیں۔ اس خاندان کے لوگ دورِ مغلیہ سے عہدِ حاضر تک نہایت ذمہ دار کلیدی اور اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں اور رہے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ''قانونگو شیخ برادری'' بڑی اولوالعزم ہستیوں پر مشتمل ہے جس میں بڑے بڑے مشاہیر پیدا ہوئے۔

بطور تعارف خاندان (مذکورہ بالا کے علاوہ) چند ایک درج ذیل ہیں۔

(۱) ڈاکٹر بشارت اللہ جذبی مشیر صحت (۲) شیخ عزیز احمد وزیر خارجہ (۳) شیخ انوار الحق چیف جسٹس (۴) جسٹس شیخ محمد شریف (۵) جسٹس شیخ بشیر احمد (۶) جسٹس شیخ عطاء اللہ سجاد (۷) شیخ منظور قادر وزیر خارجہ (۸) شیخ اکرام الحق چیف سیکرٹری (۹) شیخ اکرام علی انسپکٹر جنرل جیل خانہ جات (۱۰) شیخ عزیز الحمید مینجنگ ڈائریکٹر واپڈا (۱۱) شیخ نذیر احمد سیکرٹری مرکزی حکومت (۱۲) شیخ محمد سوداگر وڈیہرہ وزیر اعظم جموں کشمیر (۱۳) شیخ محمد مسلم ڈائریکٹر کوآپریٹو سوسائٹیز (۱۴) عبدالطیف سیٹلمنٹ کمشنر (۱۵) شیخ انعام علی سیشن جج (۱۶) شیخ عبدالمجید اصغر سیشن جج (۱۷) لیفٹیننٹ جنرل کے ایم شیخ (۱۸) بریگیڈیئر اے آر شامی (۱۹) شیخ فضل کریم سیکرٹری حکومت پنجاب (۲۵) شیخ محمد سلیم انسپکٹر جنرل پولیس جموں و کشمیر (۲۱) شیخ محمد انور ڈائریکٹر نیشنل سیونگز پنجاب (۲۲) شیخ محمد رشید گورنر جموں (۲۳) شیخ محمد اقبال پروپرائیٹر گرینڈ بیٹریز (۲۴) شیخ فضل دین اینڈ سنز مال روڈ لاہور (۲۵) شیخ نصیر الدین ہمایوں قومی کتب خانہ لاہور (۲۶) شیخ تسکین مظفر انکم ٹیکس کمشنر (۲۷) شیخ محمد احمد ڈائریکٹر (ریڈیو پاکستان)۔

شجرہ نسب

وڈیہرہ قانونگوشیخاں کے درج ذیل شجرہ نسب میں راقم الحروف نے صرف اپنی لڑی کی تکمیل درج کی ہے کیونکہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔



تمت بالخیر

بعد از وفات تربتِ ما در زمیں مجوُ
در سینہ ہائے مرد ماں عارف مزارِ ماست

